خواتین ڈائجسٹ
مارچ 2017
MARCH 2017

آپ سے کیا پردہ

میری ڈائری

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

نظمیں

Watch Us On
YouTube

چہرے کے فالتو بالوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

چہرے کی جھُریوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

مارچ 2017

جلد 44 شمارہ 11

قیمت 60 روپے

خط وکتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اُردو بازار، کراچی۔

پبلشر آذر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

خواتین ڈائجسٹ کا مارچ کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

انسان کی زندگی کی بنیاد، اس کی زندگی کا محور اور نظریہ حیات اس کا عقیدہ ہوتا ہے۔ ایک مسلمان جب دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو اس کے کانوں میں دی جانے والی اذان اللہ کی وحدانیت کا اعلان ہوتا ہے۔ ایک رب، ایک معبود، واحد اور احد۔

ایک اللہ کو ماننے والے اور سینکڑوں بتوں کی پوجا کرنے والے کبھی ایک قوم نہیں ہوتے، ہو ہی نہیں سکتے۔ تاریخ کے ادوار اس کے گواہ ہیں کہ اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھنے والوں اور پتھر سے تراشے خود ساختہ معبودوں کو ماننے والوں کے درمیان ہمیشہ تفریق رہی ہے اور رہے گی۔

ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں، جن کا عقیدہ، مذہب اور روایات مختلف ہیں۔ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔

23 مارچ 1940ء وہ تاریخ ساز دن جب مسلم لیگ کے اجلاس میں یہ دو قومی نظریہ پیش کیا گیا اور اسی نظریہ کی بنا پر دنیا کے نقشے پر ایک ملک وجود میں آیا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان۔ پاکستان مسلمانوں کے اتحاد کی بنا پر بنا تھا۔ دشمنوں نے ہمارے اتحاد پر ہی وار کیا اور ہم آدھا پاکستان گنوا بیٹھے۔

پاکستان آج بھی بہت سے خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ جن میں سب سے بڑا مسئلہ دہشت گردی ہے۔ ہم سب کو متحد ہو کر اس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

سالگرہ نمبر۔ سروے،

اس شمارے کے ساتھ خواتین ڈائجسٹ نے اپنی عمر کے 45 سال مکمل کر لیے ہیں۔ اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا۔
سالگرہ نمبر میں دیگر مستقل سلسلوں کے علاوہ حسب روایت قارئین سے سروے بھی شامل ہوگا۔

سوال یہ ہے۔

1۔ خواتین ڈائجسٹ کے اجرا کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ زندگی کے چھوٹے بڑے معاملات میں آپ کی مثبت راستوں کی طرف رہنمائی کر سکیں۔ ہم اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے؟ کیا آپ کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ یا مسئلہ پیش آیا جب خواتین کی کسی تحریر نے آپ کی رہنمائی کی۔

اس سوال کا جواب اس طرح بھجوائیں کہ ہمیں بیس مارچ تک موصول ہو جائے۔
سالگرہ نمبر میں پرانی مصنفین کے ساتھ نئی مصنفین کی تحریریں بھی شامل ہوں گی۔ مصنفین سے درخواست ہے کہ اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوا دیں تاکہ شامل ہو سکیں۔

نیا ناول،

نمرہ احمد کا شمار آپ کی پسندیدہ ترین مصنفین میں ہوتا ہے۔ نمل کے بعد قارئین کی خواہش تھی کہ نمرہ احمد کا سلسلہ وار ناول شروع کیا جائے۔ آپ کے لیے خوش خبری ہے کہ سالگرہ نمبر میں دیگر تحریروں کے ساتھ نمرہ احمد کا ناول بھی شامل ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

اس شمارے میں،

، تنزیلہ ریاض کا مکمل ناول۔ "جم صورت گر کچھ خوابوں کے"، ، حسن المآب۔ سائرہ رضا کا مکمل ناول
، عشق مجذوب۔ مصباح نوشین کا مکمل ناول، ، رشتے کچھ انوکھے سے۔ ام ایمان قاضی کا مکمل ناول،
، راشدہ رفعت اور گل یاسمین کے ناولٹ، ، سیدہ بریس رباب، قرۃ العین سکندر، فاطمہ زیدی، ثنا، عادلہ اور کبرا گل کے افسانے،
، آمنہ ریاض کا ناول۔ دشت جنوں، ، ٹی وی فنکارہ ماہا والانی سے ملاقات، ، باتیں کرن تعبیر سے،
، کرن کرن روشنی، اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔ یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ خط لکھ کر اپنی رائے ضرور دیجیے گا۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے' اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

طہارت کا ثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص جب وضو کرتا ہے اور اچھی طرح (خوب سنوار کر) وضو کرتا ہے' پھر مسجد میں آتا ہے' اسے نماز کے علاوہ کوئی اور مقصد گھر سے نہیں نکالتا' (ایسا شخص) جو قدم بھی اٹھاتا ہے' اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے اور ایک گناہ معاف کرتا ہے۔ (اسے مسلسل یہ ثواب ملتا رہتا ہے) حتیٰ کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔"

فوائد و مسائل:

1۔ وضو کرتے ہوئے اچھی طرح سنوار کر وضو کرنے کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

2۔ بعض اوقات انسان مسجد میں آتا ہے تو اس کا مقصد کسی آدمی سے ملاقات کرنا یا کوئی اور ضرورت پوری کرنا ہوتا ہے مگر ساتھ نماز بھی پڑھ لیتا ہے۔ اس صورت میں نماز کے ثواب میں کمی نہیں آتی لیکن جب صرف نماز کے لیے گھر سے نکلے کوئی اور مقصد نہ ہو تو ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

3۔ نماز اتنا عظیم عمل ہے کہ اس کے لیے مسجد میں آنے کا اس قدر ثواب ہے تو خود نماز اگر پورے آداب و شرائط کا خیال رکھتے ہوئے پڑھی جائے تو کتنی رحمتیں اور برکتیں حاصل ہوں گی' اور یہ نماز کس قدر بلندیٔ درجات کا باعث ہوگی۔

4۔ اللہ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ اس نے بظاہر معمولی نظر آنے والے اعمال کے لیے بہت زیادہ اجر و ثواب مقرر کر رکھا ہے' پھر بھی اگر انسان جہنم سے چھٹکارا پاکر جنت حاصل نہ کر سکے تو یہ حقیقتاً انسان کی بہت بڑی کوتاہی ہے۔

5۔ مسجد کے بجائے اپنے گھر' دفتر اور دکان وغیرہ سے وضو کر کے مسجد میں آنے کا ثواب زیادہ ہے۔

طہارت کی اہمیت و فضیلت

☆ طہارت کے لغوی معنی: لغت میں' میل

سے صاف ہونے' نجاست سے پاک ہونے اور ہر عیب دار قول و فعل سے بری ہونے کا نام "طہارت" ہے۔

☆ اصطلاحی تعریف : شریعت میں حدث اصغر (بے وضو ہونے) کے بعد وضو کرنے اور حدث اکبر (جنبی ہونے) کے بعد غسل کرنے کو "طہارت" کہتے ہیں۔

☆ طہارت کی ضرورت و اہمیت : اسلام طہارت و نظافت کا دین ہے۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو نجاست اور گندگی سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو جسم' لباس' رہنے سہنے کی جگہ' کھانے پینے' غرضیکہ تمام امور حیات میں طہارت و صفائی کا پابند بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی اور امت کے رہنما و مرشد صلی اللہ علیہ وسلم کو صفائی و ستھرائی کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ "(اے نبی!) اپنے کپڑے صاف رکھیے اور گندگی سے دور رہیے۔" (المدثر 54/74)

اسلام کا پہلا درس طہارت ہی ہے۔ اسلام کے بنیادی اور اہم رکن نماز کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کی شرط لگائی ہے۔

اگر پہلے سے باوضو ہوں تو دوبارہ وضو کرنے کی ترغیب دی' صفائی کے اہتمام میں مسواک کی فضیلت و اہمیت واضح فرمائی' پانی موجود نہ ہو تو تیمم مشروع فرما کر سہولت مہیا کر دی تاکہ مسلمان ہر حالت میں صفائی و ستھرائی کو اپنی زندگی کا لازمہ بنائیں۔ اس طرح اسلام کا سارا نظام صفائی و ستھرائی پر مبنی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات کا شاندار اسوہ پیش کیا ہے' آپ ہر نماز سے پہلے' گھر میں داخل ہوتے ہوئے اور صبح بیدار ہونے کے بعد مسواک کرتے۔ لباس و جسم کی صفائی کا اہتمام فرماتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ترغیب بھی دلاتے' مثلاً:

ایک صحابی میلے کچیلے اور بوسیدہ کپڑے پہنے خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

"کیا تمہارے پاس مال نہیں ہے؟؟"

وہ کہنے لگا: کیوں نہیں' اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نعمت عطا کی ہوئی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پھر تمہارے رہن سہن میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار بھی ہونا چاہیے۔" (مجمع الزوائد: 132/5' وسلسلہ الاحادیث الصحیحۃ: 311/3)

اسلام کے اس روشن اور پاک صاف نظام کے مقابلے میں یہودیت' عیسائیت' ہندومت' بدھ مت یا سکھ مت کو دیکھیں تو ان کی ساری زندگی غلاظت و گندگی میں غرق نظر آتی ہے۔ غسل و صفائی سے ناآشنا یہ اقوام پلیدی و نجاست کی پیداوار میں دن رات اضافے کا باعث بن رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اسلامی نظام طہارت پر تعجب ہوتا ہے جیسا کہ ایک یہودی نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بہ طور طنز کہا:

"سنا ہے آپ کا رسول آپ کو رفع حاجت کے طریقے بھی سکھاتا ہے؟؟"

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بغیر کوئی خفت اور شرمندگی محسوس کیے کمال خود اعتمادی اور فخر و سرشاری سے جواب دیا۔

"ہاں' ہمارا نبی ہمیں ہر بات کی تعلیم دیتا ہے حتیٰ کہ رفع حاجت کے آداب بھی سکھاتا ہے۔"

اس پر یہود و نصاریٰ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ (صحیح مسلم' الطہارۃ' باب الاستطابۃ' حدیث: ۲۶۲)

اسی تعلیم و تربیت کے سائے میں پرورش پانے والے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف و توصیف خود رب العالمین نے بیان کی ہے۔

ارشاد ہے۔ "اس (مسجد قباء) میں ایسے لوگ (نماز پڑھتے) ہیں جو طہارت کو بہت پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ طہارت کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (التوبہ 9

(108/

یہ آیت کریمہ اہل قبا کی شان میں نازل ہوئی جو قضائے حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرتے تھے اور جنابت کے بعد غسل کرتے تھے۔ اسلام کے اس نظام طہارت کی شان واہمیت بیان کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "طہارت نصف ایمان ہے۔" (صحیح مسلم۔223)

اسلام کے نظام طہارت نے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے پر مہر تصدیق ثابت کردی ہے جبکہ غیر مسلم اقوام کے نظام ہائے حیات کو دیکھ کر انسانیت شرمندہ ہو جاتی ہے۔ حیوانات اور ان کی زندگی میں کچھ فرق محسوس نہیں ہوتا' اس لیے ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اسلام وہ نظام ہے جو پوری انسانیت کا رہنما اور قائد ہو سکتا ہے۔

وضو اور غسل کے لیے پانی کی مقدار

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد (پانی) سے وضو اور ایک صاع (پانی) سے غسل کرلیا کرتے تھے۔ (مسلم)"

فوائد و مسائل :

1 ۔ "صاع" پیمائش کا ایک پیمانہ ہے۔ کلو گرام کے حساب سے اس کی مقدار دو کلو سو گرام اور بعض کے نزدیک ڈھائی کلو ہے۔

مد صاع کے چوتھائی (1/4 صاع) کو کہتے ہیں' اس کی مقدار پانچ سو پچیس گرام ہے۔ مائعات کے لیے صاع تقریباً "دو لیٹر سے کچھ زائد اور مد اس سے چوتھائی سمجھا جا سکتا ہے۔

غسل اور وضو کے لیے یہ مقدار ذکر کرنے کا یہ مقصد نہیں کہ اس سے کم یا زیادہ پانی استعمال کرنا جائز نہیں۔ مقصد محض ایک اندازہ بیان کرنا ہے تاکہ بلاوجہ

بہت زیادہ پانی ضائع نہ کیا جائے' بلکہ تھوڑے پانی کو اس طریقے سے استعمال کیا جائے کہ پوری طرح صفائی حاصل ہو جائے البتہ صدقہ' فطر وغیرہ میں "صاع" سے کم مقدار میں غلہ ادا کرنا درست نہیں۔

پانی کی مقدار

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد (پانی) سے وضو اور ایک صاع (پانی) سے غسل فرماتے تھے۔" (ابوداؤد)

پانی کی کفایت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد (پانی) سے وضو اور ایک صاع (پانی) سے غسل فرماتے تھے۔"

سب سے افضل

حضرت عقیل بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وضو کے لیے ایک مد (پانی) اور غسل کے لیے ایک صاع (پانی) کافی ہے۔"

ایک آدمی نے کہا: "ہمارے لیے تو کافی نہیں ہوتا۔"

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ان کو تو کافی ہوتا تھا جو تجھ سے افضل تھے اور ان کے بال بھی تجھ سے زیادہ تھے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔"

فائدہ : حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ پانی استعمال کرنے کا مقصد اگر طہارت اور صفائی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفائی پسند تھے' اگر احتیاط مطلوب ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ متقی تھے۔ اگر یہ خیال ہے کہ بال زیادہ ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بھی تجھ سے کم نہ تھے' لہٰذا سائل کا زیادہ پانی استعمال کرنا محض شک اور وسوسے کی وجہ سے ہو سکتا ہے یا

اسراف کی وجہ سے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

پاکیزگی کے بغیر نماز قبول نہیں

حضرت اسامہ بن عمیر ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ پاکیزگی کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا اور خیانت کے مال میں سے (دیا ہوا) صدقہ قبول نہیں فرماتا۔" (ابوداؤد)

فوائد و مسائل:

1۔ "پاکیزگی" سے مراد وضو اور غسل ہے۔ نماز کے لیے شرط ہے کہ نمازی حدث اصغر، حدث اکبر اور ظاہری نجاست سے پاک ہو۔

2۔ ظاہری نجاست دھونے سے، حدث اصغر وضو سے اور حدث اکبر غسل سے دور ہوتا ہے۔

"حدث" سے مراد انسان کا ایسی حالت میں ہونا ہے جس سے وضو یا غسل کرنا ضروری ہو، جیسے باوضو شخص کی ہوا خارج ہو جائے یا وہ قضائے حاجت کر لے تو اس کا وضو برقرار نہیں رہتا۔ یہ حالت حدث اصغر کہلاتی ہے۔ اگر غسل کی حاجت ہو تو یہ حالت حدث اکبر کہلاتی ہے۔ ایسی حالت میں غسل ضروری ہے۔

3۔ قبول نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ثواب نہیں ملتا اور اگر وہ فرض نماز ہے تو انسان کے ذمہ اس کی ادائیگی باقی رہتی ہے۔

4۔ "خیانت کے مال" کے لیے حدیث میں لفظ "غلول" استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد مال غنیمت میں کی ہوئی خیانت ہے، یعنی جہاد میں کافروں سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کے مجاہدین میں باقاعدہ تقسیم ہونے سے پہلے اگر کوئی مجاہد اس میں سے کوئی چیز اپنے قبضے میں رکھتا ہے تو یہ مسلمانوں کے اجتماعی مال میں خیانت ہے جو بہت بڑا گناہ ہے۔ اس طریقے سے حاصل ہونے والا مال حرام کمائی میں شامل ہے لہٰذا اس کو اگر نیکی کے کسی کام میں خرچ کیا جائے تو وہ اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں یعنی جس طرح مال کو خرچ کرتے وقت حلال و حرام مصرف کا خیال رکھنا ضروری ہے اسی طرح مال کے حصول میں بھی حلال و حرام میں تمیز کرنا ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ پاکیزگی کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا اور خیانت کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں فرماتا۔" (مسلم)

پاکیزگی نماز کی کنجی ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نماز کی کنجی پاکیزگی ہے اور نماز کی تحریم (اس میں پابندیاں لگانے والی چیز) تکبیر ہے اور نماز کی تحلیل (اس میں پابندیاں ختم کرنے والی چیز) سلام ہے۔" (ابوداؤد)

فوائد و مسائل:

1۔ جس طرح کنجی کے بغیر تالا نہیں کھلتا اسی طرح حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہوئے بغیر نماز میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ طہارت نماز کے لیے شرط ہے۔

2۔ تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے سے نماز کے منافی تمام امور ممنوع ہو جاتے ہیں۔ اس لیے نماز میں داخل ہوتے وقت کہی جانے والی پہلی تکبیر کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے نماز میں اس کی وہی حیثیت ہے جو حج میں "احرام" باندھنے کی ہے جس سے حاجی پر کچھ پابندیاں لگ جاتی ہیں۔

3۔ تکبیر تحریمہ سے لگنے والی پابندیاں اس وقت اٹھتی ہیں جب نمازی سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتا ہے، اس لیے اسے "تحلیل" کہا گیا ہے، یعنی جو چیزیں نماز میں حرام اور ممنوع تھیں، اب وہ حلال اور جائز ہو گئیں۔

4۔ نماز میں داخل ہونے کا طریقہ تکبیر ہی ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کلمے سے یا کسی دوسری زبان

میں اللہ کا نام لے کر انسان نماز میں داخل نہیں ہو سکتا۔ بعض علما کا یہ موقف درست نہیں کہ اللہ کا نام کسی طرح سے بھی لے لیا جائے نماز شروع ہو جاتی ہے'خواہ "اللہ اعظم" کہا جائے یا "اللہ کبیر" وغیرہ۔
بعض علما کی رائے ہے کہ نمازی نماز کے باقی اعمال پورے کرنے کے بعد سلام کے بجائے کوئی ایسا عمل کر لے جو نماز کے منافی ہو تو نماز مکمل ہو جاتی ہے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے سلام۔

وضو کی حفاظت کرنا

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے'اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"سیدھی راہ پر قائم رہو اور تم (کماحقہ) قائم نہیں رہ سکو گے اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے اور وضو کی حفاظت مومن ہی کرتا ہے۔"

فوائد و مسائل :
1 ۔"سیدھی راہ پر قائم رہو" اس کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام پر قائم رہو'جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ اسلام نے اپنی اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ "تمہیں جب بھی موت آئے' اسلام پر آئے۔" ترجمہ (البقرہ 2 / 132)
2 ۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ افراط و تفریط سے بچ کر راہ اعتدال پر قائم رہو۔نہ ذکر و عبادت سے بے پروائی کرو نہ خود پر اتنا بوجھ ڈال لو کہ اس پر کاربند رہنا دشوار ہو جائے۔کوئی شخص اس انداز سے نیکی کی راہ پر قائم نہیں رہ سکتا کہ اس سے کوئی غلطی اور کوتاہی سرزد نہ ہو نہ یہ ممکن ہے کہ ذکر'شکر اور عبادت کا حق ادا کر سکے۔یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے۔ ترجمہ "اسے معلوم ہے کہ تم پوری طرح نباہ نہ سکو گے۔" (المزمل 73 ,20)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔
"(اے اللہ!) میں تیری پوری پوری تعریف نہیں کر سکتا'تو ایسے ہی ہے جیسے تو نے اپنی ثنا فرمائی۔" (صحیح مسلم 486)
3 ۔ وضو کا قائم رہنا یا ٹوٹ جانا ایسی چیز ہے'جس کا علم دوسروں کو عام طور پر نہیں ہوتا اور اس معاملے کو آسانی سے پوشیدہ رکھا جا سکتا ہے۔اس کا اہتمام محض اسی یقین کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ دوسرے جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں'اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔وضو کی حفاظت کا مطلب اولا" سردیوں اور گرمیوں میں پوری طرح اعضاء کو دھونا ہے۔ ثانیا" وضو کرتے وقت اعضاء کو توجہ سے دھونا کہ کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے۔ اور ثالثا" زیادہ سے زیادہ اوقات میں باوضو رہنا بھی ہو سکتا ہے اور یہ کام ایمان کی قوت کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا۔

نماز کی اہمیت

"ایمان ایک قلبی کیفیت ہے جس کا اظہار اعمال سے ہوتا ہے۔ اعمال میں اہم ترین عمل نماز ہے۔ فرضی نماز تو اتنا اہم عمل ہے کہ اسے کفر اور ایمان کے درمیان امتیاز کے لیے ایک علامت قرار دیا گیا ہے۔ متقین کی سب سے اہم صفت اور اخروی فلاح و کامیابی کے لیے اولین شرط نماز کو قرار دیا گیا ہے۔(سورۃ البقرۃ:۲/۲-۵)
نفل نماز کی اپنی اہمیت ہے۔

جنت میں رفاقت

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ وہ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام کے حصول کا طریقہ بتایا اور فرمایا۔
"سجدوں کی کثرت کے ذریعے سے اپنے نفس کے خلاف میری مدد کرو۔" (صحیح مسلم۔489)

ہم لوگ تو ظلمت میں

انشا جی

ہم لوگ تو ظلمت میں جینے کے بھی عادی ہیں
اس درد نے کیوں دل میں شمعیں سی جلادی ہیں
اک یاد پہ آہوں کا طوفان امڈ آتا ہے
اک ذکر پہ اب دل کو تھاما نہیں جاتا ہے
اک نام پہ آنکھوں میں آنسو چلے آتے ہیں
جی ہم کو جلاتا ہے' ہم جی کو جلاتے ہیں
ہم لوگ تو مدت سے آوارۂ و حیراں تھے
اس شخص کے گیسو کب اس طور پریشاں تھے
یہ شخص مگر اے دل پردیس سدھارے گا
یہ درد ہمیں جانے کس گھاٹ اتارے گا
پھر عشق کا چکر ہے انشا کے ستاروں کو
ہاں جاکے مبارک دو' پھر بخد میں یاروں کو

باتیں کرن تعیم سے

شاہین رشید

1۔ ''اصلی نام؟''
''سائرہ ملک۔''

2۔ ''پیار سے کیا بلاتے ہیں؟''
''سب مجھے پیار سے کرن کہتے ہیں تو بس یہ نام ہی سب کی زبان پر چڑھ گیا۔''

3۔ ''تاریخ پیدائش؟''
''7 مارچ 1993ء۔''

4۔ ''قد/ستارہ؟''
''5 فٹ 5 انچ/Pises۔(حوت)''

5۔ ''مادری زبان؟''
''پنجابی۔''

6۔ ''فیملی ممبرز؟''
''ہم سات فیملی ممبرز ہیں پانچ بہن بھائی اور والدین اور میرا نمبر آخری ہے۔''

7۔ ''تعلیمی قابلیت؟''
''گریجویشن ان فائن آرٹ۔''

8۔ ''شادی؟''
''جی ہو چکی ہے اور 2017ء میں پورے چھ سال ہو گئے ہیں اور ساتواں شروع ہو گیا ہے جنوری 2017ء میں۔''

9۔ ''شوبزنس میں آمد؟''
''آغاز ریڈیو سے کیا اور پھر آہستہ آہستہ ٹی وی ڈراموں تک آ گئی کہ راستے بنتے چلے گئے۔''

10۔ ''آپ کے علاوہ کون سے اس فیلڈ میں؟''

"کوئی نہیں ہے اور فیوچر کا مجھے پتا نہیں ہے۔"

11۔ "فیلڈ کے لیے گھر والوں کا ردعمل؟"

"جی ابو نے 'امی نے 'بھائی نے بہت اعتراضات کیے مگر پھر امی اچانک ہی میری طرف دار ہو گئیں۔ اور پھر سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔"

12۔ "پہلا پروگرام / وجہ شہرت؟"

"شروع شروع میں تو چھوٹے چھوٹے کردار ہی کیے اور وجہ شہرت جو پروگرام بنا وہ "ہم سب امید سے ہیں" بنا اور میں نے اس پروگرام کی میزبانی کی تھی۔"

13۔ "پہلی کمائی؟"

"ایک ٹیلی فلم میں ایک سین کے لیے مجھے بلایا گیا تھا اور پانچ سو روپے مجھے ملے تھے اور یہی میری پہلی کمائی تھی۔"

14۔ "بڑے ہو کر کیا بننا چاہتی تھیں؟"

"بہت سے خواب تھے 'کبھی سوچتی تھی کہ انٹیریر ڈیزائنر بن جاؤں 'کبھی فیشن ڈیزائنر بننا چاہتی تھی' کبھی ڈاکٹر تو کبھی وکیل 'مگر غیر ارادی طور پر مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ میں ایکٹر بننا چاہتی ہوں کیونکہ ایک ایکٹر یہ سب کچھ کر سکتا ہے اپنے رول کے ذریعے۔"

15۔ "کیا آپ صبح اٹھ جاتی ہیں؟"

"پہلے نہیں اٹھ پاتی تھی 'مگر اب اٹھ جاتی ہوں۔"

16۔ "اٹھتے ہی کیا دل چاہتا ہے؟"

"کہ تھوڑی دیر کے لیے دوبارہ سو جاؤں۔ لیکن ایسا ہو نہیں سکتا کہ شوٹ پہ جانا ہوتا ہے۔"

17۔ "گھر کے کاموں سے دلچسپی؟"

"بالکل بھی لگاؤ نہیں ہے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مگر سر پر پڑے تو کر لیتی ہوں اچھے طریقے سے۔"

18۔ "کیا اچھا پکا لیتی ہیں؟"

"مجھے لگتا ہے کہ میں دال چاول اچھے پکا لیتی ہوں جبکہ میرے میاں صاحب کہتے ہیں کہ میں بریانی اچھی پکا لیتی ہوں۔"

19۔ "پسندیدہ تہوار؟"

"چاند رات اور عید۔"

20۔ "بھوک کو کم کرنے کے لیے کیا کھاتی ہیں؟"

"جو بھی مل جائے چاہے وہ کھانا ہو یا بسکٹ ہوں۔"

21۔ "تھکن میں بھی کہاں جانے کو دل چاہتا ہے؟"

"صرف اور صرف اپنے گھر 'گھر جا کر سیدھی اپنے بیڈ پر جا کر لیٹ جاتی ہوں۔"

22۔ "آپ اداس ہو جاتی ہیں؟"

"کسی کی بھی کوئی بری خبر مجھے اداس کر دیتی ہے۔"

23۔ "رونا آتا ہے؟"

"بالکل آتا ہے۔ اپنوں کے سامنے تو بہت آسانی سے رو لیتی ہوں۔ مگر لوگوں کے سامنے نہیں روتی کہ اچھا نہیں لگتا۔"

24۔ "آنسو نکل آتے ہیں؟"

"آنسو تو پلکوں پہ رکھے ہیں۔ اچھی خبر پہ بھی آنسو نکل آتے ہیں اور بری پہ تو نکلتے ہی ہیں۔"

25۔ "ضدی ہیں؟"

"ضدی ہوں اور کبھی کبھی تھوڑی زیادہ ہو جاتی ہوں اور اس وقت زیادہ ضدی ہو جاتی ہوں جب مجھے لگتا ہے کہ میں صحیح ہوں۔"

26۔ "بچپن کی بری عادت جو ابھی بھی ہے؟"

"مجھے لگتا ہے کہ میں بہت اونچا بولتی ہوں۔ کیونکہ بچپن میں امی کہتی تھیں کہ "کرن" آہستہ بات کر لڑکیاں اتنی اونچی آواز میں بات نہیں کرتیں۔"

27۔ "غصہ کب آتا ہے؟"

"میں بہت پنکچوئل ہوں اور جب کوئی ٹائم پہ نہیں آتا تو مجھے بہت غصہ آتا ہے۔"

28۔ "غصے میں ردعمل؟"

"یہ غصے پر منحصر ہے کہ کس طرح کا غصہ ہے اور کس پر ہے۔"

29۔ "سائنس کی بہترین ایجاد؟"

"فون 'بہترین ایجاد ہے جس نے ہم سب کو "جوڑ" کے رکھا ہوا ہے۔"

30۔ "گھر میں کس کے غصے سے ڈرتی ہیں؟"

"چھوٹی تھی تو ابو کے غصے سے ڈرتی تھی اور جب امی

ابو اللہ کو پیارے ہو گئے تو اب کسی سے نہیں ڈرتی۔"

31۔ "لڑکوں میں کیا بات اچھی لگتی ہے؟"

"میں یہ دیکھتی ہوں کہ وہ ایک عورت کو کتنی عزت دیتے ہیں۔ جو عزت دیتے ہیں وہی پھر اچھے بھی لگتے ہیں۔"

32۔ "فضول خرچ ہیں؟"

"شادی سے پہلے مجھے لگتا تھا کہ میں فضول خرچ نہیں ہوں لیکن میاں کے ساتھ رہ رہ کر میں فضول خرچ ہو گئی تھی مگر اب پھر سگھڑ ہو گئی ہوں۔"

33۔ "پیسہ کن پر اور کن چیزوں پہ خرچ کرتی ہیں؟"

"اپنے اوپر..... جوتوں اور کپڑوں پر خرچ کرتی ہوں۔"

34۔ "جھوٹ کب بولتی ہیں؟"

"ہوں..... جب میں دیکھتی ہوں کہ جھوٹ سے کسی کو نقصان نہیں ہو رہا اور میں تھوڑی سی ڈانٹ سے بچ جاؤں گی تب بولتی ہوں۔"

35۔ "آپ پریشان ہو جاتی ہیں؟"

"یہ سوچ کر کہ میرا کوئی پیارا مجھ سے دور نہ چلا جائے میں ڈر بھی جاتی ہوں۔"

36۔ "آپ کی کوئی ایکسٹرا خوبی؟"

"بات کو دیر تک دل میں نہیں رکھتی اور جلدی بھول جاتی ہوں اور دوسروں کو آسانی سے معاف کر دیتی ہوں۔"

37۔ "ایک خواب جو آپ بار بار دیکھتی ہیں؟"

"ہنستے ہوئے کہ میں سلمان خان کے ساتھ ایک فلم میں کام کر رہی ہوں۔"

38۔ "کیا محبت اندھی ہوتی ہے؟"

"محبت بہت پیاری چیز ہے محبت اندھی نہیں ہوتی، بلکہ محبت میں انسان اندھے ہو جاتے ہیں۔"

39۔ "کسی کی سچی محبت دیکھنی ہو تو؟"

"سچی محبت کو کبھی دیکھنا نہیں پڑتا، وہ محسوس ہو جاتی ہے۔ اس کو چیک نہیں کرنا پڑتا۔"

40۔ "شادی کی پسندیدہ رسم؟"

"نکاح..... جب دو انسان ایک دوسرے کو اپنی زندگی میں قبول کرتے ہیں۔ اس سے بہترین رسم کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔"

41۔ "بدلہ لیتی ہیں؟"

"نہیں..... نہیں اگر کسی نے میرے ساتھ کوئی برائی کی ہوتی ہے تو میری نظر میں سب سے بہترین بدلہ یہ ہے کہ میں اس سے بات چیت چھوڑ دیتی ہوں۔ لاتعلق ہو جاتی ہوں۔"

42۔ "آپ کے بیگ کی تلاشی لیں تو کیا کیا نکلے گا؟"

"بہت سارا میک اپ ملے گا، پرفیوم ملے گا، پیسے ملیں گے۔ کریڈٹ کارڈ اور آئی ڈی کارڈ ملے گا۔"

43۔ "گھر آ کر پہلی خواہش؟"

"شاور لینا اور پھر کھانا کھانا۔"

44۔ "اپنے ڈراموں میں پسندیدہ ڈراما؟"

"اپنا پہلا ڈراما 'تار عنکبوت' جو جیو پہ چلا تھا۔"

45۔ "گفٹ دیتی ہیں یا کیش؟"

"مجھے گفٹ دینا پسند ہے اور گفٹ دینا اچھا بھی لگتا ہے۔"

46۔ "کھانے کی ٹیبل پہ کیا نہ ہو تو کھانے کا مزہ نہیں آتا؟"

"چاول..... جب تک نہ ہوں لگتا ہے ڈنر پورا نہیں ہوا۔"

47۔ "کھانے کے لیے بہترین جگہ؟"

"سچ بولوں تو میرا بیڈ۔"

48۔ "لوگ ملتے ہیں تو کیا فرمائش کرتے ہیں؟"

"پلیز ایک سیلفی ہو جائے آپ کے ساتھ۔"

49۔ "ایک کردار جو کرنا چاہتی ہیں؟"

"فلم دیوداس کی "چندر مکھی" کا رول کرنا چاہتی ہوں۔ کاش کہ زندگی میں ایک بار کر سکوں۔"

50۔ "کیا کیا چیزیں لے کر گھر سے نکلتی ہوں؟"

"اپنا موبائل فون، اپنا ہینڈ بیگ اور کیش لے کر ضرور نکلتی ہوں۔"

51۔ "گھر میں کوئی ناراض ہو جائے تو؟"

"گھر والوں کے ساتھ تھوڑی ضدی ہو جاتی ہوں۔

خواہش ہوتی ہے کہ کوئی مجھے منائے۔"

52۔ "بستر پر لیٹتے ہی نیند آجاتی ہے؟"

"نہیں جی.... کافی دیر تک اپنا فون استعمال کرتی ہوں۔ انٹرنیٹ یوز کرتی ہوں اور پھر سوتی ہوں۔"

53۔ "آپ کی فیوچر پلاننگ؟"

"کچھ نہیں.... بس بہت سارا کام کرنا ہے اور کام کرنا ہے بس بہت کام کرنا ہے یہی فیوچر پلاننگ ہے۔"

54۔ "چھٹی کا دن کیسے گزارتی ہیں؟"

"آدھا دن سو کر گزارتی ہوں۔ ٹی وی دیکھنا' کھانا پکانا اور شوہر کے ساتھ کہیں گھومنے پھرنے چلی جاتی ہوں۔"

55۔ "گھر کا کون سا کمرہ پسند ہے؟"

"مجھے اپنے گھر میں اپنا بیڈ روم بہت پسند ہے۔"

56۔ "کس کے ایس ایم ایس کے جواب فورا" دیتی ہیں؟"

"کام سے وابستہ ہر ایس ایم ایس کا جواب فورا" دیتی ہوں۔"

57۔ "موبائل نمبر جلدی جلدی بدلتی ہیں؟"

"بالکل بھی نہیں' پہلی بار جو نمبر خریدا تھا آج بھی وہی ہے۔"

58۔ "وقت کی پابندی کرتی ہیں؟"

"بالکل جناب.... وقت کی بہت پابندی کرتی ہوں۔ میں اپنی ہر کمٹمنٹ پر بہت ٹائم سے پہنچتی ہوں۔"

59۔ "لڑکوں میں کیا بات بری لگتی ہے؟"

"سست بہت ہوتے ہیں۔ ہر کام کو لیٹ کر دیتے ہیں۔"

60۔ "اپنی کمائی سے اپنے لیے قیمتی چیز کیا خریدی؟"

"میں زیادہ مہنگی چیزیں لینے کی بجائے زیادہ چیزیں لینے پر یقین رکھتی ہوں۔"

61۔ "پیسہ کس شکل میں محفوظ کرتی ہیں؟"

"مجھے پراپرٹی لینے میں زیادہ دلچسپی ہے۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ یہ زیادہ فائدہ مند بچت ہے۔"

62۔ "دعوت میں پاکستانی کھانے پسند ہیں یا باہر کے؟"

"اپنے پاکستانی کھانے.... بہت پسند ہیں۔"

63۔ "انٹرنیٹ اور فیس بک سے لگاؤ؟"

"بہت زیادہ ہے۔ انٹرنیٹ کا استعمال زیادہ کرتی ہوں۔"

64۔ "نصیحت جو بری لگتی ہے؟"

"جب لوگ کہتے ہیں کہ ڈائیٹنگ مت کیا کرو تو مجھے بہت برا لگتا ہے۔"

65۔ "پسندیدہ لباس؟"

"ٹی شرٹ اور جینز۔"

66۔ "آپ کی بری اور اچھی عادت؟"

"اچھی یہ ہے کہ جلدی معاف کر دیتی ہوں اور بری بھی یہی ہے۔ کیونکہ میری اس عادت کا بہت سے لوگ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

67۔ "اچھی اور بری خبر سب سے پہلے کس کو سناتی ہیں؟"

"پہلے تو خود سنتی ہوں۔"

68۔ "اپنے میں کیا چینج لانا چاہتی ہیں؟"

"کچھ نہیں کیونکہ مجھے اپنا آپ بہت اچھا لگتا ہے بس کوشش کرتی ہوں کہ تھوڑا آہستہ بولوں۔"

69۔ "آپ کی "چھٹی حس" کیسی ہے؟"

"بہت اچھی ہے۔ اکثر ہونے والی باتوں کا مجھے پتا چل جاتا ہے۔"

70۔ "زندگی کا ایک ہی دن ہو تو کیا دعا مانگیں گی؟"

"اپنی غلطیوں کی ہی معافی مانگوں گی۔ اس سے بہترین دعا کوئی نہیں ہو سکتی۔"

71۔ "کس ملک کے لیے کہتی ہیں کہ کاش ہمارا ہوتا؟"

"پاکستان سے اچھا کوئی ملک ہو ہی نہیں سکتا۔ پاکستان زندہ باد۔"

72۔ "کوئی گہری نیند سے اٹھا دے تو؟"

"بہت غصہ آتا ہے کہ کیوں اٹھا دیا۔"

73۔ "گھر آتے ہی بیڈ کی راہ لیتی ہیں؟"

"چاہتی تو یہی ہوں' لیکن پہلے شاور لے کر فریش ہوتی ہوں۔ پھر کھانا کھاتی ہوں۔ پھر بیڈ پر جاتی ہوں۔"

74۔ "لڑکی ذہین ہونی چاہیے یا حسین؟"

"ذہین ہونی چاہیے۔ کیونکہ آپ کی ذہانت ہی آپ کا حسن ہے۔"

75۔ "بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ کیا کیا رکھتی ہیں؟"

"موبائل فون اور پانی کی بوتل۔"

76۔ "دل کی سنتی ہیں یا دماغ کی؟"

"برابر ہی رکھتی ہوں دونوں کو، لیکن اپنوں کے لیے میں دل سے کام لیتی ہوں کیونکہ وہ میرے دل کے قریب ہوتے ہیں۔ دوسروں کے لیے دماغ سے کام لیتی ہوں۔"

77۔ "بچپن کا ایک کھلونا جو آج بھی پاس ہے؟"

"نہیں ایسا کوئی کھلونا نہیں ہے۔"

78۔ "ادھار دینے اور لینے والوں کے لیے کیا کہیں گی؟"

"پلیز مجھ سے دور رہیے کیونکہ نہ میں ادھار لیتی ہوں اور نہ ہی میں ادھار دیتی ہوں۔ تھینک یو۔"

79۔ "کوئی سین جو مشکل سے ہوا ہو؟"

"سچ بولوں، مجھے اپنے ڈرامے کا ہر سین مشکل لگتا ہے۔ ہمیشہ یہی لگتا ہے کہ جیسے پہلی بار کر رہی ہوں اداکاری۔"

80۔ "رومینٹک سین کرنے کے لیے بہترین ہیرو؟"

"میرے خیال میں فیصل قریشی ـــ کیونکہ وہ رومینٹک سین بہت اچھے طریقے سے کرتے ہیں۔ اور ویسے بھی وہ بہترین اداکار ہیں۔"

81۔ "اپنے تجربے سے سیکھتی ہیں یا دوسروں کے تجربے سے؟"

"آج تک میں نے جو کچھ سیکھا ہے، خود ہی جدوجہد کر کے اور تجربات کر کے سیکھا ہے ـــ کیونکہ میرے سامنے کوئی نہیں تھا کہ جس سے میں سیکھتی۔"

82۔ "شاپنگ کے لیے بہترین جگہ؟"

"کوئی بھی ایسی جگہ جہاں مجھے میری پسند کی چیز مل جائے۔ تو میں کہتی ہوں کہ اگلی بار ضرور آؤں گی یہاں شاپنگ کرنے۔"

83۔ "آپ اکثر سوچتی ہیں کہ؟"

"کہ کاش ہم سب پاکستانی ایک ہو جائیں اور ہم نے اپنے آپ کو مختلف فرقوں میں بانٹا ہوا ہے، یہ سب ختم ہو جائے اور ہم ایک قوم ایک پہچان 'پاکستانی قوم' کے نام سے بن جائیں۔"

84۔ "بات دل میں رکھتی ہیں یا کہہ دیتی ہیں؟"

"عموماً دل میں رکھتی نہیں ہوں، لیکن اگر مجھے پتا چلے کہ سامنے والے سے کچھ کہنا فائدہ مند نہیں ہے تو پھر دل میں ہی رکھتی ہوں۔"

85۔ "آئینہ دیکھ کر سوچتی ہیں؟"

"تھینک یو اللہ میاں جی، آپ نے مجھے اتنا پیارا بنایا ہے۔ پھر کہتی ہوں۔ آئی لو یو کرن تعبیر۔"

88۔ "اگر بلینک چیک مل جائے تو کم سے کم کتنا اماؤنٹ لکھیں گی؟"

"جتنا ممکن ہو گا لکھ دوں گی۔ کوئی مسئلہ ہی نہیں جی۔"

89۔ "کب فخر کرتی ہیں اپنے آپ پر؟"

"جب میرے والد زندہ تھے اور انہوں نے میرے کام کی تعریف کی تھی تو مجھے اپنے آپ پر بہت فخر محسوس ہوا تھا۔"

90۔ "اگر آپ سے سیل فون کی سہولت لے لی جائے تو؟"

"کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ زندگی تھوڑی سکون میں آجائے گی اور اپنی فیملی کو زیادہ ٹائم دوں گی۔"

91۔ "اگر آپ پاور میں آجائیں تو؟"

"تو میں سب سے پہلے تعلیم پہ فوکس کروں گی۔ اپنے آپ کو اپنے ملک کے تعلیمی نظام کو بہتر سے بہترین بنانے کی کوشش کروں گی۔"

92۔ "اگر ہوائی جہاز کا اوپن ٹکٹ مل جائے تو کہاں جائیں گی؟"

"ایک جگہ نہیں ـــ میں تو ورلڈ ٹور پہ نکل جاؤں گی۔"

93۔ "اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟"

"تو کوئی بات نہیں..... ہر عروج کو زوال ہے، ہر زوال کو عروج ہے۔ اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے۔"

راجہ گدھ شہر بے مثال جیسے ناولوں کی خالق افسانہ نگار ڈراما نگار "داستان سرائے کی دوسری داستان گو" قدسیہ بانو اشفاق احمد کے پاس چلی گئیں۔

اشفاق احمد نے صرف محبت کی کہانیاں تخلیق نہیں کیں محبت بھی کی۔ ایسی محبت جو مثال بن گئی اور بانو قدسیہ نے اشفاق احمد کو چاہا اس حد تک کہ ان کے رنگ میں ہی رنگ گئیں۔

ممتاز مفتی نے لکھا ہے۔

"حیرت کی بات ہے کہ ایک خالص پکی دانش ور نے پتی بھگتی میں اپنا سب کچھ 'جذبات ذہن' روح تیاگ رکھا ہے 'بانو قدسیہ بہت بڑی مفکر ہے' وہ ہر بات میں صائب الرائے ہے۔ عقل و خرد سے بھرپور لیکن جب اشفاق احمد طلوع ہو جائے تو سب کچھ سپاٹ ہو جاتا ہے۔ عقل 'خرد اور دانش وری۔"

شہلا نرگس نے اپریل 2004ء میں ان کی تخلیقات سے ہٹ کر ان کی گھریلو زندگی کے حوالے سے انٹرویو کیا تھا اس انٹرویو کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ بانو قدسیہ اور اشفاق احمد کی رفاقت دنیاوی بندھن ایک دائمی ذہنی اور روحانی رشتہ تھا۔

اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کا گھر

شہلا نرگس

علم و ادب میں منفرد مقام رکھنے والی شخصیات جناب اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کا شمار ایسے لکھاریوں میں ہوتا ہے جن کی تحریر کے حوالے سے ہمیشہ چونکا دینے والی چیزیں سامنے آتی ہیں۔ وہ جتنے اچھے لکھتے ہیں اتنا ہی عمدہ بولتے بھی ہیں۔ ان سے مل کر باتیں کر کے کسی اجنبیت اور مصنوعی پن کا احساس نہیں ہوتا۔ بانو قدسیہ کی شخصیت اور ان کے روز مرہ معمولات جاننے کے لیے میں نے بہت سارے سوالات کیے جن میں سے کئی سوالوں کے جواب وہ گول کر گئیں۔

کہنے لگیں۔ "تم کیا گھما پھرا کر ان ہی سوالات پر آجاتی ہو کہ میں دن بھر میں کیا کرتی ہوں' کیسے رہتی ہوں اور کھاتی پیتی کیا ہوں۔ بس ادب کے حوالے سے بات کرتے ہیں اور رہا میں سارا دن گھر کے کام کرتی ہوں۔ ہانڈیاں پکاتی ہوں' روٹیاں بناتی ہوں اور وقت ملے تو لکھ بھی لیتی ہوں۔"

مگر جناب اشفاق احمد نے ہمارے ہر سوال کا جواب دیا۔ ہم نے سب سے پہلے اشفاق احمد سے پوچھا۔

س : "ہماری آپا جی سے پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی؟"

ج : "گورنمنٹ کالج میں یہ ہماری کلاس فیلو تھیں۔ ہماری کلاس میں اس وقت تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ لڑکیاں پڑھاکو تھیں۔ ہم لڑکے ادھر ادھر گھومتے پھرتے سموسے کھاتے اور گپیں مارتے' پھر لڑکیوں کی ذہانت اور اعلا کارکردگی دیکھ کر ہماری مردانگی نے جوش مارا تب سنجیدگی کے ساتھ ہم نے بھی تعلیم کی طرف دھیان دینا شروع کر دیا۔ علمی گفتگو اور مباحث کرتے ہوئے ہم ایک دوسرے کے قریب چلے گئے۔"

س : "کیا شادی کے لیے گھر والے آسانی کے ساتھ مان گئے تھے؟"

ج : "کہاں مانے تھے، تھوڑے بہت اختلافات تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادی کرنے کا رواج نہیں تھا۔ ہم راجپوت اور یہ جٹ ہیں۔ گھر میں دبا دبا ذکر ہوتا تھا مگر میں اباجی سے کھل کر اظہار نہیں کر سکا۔ بس ان سے بات کرتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔"

س : "پھر یہ سب کیسے ممکن ہوا؟"

ج : "ایک دن اباجی ان کے گھر گئے، بیٹھے ہوئے تھے۔ بانو چارپائیاں اٹھا اٹھا کر اندر رکھ رہی تھیں۔ انہوں نے پوچھا تم ایم اے پاس نہیں ہو، یہ کہنے لگیں 'ہاں لیکن میں یہ سب کام کر سکتی ہوں' تو اس پر خوش ہو کر انہوں نے شادی کی منظوری دے دی۔ یعنی چارپائیاں اٹھا اٹھا کر رکھنا ہی انہیں بھا گیا۔۔۔"

س : "(بانو قدسیہ سے) جب آپ بیاہ کر سسرال گئیں تو سسرال والوں کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا تھا؟"

ج : "کوئی خاص اچھا نہیں تھا۔ لیکن اب سب لوگ پیار کرتے ہیں۔ میری نندیں، جیٹھ، دیور سب ہی بہت عزت کرتے ہیں۔ انسان محبت سے دوسروں کا دل جیتنے میں کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ اب انہوں نے ساری کمی پوری کر دی ہے، برطان ہے انہیں میرے بھاوج ہونے پر۔۔۔" بانو آپا نے بات ختم کی تو جناب اشفاق احمد نے کہا۔

"دراصل ہماری والدہ سخت گیر تھیں۔ انہیں اس شادی پر اعتراض تھا اور ہو سکتا ہے اسی وجہ سے شادی کے بعد ان کا رویہ بانو کے ساتھ اچھا نہ ہو۔ جہاں تک اعتراض کا سوال ہے تو وہ ان کی فیملی کو بھی تھا، یعنی ان کے گھر والے بھی ان کی شادی ہمارے ہاں کرنے کے لیے مشکل سے ہی رضامند ہوئے تھے مگر وہ کیا ہے۔ جوڑیاں تو آسمانوں پر بنتی ہیں اس لیے ہماری شادی ہو کر رہی۔"

س : "آپ نے پڑھائی کے سلسلے میں بانو آپا کی مدد کی یا ان سے مدد لی؟"

ج : "ان کی انگریزی ٹھیک ٹھاک تھی لیکن اردو میں یہ کمزور تھیں۔ میں نے محنت کروائی تو ان کی اردو بہتر ہو گئی پھر میری حوصلہ افزائی کی وجہ سے انہوں نے لکھنا شروع کیا۔"

س : "بانو آپا کی کتاب "راجہ گدھ" ایک شاہکار

ہے۔ بحیثیت ادیب آپ کی رائے اس کے بارے میں کیا ہے؟"

ج : "ان کے ناول بڑے طاقتور ہیں۔ راجہ گدھ چودہ برس سے سی ایس ایس کے کورس میں شامل ہے۔ بے چارے لڑکے روتے آتے تھے کہ ہم اس میں فیل ہو جاتے ہیں۔ اسے تبدیل کروائیں۔ بانو کو اللہ تعالیٰ نے بڑی صلاحیتیں دی ہیں۔ انہوں نے اپنے کشف کو ضائع نہیں کیا۔"

س : "اپنے ڈراموں کے بارے میں بتائیں؟"

ج : "میرے کچھ ٹی وی ڈرامے ایسے تھے جن کے لیے خاص طور پر لوگ کہتے ہیں کہ سر سے گزر گئے۔ یعنی سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں اور میں کہتا ہوں ایک وقت آئے گا ان ہی کی وجہ سے میرا سر اونچا ہو گا۔ نئی نسل ذہین ہے۔ اسے میری باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ فخر کے ساتھ پوچھتی ہے کہ کیسے لکھے۔"

س : "کسی ایک آدھ ایسے ڈرامے کا نام بتائیں گے؟"

ج : "طوطا کہانی' چور بخار" یہ لانگ پلے تھے۔"

س : "اتنے سارے شعبوں میں یکساں طور پر کامیاب ہونے کا راز کیا ہے؟"

ج : "سچ بتاؤں (زبردست قہقہہ) مجھے تو مفت میں ہی اتنے سارے شعبوں میں کامیابی ملی ہے۔ میں نے کوئی سفارش نہیں کروائی' رشوت نہیں دی اور اشفاق بنا دیا گیا۔ میں نے پیدا ہونے میں بھی کوئی ہمت نہیں کی' کبھی نہیں ماری' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھیج دیا۔۔۔ بغیر مجھ سے پوچھے۔۔۔ میں اچھے موسم میں پیدا ہونا چاہتا تھا۔ کم از کم فروری میں ہی پیدا ہو جاتا۔ زچہ بچہ دونوں کے لیے یہ موسم بہت خوش گوار ہوتا مگر مجھے ۲۲ اگست کو پیدا کر دیا۔ اس وقت نہایت گرم دن تھا۔ میں چاہتا تھا سہگل کے گھر ہی پیدا ہوتا۔ لوگ کہتے ہیں بندے کا کوئی پتا نہیں ہوتا۔ پی آر بنانا چاہیے۔ مگر مجھے نہ پیدا ہونے کا علم ہوا نہ مرنے کا پتا ہے تو بھی میرا کیا کمال ہے۔ سارے اختیارات تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں' سارے فیصلے وہ خود کرتا ہے' ہمارا مالک ہے اور آج میں جو اتنے سارے شعبوں میں کامیاب ہوں' اس میں میرا کیا کمال ہے۔ سب کچھ تو مفت میں ہی ملا ہے۔ یہ ایوارڈ' اعزازات' یہ بھی بس اللہ نے ہی نواز دیا ہے۔ ورنہ میں اس قابل کہاں تھا' میں نے تو صرف جدوجہد کی فصل اگائی ہے اور ہماری مثال جامن کے اس درخت کی طرح سے ہے جس کے درخت سے آپ ہی آپ جامن گرتے ہیں' تو بچے اٹھا کر کھاتے ہیں۔"

س : "اپنے بچپن کے بارے میں بتائیں اور اس مقام تک پہنچنے کی جدوجہد کا احوال بھی؟"

ج : "میرے والد ڈاکٹر تھے اور تبدیل ہو کر ضلع فیروز پور میں مکتیہ سرائے (یعنی کی کا تالاب) میں آباد ہو گئے۔ جہاں زیادہ آبادی ان پڑھ ہندوؤں کی تھی۔ جو کھیتی باڑی سے پیٹ پالتے تھے۔ میرا بچپن بہت اچھا گزرا۔ خوشیاں ہی خوشیاں میرے چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ آج کی ماں بچے سے پوچھتی ہے۔ سنی! تم ناشتے میں فرائی انڈہ کھاؤ گے یا آملیٹ پراٹھا لو گے یا بریڈ۔۔۔؟ اس وقت ماں بچے سے اس کی چوائس نہیں پوچھتی تھی کہ تم آئس کریم میں کون سا فلیور لو گے؟ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ بھائی نے ماں سے کہا اماں بینگن نہیں کھاؤں گا' مجھے اچھے نہیں لگتے' ماں نے گن کر اکتالیس دن بینگن ہی پکائے۔ بھائی شوق سے کھانے لگا۔ دوبارہ اس نے احتجاج ہی نہیں کیا کہ مجھے اچھے نہیں لگتے تو کیوں پکائے۔ آج بچہ گھر کا کوئی سالن یہ کہہ کر کھانے سے انکار کرتا ہے کہ اسے پسند نہیں تو بازار سے منگوا دیا جاتا ہے' اس کی چوائس کے مطابق ۔ برگر کلب سینڈوچ' یا پھر تکہ وغیرہ۔ آج کے بچے تو حکمرانی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں صرف فلاں کی ہی آئس کریم کھائیں گے۔

ہمارے دور میں قناعت پسندی سے زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ اس کے اتنے جھمیلے نہیں تھے۔ ماؤں کا پورا پیار اور پورا وقت بچوں کو ملتا تھا۔ ہمارے دور کے بچوں میں صبر و تحمل بھی بہت تھا۔

جو میسر ہوتا کھا لیتے۔ جیسا ملتا پہن لیتے۔ ہمارے گھر میں جب کیلے گل کر پلپلے ہو جاتے تھے اور انہیں چھیلنا مشکل ہو جاتا تھا تو میری ماں انہیں کھاتے ہوئے کہا کرتی تھی "لونڈروں" والے کیلے اصل میں یہی ہوتے ہیں۔" میرے ابا جی بھی انہیں بڑے شوق سے کھایا کرتے تھے۔

ہم اڑھائی آنے والا تربوز کندھے پر اٹھا کر طویلے کی طرف جا رہے ہوتے تو اماں آواز دے کر پوچھتی۔ "تربوز کدھر لے جا رہے ہو؟"

میرا بھائی کہتا "اماں کچا نکلا ہے' اندر بیج بھی سفید ہیں۔ سارے کا سارا کدو جیسا ہے۔" ماں جھڑک کر کہتی۔ "رک جاؤ ان ہی قدموں پر.... اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو۔ تربوز سرخ ہو یا سفید' دونوں کے کھانے کا حکم ہے۔ بیج مرغوں کا حصہ ہیں۔ اوپر کا سبز چھلکا بکریوں کا۔" پھر وہ کدو جیسے کچے تربوز پر نمک کی ڈلی پھیر پھیر کر کھاتی اور اللہ کی نعمتوں کا دل سے شکر ادا کرتی تھی۔

ہمارے گھر میں جب بھی پانچ آم آئے اور ہم کل چھ ہوئے تو اماں نے ہمیشہ یہی کہا "آم کھا کر تو میرا کلیجہ سلگنے لگتا ہے' کھٹی ڈکاریں آتی ہیں' گرمی خشکی ہو جاتی ہے' میں نہیں کھاتی آم۔" کبھی تو مالٹے ہوتے اور گھر میں ہم دس افراد ہوتے تو اماں نے میرے والد سے ایک ہی بات کہنی تھی۔ "پتا نہیں جی! مالٹا کھا کر میرے گھٹنوں میں درد کیوں شروع ہو جاتا ہے۔ اور رات کے وقت نزلہ کیوں بڑھ جاتا ہے۔ آپ لوگ کھائیں' مجھے موافق نہیں۔"

آج اگر بچے سے کوئی چیز زمین پر گر جائے تو اس کی ماں رسالے سے نگاہ ہٹا کر ہوں ہوں کر کے کہتی ہے "بری بات' زمین سے اٹھا کر منہ میں نہیں ڈالنا' جراثیم لگ جائیں گے۔" ہمارے ہاتھ سے اگر شاہی ٹکڑا چھوٹ کر اگر نیچے فرش پر گر جاتا اور ہم اسے اٹھا کر پھر کھانے لگتے تو اماں دور ہی سے جوتی اٹھا کر کہتی تھی۔ "ناشکرے' ندیدے' پہلے چوم کر پھر ماتھے کو لگا کر کھاؤ۔ رزق کی بے عزتی کی تو جان نکال دوں گی۔" وہ جراثیموں سے زیادہ اللہ سے ڈرتی تھی۔ ہم جو گنا چوستے چوستے کسی توڑی پر آ کر رک جاتے تھے کہ آگے کیڑا لگا ہوا ہے تو میری ماں چمٹا اٹھا کر کہتی تھی "خبردار جو اس توڑی کو کاٹ کر پھینکا۔ گنا پھیر کر کیڑے والا حصہ نیچے کر لو اور اوپر اوپر سے تو ھی پور لمبائی کے رخ چوس جاؤ۔ ناشکری کرو گے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو گا۔"

س : "آپ اپنی والدہ سے بہت متاثر تھے؟"

ج : "مجھے اب پتا چلا ہے کہ میں اپنی ان پڑھ ماں سے بہت متاثر تھا۔ اس وقت ماں سے ایک حد تک لڑائی رہتی تھی۔ اب جب کہ وہ نہیں ہے تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ اتنا سارا علم حاصل کرنے کے باوجود میں اپنی ماں سے ہی متاثر ہوں اور وہی میرے پیچھے ایک استاد کی طرح ہر وقت موجود ہے۔ میرے بھائی گورنمنٹ کے اسکول میں پڑھے تھے۔ جب کہ مجھے دینی مدرسے میں داخل کروا دیا گیا' جہاں میں نے قرآن شریف ختم کیا۔ دینی مسائل سیکھے پھر مجھے انگریزی اسکول میں داخل کروا دیا گیا۔ مجھے اس اسکول میں جانا زیادہ اچھا نہیں لگا۔ میں وہاں پڑھتا تھا مگر زیادہ ذہین نہیں تھا۔ میرے اساتذہ کہتے تھے۔ اگر تو پڑھ لے تو کہیں نہ کہیں پہنچ سکتا ہے۔ میں کہتا تھا میں پڑھے مرے بغیر بھی کہیں نہ کہیں پہنچ جاؤں گا۔ بس اللہ تعالیٰ کا فضل ہونا چاہیے۔

میرا ایم اے کا نتیجہ نکلنے والا تھا کہ میرے ساتھی ممتاز مفتی اور یوسف ظفر نے کہا کہ وہ دونوں آزاد کشمیر ریڈیو پر کام کرتے ہیں اور ہمارے اسٹیشن کے ڈائریکٹر محمود نظامی یہاں آئے ہوئے ہیں۔ تم ان سے ملو اور تم بھی ریڈیو آزاد کشمیر میں جاب کر لو۔ شام کو میں ان سے ملا تو انہوں نے تین سو روپے ماہوار پر مجھے ملازم رکھ لیا۔ اور میں آزاد کشمیر چلا گیا۔ میں نے کافی عرصہ کام کیا۔ اس دوران میرا ایم اے کا رزلٹ بھی نکل آیا تھا جس میں ٹھیک ٹھاک نمبروں سے پاس ہو گیا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ دیال سنگھ کالج کے پرنسپل پروفیسر عابد علی عابد کشمیر آئے کہنے لگے۔ "کالج کو تمہاری ضرورت ہے۔" انہوں نے مجھے اردو کے پروفیسر کی حیثیت سے

ملازمت کی پیش کش کی۔ بغیر عرضی کے میں بائیسویں گریڈ میں پہنچ گیا۔ یہاں ڈیڑھ سال پڑھایا کہ اٹلی کی حکومت نے ہماری گورنمنٹ کو لکھا کہ ہم روم میں یونیورسٹی کے لیے اردو کا استاد چاہتے ہیں جو ساتھ ہی ریڈیو براڈ کاسٹ بھی کرے سو مجھے روم بھیج دیا گیا۔ صبح یونیورسٹی 'شام ریڈیو' میرے لیے سن اکیاون میں یہ بڑا ہی دلچسپ تجربہ تھا۔"

س : "ماں کے علاوہ کس سے متاثر ہوئے۔ آپ کو کیسی محفلیں پسند تھیں؟"

ج : "بے شمار چیزوں سے متاثر ہوں اور میری پسندیدہ محفلیں ان لوگوں کی ہوتی ہیں جو اگرچہ پڑھے لکھے نہ ہوں مگر ذہین ضرور ہوں۔ جیسا کہ میں بابوں کا ذکر کرتا ہوں۔ مجھے ان سے بات کر کے بہت مزا آتا ہے یہ بابے اس روح کے نمونے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں 'پتر سعد! یہ کام نہیں کرنا کیوں نہیں کرنا مجھے نہیں پتا' پر نہیں کرنا۔ مثلاً "ہمارا ایک ملازم تھا' وہ بھینس آتی ہوئی دیکھ کر کہتا تھا کہ کٹا دے گی اور وہ کٹا ہی دیتی تھی۔"

وہ کہتا تھا۔ کٹے کی پیشانی پر سفیدی ہوگی تو ویسے ہی سفیدی ہوتی۔ اس طرح کی وہ جتنی پیشن گوئیاں کرتا تھا' وہ پوری ہوتی تھیں۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ بڑھوں کا علم تھا جو مجھے بہت متاثر کرتا تھا۔"

: "کوئی یادگار واقعہ؟"

ج : "کئی واقعات ہیں کہ میں بتانے لگوں تو ایک پوری کتاب بن سکتی ہے۔ لیکن ایک ایسا واقعہ جو میری ماں کے ساتھ جڑا ہوا ہے' وہ بتاتا ہوں اس واقعہ کے ساتھ میری معصوم خوشیاں جڑی ہوئی ہیں۔"

ایک دن میری ماں نے مجھے بتایا کہ میں نے مرغی' انڈوں پر بٹھائی ہے۔ اس میں سے چوزے نکلیں گے۔ میں نے پوچھا "اماں کب نکلیں گے؟" انہوں نے انگلیوں پر حساب لگا کر بتایا "اتوار کو۔" ایک دن میں صبح اٹھا۔ ہفتے کا دن تھا۔ میں نے اپنی تختی پر گلاب کا پھول مضمون لکھا اور اسکول جانے کی تیاری کرنے لگا۔ تب ہی ماں نے مجھے بتایا کہ "مرغی کے کچھ بچے نکل آئے ہیں اور باقی کے نکل رہے ہیں۔" یہ سن کر میں رونے لگا کہ آج میں اسکول جا رہا ہوں ادھر یہ بچے اتوار کے بجائے آج ہی نکل رہے ہیں۔ اس پر میری ماں نے کہا۔ "آج اتوار ہی تو ہے۔ جس دن چوزے نکلیں 'ہفتہ نہیں اتوار ہوتی ہے۔ یہ سن کر میں بہت خوش ہوا اور سارا دن چوزوں کے پیچھے بے وقوفوں کی طرح بھاگتا رہا۔ جس بچے کی تفریح مرغی کے سترہ بچے ہوں۔ اس کے نزدیک کسی اور چیز کی بھلا کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔

ہم نے قناعت پسندی سے زندگی گزاری۔ ہم لال صابن سے نہاتے تھے۔ جس شیمپو کا انتخاب آج مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اس کا وجود سرے سے ہی نہیں تھا۔ آج قوم عذاب میں مبتلا ہے کہ کون سا شیمپو استعمال کیا جائے۔ آج لوگوں کی تنخواہ کا ستر فیصد ان آئٹمز پر خرچ ہوتا ہے۔ جو ۴۷ء میں ہوتے ہی نہیں تھے۔ ہر چیز بدل گئی ہے 'حتی کہ آج کی ماں بھی بدل گئی ہے۔ اور ماں کا رشتہ بھی پہلے جیسا نہیں رہا۔"

س : "ماں تو ہر دور میں ماں ہوتی ہے بھلا وہ کیسے بدل سکتی ہے؟"

ج : "نہیں۔ آج کی ماں بدل گئی ہے۔ وہ نوکری کرتی ہے اور جب تک وہ دفتر میں رہتی ہے تو بچہ اپنی ماں کی تلاش میں ہوتا ہے۔ اور ماں اس کے لیے چھٹی کا دن مخصوص کرتی ہے کہ تمہیں ویک اینڈ پر گھمانے لے جاؤں گی' آئس کریم کھلاؤں گی۔ کیا بچے کی ضرورت آئس کریم اور صرف برگر ہے؟ ممتا کا کوئی مقابلہ نہیں' دنیا کی کوئی چیز اس کے بدلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

عورت نے جینے کا جو معیار بنا لیا ہے' وہ صحیح نہیں ہے۔ ابھی چند دن پہلے میں نے اخبار میں ایک تصویر دیکھی۔ چار خواتین نقاب اٹھائے کھڑی تھیں۔ خبر یہ تھی کہ افغانستان کی خواتین نیلا برقعہ پہنتی تھیں' نہیں پہنتی تھیں تو طالبان سوٹیاں مارتے تھے کہ برقعہ لو' اب امریکہ نے افغانستان کو طالبان سے آزاد کروا دیا ہے تو خواتین نے نقاب اٹھائے ہیں۔ یعنی پردہ کرنا چھوڑ دیا

ہے

تصویر دیکھ کر مجھے لگا کہ خواتین کا نقاب اٹھا کر انہیں زبردستی کھڑا کیا گیا تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا انہیں کیسے خیال (میڈیا کو) وہ آزاد ہو گئی ہیں۔ جب گوروں کی حکومت آئے گی پھر پتا چلے گا کہ آزادی کے بعد وہ خوشی کا جشن منا رہی ہیں اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ پھر ٹائم میں ایک خبر پڑھی کہ وہ برقعہ نہیں چھوڑ رہیں کیونکہ یہ ان کے کلچر کا حصہ ہے۔"

س : "بیٹی کی کمی محسوس ہوتی ہے؟"

ج : "زبردست ہوتی ہے، ابھی چند روز پہلے مجھ سے ایک دوست ملنے آیا۔ اس کی عمر پچھتر سال ہوگی۔ ساتھ اس کی چالیس بیالیس سال کی بیٹی بھی تھی۔ جب واپسی پر وہ گاڑی میں بیٹھنے لگے تو بیٹی نے باپ کے گنجے سر پر ہاتھ رکھ کر گاڑی میں سوار کروایا کہ کہیں سر پر چوٹ نہ لگے۔ میرا بھائی پاس کھڑا تھا (وہ امریکہ میں رہتا ہے) اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی مگر مجھے بہت خوشی ہوئی اور دل میں یہ خواہش ابھری کہ کاش! میری بھی بیٹی ہوتی جو میرا اس طرح خیال رکھتی۔ بانو کہتی ہے اللہ تعالیٰ کمینوں کو بیٹی نہیں دیتا کیونکہ وہ پرایا دھن ہوتی ہیں اور تھوڑدل (چھوٹے دل والے) جب بیٹی کو رخصت کرتے ہیں تو انہیں کچھ زیادہ دکھ ہوتا ہے۔ ہم تھوڑے دل کے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیٹی نہیں دی۔"

س : "آپ دونوں قلمکار ہیں اور آپ کا ادب میں ایک مقام ہے تو آپ کو یہ آئیڈیل جوڑی کیسی لگتی ہے؟"

ج : "اچھی گزر بسر ہو رہی ہے، اس لیے بھی اچھی طرح سے گزر بسر ہو رہی ہے کہ بانو نے مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ جس طرح میں چاہتا تھا۔ اسی طرح سے گھر کا نظام چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ہے۔"

س : "مثلاً" آپ کس قسم کا نظام گھر میں رائج کرنا چاہتے تھے، ایسا نظام جس میں عورت بندھنوں میں جکڑی نظر آئے؟"

ج : "کیا مطلب ہے آپ کا؟ ہمارے ہاں جو پہلے شادیاں ہوتی تھیں، ہماری نانی دادی اور والدہ کی۔ تو کیا وہ کامیاب شادیاں نہیں تھیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ ماننے والوں میں شامل تھیں۔

آج کل بیوی ایک جگہ نوکری کر رہی ہے اور شوہر دوسری جگہ، گھر کا نظام بگڑا ہوا ہے۔ (مجبوری کی بات اور ہے) عورت کہتی ہے چونکہ گھر میں کرنے کو کوئی کام نہیں ہے تو نوکری کر لیتی ہوں۔۔۔ بھئی کام کیوں نہیں ہے۔۔۔ گھر کے تو سو کام ہوتے ہیں اگر آپ کرنا چاہیں تب۔"

س : "آپ پچھلے زمانے سے موازنہ کر رہے ہیں حالانکہ اس دور سے یہ دور مختلف ہے۔ یہ جدید دور ہے اور اس دور کے اپنے تقاضے ہیں۔ آپ دیکھیں، عورت بھی انسان ہے۔ اس کو بھی حق ہے کہ اپنی مرضی سے زندگی گزارے۔ یہ نہیں کہ مرد کے حکم کو ہی مانتے مانتے زندگی ختم کر ڈالے۔ اس کے جذبات کا خیال اگر موجودہ دور کا مرد کر رہا ہے تو کیا غلط کر رہا ہے۔ آپ نے آپا جی کو نوکری کی اجازت کیوں نہیں دی؟ انہیں گھرداری میں ہی لگا دیا حالانکہ ان میں صلاحیت ہے؟"

ج : "کیا صرف نوکری کرنے سے ہی انسان کے احساسات کو تسکین ملتی ہے۔ گھرداری میں انوالو ہونے سے بھی سکون ملتا ہے۔ آپ کی آپا جی کو میں نے کبھی نہیں کہا کہ وہ کام کرو، یہ نہ کرو۔۔۔ وہ خود باہر نہیں جاتیں۔ انہیں باہر نکلنا اچھا ہی نہیں لگتا۔ کہتی تھیں اگر ضرورت پڑی تو گھر بیٹھ کر کتابت کر لوں گی، 24 روپے ایک کاپی کے آرام سے مل سکتے تھے مگر ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جس ہنر سے نوازا ہے، اس نے اس سے گھر بیٹھ کر استفادہ کیا۔"

س : "مگر جس طرح وہ گھرداری میں مصروف ہیں، میں نے ان کا تمام دن کا شیڈول دیکھا ہے۔ خاصا ٹف ہے۔ صبح نماز کے وقت اٹھتی ہیں اور سارا دن مصروف رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ ہانڈی روٹی بھی خود ہی بناتی ہیں۔

اس طرح کہ شیڈول اور ذمہ داریوں سے وقت نکال کر انسان کہیں باہر جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تو ہماری آپا بندھنوں میں بندھی عورت کی طرح ہی لگتی ہیں؟"

ج: "میں نہیں کہتا کہ وہ باہر نہ نکلے' ضرور نکلے مگر پھر گھر کا نظام ضرور متاثر ہو گا' ویسے آپ جیسا سمجھ رہی ہیں' ویسا نہیں ہے' اسے اپنے حق کا استعمال کرنا آتا ہے۔ اگر پھوپھی خیراں کا کوئی مسئلہ ہو تو اسے حل کروانے کے لیے ماڈل ٹاؤن سے دو موریہ پل تک جانے کا وقت نکال لیتی ہے۔ وہ خود محفلوں میں اور تقریبات میں جانا پسند نہیں کرتی۔ وہ مکمل گھریلو عورت ہے۔ میں نے کبھی اسے اپنے ساتھ کہیں چلنے کی دعوت دی تو خود ہی منع کر دیا کہ میرا دل نہیں چاہتا کہ کہیں باہر جاؤں۔"

آپا بانو قدسیہ سے

س: "آپ اپنے دن کا آغاز کتنے بجے کرتی ہیں؟ اور اپنے دن بھر کے معمولات کے بارے میں بھی بتائیے گا؟"

ج: "میں صبح اٹھ جاتی ہوں فجر کے وقت۔"

س: "نماز تو پڑھتی ہوں گی؟"

ج: "اس کا ذکر رہنے دیں۔ یہ میرا اپنے رب کے ساتھ معاملہ ہے اس کے بعد ناشتہ بناتی ہوں۔ پھر گھرداری میں لگ جاتی ہوں۔ ساڑھے بارہ بجے میں ہانڈی روٹیاں پکانے کا کام کرتی ہوں اور سارا دن بہت مصروف گزرتا ہے۔"

س: "گھر میں ملازم تو ہوں گے؟"

ج: "بہت ہیں۔"

س: "پھر آپ ان سے کام میں مدد کیوں نہیں لیتیں' ان سے روٹیاں کیوں نہیں بنواتیں۔ وہ کم از کم کھانا تو بنا ہی سکتے ہیں۔ یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ آپ چونکہ قلم کار ہیں تو اس سہولت سے فائدہ اٹھا کر آپ لکھنے پڑھنے کا زیادہ سے زیادہ کام کر سکتی ہیں۔ پھر آپ کو بھی تو اب اس عمر میں آرام کی ضرورت ہے؟"

ج: "شروع سے ہی اس طرح کی روٹین بنی ہوئی ہے۔ ملازم کام میں مدد کرتے ہیں مگر گھر کے تمام امور میں اپنی نگرانی میں ہی کرواتی ہوں' دوسری بات یہ کہ کھانا میں خود بناتی ہوں۔ بچے! دلچسپی لے کر کھانا بنانا اور پریم سے کھلانا ہی عورت کی اصل ذمہ داری ہے۔ پھر مجھے سب کے مزاج کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ گھر کے سب افراد کا اپنا اپنا مزاج ہے۔ کوئی پھیکا کھاتا ہے کوئی چٹخارے دار۔ خانساماں بہت عمدہ کھانا بنائے گا۔ مگر وہ کسی کی ڈانٹ نہیں سنے گا۔ ادھر آپ نے جھڑکا' وہ نوکری چھوڑ کر چلا گیا۔ مگر میں سب کی تنقید سہہ لوں گی۔ بلکہ دوبارہ بھی پہلے جیسی محبت سے پکا کر کھلاؤں گی۔ کیونکہ وہ میرے اپنے ہیں اور مجھے ان کی کڑوی کسیلی بھی اچھی لگے گی۔ (قہقہہ) مجھے تو ہر قسم کی تنقید سن کر بھی یہیں رہنا ہے' میں خانساماں کی طرح نوکری نہیں چھوڑ سکتی کیونکہ میری نوکری یہاں پکی ہے۔"

س: "کتنے بچے ہیں آپ کے؟"

ج: "تین بیٹے ہیں۔ ایک امریکہ میں سیٹل ہے' دو یہاں رہتے ہیں۔"

س: "بیٹی نہیں ہے؟"

ج: "نہیں۔"

س: "کبھی بیٹی کی کمی تو محسوس ہوتی ہو گی کہ کاش! ایک بیٹی ہوتی؟"

ج: "میں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ میری بیٹی نہیں ہے ورنہ بیٹی کی محبت میں اور طرح کی ماں ہوتی۔"

س: "آپ بہوؤں کے ساتھ رہتی ہوں گی اور کیا امریکہ والے بیٹے نے کبھی آپ کو اپنے پاس نہیں بلایا۔ وہ اور ان کے بیوی بچے نہیں کہتے کہ آپ یہاں ہمارے ساتھ آ کر رہیں؟"

ج: "سب ہی بہت محبت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں آجائیں' بلکہ بیٹے سے زیادہ بہو کہتی ہے۔ پوتے پوتیاں کہتی ہیں۔ مگر میں نہیں چاہتی کہ بہوؤں کے ساتھ رہ کر ان کی زندگیوں میں زہر گھول دوں (قہقہہ) دوسری بات یہ ہے کہ جب آپ کسی کے ساتھ رہتے

ہو تو ان کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتے ہو۔ جو میرے لیے گزارنا مشکل ہے۔ بچے! میں پچاس سالہ پرانی عورت ہوں' میری بہوئیں نئے زمانے کی ہیں۔ ان کا اپنا لائف اسٹائل ہے۔ وہ پردہ بھی نہیں کرتیں۔ پھر میں ان کے ساتھ رہ کر ان کا سکون کیوں خراب کروں۔ آپ شوہر کے ساتھ بھی رہتے ہوں تو کئی باتوں پہ سمجھوتہ کرتے ہیں۔ اس کی مرضی کی زندگی گزارتے ہیں۔ گرم' سرد برداشت کرتے ہو۔ لیکن میاں بیوی کی دوستی کی بات ہے۔ میرا زندگی گزارنے کا اپنا طریقہ ہے' ضروری نہیں ہے کہ انہیں پسند آئے ۔ ان حالات میں ذرا فاصلے پر رہ کر زندگی گزاری جائے تو دونوں فریق آسودہ اور سکون سے رہتے ہیں۔"

س : "بچے اظہار تو کرتے ہوں گے اپنے جذبوں کا' محبتوں کا' جو انہیں والدین سے ہوتی ہے؟"

ج : "بچے! اظہار کے بعد وہ بات نہیں رہتی۔ میں ان کی محبتوں کو ان کے جذبوں کو محسوس کر سکتی ہوں۔ اور پھر یہ محبتیں دل میں ہی رہیں تو اچھی لگتی ہیں۔ والٹ میں رکھی کسی کی تصویر بری نہیں لگتی۔ جب جی چاہا نکال کر دیکھ لی۔ مگر جب آپ اس تصویر کو بار بار نکال کر دیکھو گے تو خرابیاں پیدا ہوں گی۔ میں ایک بار پھر اپنی بات دہراؤں گی' ذرا فاصلے پر رہ کر ہی اچھی زندگی بسر ہوتی ہے۔ دوری سے محبتیں ختم نہیں ہوتیں۔ زیادہ شدت سے پیدا ہوتی ہیں۔ میں ان سے زیادہ شدت کی محبتیں وصولتی ہوں۔"

س : "بچوں کو شادی کے سلسلے میں آپ نے انتخاب کا حق دیا؟"

ج : "بالکل دیا تھا' تینوں کی شادیاں ہماری مرضی اور ان کی پسند کے ساتھ ہوئیں۔ دو کی شادی خاندان میں ہی کی' ایک کی خاندان سے باہر کی..... مگر تینوں بہت نفیس مزاج کی ہیں۔ ان تینوں شادیوں میں بچوں کی مرضی شامل تھی اور یہ ارینج میرج بھی تھیں۔"

س : "آپ کی کتاب "حاصل گھاٹ" (جو اشاعت کے آخری مراحل میں ہے) کا مرکزی خیال کیا ہے؟"

ج : "مشرق مغرب کے لوگوں کو یہ سوچنا ہے کہ فلاح کے راستے کا چناؤ کرنا ہے یا جدید ترقی کے راستے کا۔"

س : "اب تک کتنی کتابیں اور ڈرامے لکھے ہیں؟"

ج : "لاتعداد ڈرامے لکھے اور کتابیں بھی چوبیس پچیس چھپ چکی ہیں۔"

س : "آپ کس سے متاثر ہیں؟"

ج : "اپنے شوہر سے ہی متاثر ہوں' اس لیے ان کے ساتھ شادی کی۔ وہ میرے فیورٹ رائٹر ہیں۔ بہت عمدہ لکھتے ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی اور تعاون سے میں آج اس مقام پر ہوں۔"

س : "کیا ایک عورت کو برابری کی سطح پر جینا چاہیے؟"

ج : "نہیں بھئی' برابری کی سطح پر رہ کر کوئی نہیں جی سکا۔ کوئی چیز ففٹی ففٹی پیدا نہیں ہوئی۔ نصف ہو بھی نہیں سکتی۔ کیا کبھی سرمایہ دار اور ورکر برابر ہوئے؟ مالک اور نوکر برابر ہوا۔ ہرگز نہیں۔ جس طرح ملازم اور مالک کا ایک جیسا درجہ نہیں ہوتا' اس طرح عورت اور مرد بھی برابر نہیں ہوتے۔ کہیں عورت حاوی ہے۔ کہیں مرد اور قرآن میں بھی دونوں کو برابری کا درجہ نہیں ملا۔ مرد' عورت سے برتر ہے۔ وہ کماتا ہے' معاشی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے زیادہ تگ و دو کرتا ہے تو وہ برابر کیسے ہوا؟ میں برابری کے خلاف نہیں' جہاں عورت خاندان کو سپورٹ کرتی ہے۔ وہ حاوی ہو جاتی ہے۔ میں نے دو طرح کی زندگی کو پرکھا' گھر کو بھی سنبھالا' اور لکھا بھی' لیکن نوکری نہیں کی تو کیا ہم دونوں برابر ہو گئے؟ نہیں' بلکہ میرے شوہر اتنا کما لیتے ہیں کہ میں آرام سے گھر بیٹھ کر تمام گھریلو ذمہ داریاں احسن طریقے سے پوری کرتی ہوں۔ تو پھر ہم میں برابری کیسی؟ وہ زیادہ کام کرتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں میرے شوہر مجھ سے کئی لحاظ سے بہتر ہیں۔ میں مرد پیدا نہیں ہوئی' لیکن مجھے مردوں کا نقطہ نظر سمجھنے کا موقع ضرور ملا۔"

س : "آپ کو نوکری کی خواہش نہیں تھی یا شوہر

نے اجازت نہیں دی؟"

ج : "بات شوہر کی اجازت دینے کی نہیں تھی' میرا اپنا نقطہ نظر ہے کہ اگر عورت نوکری کرے گی تو بیمار ساس اور بوڑھے سسر کی دیکھ بھال کون کرے گا.... بچوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش ڈھنگ کے ساتھ کیسے ہوگی؟ اگر گھر میں دو بھتیجے رہ کر تعلیم حاصل کر سکتے ہیں تو آپ کی نوکری کی وجہ سے وہ اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکیں گے۔ یا پھر کوئی بیوہ یا ضرورت مند خاتون آپ کے ہاں سے ایک وقت کی روٹی کھانا چاہتی ہے تو آپ کی مصروفیت آڑے آئے گی اور آپ نوکری کریں گے' باقی ساری ذمہ داریوں کو نظرانداز کر دیں گی تو سوچیں' آپ کی نوکری کرنے سے کتنا نقصان ہوگا۔ جدیدیت کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم اپنی روایات کی پروا کرنا چھوڑ دیں۔ جہاں تک میرا سوال ہے تو میرے دور کی عورتوں نے جو کیا' میں نے بھی وہی کچھ کیا۔ جوان کا طرز زندگی تھا۔ میں نے اپنایا۔ ان کے نقش قدم پر چلی اور اگر میں نے پرانے زمانے کی عورتوں کی طرح زندگی گزاری تو کیا غلط کیا ہے؟ میں نے بہت اچھی زندگی گزاری ہے۔ شوہر ٹھیک ٹھاک کما لیتے ہیں اور مجھے اتنا کما کر دیتے ہیں کہ عمدہ طریقے سے گھر چل رہا ہے اور رب تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے والے کبھی مشکلات سے نہیں گھبراتے۔"

س : "چٹان پر گھونسلہ" اور "دوسرا قدم" آپ کی سیریز تھیں جس طرح اولاد پر مان ہوتا ہے اسی طرح اچھی تخلیقات پر' تو آپ کو اپنی کس تخلیق پر مان ہے؟"

ج : "مجھے تو سب پر مان ہے۔ جس طرح اولاد ایک جیسی نہیں ہوتی' اسی طرح کوئی تخلیق بھی بہت عمدہ اور کوئی نارمل سی ہوتی ہے' یہ فیصلہ تو ہمارے ناظرین بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔"

س : "ٹی وی کے میڈیا سے سچ کہنا مشکل ہی نہیں ناممکن سی بات ہو کر رہ گئی ہے' کبھی آپ کو اس سچ کی وجہ سے کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑا؟"

ج : "جی ہاں۔ بے نظیر دور میں پی ٹی وی پر میرا لکھا ہوا سیریل "سورج مکھی" دکھایا جا رہا تھا' فون آیا کہ میں اسے وائنڈ اپ کردوں۔ اب وہ یہ تو کہہ نہیں سکتے تھے کہ باقو آپا آپ اچھا نہیں لکھ رہی ہیں یا پھر یہ کہ آپ کا لکھا ہوا کچھ لوگوں کو ہضم نہیں ہو رہا۔ مطلب ظاہر ہے سو جلدی جلدی ختم کرنا پڑا۔ ان ہی دنوں اشفاق احمد کا ریڈیو پروگرام "تلقین شاہ" بند ہوا اسی زمانے میں اردو بورڈ کی نوکری سے انہیں علیحدہ کر دیا گیا۔ اس قسم کی مشکلات تو آتی رہتی ہیں۔"

س : "آپ نے دوبارہ کب ٹی وی کے لیے لکھنا شروع کیا؟"

ج : "کب لکھتی ہوں' وہی پرانے پلے دکھائے جاتے ہیں۔"

س : "پرائیویٹ پروڈکشن کے سیریل تو آپ لکھ رہی ہیں' ایک آدھ انڈر پروڈکشن ہیں؟"

ج : "جی ہاں پرائیویٹ لکھ رہی ہوں۔"

س : "پی ٹی وی نے دوبارہ لکھنے کی آفر نہیں کی...؟"

ج : "خاموشی۔" (شاید جواب نہیں دینا چاہتی تھیں)

س : "گھر میں جھڑپیں تو ہوتی ہوں گی؟"

ج : "کوئی خاص نہیں۔ (توقف کے بعد) دراصل وہ وقت دیتے ہیں' ہر شخص کو کہ وہ اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ اپنا نقطہ نظر واضح کرتے ہیں پھر جب کوئی ان کی بات نہ مانے تو غصہ کرتے ہیں مگر زیادہ نہیں۔"

اشفاق احمد : "بھئی میں غصہ کرتا ہوں مگر ٹھیک ٹھاک طریقے سے' جب غصہ آتا ہے تو غصہ نکالتا بھی ہوں اور طنزیہ جملے بھی کہتا ہوں" انہوں نے بڑا پن دکھایا اور اپنی خامی کا کھلے دل کے ساتھ اعتراف کر لیا۔

اشفاق احمد صاحب

س : "آپ نے پہلا افسانہ کب لکھا تھا؟"

ج : "1942ء میں "توبہ" اس کا عنوان تھا۔ جو ادبی دنیا میں چھپا تھا اور مولانا صلاح الدین نے اپنے

بقیہ صفحہ نمبر 284

آمنہ ریاض

قلعہ فلک بوس کا آسیب آیوشمتی... ایک بھٹکتی روح جس کے اسرار سے کوئی واقف نہیں ہے۔
معاویہ فلک بوس آتا ہے تو اسے وسامہ کی ڈائری ملتی ہے۔
فلک بوس میں وسامہ اپنی بیوی آئے کت کے ساتھ رہتا ہے۔ وسامہ بہت اچھا اور ذہین مصنف ہے۔ وہ باوقار اور وجیہہ شخصیت کا مالک ہے لیکن ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ وہ غیر معمولی حساس ہے۔ اسے قلعہ فلک بوس میں کوئی روح محسوس ہوتی ہے۔ آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن کوئی نظر نہیں آتا۔ معاویہ' وسامہ کا پھوپھی زاد بھائی ہے' آئے کت اور وسامہ 'معاویہ کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ قلعہ فلک میں آیوشمتی کی روح ہے لیکن معاویہ مضبوط اعصاب کا مالک ہے' اسے اس بات پر یقین نہیں آتا۔
کہانی کا دوسرا ٹریک جہاں بھائی جوائنٹ فیملی سسٹم کے تحت رہتے ہیں۔
صابر احمد سب سے بڑے بھائی ہیں۔ صابر احمد کی بیوی صباحت تائی جان ہیں اور تین بچے' رامین' کیف اور فہمینہ ہیں۔ رامین کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ملائیشیا میں ہے۔
شفیق احمد کی بیوی فضیلہ چچی ہیں۔ مالی لحاظ سے وہ سب سے مستحکم ہیں۔ شفیق احمد نے ان سے پسند کی شادی کی تھی۔ دو بیٹیاں صیام اور منہا ہیں اور دو بیٹے شاہ جہاں اور شاہ میر ہیں۔ بڑے بیٹے شاہ جہاں مٹھو بھائی کا دماغ چھوٹا رہ گیا ہے۔
باسط احمد تیسرے بھائی کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی بیوی روشن امی اور دو بیٹیاں خوش نصیب اور ماہ نور ہیں۔ خوش

Watch Us On
YouTube

چہرے کے فالتو بالوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

چہرے کی جھُریوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

نصیب کو سب منحوس سمجھتے ہیں' جس کی وجہ سے وہ تنک مزاج ہو گئی ہے۔ خوش نصیب کی نانی بھی ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ خوش نصیب کو دونوں بچاؤں سے شکایت ہے کہ انہوں نے ان کا حق نہیں دیا ہے۔ گھر کا سب سے خراب حصہ ان کے پاس ہے۔ صباحت تائی جان اور روشن امی خالہ زاد بہنیں ہیں۔ صباحت تائی جان کے چھوٹے بھائی عرفات ماموں جو بہت نرم گفتار اور دل موہ لینے والی شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے شادی نہیں کی۔ وہ کیف کے ماموں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا آئیڈیل بھی ہیں۔

کہانی کا تیسرا ٹریک منفرا اور نیمی ہیں۔ منفرا امریکہ میں پڑھنے آئی ہے۔ ہاسٹل میں رہتی ہے۔ زیر زمین ٹرین میں ان کی ملاقات معاویہ سے ہوتی ہے۔ منفرا کی نظریں معاویہ سے ملتی ہیں تو اسے وہ بہت عجیب سا لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکی اور بے حسی ہے۔ منفرا چونک سی جاتی ہے۔

تیسویں قسط

وہ دونوں ہی زخمی ہوئے تھے۔ معاویہ کی داہنی کہنی کی ہڈی اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی۔ دونوں کے ہی چہرے اور بازوؤں پر خراشیں آئی تھیں۔ خوشی اس بات کی تھی کہ اتنے خوف ناک حادثے سے وہ بچ نکلے تھے اور دکھ اس بات کا تھا کہ جان بچ جانے سے بھی بڑا نقصان ہو گیا تھا۔

وسامہ کے بعد جو زندہ رہنے کی ایک آخری وجہ آئے کت کے پاس موجود تھی' وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔

آئے کت اتنا تڑپ تڑپ کر روئی' اس نے ایسے بین کیا کہ کیا ہی وسامہ کی موت پر روئی ہو گی۔

اس روز فلک بوس پر ایک بار پھر ماتم کی سیاہی چھائی تھی اور شام کے بادل ٹوٹ ٹوٹ کر برسے تھے۔

معاویہ کا دل جیسے بند ہو رہا تھا۔ دکھ کی لہر تیز دھار آلے کی طرح اسے کاٹ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ آئے کت کے سر پر ہاتھ رکھے' اسے تسلی دے۔ وہ اس مقصد کے لیے اپنے زخموں کو بھول کر اس کے کمرے تک گیا بھی تھا مگر اندر سے آتی آوازوں نے جیسے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔

"صبر کرو آئے کتے! اللہ کو یہی منظور تھا۔" صاعقہ ممانی کہہ رہی تھیں۔ ان کی آواز میں بھی آنسوؤں کی نمی شامل تھی۔

"میں کتنا صبر کروں ماما جان۔۔۔ اللہ صرف مجھ سے ہی صبر کیوں چاہتا ہے۔" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"میں نے وسامہ کو کھو دیا۔ اس بچے کو کھو دیا جس کے سہارے مجھے زندگی گزارنا تھی۔۔۔ اس سے تو اچھا تھا' معاویہ نے مجھے گرجانے دیا ہوتا۔۔۔ میں بھی مرگئی ہوتی تو یہ دکھ تو نہ سہنا پڑتا۔۔۔ کوئی مجھے یہ نہ کہتا کہ صبر کروں۔۔۔"

اس کے رونے میں اور شدت آگئی۔

باہر کھڑے معاویہ نے دیوار سے ٹیک لگا کر اپنا سر دیوار سے لگا دیا۔ اس کا دل جیسے دکھ سے پھٹ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہر گزرتے دن کے ساتھ شامیر اس کے لیے ایک معمہ بنتا جارہا تھا۔

پتا نہیں اس کے قبضے میں واقعی کوئی جن تھا یا یہ محض اس کا دھوکہ تھا جسے اس نے بڑی مہارت سے مکڑی کے جالے کی طرح خوش نصیب کے گرد بُن دیا تھا' لیکن جو کچھ بھی تھا' اس کی کہی ہوئی باتیں درست ثابت ہونے لگی تھیں۔ دکانوں کے کرائے کے بعد گھر والوں کی طرف سے ان لوگوں کو مزید سہولیات فراہم کردی گئی تھیں۔ روشن امی کی مدد کی غرض سے ایک کل وقتی ملازمہ بھی رکھ لی گئی تھی۔ صرف یہی نہیں' ان لوگوں کو ان کا پورشن اس کمرے سمیت واپس کردیا گیا تھا جو شامیر کی آمد کی وجہ سے ان سے چھین لیا گیا تھا۔ شامیر کے مکان کی تعمیر مکمل ہوچکی تھی اور چند روز میں وہ اپنے نئے گھر میں منتقل ہونے کا ارادہ رکھتا تھا۔

خوش نصیب کے داخلے کے معاملے میں اشفاق چچا خود دلچسپی لے رہے تھے۔ وہ ہر روز اس سے داخلے کے متعلق پوچھتے تھے۔

شامیر جو موکل رکھنے کا دعوے دار تھا' اور بھی کئی صلاحیتیں رکھتا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کو دوسرے کی آنکھوں کے سامنے لاکر ایسے گھماتا تھا کہ ہاتھوں کی ہتھیلی میں اپنی سوچ کا عکس دکھائی دینے لگتا تھا۔ وہ کسی سے ایک سادہ کاغذ پر کسی کو کوئی ہندسہ یا بچپن کے دوست کا نام لکھنے کے لیے کہتا' آنکھیں بند کرکے وہ اس کی انگلی کو چھوتا اور کاغذ پر لکھا ہوا نام یا ہندسہ بتادیتا۔

ایک بار سب فضیلہ چچی کے پورشن میں جمع تھے۔ فضل منزل کے مرکزی دروازے پر بڑی زور سے دستک ہوئی تو شامیر نے وہیں بیٹھے بتادیا۔ باہر صباحت تائی جان کی پرانی سہیلی آئی ہیں جو کئی سال پہلے شہر کے پوش ایریا میں شفٹ ہوچکی ہیں۔ اس کی بات درست ثابت ہوئی۔ دروازے پر وہی خاتون تھیں۔

سب ہکا بکا رہ گئے' جب اس نے آنکھوں کے زور سے موم بتی جلا کر دکھادی۔ طوطا بھائی تو اتنے متاثر ہوئے کہ باقاعدہ ضد لگالی کہ وہ شامیر سے یہ فن سیکھ کر ہی رہیں گے۔ شامیر نے ہنستے ہوئے انہیں یقین دلایا کہ وہ انہیں بھی سکھادیں گے۔ یہ سب نظروں کا دھوکا ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔ خوش نصیب بھی اس کی بات پر ایمان لے آتی اگر اسے موکل والی بات نہ پتا ہوتی۔ شامیر اپنے کرتب یا جو ہر ہر ایک کو دکھا رہا تھا' لیکن موکل والی بات اس نے خوش نصیب کے علاوہ کسی کو نہیں بتائی تھی۔ خوش نصیب کو بھی اس نے باقاعدہ تاکید کردی تھی کہ اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرے ورنہ جبار ناراض ہوکر اسے کوئی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ گو کہ خوش نصیب نے جبار کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا' لیکن وہ مخمصے میں ضرور پڑگئی تھی۔ کبھی اس کا دل اور دماغ شامیر کی کہی ہوئی باتوں کو سچ مان لیتا اور کبھی وہ آنکھوں دیکھی سچائی بھی جھٹلانے لگ جاتا تھا۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود عجیب و غریب واقعات کا سلسلہ طویل ہوتا جارہا تھا اور ان واقعات نے

خوش نصیب کو پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ کبھی وہ آدھی رات کے وقت خود کو چھت کے عین بیچ و بیچ کھڑا ہوا پاتی۔ کبھی اسے ایسا لگتا وہ اپنے کمرے میں سب کے درمیان بیٹھی ہوئی ہے' لیکن ایسا صرف جسمانی لحاظ سے ہوتا تھا۔ ذہنی طور پر وہ کبھی کسی سبزہ زار میں تو کبھی کسی صحرا میں پھر رہی ہوتی تھی۔ اسے ہوش آتا تو اس کے پیر گھاس کی نمی سے تر ہوتے یا صحرا کے آگ اگلتے سورج سے اس کا جسم پسینے سے شرابور ہو چکا ہوتا۔

ایک دو بار تو ایسا بھی ہوا کہ وہ کچھ دیر کے لیے ذہنی طور پر غائب ہو گئی اور جب اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو شامیر کے کمرے کے سامنے کھڑا ہوا پایا۔ اب خوش نصیب بری طرح پریشان ہو گئی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس بارے میں ماہ نور یا روشن امی کو ہی بتا دے' لیکن کوئی بھی اس کی بات کو سنجیدگی سے سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ سب کو یہی لگتا اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ ایک بار پھر کوئی جھوٹا سچا قصہ سنا رہی ہے۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ جسمانی طور پر موجود رہے اور ذہنی طور پر غائب ہو جائے۔ ایسی کون سی ولایت نصیب ہو گئی تھی اسے کہ روحانیت کے ان سلسلوں کو اس کی شخصیت کا حصہ سمجھ لیا جاتا۔

ناچار اسے شامیر سے ہی مدد لینا پڑی۔ مدد کیا لیتی' بھی وہ برس ہی پڑی اس پر۔ لیکن شامیر خود لاعلم تھا بلکہ کسی قدر حیران بھی کہ یہ سب خوش نصیب کے ساتھ کیا اور کیوں ہو رہا ہے۔

"میرا خیال ہے' جبران کسی بات پر ناراض ہو گیا ہے۔ ہو نہ ہو' یہ سب وہی کر رہا ہے۔" اس نے خیال ظاہر کیا۔

"کون جبران؟" خوش نصیب نے حیرت سے پوچھا۔

"بھئی جبار اور کون' جبار کا اصلی نام جبران ہے۔" شامیر نے خوش نصیب کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا جبران' لیکن اب اگر میرے ساتھ کچھ ایسا ہوا تو میں بہت برا حشر کروں گی تمہارا۔"

"مجھ سے کیوں ناراض ہو رہی ہو۔ جو بھی کیا ہے' جبران نے کیا ہے۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"اپنے جبران کو سامنے لاؤ میرے۔ دانت توڑ دوں گی میں اس کے۔" وہ حسب عادت جذباتی ہو کر بولی۔

"ایسے مت کہو۔ جس طرح تم بات کر رہی ہو تم جبران کو ناراض کر دو گی۔" شامیر نے فوراً" کہا۔

خوش نصیب کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ "ہوتا ہے تو ہو جائے۔ میری پھپھی کا بیٹا لگتا ہے کہ میں اس کی پروا کروں گی۔" وہ تنک کر بولی۔

"یہ جن بھوت بہت خطرناک ہوتے ہیں خوش نصیب! ایک بار جس کے پیچھے پڑ جائیں آسانی سے اس کی جان نہیں چھوڑتے' اسی لیے میں تمہیں محتاط رہنے کا کہہ رہا ہوں۔" اس نے خلوص نیت سے کہا۔

"یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ یہی فضول عادت ہمارے کیف کی بھی ہے۔ کسی کے پیچھے پڑ جائے تو بس پھر
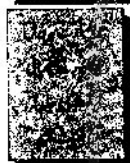
بڑا ہی رہتا ہے۔ اور کیفی کو تو میں منٹوں میں انگلیوں پر نچا لیتی ہوں' یہ جبران کیا چیز ہے۔" خود اعتمادی تو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

"مرضی ہے پھر تمہاری۔ میں تو سمجھا ہی سکتا ہوں۔" وہ قدرے بے زاری سے بولا تھا۔

"دیکھو' اول تو مجھے یقین ہی نہیں ہے کہ جبران نامی کسی مخلوق کا وجود ہے' لیکن یہ جو عجیب و غریب واقعات میرے ساتھ ہو رہے ہیں انہوں نے دماغ خراب کر دیا ہے میرا۔"

"تو اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" وہ چڑ کر بولا۔

"میری وجہ سے جبران نے تمہیں تنگ کرنا شروع کر دیا ہے حالانکہ میں نے اسے سمجھایا بھی تھا کہ غلطی تمہاری نہیں' میری ہے۔ تمہاری بے تکلفی کو میں ہی محبت سمجھ بیٹھا تھا' لیکن اسے لگتا ہے تم نے بے وقوف بنایا ہے مجھے۔ اسی بات کا بدلہ لے رہا ہے وہ۔"

"میں کسی جن وِن کو نہیں مانتی۔ بلکہ مجھے یقین ہے یہ تم ہی اپنا کوئی کرتب مجھ پر آزما رہے ہو۔"

"کرتب۔ ؟ کیسا کرتب؟"

"اب یہ میں کیسے بتا سکتی ہوں۔ اگر تم بغیر ہاتھ لگائے موم بتی جلا سکتے ہو تو کسی کا ذہن کنٹرول کرنا تمہارے لیے کیا مشکل ہوگا۔" اس نے آنکھیں مٹکا کر کہا' جیسے کہہ رہی ہو۔ دیکھا بچو! پہچان لیا ناں تمہیں۔

شامیر نے سر پیٹ لیا۔ "میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ میں بھی اس معاملے میں بے بس ہو گیا ہوں۔"

"تم اپنے جبران کو میرے سامنے لے کر آؤ۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔" اس نے انتہائی سنجیدہ ہو کر کہا۔

شامیر ہکا بکا رہ گیا۔ "تم جبران سے ملنا چاہتی ہو۔ ؟ کیا ہو گیا ہے خوش نصیب! وہ کوئی عام انسان نہیں ہے کہ تم آسانی سے اس سے مل سکو؟"

"اب آسانی ہو یا مشکل۔ لیکن اس سے ملاقات کروانا تمہاری ذمہ داری ہے۔ اور یاد رکھنا اگر تم نے ٹال مٹول کی تو میں سب کو بتا دوں گی۔"

"نہیں خدارا' یہ غضب مت کرنا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"میں جبران سے بات کرتا ہوں۔ تم سے ملنے پر راضی کروں گا اسے۔"

"ہوں۔" وہ گردن اکڑا کر چلی گئی۔

"اونہہ۔ آیا بڑا موکل رکھنے والا ہر فن مولا۔"

☼ ☼ ☼
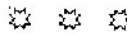
دکھ عظیم تر تھا' مداوا کوئی نہیں۔

لیکن چونکہ جنازہ نہیں اٹھا سو دکھ کی ندی چند روز طغیانی دکھا کر خاموشی سے بہنے لگی۔ آئے کت کا اصرار تھا اسے جانے دیا جائے۔ ماموں اور ممانی نے سمجھانے کی کوشش کی' لیکن وہ کسی کی بات سننے پر راضی ہی نہ تھی۔

"مجھے اس جگہ' اس عمارت سے نفرت ہو گئی ہے۔ اپنی زندگی کے عظیم ترین دکھ مجھے یہیں آکر ملے ہیں۔ میں دوبارہ یہاں کبھی نہیں آؤں گی۔ معاویہ کے فادر سے کہیں فلک بوس کو گرا دیں' یہ عمارت ہی منحوس ہے۔ کسی انسان کو اب تک ہنستا بستا نہیں دیکھ سکی۔ یہاں سے آگے بھی دکھ ہی ملیں گے۔"

صاعقہ ممانی نے خاتون بی بی کے ساتھ مل کر سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ آئے کت کی ضد کے آگے اب کسی کی نہیں چل سکتی تھی۔

معاویہ نے سنا تو چپ سادھ گیا۔ پتا نہیں کیوں' لیکن دل و دماغ سن سے محسوس ہونے لگے تھے۔ جانے سے

پہلے اس نے ایک بار آئے کت سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو صاعقہ ممانی نے اسے صاف منع کردیا۔

"آئے کت اپنے نقصان کا ذمہ دار تمہیں سمجھتی ہے۔۔۔ وہ تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"مجھے ایک بار اس سے بات کرنے دیں ممانی! میں اسے یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس حادثے میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔" وہ اتنے دن کی ذہنی و جذباتی کشمکش سے تھک چکا تھا اور رو نکھا ہو کر کہہ رہا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے تم کہو گے اور وہ تمہاری بات کا یقین کرلے گی؟" صاعقہ ممانی نے دکھ سے پوچھا۔

"وہ سو فیصد پُر یقین ہے کہ تم جان بوجھ کر اسے اس خطرناک راستے پر لے کر گئے تھے اور۔۔۔ اور یہ بھی کہ تم نے اس سے کسی پرانی چپقلش کا بدلہ لیا ہے۔" وہ بولیں۔ معاویہ کو لگا جیسے اس کے دماغ پر کسی نادیدہ ہاتھ نے ایک زور دار کوڑے کی ضرب رسید کی۔

"وہ بے وقوف ہے جو ایسا سوچ رہی ہے۔" "بے وقوف ہے یا عقل مند۔۔۔ لیکن وہ تم سے ملنے پر راضی نہیں ہے۔" وہ دکھ سے بولتے اس کے قریب آگئی تھیں۔

"جس روز سے وہ حادثہ ہوا ہے اس روز سے آئے کت کہہ رہی ہے وہ تم سے نفرت کرتی ہے کیونکہ۔۔۔ فلک بوس نے رسامہ کو اس سے چھین لیا اور فلک بوس تمہاری ملکیت ہے اور تم نے۔۔۔ تم نے دنیا میں آنے سے پہلے ہی اس کا بچہ چھین لیا۔ اب وہ کس کے سہارے زندگی گزارے گی۔۔۔؟ وہ تو دنیا میں اکیلی رہ گئی ہے۔"

معاویہ انہیں دیکھتا رہا۔ دل ہی دل میں الفاظ ترتیب دیتا رہا۔ پھر اس نے رک رک کر اور نرمی سے کہا۔

"آپ آئے کت سے کہیں۔۔۔ وہ دنیا میں اکیلی نہیں ہے۔۔۔ میں مرتے دم تک اس کا ساتھ نبھاؤں گا۔۔۔ میں اس سے شادی کروں گا۔" وہ مستحکم ارادہ کرچکا تھا۔

☼ ☼ ☼

معاویہ کا پیغام سن کر آئے کت نے بالکل ہی اس سے ملنے سے انکار کردیا اور یہ بھی کہلوا بھیجا کہ جب تک وہ فلک بوس میں ہے اس پر مہربانی کرے اور اپنی شکل دکھانے کی غلطی نہ کرے۔

کچھ عرصہ پہلے جیسے حالات ہوتے تو معاویہ اس پیغام کا بڑا برا مانتا' لیکن اب وقت گزر چکا تھا اور حالات کافی بدل گئے تھے۔ لہٰذا معاویہ نے اسے دوسری منزل کی برآمدہ نما راہ داری میں جالیا جو فلک بوس کے لان کی طرف کھلتی تھی اور جہاں آئے کت شام کی چائے تپائی پر رکھے اپنا سر اس حد تک جھکائے ہوئے تھی کہ اس کی ٹھوڑی سینے سے جا لگی تھی' چہل قدمی کرنے میں مصروف تھی۔

جب وہ آخری کونے تک جا کر واپس پلٹی تو اپنی جھونک میں معاویہ سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

وہ پشت پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ دونوں کی آنکھیں ملیں اور آئے کت کی شفاف پیشانی پر بل پڑ گئے۔

وہ کترا کر جانے لگی تو معاویہ نے فوراً" اسے پکارا۔ "مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"لیکن مجھے نہیں کرنی۔" رکھائی سے کہا۔

"آئے کت! تم مجھے اس غلطی کی سزا نہیں دے سکتیں' جو میں نے کی ہی نہیں ہے۔" وہ بے چارگی سے کہہ رہا تھا "میں نے صرف شارٹ کٹ ہونے کی وجہ سے وہ راستہ اختیار کیا تھا۔ مجھے پتا ہوتا کہ ایسا بھیانک حادثہ ہو جائے گا تو۔۔۔ تو ہرگز۔۔۔ ہرگز تمہیں وہاں نہ لے جاتا۔"

"جھوٹ مت بولو۔" وہ پھٹ پڑنے کے انداز میں بولی۔ "میں اچھی طرح جانتی ہوں' تم نے مجھ سے بدلہ لیا ہے۔۔۔ میں نے تو تم سے معافی بھی مانگ لی تھی معاویہ! پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟" آنسو اس کی پلکوں سے موتیوں کی طرح ٹوٹ کر اس کے گالوں پر بہنے لگے۔

ایک راز چپ چاپ ان دونوں کے مابین آکر کھڑا ہو گیا تھا اور اپنی عیار آنکھوں سے ان دونوں کو تکنے لگا تھا۔
"یہ غلط ہے۔۔۔ میں نے کوئی بدلہ نہیں لیا۔۔۔ میں قسم کھانے کے لیے تیار ہوں۔" وہ جذباتی پن سے بولا۔
"جھوٹی قسمیں مت کھاؤ۔" وہ زور سے چلائی۔ "میں اچھی طرح جانتی ہوں میرے معافی مانگ لینے کے باوجود تمہارے دل سے خلش دور نہیں ہوئی تھی۔ اپنے بابا کی طرح تم بھی مجھے ایک بدکردار عورت سمجھتے ہو۔"
وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی دکھ اور خود اذیتی کے شدید ترین بوجھ تلے دبی وہ بولتے ہوئے رو رہی تھی۔

فلک بوس کی دیواروں نے اسے روتا دیکھ کر کرب سے آنکھیں موندلی تھیں۔
معاویہ کا دل جیسے دکھ سے پھٹ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اسے روتے ہوئے دیکھتا رہا۔ بڑی دیر آئے کت ایسے ہی بلک بلک کر روتی رہی۔ پھر اس کے رونے کی شدت میں کمی آگئی۔ اس نے چہرہ پونچھا۔ معاویہ نے اپنا کمزور پڑتا حوصلہ پھر سے بحال کیا اور بوجھل آواز میں بولا۔
"ایسی بات نہیں ہے آئے کت! میں نے تمہیں کبھی بدکردار نہیں سمجھا۔ میں نے کبھی بابا کی باتوں پر اعتبار نہیں کیا۔۔۔ اگر میں ان کا اعتبار کرتا تو تم سے شادی کا ارادہ بھی نہ کرتا۔"
آئے کت کے اعصاب تن گئے۔ اس نے ناراضی سے معاویہ کو گھورا۔
"یہ خیال تم اپنے دل سے نکال دو۔۔۔" اس نے رگڑ کر چہرہ پونچھا اور کھڑی ہو کر مخالف سمت میں چل پڑی۔
"میں نے وسامہ سے وعدہ کیا کہ تھا تمہارا ہر حال میں خیال رکھوں گا۔" اسے جاتا دیکھ کر معاویہ نے آواز لگائی تھی۔ اس کی آواز میں منت بھری التجا تھی۔ وہ وسامہ کو خود سے مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ خود کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔
آئے کت نے مڑ کر ناراض نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"مرے ہوئے لوگوں سے کیے وعدے پورے کرنے سے بہتر ہے۔۔۔ زندہ لوگوں کے جذبات کا خیال رکھو۔"
اس نے کہا اور مڑ کر چلی گئی۔ معاویہ نیم تاریک راہداری میں تن تنہا کھڑا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

اور خوش نصیب کا خیال تھا جبران سے ملاقات کرنے کی بات کر کے اس نے شامیر کے چودہ طبق روشن کر دیے ہیں لیکن خود اس کے اپنے چودہ طبق روشن ہو گئے جب اسے یہ پتا چلا کہ جبران اس سے ملنے کے لیے راضی ہو گیا ہے۔
"لیکن وہ تم سے فضل منزل آکر نہیں ملے گا۔۔۔ وہ چاہتا ہے تم کہیں اور اس سے ملو۔" شامیر نے اسے بتایا۔
"کیا مطلب۔۔۔؟ کسی پارک یا ریسٹورنٹ میں ملوں اس سے؟۔" وہ تنک کر بولی۔ "یا مووی دیکھتے سینما چلے جائیں ہم؟"
شامیر کو بھی غصہ آگیا۔ "دیکھو۔۔۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا' وہ انسان تو ہے نہیں کہ ہم اسے انسانوں والے طریقے سے ہی سمجھانے کی کوشش کرتے رہیں۔ وہ جن ہے جن۔ مٹی سے نہیں آگ سے بنا ہے اور آگ کی تاثیر جانتی ہو تم۔۔۔ جلا کر رکھ دیتی ہے یہ نہیں دیکھتی کہ اس کے راستے میں آنے والی چیز کتنی نازک ہے کتنی سخت۔۔۔ اس کا کام بس جلا کر بھسم کرنا ہے۔۔۔ جبران کو غصہ ہے تم پر۔ اور یہ غصہ اس وقت تک دور نہیں ہو گا جب تک تم اس سے معافی نہیں مانگ لیتیں۔"
"معافی کس بات کی؟؟" اب اس نے تڑخ کر کہا تھا۔

"جبران میرا دوست ہے۔ وہ جان دیتا ہے مجھ پر۔ اور اسے لگتا ہے تم نے مجھے ہرٹ کیا ہے۔ اس بات کا بدلہ لینے کے لیے ہی وہ تمہیں تنگ کر رہا ہے۔"

"تو تم جا کر اسے بتا کیوں نہیں دیتے کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میرا مطلب۔ میں نے دل نہیں دکھایا تمہارا۔ تم بتاؤ جبران کو کہ تمہیں ہی غلط فہمی ہو گئی تھی۔"

شامیر چپ سا ہو گیا اور اس نے سر جھکا لیا۔ پھر اس نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

"ہرٹ تو کیا ہے تم نے مجھے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں۔"

اب شرمندہ ہونے کی باری خوش نصیب کی تھی۔ اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ کس مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ بہرحال اس نے جبران نامی اس بلا سے ملاقات کے لیے فضل منزل سے باہر نکلنے سے انکار کر دیا۔ شامیر نے اسے سمجھانے کی کافی کوشش کی کہ اس کا فیصلہ اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے' لیکن خوش نصیب کو چونکہ جبران کے وجود پر اعتبار ہی نہیں تھا سو اس نے شامیر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

"ٹھیک ہے' مرضی ہے تمہاری۔ لیکن اس کے بعد جو بھی ہو گا اس کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" شامیر نے یہ کہہ کر جیسے ہر چیز سے لاتعلقی اختیار کر لی تھی۔ خوش نصیب بھی سر جھٹک کر ہر معاملے سے بے نیاز ہو گئی۔

لیکن پھر اس رات وہ ہوا جس نے صرف خوش نصیب کو ہی نہیں فضل منزل کے ہر فرد کو ہکا بکا کر دیا۔ خوش نصیب عرف مرن جوگی' فضل منزل کی چھت سے آدھی رات کے وقت خودکشی کی کوشش کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

آئے کت نے جو ارادہ کیا تھا پھر اسے پورا کر کے ہی چھوڑا۔ صاعقہ ممانی اور طالب ماموں نے پوری جان توڑ کوشش کی کہ اسے روک لیا جائے' لیکن آئے کت نے ان کی بات مان کر ہی نہ دی۔ اپنا گنا چنا سامان سمیٹتے ہوئے وہ اتنا روئی کہ اس کی آنکھیں اگلی صبح تک بھی سوجی ہوئی سی محسوس ہوتی رہیں اور آنکھوں کے کنارے، اتنے سرخ رہے کہ لگتا تھا وہاں باقاعدہ رنگ لگایا گیا ہے۔

وسامہ کی کچھ کتابیں اس نے اپنے ساتھ رکھ لیں اور کچھ معاویہ کے حوالے کر دیں۔

"یہ وسامہ کی یادیں ہیں۔ وہ جتنا مجھے عزیز تھا اتنا ہی۔ یا شاید اس سے کچھ زیادہ تمہیں عزیز تھا۔ آدھی یادیں تم رکھ لو۔"

معاویہ نے چپ چاپ وہ کارٹن پکڑ لیا جس میں وہ وسامہ کی یادیں لائی تھی۔

آئے کت کھڑی اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مسلتی رہی وہ جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو' لیکن اتنی ہمت جمع نہیں کر پا رہی تھی کہ کچھ بول سکے۔

"تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟" معاویہ نے پوچھا۔

آئے کت نے نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"معاویہ۔ کیا میں امید رکھوں۔ تم نے مجھے معاف کر دیا ہو گا؟"

"معافی کس بات کی؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔

آئے کت نے آنکھیں میچ لیں اور اسے ایسا لگا جیسے سانس اس کے حلق میں اٹک رہی ہو۔

"تم جانتے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں۔ کیوں مجھے بار بار میری ہی نظروں میں ذلیل کر دیتے ہو معاویہ!" اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور بری طرح گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔

"میرے دل پر اتنا بوجھ ہے... میرا ضمیر مجھے اتنی ملامت کرتا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے میں مرجاؤں... کاش کاش... اس روز ہشام کی کھائیاں مجھے نگل گئی ہوتیں۔"

معاویہ پر شرمساری کی پھوار برسنے لگی اس کا دل بوجھل سا ہو گیا۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا آئے کت... میں نے تو کبھی بھی کچھ نہیں کہا۔" وہ بے چارگی سے بولا تھا۔

"تم نے ایک بار معافی مانگی تھی اور میں اس بات کو بھول بھی گیا تھا۔ قسم کھا کے کہتا ہوں' دوبارہ کبھی میں نے اس بات کو یاد بھی نہیں کیا... تم ہمیشہ میرے لیے وسامہ کی بیوی کی حیثیت سے قابل احترام رہی ہو۔"

قریب سے گزرتی ہوا نے ان دونوں کو دیکھا۔ اداسی سے مسکرائی اور ماضی کی ایک یاد کو وقت کے ہاتھوں سے چھین کر ان دونوں کے درمیان لا کھڑا کیا۔ ہشام کا فلک بوس بصارت کے پردوں پر ایسے لہلہاتا ہوا نمودار ہوا جیسے پانی پر لہریں ہوا کے زور سے لحظہ بھر کو حرکت کرتی ہیں اور پھر ساکت ہو جاتی ہیں۔

یہ فلک بوس پر اترتی ایک شام کا منظر تھا۔ آئے کت تالاب کے کنارے سفید پری کے سائے تلے رخ موڑے کھڑی تھی۔ اس نے بالوں کو پورا کا پورا اوپر اٹھا کر جوڑا سا بنا رکھا تھا جس سے اس کی گردن کی خوب صورتی نمایاں ہو رہی تھی۔ اس کی رنگت میں چاند کی کرنیں گھلی ملی سی محسوس ہوتی تھیں۔ کانوں میں ننھے ننھے آویزے جھول رہے تھے۔ آویزوں کے سفید موتی سر کی خفیف سی حرکت سے جھولنے لگتے تھے اور ان موتیوں کے ساتھ وسامہ کا دل بھی۔

لیکن اس وقت اس کے مقابل معاویہ کھڑا تھا اور آئے کت کی بات سن کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ اس کا دل چاہا تھا اس خوب صورت عورت کے چہرے پر اتنے تھپڑ مارے کہ دوبارہ وہ کسی کو اپنا چہرہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہے۔

ہوا کا ذرا تیز جھونکا آیا اور یاد کے اس منظر کو اپنے ساتھ اڑاتا چلا گیا۔ راز' راز ہی رہے تو بھلا۔ معاویہ جھرجھری لے کر جیسے ہوش میں آیا تھا۔

"بھول جاؤ اس بات کو... میں نے معاف کر دیا تھا تمہیں۔" معاویہ نے کہا۔

"تم نے معاف کر دیا تھا' لیکن میں نے تو خود کو معاف نہیں کیا۔" آئے کت دکھ سے بولی۔

"اللہ نے بھی مجھے معاف نہیں کیا ہو گا تب ہی مجھے ایسی بڑی سزا ملی ہے... نہ شوہر رہا نہ اولاد... اگر وسامہ کو پتا چلتا تو وہ کیا کرتا میرے ساتھ... شاید مجھ پہ تھوک دیتا۔" وہ جیسے کسی اور ہی کیفیت میں — بول رہی تھی۔

"تم ایسا مت سوچو... خدارا! تم ایسا مت سوچو... جب میں نے ہی تمہیں معاف کر دیا تو اللہ تمہیں کیوں سزا دے گا۔"

"میں کیسی گھٹیا عورت نکلی جس نے شوہر کی موجودگی میں کسی دوسرے مرد کے لیے سوچا... میں مر کیوں نہیں گئی تمہارے بارے میں سوچتے ہوئے۔ یقین کرو معاویہ! اگر مجھے موقع ملا تو اس گناہ کے لیے میں خود کو سنگسار کرنا مناسب سمجھوں گی۔" وہ رو رہی تھی۔ سسک رہی تھی۔ اپنے اس گناہ پر شرمسار ہو رہی تھی جس کا اس نے صرف ارادہ کیا تھا۔ اس پر عمل درآمد سے پہلے ہی اللہ نے اسے ہدایت دے دی تھی اور وہ شوہر کی طرف پلٹ گئی

... سے اعلا منصب' اور کوئی عورت ہو سکتی تھی جو اپنے دل میں آئے ایک نامناسب خیال کے لیے بھی ... جھونک دینے جیسی بڑی سزا کی حق دار قرار دیتی ہو۔ معاویہ کے دل میں اس کا منصب بڑھ گیا۔

... بوجھ تلے سر جھکائے کھڑا تھا۔ وہ بے چاری پہلے ہی اپنے ضمیر کی ملامت سہ رہی تھی اور اس کا ... کے دل کا بوجھ بڑھا رہا تھا۔ وہ اس سے تسلی اور ہمدردی کے دو بول بولنا چاہتا تھا' لیکن اس کی زبان

نے بھی جیسے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس روز آئے کت ـــــ روتے ہوئے اور پچھتاوے کا بوجھ لیے معاویہ کے سامنے سے چلی گئی لیکن سچ تو یہ تھا کہ وہ کبھی گئی ہی نہیں تھی۔

معاویہ دن رات وسامہ کو یاد کرتا اور اس یاد کے ساتھ آئے کت اس کے ذہن میں بازگشت بن کر گونجتی رہتی۔ وہ استنبول چلی گئی اور معاویہ لاہور چلا گیا لیکن دل وہیں کہیں رہ گئے دونوں کے۔ وہیں بشام کے فلک بوس میں تالاب کے کنارے۔

☆ ☆ ☆

اس روز شام سے ہی بادل گھر گھر کر آنے لگے تھے اور سر شام ہی ٹھنڈی ہوائیں چلنا شروع ہوگئی تھیں۔ شاہجہان المعروف طوطے بھائی کو جس وقت اپنے کبوتروں کا خیال آیا رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور گھر کے سب ہی افراد سو چکے تھے۔ جب سے روشن چچی اور ان کی بیٹیاں اوپر شفٹ ہوئی تھیں کبوتروں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ان پر آگئی تھی لیکن کبھی کبھار طوطے بھائی کی کبوتروں کے لیے دیرینہ محبت جاگ اٹھتی تھی اور اس رات بھی یہی ہوا تھا۔ لہٰذا انہوں نے چادر لپیٹی اور ٹارچ جلا کر اوپری منزل کا رخ کیا۔ بارش کا پہلا قطرہ گرتے ہی واپڈا کی مہربانی سے بجلی بند ہوگئی تھی۔ بجلی نہ بھی جاتی تو رات کے وقت فضل منزل کے بہت سے حصوں کی بتیاں بجھا دی جاتی تھیں۔ کسی کی نیند خراب نہ ہو اس لیے وہ ٹارچ لے کر ہی نکلے۔ آگے آگے ٹارچ سے نکلتا ہوا روشنی کا گولہ تھا پیچھے پیچھے طوطا بھائی۔

اوپر والی سیڑھی پر جوں ہی پیر رکھا۔ ٹارچ کی روشنی سیدھی سامنے منڈیر پر پڑی اور طوطا بھائی کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ دل جیسے بند ہو کر رواں ہوا۔ منڈیر کے پاس سر جھکائے خوش نصیب کھڑی تھی اور اپنے ـــــ ہاتھ پیر مارتی منڈیر پر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یقین کامل تھا کہ وہ خودکشی کی کوشش کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

پھر وقت گزرنے لگا۔ دن پر دن گزرے اور راتیں چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کے ساتھ آتی جاتی رہیں۔

وہ رات بھر سکون سے سوتا۔ یونیورسٹی جاتا دوستوں سے ملتا۔ ویک اینڈ پارٹیز اور سیر و تفریح میں گزارتا۔ بابا کہتے تو کبھی آفس بھی چلا جاتا۔ ہفتے میں دو بار طالب ماموں اور صاعقہ ممانی کو فون کرتا اور دیر تک ان سے باتیں کرتا رہتا۔ ان ہی سے آئے کت کی خیر خیریت بھی معلوم ہو جاتی۔ ان چند مہینوں میں وہ دو بار پاکستان کا چکر لگا چکی تھی اور وسامہ کے بوڑھے ماں باپ سے مل کر گئی تھی۔ ادھر معاویہ اور ادھر آئے کت ان دونوں کو اپنے اپنے پاس بلانے کے لیے زور لگاتے رہے لیکن وہ دونوں ہی اپنا گھر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

معاویہ کے دل کا ایک کونا وسامہ کے نام سے آباد تھا۔ بالکل ایسے جیسے قبرستان میں ایک قبر آباد ہو جاتی ہے۔ آپ جب جب اس کونے کا رخ کریں دل روتا ہے۔ آہیں اور سسکیاں جان کو آنے لگتی ہیں۔

جب کہ دوسرے کونے میں ارادے کی شمع روشن تھی۔ ایک نرم سا جذبہ اس شمع کی لو سے ایک کرن ادھار لے کر پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ کبھی کبھار اپنے خیالات پر عجیب سی بے چینی کا شکار ہو جاتا تھا لیکن پھر اسے وسامہ سے کیا ہوا عہد یاد آنے لگتا اور اس کا ارادہ مزید پختگی اختیار کر لیتا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ اسے آئے کت سے کوئی افلاطونی محبت ہوگئی تھی۔ بس انسیت تھی جو ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔ وہ اس کے لیے فکر مند رہتا تھا۔ نتیجتاً" وہ ہر رات اسے یاد کرتے ہوئے سوتا اور صبح جاگنے پر پہلا خیال اسی کا آتا تھا۔

محبت کا آغاز اکثر ایسے ہی واقعات سے ہوتا ہے جو پہلے پہل چونکا دیتے ہیں اور پھر حیرانی کا شکنجہ گلے میں ڈال کر

اپنے ساتھ دوڑائے پھرتے ہیں۔

وہ تین بار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے آئے کت کی خیریت معلوم کرنے کے لیے کال بھی کی۔ اور جیسے دو واقف کار کچھ عرصہ بعد آپس میں بات چیت کر لیتے ہیں تو ایسے ہی ان کے درمیان باتیں ہوتیں اور پھر وہ فون بند کر دیتے۔ ان کی ملاقات کچھ مہینوں بعد ہی ممکن ہو سکی تھی۔

صاعقہ ممانی کے چھوٹے بھائی کے بیٹے اور بیٹی کی شادی تھی۔ گو کہ معاویہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا' لیکن جب اس کی ماما کا انتقال ہوا اور ارد شیرازی اسے طالب ماموں کے حوالے کر کے اپنی نئی بیوی کے ساتھ ایران چلے گئے تو معاویہ ان سب میں ایسے گھل مل گیا تھا جیسے ان ہی کا حصہ رہا ہو۔ وسامہ کے دوست اس کے دوست بن گئے۔ وسامہ کے کزن' اس کے کزن تھے۔ درحقیقت وسامہ نے معاویہ کے ساتھ صرف اپنے ماں باپ ہی نہیں ہر وہ رشتہ' ہر وہ چیز شیئر کی تھی جس سے اسے کسی بھی طرح کی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اب بلال اور اس کی بہن شازمہ کی شادی تھی تو انہوں نے بطور خاص معاویہ کو مدعو کیا تھا۔ پھر صاعقہ ممانی کا اصرار بھی تھا۔ وہ اسے دیکھنے کے لیے بے چین تھیں۔ یوں کوئی ایک بھی ایسی وجہ نہیں تھی جو معاویہ کو اس شادی پر جانے سے روک سکتی۔

ہاں البتہ ایسی بہت سی وجوہات تھیں جو اسے شادی میں جانے کے لیے اکسا رہی تھیں اور ان میں سے ایک وجہ سے جاتے ہی اس کا سامنا ہو بھی گیا تھا۔

وہ ہلکے زرد رنگ کے لباس میں ملبوس ایک لمبے دوپٹے کو کندھوں پر ڈالے ایک ایسے زرد پھول کی طرح نظر آتی تھی جو مرجھانے کے قریب ہو۔ اس کی رنگت کملا چکی تھی۔ وزن اتنا گھٹ گیا تھا کہ گالوں کے قریب ہڈیاں نمایاں نظر آرہی تھیں۔ آنکھوں کے گرد حلقے بن گئے تھے اور آنکھوں کے ڈورے ویران لگتے تھے۔ ریشمی بال کھردرے اور بدرنگ معلوم ہوتے تھے۔ اس کے ہونٹ مسکراتے تو آنکھیں اس کا ساتھ نہ دیتی تھیں۔

اسے دیکھ کر معاویہ کو دکھ سا ہوا۔

"یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ تم ایسی تو نہیں تھیں آئے کت۔" وہ اپنے تاثرات چھپا نہیں پایا تھا۔

"ایسی... کیسی...؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر دھیما سا مسکرائی تو آنکھوں کے کناروں پر لکیریں سی نمایاں ہو گئیں۔

"ایسی... اتنی بے رنگ..." وہ اپنی بات سمجھانے کے لیے مناسب الفاظ تلاش نہیں کر پا رہا تھا سو یہی کہہ دیا۔

"جس کی ذات سے میری زندگی کے سارے رنگ جڑے تھے... جب وہی نہیں رہا تو خود کو رنگوں سے سجا کر کیا کروں گی۔" وہ اداسی سے بولی۔ یہ اداسی معاویہ کے دل کی سرزمین پر پھیل کر اسے بے آب و گیاہ میدان بنا گئی۔

"تم بہت کمزور بھی ہو گئی ہو۔ اب پلیز یہ مت کہنا کہ جو تمہیں اپنے ہاتھوں سے نوالے بنا بنا کر کھلاتا تھا' وہ ہی اس دنیا سے چلا گیا تو میں کھانا کیسے کھاؤں گی۔" اس نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔

آئے کت فوری طور پر سمجھ نہیں سکی۔ اس نے قدرے حیرانی سے معاویہ کو دیکھا اور پھر ایک دم سے ہنس دی۔ اسے ہنستا دیکھ کر معاویہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

اسی وقت دلہن کو مایوں بٹھائے جانے کا ہنگامہ اٹھا۔ کم و بیش سب ہی لڑکیاں اور خواتین زرد لباس پہنے ہوئی تھیں۔ دلہن کے تخت کے پاس آ گئیں۔ معاویہ دانستہ ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ایسی زنانہ تقریب میں بھلا اس کا کیا کام تھا' لیکن اس کی نظریں وہیں تخت کے آس پاس دوڑتی رہیں۔ کیونکہ آئے کت وہیں تھی اور معاویہ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

دور سے بھی اس نے دیکھ لیا جب دلہن کو مہندی لگائی جا رہی تھی۔ اور سب مہمان' قریبی عزیز اسے کسی شہزادی کا سا پروٹوکول دے رہے تھے تو آئے کت جو مسکرا رہی تھی' اس کی آنکھوں میں حسرت دکھائی دیتی تھی۔

پھر رقص شروع ہوا تو لڑکیوں نے آئے کت کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی ساتھ شامل کر لیا۔ ایک طرف لڑکے، دوسری طرف لڑکیاں۔ دلہن کے تخت کے اردگرد وہ سب دائرے میں گھوم رہے تھے اور اپنے سروں سے اوپر اور نیچے، گھٹنوں کے پاس ہاتھ لے جا کر ایک لے میں تالیاں بجا رہے تھے۔ دھکم پیل کے دوران ایک دوبارہ وہ ساتھ ساتھ بھی آ گئے اور ایک دوسرے کو ایسے گھومتا دیکھ کر بڑی خوب صورتی سے مسکرانے لگے۔

سب نے باری باری دلہن اور دلہن کے بھائی کو تیل اور ابٹن لگایا۔ موتی چور سے منہ میٹھا کروایا اور روپے ان کے سر پر وار کر کے اٹھتے چلے گئے۔ جب آئے کت کی باری آئی تو ایک بڑی عمر کی خاتون نے اسے منع کر دیا۔

"دولہا دلہن کو سہاگنیں مایوں مہندی لگاتی ہیں۔۔۔ تم سہاگن نہیں ہو۔ اپنا سایہ اس نئے جوڑے کی خوشیوں سے دور رکھو۔"

انہوں نے ڈپٹ کر کہا تھا۔

آئے کت نے شرمندہ ہو کر ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔ مہمانوں کی ٹولی میں کھلبلی مچ گئی۔ دور کھڑے معاویہ نے بھی سنا تو چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا آئے کت کے عقب میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

"دیکھیے آنٹی! آپ کیسی پرانے زمانے کی باتیں کر رہی ہیں۔۔۔" اس کے ایک ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کا گلاس تھا۔ دوسرے ہاتھ کو اس نے پینٹ کی جیب میں گھسا رکھا تھا۔

"بیٹا! یہ پرانے زمانے کی باتیں بڑی عقل والی باتیں ہوتی ہیں۔۔۔ سہاگن ہونا خوش بختی کی علامت ہے۔۔۔ اور دولہا دلہن پر صرف نیک سائے پڑنے چاہئیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو آپ سب آئے کت کو بھی دعائیں دیں۔۔۔ عنقریب یہ دوبارہ سہاگن ہو کر خوش بختوں کی فہرست میں شامل ہونے والی ہے۔"

معاویہ کی اس بات پر ایسا ردعمل جاگا جیسے روشنی کی تیز لہر سرعت سے سفر کرتی ہے اور چاروں اور اجالے کو پھیلا دیتی ہے۔ خود آئے کت بھی تعجب سے معاویہ کی شکل دیکھنے لگی لیکن اس کی پہلی بات نے کیا سب کو حیران کیا تھا جو اگلی بات نے کر دیا۔

"اگلے مہینے ہم دونوں شادی کر رہے ہیں۔۔۔ شادی کی تقریب فلک بوس میں ہو گی۔۔۔ آپ سب لوگ ضرور آیئے گا۔"

اس نے مسکرا کر اور کچھ ایسی مسرت سے یہ خبر سب کو سنائی کہ سب ہی کو حیران کر کے رکھ دیا۔ خود آئے کت بھی ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"تم دونوں تو بڑے چھپے رستم نکلے۔۔۔ اتنا بڑا فیصلہ کر لیا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی۔" کسی نے کہا۔

"خبر دینے کے لیے بھی کسی مناسب موقعے کی تلاش تھی ہمیں۔" وہ مستقل مسکرا رہا تھا۔

"بہت مبارک ہو۔۔۔ خدا تم دونوں کو خوش رکھے۔" کسی دوسری بزرگ خاتون نے کہا تھا اور پھر سب ہی ان دونوں کو مبارک باد دینے لگے۔

معاویہ مبارک بادیں وصول کرتا آئے کت کے عقب میں کھڑا ذرا سا آگے جھکا۔ سامنے میز پر رکھے تھال سے ابٹن کی تھوڑی سی مقدار چٹکی میں بھر کر آئے کت کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

آئے کت کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ کچھ سمجھ پاتی۔ حتیٰ کہ معاویہ کی جھکتی آنکھیں بھی اسے سمجھا نہیں پا رہی تھیں پر معاویہ نے ہی اسے ٹہوکا دیا تو وہ ذرا سا گڑبڑائی اور چونکتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر دلہن کو ابٹن لگانے لگی۔

وہ دلہن کے پاس سے اٹھی تب تک معاویہ دوسری طرف جا چکا تھا۔ اگلے دو ڈھائی گھنٹے ان دونوں کو آپس

میں بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ پھر جب وہ ذہنی کشمکش سے بالکل تھک گئی تو کھانا شروع ہونے کے کچھ دیر بعد معاویہ، جو اس وقت اپنی پلیٹ پکڑے کھڑا تھا اور ساتھ وسامہ کے کزن سے باتیں کرنے میں مصروف تھا، اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف لے گئی۔

"یہ کیا بکواس کی ہے تم نے ابھی؟" اس نے غصے سے ماتھے پر تیوریاں ڈالے ہوئے پوچھا۔

"کون سی بکواس؟" اس نے ایسے آئے کت کو دیکھا جیسے بالکل ہی لاعلم ہو۔ آئے کت کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا۔

"ایسے پوز مت کرو جیسے تمہیں کچھ پتا ہی نہیں ہے۔" اس نے دانت کچکچا کر کہا۔

"میں مانتی ہوں تمہاری مذاق کرنے کی عادت ہے۔ لیکن نہ ہی میری زندگی اور نہ ہی شادی کرنے جیسا اہم فیصلہ کوئی مذاق ہے کہ تم کہیں بھی کھڑے ہو کر کچھ بھی کہہ دو اور میں چپ چاپ برداشت کرتی رہوں۔" وہ بہت غصے سے بول رہی تھی۔

معاویہ سکون سے کھڑا اس کی بات سن رہا تھا۔

"میں نے مذاق نہیں کیا۔ میں واقعی اگلے مہینے تم سے شادی کر رہا ہوں۔" آئے کت کے خاموش ہوتے ہی اس نے اتنے ہی سکون سے کہا، جتنا سکون اس کے چہرے پر نظر آ رہا تھا اور کہہ کر دائیں ہاتھ میں پکڑے کانٹے پر چکن کا ایک ٹکڑا لگا کر مزے سے کھانے لگا۔

وہ کتنے اعتماد سے بات کر رہا تھا، بالکل ایسے جیسے اسے آئے کت کے کسی بھی فیصلے کی پروا نہ ہو۔ آئے کت کا غصہ چند لمحوں کے لیے تعجب میں بدل گیا اور پھر یہ تعجب طیش میں بدل گیا۔

"اور مجھ سے شادی کرنے سے پہلے اگر ایک بار مجھ سے بھی پوچھ لیا جائے کہ میں تم سے شادی کر رہی ہوں یا نہیں۔۔۔ تو کیسا رہے گا۔" اس نے بازو سینے پر باندھتے ہوئے سرد سے طنز کے ساتھ کہا تھا۔

معاویہ کے اطمینان میں چنداں فرق نہ آیا۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں تم سے پوچھوں۔۔۔ تو پوچھ لیتا ہوں۔۔۔ آئے کت! کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟" اس نے سراسر مذاق اڑانے والے انداز میں پوچھا تھا اور پھر ساتھ ہی کہا تھا۔

"ویسے اس سوال سے کوئی خاص فرق تو نہیں پڑے گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم بھی مجھ سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو۔"

"کیا بکتے ہو؟" وہ چڑ کر بولی تھی۔ "میں کسی قیمت پر تم سے شادی نہیں کروں گی معاویہ!"

"قیمت چیزوں کی لگائی جاتی ہے۔ جذبوں کی نہیں۔" اب اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"مجھ سے شادی نہیں کرو گی تو کیا کرو گی؟ ایسے ہی ساری زندگی وسامہ کی یادوں کو سینے سے لگائے پھرتی رہو گی؟ ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔ ایسا کرو جاؤ، اور اندر جا کر اعلان کر دو کہ ابھی معاویہ نے جو بات کہی، وہ سراسر جھوٹ ہے۔ ہم کبھی ایک دوسرے سے شادی نہیں کریں گے۔ پھر وہاں سب تمہیں رحم بھری نظروں سے دیکھنے لگیں گے۔ تم انہیں دیکھنے دینا۔۔۔ جب تمہیں بیوہ اور اجڑی ہوئی کہہ کر دولہا، دلہن کے پہلو سے اٹھا دیا جائے تو وہاں سے اٹھ جانا۔۔۔ لیکن اپنی ان آنکھوں کو دکھ سے بھرنے نہ دینا۔۔۔ تمہاری خوشی کے لیے میں تم سے دست بردار ہو سکتا ہوں آئے کت! لیکن تمہاری ان آنکھوں میں تیرتے دکھ کو نہیں دیکھ سکتا۔"

وہ اتنی سچائی اور اتنے اخلاص کے ساتھ کہہ رہا تھا کہ آئے کت تعجب کے مارے کچھ بول بھی نہ سکی۔

معاویہ اب حد سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ سانس لینے کے لیے ذرا رکا، پھر اس نے گہری سانس بھر کر کہا۔

"وسامہ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ وسامہ سے کیا ہوا عہد تو ہر حال میں

پورا کرنا ہی تھا مجھے۔ لیکن ہاں یہ سب ایسے کرنے کا ارادہ نہیں تھا میرا۔ میں نے سوچا تھا کہ تم سے بات کروں گا۔ پھر جو تمہارا فیصلہ ہوگا' میں اس کا احترام کروں گا۔ تم ابھی بھی انکار کرسکتی ہو آئے کت! میں ابھی بھی تمہارے فیصلے کو ہی اہمیت دوں گا۔ لیکن وہاں سب کے درمیان بیٹھ کر تمہیں شرمندہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا میں۔ افلاطونی محبت کا دعوا نہیں مجھے۔ لیکن۔ لیکن میں تمہیں خوش رکھوں گا اور دنیا کے کسی دکھ کو تمہارے قریب بھی نہیں آنے دوں گا اور یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" وہ رخ دوسری طرف کیے ایسے بول رہا تھا جیسے رٹا رٹایا سبق سنا رہا ہو۔

"گیند اب تمہارے کورٹ میں ہے۔ اپنا فیصلہ سناؤ آئے کت!"

"معاویہ! میں۔" اس نے کہنا چاہا' لیکن الجھن بھرے انداز میں بول نہ سکی۔

"لفظوں میں نہ تم مجھے الجھا سکتی ہو' نہ مجھے ہرا سکتی ہو۔ مجھے ہاں یا ناں میں جواب چاہیے۔" وہ اس کی طرف پلٹا۔

"میں اپنے بھائی کی بیوہ کو دنیا میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ دنیا مجھے اجازت نہیں دے گی' کیونکہ دنیا ہمدردی کے رشتوں کو بہت سے غلط ناموں سے یاد رکھتی ہے۔ البتہ مذہب مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں اس ہمدردی کے رشتے کو شرعی تعلق میں تبدیل کرلوں اور کسی کو خود پر انگلی اٹھانے نہ دوں۔"

"تمہاری ساری باتیں اپنی جگہ درست ہیں' لیکن۔ لیکن میں تم سے شادی نہیں کرسکتی معاویہ!" وہ رو دینے کو ہو گئی تھی۔ اس نے منت سے کہا۔

"کیوں؟" وہ جرح پر آمادہ ہوا۔

"کیونکہ میں تم سے محبت نہیں کرتی۔" اس نے آنکھیں اور مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔ جھوٹ بولنے کے لیے انسان کو جو ہمت درکار ہوتی ہے وہ شاید اسی طرح حاصل ہو سکتی تھی۔

"شادی کرنے کے لیے پہلے محبت کرنا اتنا ضروری بھی نہیں ہوتا۔ ساتھ رہیں گے تو محبت بھی ہو جائے گی۔"
اس کے پاس آئے کت کے ہر اعتراض کا خاطر خواہ جواب موجود تھا۔ پھر وہ اس کے بالکل سامنے آکر پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ اپنی پلیٹ اس نے ایک طرف زمین پر رکھ دی اور اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اور آخر یہ جھوٹ ہم کب تک ایک دوسرے سے بولتے رہیں گے کہ ہم ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے؟ اسامہ کے دکھ نے ہی سہی۔ ہم دونوں کے دلوں کو ایک دھن پر دھڑکنا تو سکھا ہی دیا ہے۔" وہ ہولے سے مسکرایا اور اپنی خوب صورت آنکھوں سے اس نے آئے کت کو دیکھا۔

وہ آنسو بھری آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ رو' رو کر اس کی آنکھیں اور ناک لال ہو رہی تھیں اور وہ اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ حقیقت کے بجائے دیومالائی داستان کا کردار معلوم ہوتی تھی۔

معاویہ کو ایسا لگا' اس کا دل آئے کت کی آنکھوں میں ٹھہرے پانی میں ہچکولے کھانے لگا ہے۔

"افلاطونی محبت ابھی تک ہے تو نہیں۔ لیکن مجھے لگتا ہے' عنقریب میں تمہاری محبت میں دیوانہ ہونے والا ہوں۔"

اس نے انگلی کی پور سے آئے کت کی ناک کو چھوا اور دلکشی سے مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

معاویہ نے آئے کت سے شادی کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ جانتا تھا' آئے کت کی طرف سے اسے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا' لیکن صاعقہ ممانی اور طالب ماموں بھی اس شادی کے خلاف ہوں گے' یہ اس کے وہم و گمان

میں بھی نہیں تھا۔

"مجھے لگا تھا آپ دونوں کو میرے اس فیصلے سے خوشی ہوگی۔ لیکن یہاں تو آپ دونوں ہی منہ پھلا کر بیٹھ گئے ہیں۔" وہ سخت کبیدہ خاطر ہو کر بولا تھا۔

"ہم منہ پھلا کر نہیں بیٹھے۔ بس تمہاری نسبت ہم حالات و واقعات کو زیادہ حقیقت پسندی سے دیکھ رہے ہیں۔" صاعقہ ممانی نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"اور کیا کہتی ہے آپ کی یہ حقیقت پسندی؟" وہ صوفے پر بیٹھا تھا سینے پر بازو لپیٹتے ہوئے اس نے ممانی کو ایسے دیکھا جیسے ان کے ہر اعتراض کو چٹکیوں میں اڑا دینے کا ارادہ کر چکا ہو۔

صاعقہ ممانی نے طالب حسن کی طرف دیکھا۔ وہ سنجیدہ نظر آرہے تھے، لیکن ان کی خاموشی سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ان کا جھکاؤ کس کی طرف ہے۔ بالآخر انہوں نے خود ہی بات کرنے کی ٹھانی۔

"یہ بڑی بے جوڑ شادی ہوگی معاویہ! اگر ابھی تم جذباتیت میں آئے کست سے شادی کر بھی لو تو بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے گا۔" وہ سارے پہلو اس کے سامنے رکھ دینا چاہتی تھیں۔

"بے جوڑ کیسے؟"

"تمہاری اور آئے کست کی عمر میں چار سال کا فرق ہے۔" انہوں نے ایسے کہا جیسے کہہ رہی ہوں یہ اتنی بڑی بات ہے۔

"چار سال کا فرق ہے، چار صدیوں کا تو نہیں۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"یہ معمولی بات نہیں ہے معاویہ!"

"اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے ممانی!" اس نے حیرانی سے کہا۔ "آپ بھی تو ماموں سے چھ سال چھوٹی ہیں۔۔۔ لیکن عمر کے اس فرق نے آپ دونوں کی شادی کو تو ناکام نہیں ہونے دیا۔ میرے حساب سے آئیڈیل میرڈ لائف گزاری ہے آپ لوگوں نے۔" اس نے تائید کے لیے طالب حسن کو دیکھا تو انہیں زیر لب مسکراتے ہوئے پایا۔

"عورت کا مرد سے کم عمر ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ لیکن عورت کو بڑی عمر کا نہیں ہونا چاہیے۔" وہ جھنجلا کر بولی تھیں۔ "لڑکا لڑکی کو ایڈجسٹ کرنے میں مشکل ہوتی ہے۔"

"میں اس مفروضے کو غلط ثابت کر کے دکھاؤں گا۔"

وہ جھنجلا کر۔۔ تھک سی گئیں۔ "تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو۔ وہ وسامہ کی بیوی ہے۔ تمہارے بھائی کی بیوی۔ اس سے کیسے شادی کر سکتے ہو تم۔"

"آئے کست وسامہ کی بیوہ ہے۔۔۔ اور معاویہ کا اس سے شادی کا ارادہ کرنا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔۔۔ مجھے خوشی ہے کہ معاویہ اسے سہارا دینے کا سوچ رہا ہے۔" طالب ماموں نے سراہتی نظروں سے معاویہ کو دیکھا تھا۔

"میں نے وسامہ سے وعدہ کیا تھا کہ آئے کست کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے میرا وعدہ پورا کرنے دیں ممانی!" معاویہ انہیں اپنی حمایت پہ آمادہ دیکھ کر بے قراری سے بولا۔

"دیکھو۔۔۔ مجھے اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" طالب حسن نے فوراً کہا تھا۔ "اور جہاں تک میرا خیال ہے، صاعقہ کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا بشرطیکہ۔۔۔" انہوں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"بشرطیکہ۔۔۔؟"

"تمہارے باپ کو اعتراض نہ ہو۔" طالب حسن نے اب بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔

"ایسی کون سی بات ہے جس پر آج تک انہوں نے اعتراض نہ کیا ہو؟" وہ منہ بنا کر بولا۔

"میرا آپ لوگوں کے پاس رہنے کا فیصلہ ہو یا کسی پاکستانی اسٹوڈنٹ سے ڈگری لینے کا ارادہ۔۔۔ [illegible]

فیصلے پر پاپا کے اعتراضات ہی سنے ہیں۔ جہاں اب تک سن رہا ہوں وہیں ایک اور سہی۔" اس نے کندھے اچکا کر کہا' اسے رتی برابر بھی پروا نہیں تھی۔

"میری ماں کو ذہنی طور پر بیمار بنا کر جتنا نقصان کیا ہے' انہوں نے میرا۔۔ اس کے بعد تو مجھے ان کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔" اس کی آنکھوں میں نفرت نظر آرہی تھی۔

"اس بات کو اب کئی سال گزر چکے ہیں معاویہ! اپنے باپ کی غلطیوں کو تم بھول کیوں نہیں جاتے۔" طالب حسن نے کہا۔

"میں نہیں بھول سکتا۔ آپ جانتے ہیں' مجھے اپنے نقصان کبھی نہیں بھولتے۔" سامنے دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے تلخ لہجے میں کہا تھا۔ صاعقہ اور طالب حسن ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"آئے کت کیا کہتی ہے؟" صاعقہ ممانی نے پوچھا' ساتھ ہی بولیں۔ "میرا نہیں خیال وہ اس شادی پر راضی ہو گی۔ تم سے بڑی عمر کی ہے۔ عقل بھی تم سے زیادہ ہوگی اس میں۔۔ ایسی بے جوڑ شادی پر کبھی رضامندی نہیں دے گی وہ۔" انہیں جیسے یقین تھا۔

معاویہ نے بے ساختہ انہیں دل میں سراہا کہ ان کا اندازہ ہی درست تھا۔ آئے کت کو اپنی اور معاویہ کی عمر کا تو پتا نہیں' لیکن دنیا کی باتوں کا ڈر بہرحال تھا۔

"اسی لیے میں نے آئے کت سے پوچھنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ میں نے بس اسے بتا دیا ہے کہ میں اس سے شادی کرنے والا ہوں۔" اس نے اتنے اطمینان سے اور اتنے اعتماد سے کہا تھا کہ صاعقہ ممانی ہکا بکا رہ گئیں اور طالب حسن اپنا قہقہہ روک نہیں پائے۔

"شاباش میرا شیر! یہ کی ہے نا مردوں والی بات۔۔۔ عورت سے یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ راضی ہے یا نہیں۔۔۔ جو ارادہ کرلیا' سو کرلیا۔" وہ بڑا خوش ہو کر سراہ رہے تھے اسے۔ لیکن سنجیدہ نہیں تھے۔

صاعقہ ممانی نے ناراضی سے انہیں دیکھا۔

"اس کا پہلے ہی دماغ خراب ہو رہا ہے۔ آپ ایسی باتیں کرکے اور شہ دیں اسے۔"

وہ ہنسنے لگے۔ "میں شہ نہیں دے رہا۔ بس ایک نیک ارادے پر سراہ رہا ہوں۔"

"اس میں کیا نیکی ہے۔۔۔ مجھے یہ بتائیں۔" وہ ناراضی سے بولیں۔ "آئے کت اچھی خاصی ہے۔ کسی سے بھی شادی کرسکتی ہے۔"

"تو وہ کسی میں کیوں نہیں ہو سکتا؟" وہ ہنس کر بولا تھا۔ "اور میری سمجھ میں نہیں آرہا' آپ کو آخر اعتراض کس بات پر ہے۔۔۔ آئے کت کے شادی کرنے پر یا میرے اس سے شادی کرنے پر۔"

صاعقہ ممانی اپنے غصے اور ناراضی کے باعث فوری طور پر کچھ بھی بول نہیں سکیں۔ پھر انہوں نے دبی دبی سی ناراضی کے ساتھ کہا۔

"تمہیں وہ اچھی لگتی ہے؟"

"بہت۔۔۔" وہ زیر لب مسکراتا زور دے کر بولا۔

صاعقہ ممانی کی ناراضی میں اضافہ ہو گیا۔ "کیسی لڑکی ہے یہ آئے کت۔ پہلے میرا بڑا بیٹا پھانس لیا اور اب چھوٹا بھی۔۔۔"

معاویہ اور طالب حسن دونوں ہی سنجیدہ ہو گئے۔

"آپ آئے کت سے بدگمان نہ ہوں۔۔۔ وہ تو میں ہی اس کے پیچھے پڑا ہوں۔ وہ تو اب تک راضی نہیں ہوئی مجھ سے شادی کرنے پر۔۔۔"

"وہ راضی نہیں ہوئی تو کیا خود بخود تمہارے دل میں یہ خیال آ گیا؟ میں اچھی طرح ایسی لڑکیوں کو جانتی ہوں... ایسے ہی معصوم بن کر اور ادائیں دکھا دکھا کر معصوم اور سیدھے سادے لڑکوں کو پھنسا لیتی ہیں۔" وہ حد درجہ بدگمان ہوئی بیٹھی تھیں۔

"کاش اس نے مجھے ادائیں ہی دکھائی ہوتیں تو میں بھی آپ کی طرح بدگمان ہو کر بول لیتا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور جا کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ "میں صرف وسامہ کی خواہش پوری کر رہا ہوں ممانی! آئے کت کو میں اچھی طرح جانتا ہوں' وہ وسامہ کی یاد میں اپنی زندگی برباد کرلے گی' لیکن کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ آپ خود بتائیں' کیا وسامہ کو یہ اچھا لگے گا کہ آئے کت اس کے لیے خوشیوں سے منہ موڑے رہے؟"

اب وہ سب خاموش ہو گئے۔ صاعقہ ممانی کو معاویہ کی منطق درست لگ رہی تھی۔

"خوشی کوئی پیسوں سے خریدی جانے والی چیز تو ہے نہیں ممانی! کہ میں دھڑا دھڑ خرید کر لاتا رہوں اور آئے کت کی جھولی میں ڈالتا چلا جاؤں۔ اسے خوش رکھنے کا' اسے زندگی کی طرف لانے کا ایک یہی طریقہ میری تو سمجھ میں آیا ہے کہ اس سے شادی کرلوں۔ باقی یہ میرا فیصلہ ہے' جو آپ کو مناسب لگے وہ مجھے بتا دیجیے گا۔ اگر آپ چاہتی ہیں میں آئے کت سے شادی نہ کروں تو... تو میں ابھی بھی اپنا ارادہ بدل سکتا ہوں۔" اس نے اپنی بات مکمل کی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

"کیوں معاویہ کی خوشیوں کے راستے میں دیوار بن کر کھڑی ہو رہی ہو؟" طالب حسن نے چند منٹ کی خاموشی کے بعد کہا تھا۔

"نہیں دیوار نہیں بن رہی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ معاویہ' وسامہ یا آئے کت کی ہمدردی میں کوئی ایسا فیصلہ نہ کرے جسے آنے والی زندگی میں نبھانا اس کے لیے مشکل ہو جائے۔"

"وسامہ نے جب آئے کت سے شادی کا فیصلہ کیا تھا' اس وقت میں نے بھی یہی حماقت کی تھی۔ مجھے لگا تھا کہ وسامہ اپنے لیے درست فیصلہ نہیں کر سکتا اور جب میں اسے قائل نہیں کر سکا تو میں اس سے ناراض ہو گیا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تمہارے سامنے ہے صاعقہ! تم کیوں معاویہ کے ساتھ وہ سب کرنا چاہتی ہو جو میں نے وسامہ کے ساتھ کیا تھا۔" وہ بڑے دکھ سے کہہ رہے تھے۔

"آپ وسامہ اور معاویہ کے حالات کو آپس میں مت ملائیں۔ وسامہ محبت کرتا تھا آئے کت سے۔ معاویہ ہمدردی میں یہ فیصلہ کر رہا ہے۔" انہوں نے زور دے کر کہا تو طالب حسن مسکرا دیے۔

"تم دنیا کی سب سے بڑی بے وقوف ہو گی' اگر معاویہ کی آنکھوں میں آئے کت کے لیے نظر آتی پسندیدگی کو نہ پہچان سکو۔"

"لیکن اس نے ابھی خود ہی تو کہا ہے۔"

"شادی کے ذریعے ہی آئے کت کو خوشی پہنچانی ہے تو اس کی شادی کسی سے بھی کروائی جا سکتی ہے۔ معاویہ خود کیوں اس سے شادی کرنے کا ارادہ کر رہا ہے؟" وہ مسکرا رہے تھے۔ صاعقہ کی پیشانی پر سوچ کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

مسٹر جمال کا فشار خون اس حد تک بلند ہو گیا تھا کہ وہ کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھا پا رہے تھے۔ پاکستان جانا' نہ جانا ایک ایسا موضوع تھا' جس پر ہر وقت وہ بحث و مباحثے کے لیے تیار رہتے تھے۔

غصے کے باعث چہرہ بری طرح لال ہو رہا تھا۔ لیکن غصے کے باوجود انہوں نے کھانا کھانے کا مشغلہ ترک نہیں کیا تھا' وہ اسی رغبت سے کھا رہے تھے جس سے پہلے کھا رہے تھے' فرق صرف اتنا پڑا کہ کھانے کی رفتار میں تیزی آگئی تھی۔ غصے کے مارے وہ اتنی تیزی سے چبا رہے تھے کہ ان کی کنپٹی کے قریب ایک رگ پھڑپھڑاتی ہوئی صاف نظر آنے لگی تھی۔

"میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔ آدم راضی ہو یا نہ ہو۔ اگلے مہینے ہم سب پاکستان جائیں گے۔ وہیں ہے ہم سب کی بنیاد۔۔۔ انسان جتنی مرضی ترقی کرلے' اپنے اصل کو اسے نہیں بھولنا چاہیے۔" انہوں نے اعلان کرنے والے انداز میں بات مکمل کی اور پانی کا گلاس منہ سے لگالیا۔

مسز جمال ان کے اس فیصلے پر ماہی بے آب کی طرح پھڑک کر رہ گئیں۔ بے ساختہ انہوں نے منفرا کی طرف دیکھا' وہ بے زار سی نظر آرہی تھی اور کچھ بھی کہنے سے قاصر تھی۔

"آدم جانے کے لیے کبھی راضی نہیں ہوگا۔" انہوں نے **جھجکتے** ہوئے کہا۔

"اس کا تو باپ بھی راضی ہوگا۔" مسٹر جمال بھڑک کر بولے۔

سوئے اتفاق اسی وقت آدم اپنا کولڈ ڈرنک کا گلاس لینے واپس اندر آرہا تھا۔ اس نے مسٹر جمال کا جملہ سن لیا اور فوراً" لقمہ دینے والے انداز میں کہا۔

"باپ تو بالکل راضی ہے۔ وہ جب چاہے جاسکتا ہے۔ لیکن مجھے جانے کے لیے کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔" اس کا انداز سراسر آگ لگانے والا تھا۔

"دیکھو۔۔۔ تمہاری بدتمیزیوں سے تنگ آکر کسی دن قتل کردوں گا میں تمہیں۔" انتہائی طیش سے انہوں نے انگلی اٹھا کر کہا تھا۔

"اچھا ہوا جو آپ نے مجھے اپنے ارادوں کی خبر دے دی۔ میں جلد ہی آپ پر اقدام قتل کا کیس فائل کروادوں گا۔" وہ مزے سے بولا۔

"باپ پر کیس کروگے۔۔۔ مجھے جیل بھجواؤ گے۔۔۔ تھوڑی شرم کرو۔" وہ ہکابکا ہو کر بولے۔

"آپ میرے قتل کا ارادہ کرتے نہ ڈریں اور میں کیس کرتے ہوئے شرما جاؤں۔۔۔ کم آن ڈیڈ! دس از ناٹ فیئر۔"

منفرا جو چپ چاپ ان دونوں کو سن رہی تھی' زچ ہی ہوگئی۔ اس نے نرمی سے کانٹا پلیٹ میں رکھ دیا اور **نیپکن** سے منہ پونچھتے ہوئے بولی۔

"مجھے پتا ہوتا کہ اتنے دن کے بعد واپس آکر بھی آپ لوگوں کو جھگڑتے ہوئے ہی دیکھنا پڑے گا تو میں اور زیادہ دن لگا کر آتی۔" وہ آہستگی سے کرسی **گھسیٹ** کر اٹھی اور مایوس اور خفا سی چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"ارے رکو منفرا۔۔۔ آدم کے بچے! دیکھا' تمہاری وجہ سے وہ ناراض ہوگئی۔" **یکایک** مسٹر جمال کے تاثرات بدل گئے اور غصے کی جگہ ان کے چہرے پر حواس باختگی دکھائی دینے لگی۔

"آدم کے بچے کی وجہ سے نہیں۔ وہ آپ کی وجہ سے ناراض ہو کر گئی ہے ڈیڈ!" اسے بھی افسوس ہو رہا تھا۔

"اب تم دونوں ایک دوسرے کو الزام دیتے رہو۔" مسز جمال نے ناراضی سے کہا۔ "وہ بے چاری اتنے دن کے بعد آئی ہے اور تم باپ' بیٹے کی ڈرامے بازیاں ہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہیں۔"

"کم آن مام! ہم صرف اسے تنگ کررہے تھے۔" آدم نے ہنستے ہوئے کہا تھا اور ایسے ہی اس نے مسٹر جمال کو دیکھا تھا۔

"اور نہیں تو کیا۔۔۔ ہم دونوں باپ' بیٹے کی تو اتنی دوستی ہے کہ ایک دوسرے سے اختلاف کا سوچ بھی نہیں

سکتے۔ میں جانتا ہوں میری طرح آدم بھی جلد از جلد پاکستان جانا چاہتا ہے' کیوں آدم؟" انہوں نے بچوں کی طرح جوش سے کہتے ہوئے آدم کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔ آدم کی مسکراہٹ بھک سے غائب ہو گئی۔

"خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔"

ان دونوں میں دوبارہ سے بحث چھڑ گئی تھی۔

"کون پاکستان جائے گا کون نہیں۔ آپ دونوں اسی بات پر بحث کرتے رہیں۔ میری ساری محنت بے کار گئی۔ منفرا نے کوئی بھی چیز ڈھنگ سے نہیں کھائی۔" انہیں اسی بات کا غم کھائے جا رہا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ منفرا کے لیے پلیٹ تیار کرنے لگیں۔ آدم اور مسٹر جمال کو انہوں نے ان کے حال پر ہی چھوڑ دیا' جن کا کچھ پتا نہیں تھا کہ کب ایک دوسرے کے دوست بن جائیں' کب دشمن۔

☆ ☆ ☆

اردشیر ازی کو پتا چلا تو ان کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا۔ انہوں نے اپنے سیکریٹری سے معاویہ کو فون کروایا اور کہا کہ وہ ان سے آکر ملے۔

معاویہ چلا گیا' وہ جانتا تھا کہ اردشیرازی اس شادی کی سب سے زیادہ مخالفت کریں گے۔ ایک بار آمنے سامنے بیٹھ کر بات ہو جاتی تو بہتر تھا' بار بار کے اعتراضات سے جان چھوٹ جاتی۔ یہی سوچ کر معاویہ ان سے ملنے چلا آیا۔

اردشیرازی اس وقت کانفرنس روم میں تھے اور کسی میٹنگ میں مصروف تھے۔ معاویہ کو ان سے ملنے کے لیے تھوڑا انتظار کرنا پڑا اور اس انتظار نے اسے مزید متنفر اور بدلحاظ کر دیا۔ ساری زندگی وہ اس پر اپنے فیصلے مسلط کرتے رہے تھے۔ ساری زندگی انہوں نے اسے اپنی زندگی میں ثانوی حیثیت دی تھی۔ کم سے کم وہ اب انہیں اپنے ساتھ یہ نہیں کرنے دے سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد اردشیرازی نے اسے کانفرنس روم میں ہی بلا لیا۔ وہ لمبی میز کی سربراہی کرسی پر براجمان تھے اور ان کی گردن مخصوص نخوت سے اکڑی ہوئی تھی۔ مجموعی طور پر وہ بڑے ہینڈسم انسان تھے۔ وجاہت ختم تھی ان پر... اور معاویہ نے وجاہت' وراثت میں اپنے باپ سے ہی وصول کی تھی۔ لیکن اردشیرازی کی پیشانی چھوٹی تھی' جو ان کی تنگ دلی کا پتا دیتی تھی۔

جوں ہی وہ اندر داخل ہوا' اردشیرازی نے اسے ایک نظر دیکھا اور دوبارہ سے اپنے سامنے کھلے ہوئے لیپ ٹاپ کی اسکرین کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کے چہرے کے عضلات کھنچے ہوئے تھے اور وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہے تھے' بلکہ کسی حد تک ناراض۔

لیکن معاویہ کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ ان کی متوقع ناراضی کو پہلے ہی پس پشت ڈال چکا تھا۔

"آپ نے مجھے بلوایا۔" اس نے وہیں کھڑے ہوئے پوچھا۔

اردشیرازی نے اس بار نظر اٹھا کر بھی اسے نہیں دیکھا اور ہاتھ سے ہی دائیں کرسی کی طرف اشارہ کر دیا۔

"بیٹھو۔"

وہ بیٹھ گیا' لیکن ان کے ساتھ والی کرسی پر نہیں' بلکہ ان کے مقابل رکھی ہوئی سربراہی کرسی پر۔ یہ سرکشی اور بغاوت کا اظہار تھا۔ اردشیرازی چونک سے گئے۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ شادی کرنے جیسا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتے ہو تم۔" انہوں نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے بات شروع کی۔

"میں نے اپنی شادی کا فیصلہ کیا ہے۔ اپنی شادی کا فیصلہ میں خود نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟" وہ سہولت سے

کندھے اچکا کر بولا تھا۔

"تم ابھی صرف بائیس سال کے ہو۔ اتنی جلدی شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" انہوں نے ایک اور نکتہ اٹھایا۔

"بائیس سال کی عمر میں شادی کرنے پر پابندی تو نہیں ہے۔" اس نے مصنوعی - حیرانی کے ساتھ کہا تھا۔

"اپنی پڑھائی مکمل کرو۔ بزنس پر دھیان دو.... اس کے بعد شادی کرتے رہنا۔"

"اپنی پڑھائی اور بزنس تو میں شادی کے بعد بھی کر سکتا ہوں۔"

"لیکن شادی کے بعد سو اور جھمیلے شروع ہو جائیں گے۔ تم ان دونوں میں سے کسی چیز پر بھی کنسنٹریٹ نہیں کر سکو گے۔"

"میں کر لوں گا بابا! بے فکر رہیں آپ۔" اس نے چیلنج کرتی نظروں سے ان کو دیکھا تھا۔

"معاویہ! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"آپ کو نہیں لگتا کہ بڑا بے تکا اعتراض اٹھایا ہے آپ نے۔" وہ بات تو کیا سمجھتا اور جھنجلا کر بولا تھا۔

"تو ٹھیک ہے' میں مناسب اعتراض اٹھاتا ہوں۔ آئے کت سے کیسے شادی کر سکتے ہو تم۔ وہ لڑکی تمہارے قابل نہیں ہے۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ معاویہ کے چہرے کے عضلات کھنچ گئے۔

"کیا برائی ہے اس میں؟ یا ایسی کون سی کمی ہے۔ جس کی بنا پر وہ میری بیوی نہیں بن سکتی۔"

"سامہ کی بیوہ ہے وہ۔"

"اسلام مجھے بیوہ عورت سے شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔"

"اسلام کا حوالہ کم سے کم تم اس لڑکی کے لیے تو مت دو جس کے اپنے مذہب کا کچھ پتا نہیں ہے۔" انہوں نے تیز لہجے میں کہا تھا۔

"آئے کت کے ماں' باپ آتش پرست تھے' لیکن انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ آئے کت مسلم گھرانے میں پیدا ہوئی ہے اور مسلم ماں باپ نے ہی اس کی پرورش کی ہے۔ یہ بات تو سامہ کی شادی کے وقت ہی معلوم ہو گئی تھی ہمیں۔" اس کا لہجہ اردشیر ازی سے بھی زیادہ تیز ہو گیا تھا۔

"کوئی ثبوت ہے؟" وہ تمسخر سے بولے۔ "کوئی گواہ ہے اس بات کا کہ اس کے ماں' باپ نے اسلام قبول کیا تھا۔ جس لڑکی کے ماں' باپ کی ہی کوئی خیر خبر نہیں' اس کے بارے میں کوئی گواہی کیسے دے سکتا ہے۔"

معاویہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے غصے سے جبڑے بھینچ لیے تھے۔

"آپ بھی تو صرف کہنے کو مسلمان ہی ہیں۔ ورنہ مسلمانوں والے کون سے کام کرتے ہیں آپ۔" اچانک سے اس نے کہا۔

اردشیر ازی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ "کیا بکتے ہو؟" انہوں نے غرا کر کہا تھا۔

"سود آپ لیتے ہیں۔ جھوٹ آپ بولتے ہیں۔ ہر طرح کا ہیرا پھیری آپ کے کاروبار میں جائز ہے۔ عملاً" اس ملک کی سیاست میں آپ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے' لیکن سیاست دانوں سے تعلقات قائم کر کے اس ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں آپ کا کتنا حصہ ہے' میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"بکواس بند کرو اپنی۔" وہ دانت بھینچ کر غرائے تھے۔

"تمہارا دماغ تمہاری ماں کے رشتہ داروں نے خراب کر دیا ہے۔ جیسی تمہاری ذہنی پرورش ہوئی ہے' یہ تمہیں کبھی ترقی نہیں کرنے دے گی۔"

"اگر اتنی ہی فکر تھی آپ کو' تو مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہیے تھا۔ کیوں مجھے میری ماں کے رشتہ داروں کے

کندھوں پر ایک بوجھ کی طرح ڈال کر چلے گئے تھے۔" اس نے بدتمیزی سے کہا تھا۔

"میں مجبور تھا۔ تم اتنے چھوٹے تھے کہ میں تمہاری دیکھ بھال نہیں کر سکتا تھا۔" انہوں نے فوراً" کہا۔

"میں مجبور نہیں ہوں۔ نہ ہی اتنا چھوٹا ہوں کہ آپ ہر وقت میری ہی دیکھ بھال میں لگے رہیں۔" اس نے دوٹوک کہا۔ "میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ شادی میں آئے کت سے ہی کروں گا۔ اور ہاں۔ ہماری شادی کی تقریبات فلک بوس میں ہوں گی۔ ارینجمنٹس کروا دیجیے گا۔"

"اپنے ساتھ دشمنی مت کرو معاویہ! وہ لڑکی اس قابل نہیں ہے کہ تمہاری بیوی بنے۔" انہوں نے اب منت سے کہا تھا۔ "اس نے پہلے وسامہ کو اپنے جال میں پھنسایا' اب وہ تمہارے ساتھ بھی یہی کر رہی ہے۔ اس کا پچھلا ریکارڈ بھی کوئی ایسا صاف ستھرا نہیں ہے۔ کئی افیئر تھے اس کے۔"

"پلیز بابا! میں آئے کت کے بارے میں ایک لفظ نہیں سنوں گا۔" اس نے فوراً" ہی ٹوک دیا تھا۔

"اس کا ماضی کیا تھا میں جاننا نہیں چاہتا۔ وسامہ کو اس نے کیسے پھنسایا' مجھے اس سے بھی کوئی غرض نہیں ہے۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے شادی پر راضی نہیں ہے۔ یہ میں ہوں جو اس کے پیچھے پڑا ہوا ہوں۔"

اردشیر ازی چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہی ہو رہا ہے۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ "اگر آپ کی بات پر یقین کرتے ہوئے آئے کت کے کردار پر شک کر بھی لوں تو اسے مجھ سے بھی شادی کے لیے فوراً" راضی ہو جانا چاہیے تھا۔ جبکہ ایسا نہیں ہوا۔ آپ کا ایک مفروضہ تو یہیں غلط ثابت ہو گیا ہے بابا!"

"میں نہیں مانتا۔ میرا اتنے سالوں کا تجربہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔ میں کسی کو پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"اس لڑکی کے ماتھے پر لکھا ہے کہ وہ دولت کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔"

"دولت کے پیمانوں پر انسانوں کے کردار کو پرکھنا چھوڑ دیں بابا!" معاویہ کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

"آپ کو میری آئے کت سے شادی پر اعتراض ہے تو آپ شادی میں مت آئیے گا۔ میں محبت کرتا ہوں اس سے اور اس کے علاوہ کسی دوسری لڑکی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" صاف صاف کہہ کر وہ دروازے کی طرف پلٹ گیا تھا۔

"تمہیں اس لڑکی سے اتنی محبت ہو گئی ہے کہ باپ کے شادی میں آنے نہ آنے سے تمہیں کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔" وہ صدمے سے چُور لہجے میں بولے تھے۔ لیکن صدمہ اتنا نہیں تھا جتنا ان کے لہجے میں تعجب جھلک رہا تھا۔

"یہ کیسی محبت ہے جو ایسے آنا" فانا" ہوئی ہے اور اس نے تمہارے دل و دماغ پر قبضہ ہی جما لیا ہے۔ تم ایسے تو نہیں تھے معاویہ!"

"اگر ایسا نہیں تھا تو اب ہو گیا ہوں۔ مجھے واقعی آپ کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔"

بے رحمی سے کہتا وہ باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ اس نے مڑ کر یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ اردشیر ازی کا چہرہ کیسا سیاہ پڑ گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

"تمہارے بابا کا فون آیا تھا۔ وہ چاہتے ہیں میں تم سے شادی کرنے سے انکار کردوں۔" فون پر آے کت نے اسے بڑے خراب مزاج کے ساتھ بتایا تھا۔

"بابا کی بات ماننے کی غلطی مت کرنا۔ کیونکہ تمہارے لیے میں انہیں چھوڑنے کا ارادہ کرچکا ہوں' لیکن ان کے لیے تمہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔" جتنا آے کت کا مزاج خراب تھا' اتنا ہی معاویہ نے اطمینان سے کہا تھا۔

"تمہیں کیا ہوگیا ہے معاویہ! ہر گزرتے دن کے ساتھ کیسی عجیب باتیں کرنے لگے ہو تم۔" اس نے بڑی حیرانی سے کہا تھا' معاویہ کو ہنسی آگئی۔

"محبت ہوگئی ہے تم سے... اور اس محبت نے دیوانہ بنادیا ہے مجھے۔" وہ ذرا بھی سنجیدہ نہیں لگ رہا تھا۔

"ہوش میں آجاؤ تو بہتر رہے گا۔ ایسا نہ ہو یہ دیوانگی تمہیں لے ڈوبے۔" وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

"وہ محبت ہی کیا جو انسان کے ہوش سلامت رہنے دے۔" اس نے لگاوٹ سے کہا تھا۔ آے کت چپ سی رہ گئی' پھر رک رک کر بولی۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہیں مجھ سے کوئی محبت وحبت نہیں ہے۔ تم صرف وسامہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا چاہتے ہو۔"

"اب کیا محبت کا یقین دلانے کے لیے مجھے سر کے بل کھڑا ہونا پڑے گا۔" اس نے معصومیت سے سوال کیا تھا' آے کت کو ہنسی آگئی۔

"معاویہ! میں تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں... لیکن... میں وسامہ کو دھوکا نہیں دے سکتی۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا تھا۔

"وہ اس دنیا سے جاچکا ہے۔ اسے اس بات سے کوئی خوشی حاصل نہیں ہوگی کہ تم اس کی جدائی میں بن باس لیتی ہو یا نہیں۔ ہاں اگر تم خوش رہو' اپنی نئی زندگی شروع کرو تو یقیناً" اس کی روح کو خوشی حاصل ہوگی۔"

"روح کو؟"

"ہاں... روح کو... ؟ آے کت! مجھے ابھی خیال آیا... کیا پتا وسامہ کی روح بھی فلک بوس میں پھرتی ہو۔"

"کیسی باتیں کررہے ہو؟"

"ہاں نا... تم خود سوچو... اگر آلو شمتی کی روح وہاں بھٹک سکتی ہے تو کیا پتا..." جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ آے کت نے گہری سانس بھر کر کہا۔

"جب تمہارا مذاق کا موڈ نہ ہو تب مجھے فون کرنا۔ جب شادی کرنے کا فیصلہ کرہی لیا ہے تو تیاریاں بھی تو کرنی ہوں گی۔" اس نے فون بند کردیا اور معاویہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ بالآخر وہ اسے رضامند کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Watch Us On
YouTube

چہرے کے فالتو بالوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

چہرے کی جھُریوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

سیدہ نرجس رباب

میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ دو بج کر چالیس منٹ ہو چکے تھے۔ عامر کے آنے میں بس پانچ منٹ ہی باقی تھے۔

پھر میں نے ایک نگاہ کھانے کی میز پر ڈالی۔ ہر چیز تیار اور مکمل تھی' بالکل میری ذات کی طرح۔ صاف ستھری خوب صورت میز' نفیس اور قیمتی برتن' ہر چیز سے کاملیت جھلک رہی ہے جو میری ذات کا خاصہ بھی ہے۔

کھانے کی میز کے بعد میں نے ایک نگاہ خود پر ڈالی۔

میں خود بھی مونگیا رنگ کے لباس میں نہا دھو کے ہلکا میک اپ کیے بالکل تیار ہوں اور یقیناً" بہت خوب صورت لگ رہی ہوں آج جمعہ ہے اور جمعے کے دن عامر کھانا گھر میں کھاتے ہیں اس لیے میں کھانے پر خاص اہتمام کرتی ہوں' ایک ایک چیز پر توجہ دیتی ہوں۔

میرا چھوٹا سا گھر میری خوب صورت اور بہت بڑی سی جنت ہے۔ جس سے مجھے بہت پیار ہے۔ ہر سمجھ دار عورت کو اپنے گھر سے محبت ہوتی ہے' لیکن ان عورتوں کو کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے' جو بہت محنت اور جدوجہد کے بعد اپنا گھر بناتی ہیں اور میرا شمار بھی ان ہی عورتوں میں ہوتا ہے۔

عامر میرے پھوپھی زاد بھی ہیں۔ شادی کے فوراً" بعد ہی عامر نے میرے مشورے سے ہی اپنی تنخواہ کے ایک بڑے حصے کی [illegible] ڈال لی تھی تو پورا مہینہ کھینچ تان کے گزارا کرنا پڑتا تھا۔ میں نے تب کپڑے بنوانا تو چھوڑ ہی دیے تھے۔ ویسے بھی ہر چیز میں بچت کی اور تب پھر جب کمیٹی نکلی تو کچھ میں نے اپنے زیور بیچے اور باقی کمیٹی اور عامر کے بینک بیلنس سے ہمارا یہ خوب صورت سا گھر بنا تب ہی تو مجھے اپنے گھر سے بہت زیادہ محبت و انسیت ہے۔ اس گھر کے ایک ایک انچ کو میں نے بہت محبت سے سنوارا ہے۔ میرا گھر میری جنت ہے جس کی میں بلا شرکت غیرے مالک ہوں۔

میری جنت میں ہر چیز' ہر آسائش ہے' صرف ایک کمی ہے ہماری زندگی میں اور وہ ہے اولاد۔

جی ہاں شادی کے نو سال گزر جانے کے باوجود ہم اولاد کی نعمت سے محروم ہیں اور مجھے معلوم ہے کہ میری گود خالی ہی رہے گی کیونکہ کمی عامر میں نہیں مجھ میں ہے۔

جب مجھے اپنے وجود کے اس خالی پن کا پتا چلا تھا تو مجھے بہت دکھ ہوا تھا لیکن پھر میں نے سوچا کہ کمی مجھ میں ہے تو اس کی سزا عامر کو کیوں ملے۔ میں چاہتی تھی کہ عامر اولاد کی خاطر دوسری شادی کرلیں لیکن عامر نہیں مانے' انہیں مجھ سے محبت ہی اتنی ہے۔

میں اپنی جنت میں مگن بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ شاید بہت کم عورتیں ہوتی ہیں اتنی خوش اور مطمئن زندگی گزارنے والی۔ اولاد نہ ہونے کے باوجود میں شک [illegible] سے کوسوں دور ہوں۔ میں نے عامر کو آزاد [illegible] کیا کہ مجھے پتا ہے' وہ میرے ہیں اور میرے [illegible]

دروازے پر گاڑی [illegible] میں خیالات سے چونکی اور ان کے استقبال کو کھڑی ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

عامر کمپنی کے کام کے سلسلے میں [illegible] کوئٹہ جا رہے تھے۔ میں نے اکیلے [illegible]

مجھے امی کے گھر گئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ فریدہ چچی آگئیں۔ مجھے وہاں دیکھ کر ان کے چہرے پر بہت ناگوار سی شکن ابھری جسے میں نے اور امی نے واضح طور پر محسوس کیا۔

فریدہ چچی شاید اتنی عجلت میں نہ تھیں جتنی تیزی انہوں نے مجھے دیکھ کر اختیار کی۔ جب سے میری شادی عامر کے ساتھ ہوئی ہے تب سے انہوں نے مجھ سے خدا واسطے کا بیر باندھ لیا ہے۔ نہ سیدھے منہ بات کرتی ہیں نہ کبھی میرے گھر آئیں۔ عامر سے بھی خود سے مخاطب نہیں ہوتیں۔

"آج شام کو ردا کی رسم ہے منگنی کی" آجانا تم۔" انہوں نے مجھے مکمل طور پر نظرانداز کرکے امی سے کہا۔

"اس رشتے کے لیے ہاں کردی آپ نے؟ وہ تو عمر میں ردا سے بہت بڑا بھی ہے اور پہلے سے شادی شدہ بھی۔" امی کو حیرت ہوئی تھی۔

"ظاہر ہے" کسی رشتے کے لیے تو ہاں کرنی ہی تھی ہم نے۔ میری بیٹی کا نصیب کسی اور نے جو چھین کر اپنا مقدر بنا لیا۔"

چچی تو طنزیہ فقرہ اچھال کر چلتی بنیں اور میرا چہرہ

اتنے واضح طنز پر لال ہو گیا۔

میری جنت اور خوش گوار زندگی سے جلنے والے بھی کچھ لوگ ہیں اور ان میں میری یہ چچی فریدہ بھی شامل ہیں۔ ان کا خیال ہے میں نے عامر کو ردا سے چھینا ہے کیونکہ عامر' ردا کے بچپن سے منگیتر تھے۔ مگر عامر نے خود ہی میرا انتخاب کیا تھا کیونکہ ردا جیسی چپ چاپ' دبو سی لڑکی عامر کے معیار کی تھی بھی نہیں جسے نہ کچھ فیشن کا پتا نہ دنیا داری کا' تعلیم بھی ایف اے تک حاصل کی تھی۔

اور دوسری طرف میں تھی۔ ایم ایس سی کیمسٹری' نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والی۔ اپنے کالج کی بہترین مقررہ' گفتگو میں مقابل کو لاجواب کر دینے والی۔ فیشن کی دلدادہ اور اسٹائلش ماریہ احمد۔

ردا تو میرا پاسنگ بھی نہیں تھی۔

جب مجھے اس حقیقت کا پتا چلا کہ ردا اور عامر کی بچپن سے بات طے ہے تو میری عجیب سی کیفیت تھی۔ عامر کی جوڑی میرے ساتھ پرفیکٹ ہوتی' ردا بے چاری کہاں اس کے ساتھ چل سکتی تھی۔

اور اسی بات کا احساس میں نے عامر کو بھی دلایا کہ اپنی مرضی اور معیار کا جیون ساتھی منتخب کرنا ان کا حق ہے۔ میں نے کون سا ان سے کہا تھا کہ وہ ردا کو چھوڑ کر مجھے اپنا لیں۔ وہ تو انہوں نے خود ہی میرا انتخاب کیا کہ ان کے معیار کی میں ہی تھی۔ جس طرح عامر شاندار اور مکمل تھے اسی طرح میں بھی اور ایک طرح سے یہ ردا کے حق میں بہت اچھا ہوا تھا۔

عامر کا جس طرح کا مزاج اور طبیعت تھی وہ ردا کے ساتھ نہ خود خوش رہ پاتے نہ اسے رکھ پاتے۔ پھر ردا کی کیا زندگی ہوتی؟ اور میری تو بات ہی الگ تھی۔ میرے ساتھ تو عامر کی بہت دوستی تھی۔ ہم ایک جیسے تھے اور ایک دوسرے کے ہم مزاج بھی اور پھر جب عامر نے ردا کو چھوڑ کر میرا انتخاب کیا تو چچی تو جیسے میری دشمن ہی ہو گئیں۔ ان کو لگتا تھا کہ میں نے ردا کے حق پہ ڈاکا ڈالا ہے۔ اس کا نصیب چھینا ہے۔

کیا نصیب چھیننا اتنا آسان ہوتا ہے؟

اب اگر ان کی بیٹی کے نصیب میں عامر نہیں تھا تو اس میں میرا کیا قصور؟ یہ تو خدا کی دین ہے جسے جو چاہے عطا کرے۔ حالانکہ جب مجھے اپنے ماں نہ بن سکنے کا علم ہوا تو میں نے بہت نیک نیتی سے کوشش کی تھی کہ عامر دوسری شادی کر لیں اور اس کے لیے میرے دل میں ردا تھی۔ میں چاہتی تھی کہ عامر کو شادی کے لیے منا کر میں ردا کا نام لوں گی۔ وہ تو عامر شادی کے لیے مانے ہی نہیں' میری لاکھ کوششوں کے باوجود اگر میرے دل میں کھوٹ ہوتا یا میں غاصب ہوتی تو ایسا سوچتی؟

یہ تو چچی کی جاہلانہ سوچ ہے جو وہ ردا کی اب تک شادی نہ ہو سکنے کا الزام بھی مجھے دیتی ہیں۔ اب ان کی بیٹی میں کوئی گن ہی نہیں۔ اگر اس میں کوئی بھی خوبی ہوتی تو عامر اسے چھوڑ کر میرا انتخاب کیوں کرتے۔

لیکن اپنے گریبان میں تو کوئی جھانکتا ہی نہیں۔

☆ ☆ ☆

وہ بھی دسمبر کی ایک سرد سی شام تھی۔ ردا کی شادی کو تین ماہ گزر چکے تھے' میں نے اس کی شادی میں غیروں کی طرح شرکت کی تھی ظاہر ہے مجھے بلایا بھی تو غیروں کی طرح ہی گیا تھا۔ عابد' اس کا شوہر' عام سی شکل و صورت کا مالک عام سا مرد تھا۔ خود ردا کون سی حور پری تھی۔ اس کے حساب سے تو ٹھیک ہی تھا ویسے بھی اس کی عمر نکلی جا رہی تھی۔

اب ہر کسی کا نصیب میرے جیسا تو نہیں ہوتا کہ شادی بھی وقت پر ہو جائے' شوہر بھی بہت ہینڈسم' پڑھا لکھا' ہر لحاظ سے مکمل اور اچھی جاب پر ہو اور گھر بھی بالکل جنت جیسا ہو۔

ردا کے شوہر کو دیکھ کر میں اپنی زندگی اپنی جنت سے کچھ اور مطمئن و مسرور ہو گئی۔ مجھے خود پر فخر سا ہوا تھا۔

عامر آج کل پھر کوئٹہ کے دورے پر تھے۔ پچھلے چند

ماہ سے ان کے کوئٹ کے چکر کچھ زیادہ ہی لگ رہے تھے اس لیے میں نے بھی امی کی طرف جانے کے بجائے اپنے گھر میں رہنے کو ترجیح دی تھی۔

ٹرن۔ ٹرن۔ لینڈ لائن کی گھنٹی بجی میں نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھا' عامر کا تھا۔

شاید اپنے آنے کی اطلاع دینا چاہ رہے ہوں گے میں نے مسکراتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔

"ارے ماریہ کیسی ہو تم؟ ایک خوشخبری سنو۔" میری "ہیلو" کے جواب میں وہ چہکتی آواز میں بولے تو میری مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ شاید عامر اس بار بہت اسپیشل گفٹ لا رہے ہیں۔

"جی سنائیں میں ہمہ تن گوش ہوں۔" اور میں واقعی ہمہ تن گوش ہی تھی۔

"میں باپ بننے والا ہوں ماریہ!" ان کی آواز میں پہلے سے بھی زیادہ خوشی تھی۔ ریسیور پر میرے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

"کیا مطلب؟" میرے منہ سے بے ربط سا نکلا۔

"ماریہ! میں تمہیں یہ سب فون پر بتانا تو نہیں چاہتا تھا لیکن مجبوری بن گئی ہے۔ میں نے یہاں تین ماہ پہلے زرمینہ سے نکاح کر لیا تھا۔ زرمینہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اس نے مجھے مجبور کیا اور احساس دلایا کہ اولاد زندگی میں کتنی ضروری ہے۔ میں نے سوچا کہ تم بھی اپنی جگہ خوش اور مطمئن ہو تو ایسے ہی چلنے دوں لیکن اب مجھے زرمینہ نے خوشخبری سنا دی ہے تو میں اسے لے کر آ رہا ہوں' اپنے گھر۔ تم سن رہی ہو ماریہ؟"

"جی۔"

"ہاں اور گھر کو اچھے سے سجانا۔ ہر چیز بالکل پرفیکٹ ہونی چاہیے۔ آخر وہ پہلی بار اپنے گھر آ رہی ہے اور جو تمہیں پچھلی سالگرہ پر کنگن دیے تھے انہیں بھی پالش کروا لینا۔ زرمینہ کے لیے اتنی بڑی خوشخبری اور پہلی بار گھر آنے پر کوئی گفٹ تو ہونا چاہیے۔ ماریہ، تم بالکل چپ ہو۔ کیا تمہیں میرے باپ بننے کا سن کر خوشی نہیں ہوئی۔ تم بھی تو ایسا ہی چاہتی تھیں۔"

انہیں میری خاموشی کا آخر کار احساس ہو ہی گیا۔

میں نے خاموشی سے ریسیور رکھ دیا۔ ہاں میں ایسا چاہتی تھی لیکن ردا کے ساتھ۔ کیوں کہ میں جانتی تھی کہ وہ بے ضرر سی لڑکی میری جنت میں مخل نہیں ہو گی۔ اس آنے والی سے مجھے کسی اچھائی کی امید نہیں تھی۔ آنے سے پہلے ہی یہ گھر اس کا "اپنا" تھا اور میں کہاں تھی؟ شاید کہیں نہیں۔ میں جانتی تھی کہ اولاد کی کمی عامر کو یہ قدم اٹھانے پر مجبور کر دے گی اس لیے میں چاہتی تھی کہ عامر ردا سے شادی کر لیں تاکہ دوسری عورت کے آنے کے باوجود میری جنت میری ہی رہے لیکن۔۔۔

میری ساری چالیں مجھ پر ہی الٹ گئی تھیں۔

میری خوب صورت جنت' جہنم میں بدل چکی تھی۔

"ایک چال تم چلتے ہو اور ایک چال اللہ چلتا ہے اور اللہ بہترین چال چلنے والا ہے۔"

جو میں نے کسی سے برسوں پہلے چھینا تھا آج بمعہ سود لوٹا دیا تھا۔ ہاں میں نے تو ردا سے صرف عامر کو چھینا تھا اور آج آنے والی نے مجھ سے عامر کے ساتھ ساتھ میری محنت اور محبت سے بنا گھر' میری جنت بھی چھین لی تھی۔ خدا واقعی بہت عادل ہے۔ سب کچھ چھن جانے کے بعد مجھے یہ اعتراف کرنے میں عار نہیں کہ میری نیت میں کھوٹ تھا۔

میں خالی دل خالی ہاتھ کسی کی جنت اور اپنے جہنم سے نکل آئی کہ جلد یا بدیر مجھے یہاں سے بے دخل ہونا ہی تھا۔

☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---------- انمول بلوچ

میک اپ ---------- روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی ---------- موسیٰ رضا

قرۃ العین سکندر

معصومہ کی نگاہیں گھڑی کی سوئیوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔ جوں ہی گھڑی نے گیارہ بجائے اس نے منتظر نگاہوں سے صحن سے ملحق بالائی منزل سے آتی ہوئی سیڑھیوں پر نگاہ ڈالی۔ زینہ عبور کرتی حرا اک ادا سے نیچے آرہی تھی۔ ہشاش بشاش چہرہ' پُرسکون مسکان سجائے وہ نیچے آئی۔

"کیسی ہیں بھابھی! جاگ گئیں آپ۔"

معصومہ کو اس کا یہ سوال ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

کیونکہ وہ تو صبح اذانوں کے وقت سے جاگی گھر گرہستی کے کاموں میں الجھی ہوئی تھی۔ جبکہ حرا کی صبح اب ہوئی تھی اور پوری نیند لے لینے کے بعد جو بشاشت عود کر آتی ہے' وہ اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ "ہونہہ۔۔۔" معصومہ اتنی تھکی ہوئی تھی کہ لب کھولنے کا بھی دل نہ چاہا۔ یوں بھی اسے حرا جیسی تیز طرار لڑکی سے بات کرنے کا شوق بھی نہ تھا۔

حرا نے آرام سے فریج کھولا۔ گندھا ہوا آٹا نکالا' پیڑا بنایا اور حیدر کے لیے ناشتا تیار کیا۔ حیدر اتنی دیر میں نیچے آیا' اس کی گود میں **عیشا** تھی' ان کی اکلوتی اولاد۔ ایک سالہ **عیشا** مطمئن سی باپ کی گود میں تھی۔ تب ہی حرا نے اک ادائے بے نیازی سے ناشتا ٹیبل پر دھرا اور **عیشا** کو معصومہ کو پکڑاتے ہوئے بولی۔

"بھابھی **عیشا** کو پکڑ لیں' ذرا ہم دونوں ناشتا کرلیں۔" معصومہ محو حیرت لب بستہ دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔

وہ کہنا چاہتی تھی کہ شدید تھکان کے بعد وہ بچوں کے اسکول سے آنے سے قبل کچھ وقت لیٹنا اور تازہ دم ہونا چاہتی ہے۔ مگر ہمیشہ کی طرح اس کے خیالات دل میں ہی رہ گئے اور وہ لب بھینچتی **عیشا** کو تھامتی ہوئی کمرے میں آگئی تھی۔ **عیشا** کو کھلونے پکڑا دیے تھے اور **عیشا** کھلونوں میں محو ہوگئی تھی۔ ساتھ ہی بے بی کاٹ میں زینب سو رہی تھی۔ زینب پر نگاہ پڑتے ہی معصومہ کی نگاہوں میں مامتا امڈ آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

معصومہ تین بچوں کی ماں تھی۔ موسیٰ' سونیا اور چھوٹی زینب جو ابھی چند ماہ کی ہی تھی۔ موسیٰ اور سونیا دونوں اسکول جاتے تھے۔ اس لیے معصومہ کو صبح سویرے ان کو اسکول روانہ کرنے کی غرض سے جاگنا پڑتا تھا۔

معصومہ اور اشعر دونوں میاں' بیوی ایک پانچ مرلے کے مکان میں تنہا رہتے تھے۔ مگر ایک ماہ قبل اس کے

چھوٹے بھائی حیدر کو بھی کراچی میں نوکری مل گئی تھی۔ اس لیے اب حیدر بھی یہاں مستقل رہائش کی غرض سے آگیا تھا۔ یوں بھی اوپر کی منزل خالی تھی۔ اس لیے اشعر نے مناسب سمجھا کہ اوپر کا پورشن بھائی کو رہنے کے لیے دے دیا جائے۔ وہاں ایک کمرہ ساتھ اٹیچ باتھ تھا اور کچن بھی تھا۔ مگر اس میں سامان نہ تھا۔ اس لیے اشعر اور حیدر کی بیویاں یعنی معصومہ اور حرا اکٹھے ہی نیچے والے پورشن میں موجود باورچی خانے کو استعمال میں لاتی تھیں۔

معصومہ کی اشعر اور تین بچوں کے ساتھ پہلے ہی بہت ذمہ داریاں تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ حرا کے آجانے سے اسے کچھ سکون میسر ہوگا۔ مگر حرا کے آجانے سے اس کو نہ صرف ذہنی سکون سے محروم ہونا پڑا' بلکہ جسمانی سکون بھی غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ جو تھوڑا بہت وقت اسے ملتا تھا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے کمر سیدھی کرلے۔ تاکہ ۔۔۔ دوبارہ سے چاق و چوبند ہو کر ذمہ داریوں کو انجام دے سکے۔ مگر وہ وقت اب حرا اور اس کی بیٹی عیشا کی خدمت گزاری میں صرف ہو رہا تھا۔

معصومہ کا دل اس وقت خوب کڑھتا تھا جب ہفتے بھر کے گندے برتنوں کا ڈھیر معصومہ کو خود حرا کے کمرے سے جا کر لانا پڑتا تھا۔ پلیٹ میں بغیر ڈھکے چاول نہ جانے کب کے پڑے تھے۔ روٹیوں کے ٹکڑے دوسری پلیٹ میں منہ چڑا رہے تھے۔ کئی کپ جو چائے پینے کے بعد گندے پڑے تھے۔ معصومہ سارے برتن نیچے لا کر دھوتی تھی۔ گھر میں کوئی بھی برتن گندا پڑا ہو۔ تو اسے بے حد کوفت ہوتی تھی۔ جبکہ حرا اس معاملے میں نہ صرف لاپروا واقع ہوئی تھی' بلکہ بے حسی کی انتہا پر تھی۔

سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ تھا کہ حیدر بھی آنکھ بند کیے بیوی کا غلام بنا بیٹھا تھا۔ جبکہ اشعر ہر معاملے میں معصومہ کو ڈانٹ دیا کرتا تھا۔ چاہے اس میں معصومہ کا قصور ہو یا نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں اشعر معصومہ کی تذلیل کرکے دلی سکون حاصل ہوتا

تھا۔ جبکہ حیدر' حرا کے سامنے چوں چراں تک نہ کرتا تھا اور جو حرا کرنے کو کہتی من و عن ویسا ہی کرتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کا بے دام کا غلام ہے۔ شوہر نہیں روزانہ حرا کو نیچے آکر صاف شفاف کچن ملتا تھا۔ برتن جو اس کے رات کے گندے سنک میں پڑے ہوتے تھے۔ وہ معصومہ صاف کرچکی ہوتی تھی۔

ہر چیز ٹھکانے پر رکھی ملتی تھی۔ پھر بھلا دو پراٹھے بنانے میں کیا دیر لگتی۔ پھر ناشتا کرکے میاں صاحب کو رخصت کرتے ہی وہ دوبارہ اپنی بیٹی عیشا کو لے کر اوپر والے پورشن میں گم ہو جاتی۔ پھر اس کی آمد تب ہی ہوتی تھی جب دوپہر کا کھانا تیار ہو چکا ہوتا۔ عموماً معصومہ اس وقت روٹیاں پکا رہی ہوتی تھی اور حرا کوئی ایسی ترکیب لڑاتی کہ عیشا رونے لگتی تھی اور پھر حرا آرام سے پکارتی۔

"بھابھی! روٹی بنا رہی ہیں' میری بھی بنا دیں گی؟؟"

اب اس سوالیہ نشان کے بعد تو انکار کی گنجائش ہی نہ نکلتی تھی۔ یوں بھی معصومہ اپنے نام کی طرح ہی معصوم اور بے ضرر ثابت ہو رہی تھی۔

حرا آرام سے تازہ تازہ گرم روٹی لیتی اور عیشا کو سامنے بٹھا کر کھانے لگتی' کھاتے ساتھ ہی وہ دودھ پتی کی فرمائش کردیتی۔ معصومہ چائے کے کپ کی طلب خود بھی محسوس کر رہی ہوتی تھی۔ دو منٹ میں چائے کا دودھ برتن میں ڈال چولہے پر چڑھا دیتی تھی۔

معصومہ کی سوچ میں شفافیت تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ اپنے بچوں کے لیے تو پکا ہی رہی ہوں' پھر بھلا دو روٹی اور بنانے یا چائے بنا دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ مسئلہ تو تب بنتا تھا جب حرا اپنے چائے کے برتن' کھانے کے برتن' عیشا کے دلیے کے برتن۔ بے نیازی سے چھوڑ جاتی تھی۔

معصومہ نے اپنے بچوں کا جو اسکول سے ابھی ابھی آئے تھے۔۔۔ اسکول یونیفارم تبدیل کیا۔ منہ ہاتھ دھلایا اور کھانا لا کر کھلانے لگی۔ بچے ضدی تھے۔ ان کا تقاضا ہوا کرتا تھا کہ وہ آرام سے بیٹھ کر کارٹون دیکھتے جائیں اور ماں نوالے بنا بنا کر ان کے منہ میں ڈالتی

جائے۔ معصومہ بھی مان جاتی تھی۔ اتنے میں زینب چیخ مار کر جاگ جاتی تھی۔ معصومہ کا کھانا وہیں رہ جاتا اور وہ زینب کے کاموں میں جت جاتی تھی۔

وہاں سے فراغت ملتی تو بچوں کو ہوم ورک اور مختلف مضامین کے ٹیسٹ ملے ہوتے تھے جن کی تیاری کرانے میں خاصا وقت لگ جاتا تھا۔ اس سارے دورانیے میں حرا روپوشی کا سفر جاری رکھتی تھی۔ جب مرد حضرات کے آنے کا وقت قریب ہوتا' حرا بن سنور کر نیچے قدم رنجہ فرماتی تھی۔

"بھابھی ذرا اپنی پنک لپ اسٹک تو دیں مجھے اور وہ جو میرون لپ پنسل ہے۔" حرا کا انداز دوٹوک ہوتا تھا۔

معصومہ اسے فقط ٹھنڈی سانس بھر کے دیکھ کے رہ جاتی تھی۔ "وہاں پڑی ہے' لے لو۔"

معصومہ جانتی تھی' یہ پوچھنا محض دکھلاوا ہے اور حرا کو سارے راستے معلوم ہیں۔ تب ہی تو اتنی معلومات رکھتی تھی۔ جبکہ معصومہ سادہ سے حلیے میں یہاں سے وہاں پھر رہی ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ اشعر آجاتا تھا۔ جبکہ حرا کا چمک چھلو والا گیٹ اپ اشعر کی نگاہوں کی زد میں ضرور آتا تھا۔

حیدر کی ملتفت طبیعت عزا کا اٹکھیلیاں کرنا اشعر کو ماضی کے دریچوں میں لے جاتا تھا۔ مگر معصومہ ان سب باتوں سے بے نیاز اشعر کے صبح کے آفس کے لیے کپڑے پریس کر رہی ہوتی تھی۔ جبکہ حرا کو تو معلوم تھا کہ حیدر خود ہی صبح کپڑے پریس کر لے گا' ورنہ معصومہ کو پکارے گا۔

"بھابھی! یہ شرٹ تو پریس کر دیں۔" اور معصومہ انکار نہ کرتی' مروت شاید فقط معصومہ میں ہی تھی۔

شاید زندگی کی گاڑی یوں ہی رواں دواں رہتی اور معصومہ جو اب حرا کی چالاکیاں' مکاریاں بخوبی سمجھنے لگی تھی' ان پر کڑھتی رہتی۔ مگر یوں ہوا کہ عذرا آپا کی آمد ہو گئی۔

عذرا آپا ان دونوں کی اکلوتی بڑی نند تھیں۔ جو لاہور میں مقیم تھیں۔ اب چند دنوں کے لیے بھابھیوں سے ملنے کی غرض سے آئی تھیں۔ عذرا آپا نے ایک دن معصومہ کی سرگرمیاں بغور ملاحظہ کیں اور حرا کا بے نیازی والا انداز بھی دیکھا۔ پرسوچ نگاہوں میں گہری فکر پوشیدہ تھی۔ عذرا آپا کو معصومہ کا یوں گدھوں کی طرح کام کرنا ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ ان کو دلی رنج نے مغموم کر دیا تھا۔ عذرا آپا کو اپنا ماضی یاد آگیا تھا۔

جب وہ بھی یوں ہی ہر سسرالی رشتے کی آؤ بھگت کیا کرتی تھیں۔ مگر ان کو آج تک کوئی صلہ نہ ملا تھا۔ بلکہ یہ سب ایک خراج سمجھ کر وصول کیا جاتا تھا۔ عذرا آپا نے دل میں پختہ عزم کر لیا تھا کہ معصومہ کو حرا کی چالاکیوں کی بھینٹ نہ چڑھنے دیں گی اور اس سلسلے میں وہ اس سوچ میں گم تھیں کہ آغاز کہاں سے کریں۔ مگر خدا نے ازخود ایک راہ نکال دی۔

وہ کہتے ہیں ناکہ جب تک بیچ منجدھار میں ڈوبنے والا خود سعی نہ کرے' کوئی دوسرا اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ اس کو خود بھی ہاتھ پاؤں چلانے پڑتے ہیں۔ تب ہی راہ نکلتی ہے۔ دعا کے ساتھ تدبیر بھی لازم ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عذرا آپا کو ایک سنہری موقع میسر آیا تو وہ مسکرا دی تھیں۔

ہوا یوں کہ حرا نے عذرا آپا کے آتے ہی بیماری کا ایسا رونا رویا کہ سارے کام ازخود معصومہ کی ذمہ داری بن گئے تھے۔ یوں بھی حرا تو لاتعلقی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ پھر اس وقت تو انتہا ہی ہو گئی جب حرا نے معصومہ کو اپنے اور میاں کے کپڑوں کے ساتھ ساتھ بچی کے گندے کپڑوں کا ایک انبار دیا۔

"بھابھی! آپ یہ کپڑے دھو دیں گی' میری تو حالت خراب ہو رہی ہے۔ کمزوری ہے۔ نقاہت ہے۔ چکر آرہے ہیں۔"

عذرا چپ رہیں' وہ اس تماشے کو انتہا تک دیکھنے کی متمنی تھیں۔ معصومہ جو تھکن سے چور ابھی ابھی کچن کے کاموں سے فراغت حاصل کر کے مطمئن سی تھی کہ اب آرام کرے گی۔ بالکل ہونق چہرہ لیے دیورانی کو تکے جا رہی تھی۔ چاہتی تو صاف بات کرتی' میں تھکی ہوئی ہوں مگر تھکن کا لفظ ہمیشہ کی طرح اس کے لب

سے ادا نہ ہوا تھا اور اپنے ناتواں کمزور وجود کو گھسیٹتے ہوئے گٹھڑی کھول کر کپڑے نکالنے لگی۔

بچی کے کپڑے الگ کیے۔ بڑوں کے الگ اور واشنگ مشین لگا کے کپڑے دھونے لگی۔ دو گھنٹے تک وہ مصروف رہی اور پھر جب وہ فارغ ہوئی تو اس کا حلیہ شدید خراب ہو رہا تھا۔ کپڑے سارے بھیگ چکے تھے۔ زینب رواں دھار انداز میں دودھ کا تقاضا کر رہی تھی۔

عذرا آپا نے یہ ساری کارروائی بغور ملاحظہ کی تھی۔ پھر حرا جو پانی میں ہاتھ نہیں ڈال رہی تھی کہ اس کو ٹھنڈ لگ گئی ہے۔ وہ اسی وقت شکلتی ہوئی آئی۔ زینب کو معصومہ تھپکا تھپکا کر چپ کروانے میں لگی تھی۔ جب حرا نے عیشا کو بھی معصومہ کو تھما دیا تھا۔

"بھابھی! میں ذرا نہانے جا رہی ہوں۔ حیدر آنے والے ہوں گے' مجھے اس طرح بنا تیار دیکھیں گے تو انہیں بالکل اچھا نہیں لگے گا۔" قبل اس کے کہ معصومہ کوئی جواب دیتی' وہ نہانے باتھ روم میں گھس چکی تھی۔ اب یک نہ شد دو شد' دونوں بچیاں منہ پھاڑے رو رہی تھیں' جبکہ معصومہ کا خود بھی بین کرنے کا دل چاہ رہا تھا۔

عذرا آپا نے بے حد تاسف سے یہ سارا منظر دیکھا تھا۔ انہوں نے عیشا کو تھاما اور معصومہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کب تک خود کو یوں ہی تکلیف دیتی رہو گی؟ یہ دنیا بہت ظالم ہے۔ اتنی میٹھی بھی نہ بنو کہ تم کو آرام سے نگل لیا جائے۔" عذرا آپا کی ہمدردی پا کر وہ پھپک پھپک کر رو دی تھی۔ آنسو اس کے گالوں پر تواتر سے بہہ رہے تھے۔

"پھر آپ ہی بتائیں' میں کیا کروں؟" معصومہ نے جو بے بسی کی تصویر بنی ہوئی تھی' التجا کی۔

"اگر میرے کہنے کے مطابق چلو گی تو پھر تم کو ان ساری مشکلات کا حل مل جائے گا۔ بولو دو گی میرا ساتھ؟ اگر ہاں کہتی ہو تو ہو جاؤ شروع۔" عذرا آپا کی بات پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

تھوڑی دیر میں حرا باہر نکلی' بال سلجھائے اور عیشا کو تھاما اور اپنے کمرے میں میک اپ کرنے چل دی تھی۔

عذرا آپا نے معصومہ کو ساتھ بٹھا لیا اور ناصحانہ انداز میں گویا ہوئیں۔ معصومہ ان کے ایک ایک لفظ کو دل کے اندر جذب کرتی جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

پھر اگلا دن طلوع ہوا۔ جیسے تمام دن طلوع ہوا کرتے ہیں۔ مگر اس دن کچھ ایسا نیا ہوتا تھا جو باقی دنوں سے نرالا اور منفرد تھا۔ اگرچہ آج بھی معصومہ گھڑی کی سوئیوں پر نگاہ ٹکائے بیٹھی تھی۔ جیسے ہی گھڑی نے گیارہ بجے کا ہندسہ عبور کیا۔ حرا مسکراتی نیچے زینہ اتر کر آئی تھی۔

اس نے ایک مسکراہٹ معصومہ کی جانب بھی اچھالی تھی۔ ٹی وی کے سامنے بیٹھی ٹاک شو دیکھتی معصومہ نے بھی جواباً" مسکراہٹ پیش کی تھی۔ عذرا آپا قدرے فاصلے پر صوفے پر بیٹھیں کسی رسالے کی ورق گردانی میں مصروف تھیں۔ حرا نے کچن میں قدم رکھا۔ پہلا جھٹکا اس کو اس وقت لگا جب اس نے کچن میں سنک میں برتنوں کا انبار دیکھا۔ اس نے ناک بھوں چڑھا کر بمشکل کپ تلاش کیا اور دھویا۔ ناگواری کا احساس اس کے چہرے سے ہویدا تھا۔ پھر فریج کھول کر آٹا لینے کے لیے اپنی نظریں دوڑائیں۔ مگر آٹا تو وہاں تھا ہی نہیں۔ وہ بے ساختہ پلٹی تھی۔

"بھابھی آٹا نہیں ہے کیا؟" لہجے میں بے یقینی پھیلی تھی۔

معصومہ نے اس کی حیرت سے حظ اٹھایا تھا۔

"بالکل ہے' بہت آٹا ہے۔ کنستر میں سے نکال کر گوندھ لو۔" حرا کو جواب دیتی معصومہ اس معصومہ سے یکسر مختلف لگ رہی تھی۔ جو روز ڈالوین جاتی تھی۔ حرا برا سا منہ بنا کر پاؤں پٹختی اوپر چلی گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی زینہ عبور کرتا تیزی سے حیدر آیا۔

"بھابھی' حرا کی طبیعت ذرا خراب ہے' کمزوری

ہے۔ اس سے ناشتا نہیں بن سکتا' آپ پلیز دو پراٹھے اور آملیٹ بنا دیں۔"

معصومہ سے قبل عذرا آپا نے جواب دیا۔ "کیوں' یعنی ایسی کون سی کمزوری ہو گئی۔ حرا کو سر شام نہاتے تیار ہوتے کھاتے پیتے کمزوری نہیں ہوتی۔ معصومہ! تم ایسا کرو مجھے وہ فیروزی سوٹ لا کر دو جس کے بٹن ٹانکنے ہیں۔"

لو جی قصہ ہی ختم ہو گیا تھا۔ اب حیدر کو ناکام واپس چھت پر لوٹنا پڑا تھا۔ پھر حیدر تیار ہو کر بھوکا ہی آفس چلا گیا تھا۔ بنا شرٹ پریس کرائے۔ کیونکہ ملازم معصومہ تو مصروف تھی۔ دوپہر کو جب حرا کے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے تو وہ نیچے آئی تھی۔ اس کا اترا ہوا چہرہ اس بات کی دلیل تھا کہ اسے زوروں کی بھوک لگی ہے۔ کچن میں دیگچی سے حسب معمول سالن لینے کے لیے ڈھکن اٹھایا تو صاف' شفاف دیگچی منہ چڑا رہی تھی۔

"بھابھی! آپ نے کھانا نہیں بنایا؟" حرا کا غصہ دیدنی تھا۔ لحظہ بھر کو تو اس کے اس بدتمیزی کے انداز نے معصومہ کو بھی چونکا دیا تھا۔

"نہیں' میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' کیا صرف طبیعت تمہاری ہی خراب ہو سکتی ہے حرا۔" معصومہ کا لہجہ جتاتا ہوا تھا۔

وہ کوئی سخت جواب دینے والی تھی مگر بڑی نند پر نگاہ پڑتے ہی لب بھینچ لیے۔ عذرا آپا اسے سخت نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ بھی جواباً" کینہ توز نظروں سے دیکھتی واپس اوپر چلی گئی تھی۔

معصومہ عذرا کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔ پھر بچے اسکول سے آئے تو عذرا نے ان کے لیے جو چکن سینڈوچ بنا کر ہاٹ پاٹ میں رکھے تھے' وہ نکالے۔

بچو! آجاؤ' آج پھوپھو کے ہاتھ کے چکن سینڈوچ کھاؤ اور مزے کرو۔" بچے اتنے خوش ہوئے۔ آج معصومہ کو بھی آرام کرنے کو ملا تھا۔ اتنا سارا دن تھا اور کام ہی نہ تھے۔

پھر شام کو حرا نیا سوٹ زیب تن کیے نمودار ہوئی تھی۔ معصومہ سامنے ہی لیٹی ہوئی تھی صوفے پر۔ یقیناً" حرا نے گلی کے کسی بچے سے دوپہر کو نان کباب کھا کر گزارا کیا تھا اور اب اس یقین محکم کے ساتھ آئی تھی کہ اشعر کے لیے تو کھانا تیار کیا ہی ہو گا۔ مگر معصومہ کو لیٹا دیکھ کر وہ ٹھٹکی تھی۔

"جاؤ کھانا بناؤ کچن میں۔" عذرا آپا کی بات پر وہ مجبوراً" کچن میں آئی تھی۔ کھانا بنانا تو اسے آتا ہی نہ تھا۔ مارے باندھے اس نے سوچا قورمہ ہی بنا لیتی ہوں۔ قورمہ بنانے میں اس کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ آنکھیں پانی سے بھری تھیں اور ٹماٹر اس کے کپڑوں کو داغ دار کر چکے تھے۔ ہلدی اس کے چہرے پر تھی۔ خدا خدا کر کے اس نے سالن تیار کیا۔ تو سامنے کھڑی معصومہ پر نگاہ پڑی۔

بے حد نفیس' ہلکے کام والا سوٹ پہن کر وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ بچے بھی پرجوش سے تھے۔ عذرا آپا بھی تیار سی لگی تھیں۔ جب اشعر آیا۔ مسکرا کر اک گہری نگاہ اپنی بیگم پر ڈالی جو بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ ہر وقت ملگجے حلیے میں رہنے والی اس کی بیوی آج حسین لگ رہی تھی۔ اشعر نے پرمسرت انداز میں اسے دیکھا تھا۔ معصومہ شرما گئی تھی۔

"اچھا ہم سب آج کھانا کھانے باہر جا رہے ہیں' کھانا کھا کر مجھے آمنہ کی جانب چھوڑ دینا اور تم حرا' جو قورمہ جلا ہوا تیار کیا ہے۔ وہ حیدر کے ساتھ کھا لینا۔" عذرا آپا کی بات پر وہ سخت غصیلے انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ تب ہی حیدر بھی آگیا تھا اور اپنی بیوی کے حلیے کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ ابھی تو اس کے ہاتھ کے جلے پکوان بھی تھے' حیرت میں اضافہ کرنے کو۔

عذرا آپا کے پیچھے پیچھے میں اشعر اور معصومہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہنستے مسکراتے چل رہے تھے۔ حرا کھوئے کھوئے انداز میں انہیں جاتا دیکھ رہی تھی کہ عیشا کی چیخ نے اسے چونکا دیا۔

"اوہ! ابھی عیشا کو بھی تو دیکھنا ہے۔" اس دفعہ تو اسے سچ مچ چکر آنے لگے اور کمزوری محسوس ہونے لگی۔

☆

ناولٹ

"یہ گھر اب رہنے کے قابل ہی نہیں رہا ہے۔" انزہ کل شام سے یہ فقرہ بلا مبالغہ چوبیس بار کہہ چکی تھی' یہ اور بات کہ گھر کے کسی بھی فرد نے اس سے ایسے قابل اعتراض فقرے کی وجہ دریافت نہیں کی تھی' کیونکہ اس طرح کے فقرے بولنا انزہ صاحبہ کی فطرت بن چکی تھی۔ وہ اس گھر اور اس گھر میں بسنے والے ہر فرد سے تقریباً" ہروقت ہی شاکی رہتی تھی۔ ان کی عادتیں' ان کی باتیں اسے سب کچھ ہی قابل اعتراض لگتا۔

اب کل شام کی ہی بات تھی' پڑوس میں نئی آکر بسنے والے خاندان سے دو انتہائی معزز خواتین درس کی محفل کا بلاوا دینے آگئیں۔ وہ لوگ نئے گھر میں شفٹ

دھونیں گی میں آپ کو کپڑے پکڑا بھی دوں گی۔" اس نے جلدی جلدی ماں کو ہدایت دی۔

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ پڑوس سے آئی دو عورتوں سے ملنے کے لیے اپنا نیا جوڑا پہن کر جاؤں۔" امی نے اسے حسب توقع گھورا۔

وہ مزید کچھ کہنا ہی چاہتی تھی' لیکن امی نے نوبت ہی نہ آنے دی۔ وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ چکی تھیں۔ انزہ ٹھنڈا سانس لے کر رہ گئی۔

ذرا دیر میں' وہ کولڈ ڈرنک لیے ڈرائنگ روم میں گئی تو میزبانوں اور مہمانوں میں تعارف کا مرحلہ طے ہوچکا تھا اور ڈرائنگ روم میں قدرے بے تکلفی کی فضا قائم تھی۔ لیکن ان تک سک سے تیار خواتین کے سامنے

راشدہ رفعت

ہونے کے بعد خیروبرکت کے لیے یہ محفل منعقد کروا رہے تھے۔ گھنٹی بجی تو انزہ گیٹ کے قریب تھی' سو گیٹ اسی نے کھولا۔ مہمان خواتین نے تعارف کروایا۔ انزہ ان سے بہت تپاک سے ملی' پھر انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر امی اور دادی کو ان کی آمد کے متعلق بتایا۔ شکر ہے دادی ہفتے بعد آج ہی نہائی تھیں' سو کپڑے صاف ستھرے تھے' دوپٹا بھی ہم رنگ تھا اور بالوں کی پتلی سی چٹیا بھی گندھی ہوئی تھی۔

"اتنے میں دادی ان عورتوں کے پاس جاکر بیٹھتی ہیں امی! آپ جلدی سے اپنے کپڑے چینج کرلیں۔ اپنا انگوری والا شلوار قمیص پہن لیں۔ پریس تو ہے نا" اگر نہیں تو آپ واش روم جائیں' میں جلدی سے استری پھیر کر آپ کو پکڑاتی ہوں۔ جتنی دیر میں آپ منہ ہاتھ

امی اور دادی کتنی عام سے لگ رہی تھیں۔ کیا تھا جو امی بات مان لیتیں' اسے ایک بار پھر قلق ہوا۔

"انزہ جاکر چمچی لے کر آ۔ تو نے میرے گلاس میں بھی برف کی اتنی ساری ڈلیاں ڈال دیں' پتا بھی ہے نا ٹھنڈی بوتل سے میرے دانتوں اور مسوڑھوں میں ٹیسیں اٹھنے لگتی ہیں۔" دادی نے مہمان خواتین کا لحاظ کیے بنا اسے گھورتے ہوئے مخاطب کیا۔

"صرف تین کیوبز ہی ڈالے ہیں دادی جان' لیکن ٹھیک ہے' میں اسپون (چمچہ) لادیتی ہوں۔" انزہ نے اپنی دانست میں برف کی ڈلیوں اور چمچی کے متبادل لفظ بول کر انتہائی معقولیت کا ثبوت دیا تھا۔

"بس رہنے دے' اتنی دیر میں تو چمچی لائے گی' یہ پگھل پگھلا بھی جائیں گی۔" دادی نے گلاس میں تین

انگلیاں ڈال کر برف کے تینوں ٹکڑے نکال کر ٹرے میں رکھ دیے۔ دادی کی انتہائی نامعقول حرکت نے انزہ کی معقولیت پر پانی پھیر دیا تھا۔ اس کا جی چاہا کاش وہ بھی برف کی ڈلی ہوتی۔ پگھل کر ختم ہو جاتی۔ شرمندگی سے بچ جاتی، مگر ہر خواہش پوری ہونے والی تھوڑی ہوتی ہے۔

"اچھا تو ساتھ والے پورشن میں آپ کے بڑے بیٹے کی فیملی رہتی ہے۔" مہمان خاتون نے گفتگو کا سلسلہ دوبارہ جوڑتے ہوئے دادی کو مخاطب کیا۔

"ہاں جی! یہ ساتھ والا ہی میرے بڑے بیٹے کا گھر ہے۔ ویسے تو دونوں گھروں کے الگ الگ دروازے سڑک پر بھی کھلتے ہیں، لیکن صحن کے بیچ میں چھوٹا سا دروازہ کھول رکھا ہے۔ سمجھیں ایک گھر والا ہی حساب ہے۔" دادی نے تفصیل سے بتایا۔

"آپ لوگوں نے بھابھی وغیرہ کو بھی بلاوا دینا ہو تو ہمیں ہمارے گھر والے راستے ہی سے چلی جائیے گا۔ ان کے مین گیٹ کی بیل خراب ہے اور باہر جتنا مرضی دروازہ پیٹ لو، اندر اتنا شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ان کا تو دودھ والا بھی آج دروازہ بجا بجا کر تھک گیا، پھر آخر ہمارے گھر ہی ان کا بھی دودھ دے گیا۔ اکثر ہی ایسا ہوتا ہے۔" امی نے مسکرا کر مہمان خواتین کو بتایا۔

"دودھ سے یاد آیا طاہرہ، تو نے ان کا دودھ انہیں دے بھی دیا تھا یا نہیں۔ بھول چوک سے استعمال کر لیں ہم اور صبح شگفتہ دودھ والے سے جھگڑ رہی ہو۔" دادی نے امی کو مخاطب کیا تھا۔

"ہائے اللہ امی جی! اچھا یاد دلایا۔ میں نے تو دودھ کی پتیلی ویسے ہی فریج میں رکھ دی تھی۔ ابال تک نہیں دیا۔ سوچا تھا ابھی جا کر دے آؤں گی، پھر دو چکر بھی لگے لیکن ذہن سے ہی نکل گیا۔" امی نے سر پر ہاتھ مار کر یادداشت کو کوسا تھا۔

"اچھا جی! ہم چلتے ہیں، بلکہ آپ ہمیں اپنے جیٹھ کے گھر بھی لے جائیں، ان لوگوں کو بلاوا بھی دے دیں اور ہلکا پھلکا تعارف بھی ہو جائے۔" مہمان خواتین اٹھتے ہوئے بولیں۔ امی یا دادی نے انہیں رسما" بھی مزید بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔

"ہاں جی! یہ انزہ لے جائے گی۔" امی مہمانوں سے بھی پہلے اٹھ کھڑی ہوئیں اور جس وقت انزہ دونوں خواتین کے ساتھ درمیانی دروازے تک پہنچی، امی فریج میں رکھی پتیلی نکال کر چلی آئیں۔

"بھابھی سے کہہ دینا، چٹکی بھر میٹھا سوڈا ڈال کر ابال لیں، ورنہ کہیں دودھ پھٹ پھٹا ہی نہ جائے۔" امی نے اسے پتیلی تھماتے ہوئے ہدایت کی۔ انزہ نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

تائی جان کے پورشن میں قدم رکھا تو انزہ کا جی چاہا وہ وہیں سے واپس پلٹ جائے۔ برآمدے میں موڑھے پر تائی جان بیٹھی تھیں اور ان کے قدموں میں ان کی لاڈلی پوتی حوریہ صاحبہ آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ تائی جان چشمہ لگا کر بہت عرق ریزی سے حوریہ کے سر کی جوئیں نکال رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ بہو بیگم کو لتاڑ بھی رہی تھیں، جس کو کبھی بیٹی کے سر سے جوئیں نکالنے کی توفیق ہی نصیب نہ ہوتی تھی۔

"تائی جان! یہ ہمارے نئے نیبرز ہیں۔" انزہ نے جلدی سے ان کے قریب جا کر مخاطب کیا۔ ایک لمحے کو تو تائی جان بھی ہڑبڑا کر چونکی تھیں۔

"کون ہیں؟" انہوں نے انزہ کو دوبارہ مخاطب کیا، اتنے میں ایک خاتون آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے انہیں بتانے لگی تھیں کہ وہ ان کے نئے پڑوسی ہیں۔ تائی جان دونوں عورتوں سے تپاک سے گلے ملی تھیں۔ انزہ جی ہی جی میں دعا کر رہی تھی کہ ان عورتوں کی نظر تائی جان کے انگوٹھوں کے ناخنوں پر نہ پڑے۔

"آؤ جی اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔ خیر سے پلاؤ کی دیگ لگوائی ہے؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔ اس غیر متعلقہ اور فوری سوال پر انزہ سمیت دونوں خواتین بھی حیران رہ گئی تھیں۔ پھر انزہ کی عقل نے ہی کام کیا، وہ تائی جان کی غلط فہمی کی وجہ جان گئی تھی۔

وہ ایکچولی تائی جان... اس پتیلی میں تو آپ لوگوں کا دودھ ہے' صبح آپ لوگوں نے دروازہ نہیں کھولا تو دودھ والا آپ کا دودھ بھی ہمیں دے گیا۔" اس نے فورا" وضاحت کی۔

تائی جان تو یقیناً" یہ ہی سمجھی تھیں کہ یہ معزز خواتین پتیلی بھر بھر چاول محلے میں بانٹنے نکلی ہیں۔ انزہ کی وضاحت سن کر خجل سا ہو کر مسکرادیں۔

"امی کہہ رہی تھیں کہ وہ دودھ بوائل کرنا بھول گئیں۔ چٹکی بھر بیکنگ پاؤڈر ڈال کر بوائل کرلیجئے گا' ورنہ کہیں دودھ اسپائل (خراب) نہ ہو جائے۔" انزہ نے مناسب لفظوں میں ماں کی ہدایت بھی گوش گزار کردی۔

"جاحوریہ! کچن میں اپنی ماں کو دودھ دے آ... کہہ دینا ذرا سا میٹھا سوڈا ڈال کر ابال لے گی' ورنہ کہیں دودھ "پھٹ پھٹا" ہی نہ جائے۔" تائی جان نے انزہ کے "بوائل" اور "اسپائل" پر پانی ہی پھیر دیا تھا۔ انزہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔

تائی جان نے خواتین کو ڈرائنگ روم میں بٹھلایا تھا اور یہ بات ماننے کی تھی کہ ان کا ڈرائنگ روم انزہ وغیرہ کے ڈرائنگ روم کے مقابلے میں زیادہ بڑا اور زیادہ سجا سجایا تھا۔ نرم دبیز قالین پر قدم رکھنے سے پہلے تائی جان نے اپنے جوتے اتار دیے۔ دوسروں نے بھی ان کی تقلید کی۔ ذرا سی دیر میں نازو بھابھی تواضع کا سامان بھی لے کر آگئیں۔ حوریہ نے انہیں مہمانوں کی آمد کے متعلق بتا دیا تھا۔ شازیہ بھابھی کسی کام سے ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزریں تو مہمانوں کو دیکھ کر وہ بھی اندر چلی آئیں۔ خوش گوار ماحول میں تعارف کا مرحلہ طے ہوا تھا' لیکن باہر بچوں نے شور مچا رکھا تھا۔ انزہ نے ہی ایک بار اٹھ کر انہیں ڈپٹا تھا' پھر واپس اندر آکر بیٹھ گئی۔

نازو بھابھی کے ہاتھ کے بنے مزے دار شامی کباب کھا کر مزا ہی آگیا۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر مہمان خواتین اٹھ گئی تھیں۔ جملہ حاضرین کو پر زور طریقے سے ایک بار پھر اپنے گھر آنے کی دعوت دے کر انہوں نے ڈرائنگ روم سے باہر قدم رکھنا چاہا' لیکن فٹ میٹ پر جوتوں کی ایک جوڑی موجود نہ تھی۔ پہلے تو کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ آخر معزز خواتین ڈرائنگ روم کا دروازہ پار کیوں نہیں کررہیں اور فرش پر ادھر ادھر نظریں کیوں دوڑا رہی ہیں' سب سے پہلے انزہ ہی معاملے کی تہ تک پہنچی تھی۔

"شازیہ بھابھی ان کے شوز نہیں مل رہے۔" اس نے قریب کھڑی شازیہ بھابھی کے کان میں سرگوشی کی۔ شازیہ بھابھی نے نازو بھابھی کو اشارے سے بتایا۔ نازو بھابھی نے جھک کر ادھر دیکھا۔ انزہ نے بھی ڈرائنگ روم کے اندر' باہر ہر طرف نظر دوڑائی' لیکن جوتوں کا کوئی سراغ نہ ملا۔

"صوفے کے نیچے دیکھ نازو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جب بچے کھیلتے ہوئے یہاں آئے تھے تو کسی کی ٹھوکر سے جو نا صوفے کے پیچھے نہ چلا گیا ہو۔" تائی جان دور کی کوڑی لائی تھیں۔ بے چاری نازو بھابھی نے گھٹنوں کے بل جھک کر صوفوں کے پیچھے بھی جھانک لیا۔ عجیب صورت حال درپیش تھی۔ شرمندگی اور خفت سے انزہ کا برا حال ہو رہا تھا۔

"ہو نہ ہو یہ کسی بچے کی ہی کارستانی ہوگی۔" اس

نے سوچا تھا' پھر کسی سے کچھ کہے بنا بچوں کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ ذرا دیر پہلے یہاں کتنا ہنگامہ برپا کر رکھا تھا اور اب ایسے غائب ہوگئے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اس نے پہلے نازو بھابھی کے کمرے میں جھانکا۔ پھر شازیہ بھابھی کے کمرے میں' لاؤنج' اسٹور روم غرض ہر جگہ جھانک کر وہ اوپری زینہ چڑھی تھی۔ اسفر اوپر سے نیچے آرہا تھا۔ سیڑھیوں کے درمیان میں دونوں کا ٹاکرا ہوا۔

"خیریت تو ہے' اتنی تیز رفتاری سے سیڑھیاں پھلانگتی کہاں جارہی ہو۔" اس نے اچنبھے سے دریافت کیا۔

"راستہ چھوڑو اسفر۔ ہمیں بہت آکوڑر سچویشن درپیش ہے۔" اس نے کسی قدر جھنجلا کر اسفر کو مخاطب کیا۔

"کیا ہوا ہے' خیریت تو ہے نا؟" اسفر اس کے تیور دیکھ کر گھبرا سا گیا۔

"ہونا کیا ہے۔ وہ جو وائٹ پیلس میں نئی فیملی آکر آباد ہوئی ہے' ان کی دو خواتین ملنے آئی ہیں اور بیٹھے بٹھائے ان کے شوز ڈس اپیئر ہوگئے۔" وہ بتاتے بتاتے روہانسی ہوگئی۔

"شوز ڈس اپیئر؟" ایک لمحے کو تو اسفر کچھ سمجھ ہی نہ پایا۔

"اوہو بھئی۔ جوتے غائب ہوگئے' اب ہٹو راستے سے۔" وہ جھنجلا کر بولی۔ اسفر ایک طرف ہوا۔ وہ تیزی سے باقی سیڑھیاں چڑھی تھی۔ ٹیرس پر بچہ پارٹی موجود تھی اور توقع کے عین مطابق شازیہ بھابھی کی دو سالہ فلزا انہی پڑوسن کا جوتا پہنے ہوئی تھی۔ فلزا کو تو وہ کیا کہتی' اس نے حوریہ کو ضرور ڈانٹا تھا۔

"فلزا تو ناسمجھ ہے حوریہ۔ آپ تو سمجھ دار ہو۔ یہ مہمان آنٹی کے شوز پہن کر یہاں کھیل رہی ہے اور آپ کو کوئی پرواہ ہی نہیں۔" وہ ناراضی سے بولی تھی۔

"انزہ پھوپھو کتنے پیارے جوتے ہیں نا۔" حوریہ پر ڈانٹ کا مطلق اثر نہ ہوا' اس نے جوتوں پر ایک توصیفی نگاہ ڈالی تھی۔ انزہ نے اسے گھورا' پھر فلزا کو گود میں اٹھا کر اس کے پیروں سے جوتے نکالے۔ وہ بھاں بھاں کر کے رونا شروع ہوگئی تھی۔ انزہ کے پاس کم از کم اسے چپ کروانے کا وقت نہ تھا۔ وہ برق رفتاری سے سیڑھیاں اترتی نیچے آئی تھی۔ نیچے جملہ خواتین اسی طرح کھڑی تھیں' صرف نازو بھابھی ہی ادھر ادھر جھانک تانک کر جوتا تلاش کررہی تھیں۔

"یہ لیجیے۔ میری چھوٹی بھتیجی پہن گئی تھی۔" انزہ نے بے حد شرمندگی سے آگاہ کرتے ہوئے جوتے معزز مہمان کے قدموں کے قریب رکھے۔ شازیہ بھابھی قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

"فلزا کا ہی کارنامہ ہے نا۔ میں بھی اتنی دیر سے یہ ہی سوچ رہی تھی کہ فلزا نظر نہیں آرہی۔ وہ جوتا پہن کر اوپر نہ چلی گئی ہو۔ اللہ جانے دوسروں کے جوتے پہن کر اسے کیا مزا آتا ہے۔" شازیہ بھابھی لاڈلی کے کارنامے پر بجائے شرمندہ ہونے کے محظوظ ہورہی تھیں۔

ڈھٹائی کا یہ عالم کہ جوتے کی گمشدگی میں فلزا کے ملوث ہونے کا یقین تھا۔ پھر بھی اپنی جگہ سے ہل کر بیٹی کو ڈھونڈنے کی زحمت تک نہ کی۔ بہرحال مہمان خواتین رخصت ہوئیں تو انزہ بھی اپنے پورشن میں چلی آئی' لیکن اس کا مزاج بری طرح خراب ہوچکا تھا۔ گھر والوں میں سے کسی کے پاس اتنا ٹائم نہیں تھا کہ وہ اس سے بگڑے موڈ کی وجہ دریافت کرتے' ویسے بھی اس کا مزاج اکثر و بیشتر کسی نہ کسی بات پر بگڑا ہی رہتا تھا۔ صرف اسفر تھا جو انزہ کی پروا بھی کرتا تھا اور اس کے بگڑے موڈ کو درست کرنے کی کوشش بھی۔ وہ خود اپنے جی کا بوجھ صرف اسفر کے سامنے ہلکا کرتی تھی۔

"لوگوں کی فیملیز کتنی کلچرڈ اور ویل مینرڈ ہوتی ہیں' ایک ہماری فیملی ہے مینرز چھو کر نہیں گزرے۔ اپنے حال میں مست مگن' بس جیسے جارہے ہیں لوگوں سے انٹریکشن کا سلیقہ ہی نہیں۔" وہ اپنی مخصوص گلابی اردو میں اسفر سے دکھڑا رو رہی تھی۔

اسفر ایک گہرا سانس کھینچ کر بس اسے دیکھ کر ہی رہ گیا۔ اس قسم کے احساس کمتری میں انزہ کا مبتلا ہونا اسفر

کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی۔ ایک عرصہ ہو گیا تھا اسے احساس کمتری کا شکار ہوئے۔ شاید جب سے اس نے کالج میں ایڈمیشن لیا تھا اور امیر گھرانوں کی کچھ لڑکیاں اس کی دوستی کے دائرے میں شامل ہوئی تھیں۔ اس نے بہت تیزی سے ان کا اثر قبول کیا تھا۔ سب سے زیادہ تبدیلی اس کے انداز گفتگو میں آئی تھی۔ وہ روزمرہ بول چال میں انگریزی زبان کا بے تکا اور بے محابا استعمال کرنے لگی تھی۔ یہ تبدیلی اس کی ذات تک محدود رہتی تو قابل قبول تھا' لیکن انزہ کی خواہش تھی کہ سب گھر والے بھی اسی کی طرح "کلچرڈ" اور "ویل مینرڈ" ہو جائیں۔ گھر والے تعاون پر تیار ہی نہ تھے اور یہ چیز انزہ بی بی کی جھنجلاہٹ میں اضافے کا سبب بن رہی تھی۔

گھرانہ ایک تھا اور گھر دو۔ عبدالصمد اور عبدالواحد دونوں سگے بھائی تھے۔ اندرون شہر کے ایک محلے میں ان کا آبائی گھر تھا۔ دونوں کی بیویاں رخصت ہو کر اسی گھر میں آئی تھیں۔ بچے بڑے ہونے لگے تو گھر چھوٹا پڑ گیا۔ کمیٹیاں ڈال کر اور بیویوں کے زیور فروخت کر کے شہر سے باہر بننے والی ہاؤسنگ سوسائٹی میں ساتھ ساتھ دو پلاٹ خرید کر گھر تعمیر کروالیے۔ یہ فیصلہ بہت دانش مندانہ ثابت ہوا کیونکہ آنے والے وقتوں میں زمینوں کی قیمتیں آسمان کو چھونے لگی تھیں۔ یہ ہاؤسنگ سوسائٹی شہر سے باہر تھی' لیکن پھلتے پھولتے شہر نے جلد ہی اس کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ بیویوں کے زیور بھی دوبارہ بن گئے تھے۔ کمیٹیاں ختم ہو گئیں' قرض چکائے گئے اور اب شہر کے مہنگے ترین علاقے میں دونوں بھائیوں کے اپنے ذاتی مکان تھے۔

عبدالصمد صاحب کے چار بچے تھے۔ سب سے بڑی بیٹی فرزانہ جو شادی کے بعد میاں کے ساتھ کویت جا بسی تھی۔ اکبر' انصر اور اسفر تین بیٹوں میں سے دو خیر سے شادی شدہ تھے۔ بلکہ اکبر بھائی کی شادی تو ماضی بعید کی بات لگتی تھی۔ اب خیر سے ان کے پانچ بچے تھے' نازو بھابھی ان کی شریک حیات بھلی مانس خاتون تھیں' ملنسار' بامروت اور مہمان نواز۔

اکبر بھائی سے چھوٹے انصر بھائی تھے۔ ان کی زوجہ محترمہ شازیہ بھابھی تھیں۔ سستی' کاہلی اور ہڈ حرامی میں دور' دور تک ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ انھوں نے صرف بچے پیدا کرنے میں تیزی دکھائی تھی۔ شادی کے پانچ سال بعد ان کے ماشاء اللہ چار بچے تھے۔ فلزا اور طیب جڑواں تھے۔ ورنہ شاید ان کا اسکور تین ہوتا۔

انصر سے چھوٹا اسفر تھا جو اکثر اپنے گھر کے شور شرابے سے تنگ آکر چچا کے گھر آجاتا۔

عبدالواحد کے گھر میں بڑے بھائی کے گھر کی نسبت ذرا سکون رہتا تھا۔ ان کی سب سے بڑی بیٹی عارفہ تھی۔ دو سال پہلے عارفہ کی شادی ہو چکی تھی' اس کا سسرال بھی اسی شہر میں تھا۔ عارفہ سے چھوٹی انزہ بی اے کی اسٹوڈنٹ تھی۔ نعمان سب سے چھوٹا تھا۔ پڑھائی سے زیادہ کھیل کود میں دلچسپی لیتا تھا۔ کالونی کی کرکٹ ٹیم کا کپتان' فٹ بال ٹیم کا نائب کپتان اور ہاکی کا بہترین سینٹر فارورڈ تھا۔ ٹورنامنٹس کے سلسلے میں اکثر گھر سے باہر رہتا' گھر پر ہوتا تو امی اور ابو اسے پڑھائی میں لاپروائی برتنے پر ڈانٹتے ڈپٹتے رہتے۔

دادی کا وہ سب سے چھوٹا اور لاڈلا پوتا تھا۔ بلکہ سمجھو اس میں دادی کی جان تھی۔ جب بیٹا اور بہو ان کے لاڈلے کو ڈانٹ ڈپٹ رہے ہوتے تو کچھ دیر تو دادی خاموشی سے برداشت کرتیں' لیکن ڈانٹ ڈپٹ کا سلسلہ دراز ہونے پر دادی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا۔ وہ نہایت جلالی انداز میں عبدالواحد کو ان کے لڑکپن اور جوانی کے کھلنڈرے پن کے قصے یاد دلاتیں۔ میٹرک اور ایف اے میں دو' دو بار فیل ہونے والا ان کا بیٹا اپنے بیٹے کے گزارے لائق نمبروں پر صبر شکر کیوں نہیں کرتا۔ نعمان نے باپ کی طرح کسی کلاس میں دو سال تو نہیں لگائے تھے نا۔ دادی لاڈلے پوتے کی حمایت میں خم ٹھونک کر میدان میں اترتیں تو عبدالواحد کو پسپائی اختیار کرنا پڑتی۔

طاہرہ کے ویسے تو ساس سے مثالی تعلقات تھے' لیکن اکلوتے بیٹے کو ملنے والی دادی کی بے جا حمایت پر

انہیں خوب غصہ آتا۔ بے چارگی کی انتہا تھی کہ وہ اس غصے کا اظہار بھی نہ کر سکتی تھیں، بس خفگی سے منہ پھلائے گھر کے کام نپٹاتی رہتیں، صرف انزہ تھی جو دادی کو ان کی غلط روش پر ٹوکتی تھی۔

''آپ نوی کی اتنی سائڈ مت لیا کریں دادی، ایسے تو آپ اسے اسپائل کر دیں گی۔''

''وہ میرا پوتا ہے، کوئی مرغی کا انڈا نہیں، میں کیوں کرنے لگی اسے بوائل۔ بوائل تو میرا خون ہوتا ہے تیرے ماں، باپ کی باتیں سن کر۔ ہر وقت بچے کے پیچھے لٹھ لے کر پڑے رہتے ہیں۔'' انزہ دادی سے تو مزید بحث نہ کرتی، لیکن اسفر کے سامنے دکھڑا ضرور روتی۔

''دادی بہت اریٹیٹنگ ہوتی جا رہی ہیں اسفر۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیسے ہینڈل کیا جائے۔''

''دادی کی پیٹھ پیچھے غیبت کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ بتا کیا ہوتی جا رہی ہیں دادی۔'' دادی جانے ایک دم کہاں سے نمودار ہوئی تھیں اور اب کڑے تیوروں سے استفسار کر رہی تھیں۔

''انزہ کا مطلب تھا دادی جان کہ آپ ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید شفیق، مہربان اور رحم دل ہوتی جا رہی ہیں۔'' انزہ کے فق چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے اسفر نے بات سنبھالنی چاہی۔

''مجھے خوب پتا ہے انزہ کا مطلب، یہ کہنا چاہ رہی ہے کہ دادی ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید کٹ کھنی ہوتی جا رہی ہے۔'' دادی چمک کر بولی تھیں، اسفر اس بار اپنا قہقہہ نہ روک پایا تھا۔

''اریٹیٹنگ کیا کمال کا ترجمہ کیا تھا دادی نے۔'' وہ جی بھر کر محظوظ ہوا۔ انزہ اس پر ایک خفگی بھری نظر ڈال کر وہاں سے واک آؤٹ کر گئی۔ اسفر ایک ٹھنڈا سانس لے کر رہ گیا۔

دادی سمیت دونوں گھرانوں کے بڑوں کی یہ خواہش تھی کہ مناسب وقت آنے پر انزہ کو اسفر کی زندگی کا حصہ بنا دیا جائے۔ اسفر اپنے بڑوں کی اس خواہش سے لاعلم نہ تھا، نہ ہی اسے اس خواہش کی تکمیل پر کوئی اعتراض تھا۔ اس میں اور انزہ میں چند برسوں کی چھوٹائی بڑائی تھی اور بچپن سے ہی دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے۔ وقت گزرنے اور عمر بڑھنے کے ساتھ یہ دوستی چاہت اور گہری محبت کا روپ دھار چکی تھی۔ اسفر کو کبھی لگتا کہ محبت کی اس رہ گزر پر وہ تنہا نہیں ہے تو کبھی وہم ستاتا کہ یہ محبت محض یک طرفہ محبت ہے۔ خاص طور پر آج کل انزہ کا رویہ اسفر کے خدشات کی تائید کر رہا تھا۔

اسے اس گھر اور اس میں بسنے والوں سے بہت شکایتیں تھیں، وہ ہر وقت کسی نہ کسی بات پر خفا ہی ہوتی رہتی۔ اسفر کو اگر انزہ عزیز تھی تو اسے اس کی خواہشات کا بھی احترام تھا۔ انزہ اپنی سہیلیوں کے جن گھرانوں کو آئیڈیلائز کرتی تھی اگر ویسی ہی کوئی سلجھی ہوئی فیملی انزہ کی طلب گار بن کر آتی تو اسفر اپنی چاہت سے خود ہی دستبردار ہو جاتا۔ اس نے اپنے ماں، باپ سے سختی سے کہہ رکھا تھا کہ انزہ کی تعلیم مکمل ہونے سے پہلے دونوں کے رشتے کی کوئی بات نہ چھیڑی جائے۔

اسے انزہ سے بے حد محبت تھی، لیکن بیوی کے روپ میں اسے ایسی انزہ نہیں چاہیے تھی جو ہر وقت اپنی قسمت سے شاکی رہے۔ انزہ کو اس سے شادی کی صورت میں کوئی سمجھوتا کرنا پڑے، یہ اسے ہرگز گوارا نہ تھا۔ وہ محبت کی راہ کا مسافر تھا اور محبت کے بدلے محبت کا ہی متمنی تھا۔ کاتب تقدیر نے اس کے لیے کیا لکھ رکھا تھا۔ یہ تو آنے والے وقت ہی بتاتا۔

☼ ☼ ☼

نازو بھابھی کے ساتھ وہ پڑوس میں درس کی محفل میں شریک ہونے چلی گئی تھی۔ یہ شان دار سا گھر جس کو انزہ نے خود ہی وائٹ پیلس کا نام دے رکھا تھا۔ ہمیشہ ہی اسے عجیب سے سحر میں مبتلا کر دیتا تھا۔ ویسے تو اس ہاؤسنگ سوسائٹی کے سب ہی گھر (سوائے ان دو گھروں کے) بہت شان دار تھے، لیکن وائٹ پیلس کی تو بات ہی الگ تھی۔

وسیع رقبے پر پھیلا یہ گھر اپنے منفرد طرز تعمیر کی وجہ سے بہت شان دار دکھائی دیتا تھا' لیکن اس بڑے سے گھر میں دو پراسرار سے بوڑھے میاں بیوی رہتے تھے۔ دونوں کے دونوں بہت چڑچڑے تھے۔ آس پڑوس میں سے کسی کا ان کے ہاں آنا جانا نہیں تھا۔ ان کے چار' پانچ بچے تھے جو سب کے سب ہی امریکہ' کینیڈا بستے تھے۔ شاید اولاد کی جدائی نے انہیں اتنا زود رنج اور چڑچڑا بنا دیا تھا۔ پھر بابا جی کا انتقال ہو گیا تو ماں کو بیٹی اپنے ساتھ کینیڈا لے گئی۔ وہ گھر جو والدین نے بہت محبت اور چاہت سے اولاد کے رہنے کے لیے بنوایا تھا۔ اونے پونے داموں فروخت کر دیا گیا۔ خیر یہ اونے پونے دام بھی اتنے زیادہ تھے کہ انزہ نے سنا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اب وائٹ پیلس میں جو فیملی آکر آباد ہوئی تھی۔ وہ بہت ملنسار لوگ تھے۔ دو آنٹیاں جو ڈنر کا بلاوا دینے آئی تھیں' انزہ ان سے تو متاثر ہوئی ہی تھی' ان کے گھر جا کر مزید متاثر ہو گئی۔ یہ انتہائی امیر کبیر' تعلیم یافتہ اور ماڈرن سی فیملی تھی۔ اتنی دولت اور امارات کے باجود نخرہ نام کو نہ تھا۔ جن دو آنٹیوں سے پہلے تعارف ہو چکا تھا وہ آپس میں دیورانی' جٹھانی تھیں۔ ناظمہ آنٹی جٹھانی تھیں۔ ان کے تین بچے تھے اور تینوں کے تینوں ہی ڈاکٹر تھے۔ سحر انگیز پرسنالٹی کا مالک ڈاکٹر عمر' جس کی بیوی بھی اتنی ہی پیاری اور ماڈرن تھی۔ دوسرے نمبر والا ڈاکٹر شاہ زیب جو خوب صورتی میں بھائی سے کسی طور کم نہ تھا اور سب سے چھوٹی ماہ نور جو ایم بی بی ایس کے فائنل ایئر میں تھی۔

فردوس آنٹی کی دونوں بیٹیاں شادی شدہ تھیں اور وہ بھی آج کی تقریب میں موجود تھیں۔ ویسے تو افراد خانہ سب مہمانوں سے ہی بڑے پاک انداز میں ملے تھے' لیکن انزہ اور تازو بھابھی چونکہ بالکل ہی پڑوس سے آئے تھے اس لیے انہیں خصوصی پروٹوکول ملا۔

ناظمہ آنٹی نے پورا گھر گھما پھرا کر دکھایا' ماہ نور بھی خاصی دیر انزہ کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ وہ بہت ہنس مکھ لڑکی تھی۔ انزہ کو تو بہت ہی پسند آئی۔ گھر واپس آکر بھی اس کی زبان پر وائٹ پیلس کے مکینوں کا ہی تذکرہ رہا تھا۔ باقی سب نے تو یہ تذکرہ سرسری انداز میں سنا تھا۔ صرف اسفر تھا جس نے پوری توجہ اور دلجمعی سے یہ تذکرہ اور تبصرہ سنا تھا۔

"سچ اسفر! میں بتا نہیں سکتی کہ کتنے کلچرڈ اور ویل مینرڈ لوگ تھے اور ناظمہ آنٹی کے تینوں بچے' اُف تینوں کی پرسنالٹی بھی دیکھنے کے لائق اور شکل و صورت بھی... ماہ نور تو چلو لڑکی ہے اور آج کل کی لڑکیوں کی خوب صورتی تو پارلرز کی مرہون منت ہوتی ہے' لیکن ڈاکٹر عمر اور ڈاکٹر شاہ زیب بالکل ہمارے رسالوں کے ہیرو لگ رہے تھے۔" اسفر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

شکر ہے ایک ہیرو شادی شدہ اور دوسرا منگنی شدہ تھا۔ "اصلی ہیرو" کے لیے قابل اطمینان بات بس یہ ہی تھی۔

"کاش ہماری بھی اتنی پڑھی لکھی اور ماڈرن فیملی ہوتی ہماری فیملی کی تو اگلی پچھلی سات پشتوں میں کوئی ڈاکٹر نہیں اور ناظمہ آنٹی کے شوہر بھی ڈاکٹر اور تینوں بچے بھی ڈاکٹر۔ کتنی خوش قسمت فیملی ہے۔" گفتگو کے آغاز پر وہ جتنی پرجوش ہو رہی تھی اب چہرہ بالکل ہی لٹک گیا تھا۔ اس طرح کے موازنے کرنا اس کی پرانی عادت تھی۔ اسفر ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"اگلی پچھلی سات پشتوں کا تو مجھے پتا نہیں' لیکن اپنے پڑدادا کے بارے میں ضرور پتا ہے' کتنے نامی گرامی حکیم تھے۔ دادی بتاتی ہیں کہ اللہ نے ان کے ہاتھ میں بہت شفا دے رکھی تھی' دور دراز سے لوگ ان سے علاج کروانے آتے تھے۔ وہ بہت دین دار اور متقی شخص تھے۔ حکمت کے ساتھ ساتھ لوگوں کو دین کی باتیں بھی بتاتے تھے۔" اسفر نے اسے نرمی سے ٹوکا تھا۔

یہ باتیں انزہ کے لیے نئی نہ تھیں۔ دادی جب بھی اپنی ماضی کے قصے سناتیں تو اپنے مرحوم سسر کی حکمت اور ان کے تقویٰ اور بزرگی کے قصے بہت جذب سے سناتی تھیں۔

"اگر ہمارے دادا' پڑدادا نانی گرامی ڈاکٹر ہوتے تو بات تھی۔" انزہ متاثر ہوئے بنا بولی تھی۔

"دادا' نانا کے ڈاکٹر نہ ہونے کا غم ستا رہا ہے اور خود جو ایف ایس سی کے انٹری ٹیسٹ میں شاندار طریقے سے فیل ہوئی تھیں۔ اگر محنت کر لیتیں تو آج کسی میڈیکل کالج کی اسٹوڈنٹ ہوتیں۔ ہمیں بھی کچھ فخر کرنے کا موقع مل جاتا۔" اس بار اسفر نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

انزہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا تھا۔ وہ بنا کچھ بولے' منہ پھلائے وہاں سے چلی گئی تھی۔ اسفر ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وائٹ پیلس والی ماہ نور ایک شام انزہ سے ملنے پہنچ گئی۔ انزہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

"تم تو دوبارہ ہمارے گھر آئی نہیں۔ میں نے سوچا آج میں خود جا کر مل آتی ہوں۔" وہ کس اپنائیت سے شکوہ کر رہی تھی۔

"وہ بس' میں سوچتی تھی آپ مصروف ہوتی ہوں گی' آپ کی پڑھائی بھی تو بہت ٹف ہے نا۔" بجائے اس کے وہ اپنی مصروفیت کا عذر تراشتی' اس نے ماہ نور کے مصروف ہونے کا ذکر کیا۔

"ارے نہیں یار' میری پڑھائی اتنی ٹف کہاں۔ میرے دو ماموں ہمارے میڈیکل کالج میں ہی پڑھاتے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے مجھے کم از کم پڑھائی کی کوئی ٹینشن نہیں۔" ماہ نور کھلکھلائی تھی۔ انزہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ مزید کیا بولے' بس مسکرا کر رہ گئی۔

"اچھا سنو تم فارغ ہو تو میرے ساتھ قریبی شاپنگ مال تک چل سکتی ہو۔ مجھے کچھ ضروری چیزیں خریدنی ہیں' لیکن ساتھ جانے والا کوئی نہیں' پھر مما کو تمہارا خیال آیا' انہوں نے کہا' تم سے پوچھ لوں' اگر تم ذرا دیر کو میرے ساتھ چلو تو۔" ماہ نور اب اصل مدعا کی جانب آئی تھی۔

"اب تو کافی شام ہو رہی ہے۔ پتا نہیں دادی جانے

کی اجازت دیتی بھی ہیں یا نہیں۔" انزہ کے لیے بہانہ بنانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

اتنے میں دادی بھی وہاں آنکلی تھیں۔ ماہ نور نے پہلے تو دادی سے سلام دعا کی تھی، پھر انزہ کو ساتھ لے جانے کی اجازت بھی طلب کرلی۔ دادی اس کے منہ پر کیسے انکار کرتیں۔ بادل نخواستہ انہیں اجازت دینی پڑی تھی۔ انزہ خوشی خوشی ماہ نور کے ساتھ چلی گئی۔ یہ اور بات کہ گھر واپس آنے کے بعد دادی سے خوب ڈانٹ پڑی تھی۔

"مجھے لڑکیوں کا یوں شتر بے مہار پھرنا پسند نہیں، پھر اس کے گھر میں ماں ہے، بھاوج ہے، تائی ہے، کسی کے بھی ساتھ چلی جاتی۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے نہیں انہیں یہاں آئے اور ہماری بیٹی سے بہناپا بھی گانٹھ لیا۔ آئندہ آئے تو خود ہی بہانا بنا کر انکار کر دینا۔ دادی سے اجازت لینے کی بات مت کرنا۔" دادی نے خوب ہی دل کی بھڑاس نکالی تھی۔

"ایسی بات تھی تو آپ کو پرمیشن دینی ہی نہیں چاہیے تھی۔ پرمیشن خود دی۔ بلیم مجھے کر رہی ہیں۔" انزہ کو بھی غصہ آگیا تھا۔

"دادی صحیح کہہ رہی ہیں انزہ۔ آئندہ یوں منہ اٹھا کر کسی کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔" امی نے بھی اسے ٹوکنا ضروری سمجھا تھا۔

انزہ کے منہ کے زاویے تو بگڑے، مگر اس بار اس نے چپ رہنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

☆ ☆ ☆

چار دن بعد ہی ماہ نور دوبارہ چلی آئی تھی، اس بار وہ اپنی سالگرہ کا بلاوا دینے آئی تھی۔

"اے بٹی! سالگرہ تو بچوں کی منائی جاتی ہے۔" جب وہ انزہ سے اپنی برتھ ڈے پارٹی میں شمولیت کے لیے اصرار کر رہی تھی تو دادی اعتراض کیے بنا نہ رہ پائیں۔

"دادی جان! میں اپنے گھر کا سب سے چھوٹا بچہ ہی تو ہوں۔ انزہ کے ساتھ آپ بھی آیئے گا، پھر دیکھیے گا کتنی دھوم دھام سے میری برتھ ڈے سیلبریٹ کی جاتی ہے۔" ماہ نور نے دادی کو بھی خوش دلی سے مدعو کرلیا۔

"ہمیں تو معاف رکھو بچی۔ انزہ ہی آجائے گی۔" طبیعت پر جبر کرکے دادی کو ایک بار پھر انزہ کو اجازت دینا پڑی تھی۔

انزہ کی تو دلی مراد بر آئی تھی۔ اگلے دن خوب نک سک سے تیار ہو کر وہ ماہ نور کی سالگرہ میں شرکت کرنے پہنچ گئی۔ وائٹ پیلس کے وسیع و عریض لان میں شان دار برتھ ڈے پارٹی منانے کا اہتمام اور انتظام کیا گیا تھا۔ مہمان بہت زیادہ نہ تھے، لیکن انزہ کی توقع کے مطابق افسانوں کا سا ماحول تھا۔ ملازم لوگوں کو مشروبات پیش کر رہے تھے۔ بیٹھنے کا بہت اچھا انتظام تھا، لیکن فی الحال لوگ ٹولیوں میں کھڑے ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ آف وائٹ اسٹائلش سی میکسی میں ماہ نور بہت پیاری لگ رہی تھی۔ تقریب میں موجود تقریباً تمام خواتین نے ڈیزائنر ملبوسات پہنے ہوئے تھے۔ نازو بھابھی کے ہاتھ کا سلا وہ سوٹ، جو آج سے پہلے انزہ کو بہترین لگا کرتا تھا۔ آج اسے پہن کر وہ عجیب سا احساس کمتری محسوس کر رہی تھی۔

"واؤ انزہ! تم آج کتنی انوسینٹ، کتنی پیاری لگ رہی ہو۔" ماہ نور کی بے ساختہ تعریف بھی انزہ کو مبالغہ آمیز لگی، مگر لبوں پر مسکراہٹ سجانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

"آنٹی وغیرہ نظر نہیں آرہے۔" اس نے ماہ نور سے اس کی تائی کے متعلق استفسار کیا۔

"ہمارے فنکشنز میں وہ دل پر بھاری پتھر رکھ کر شریک ہوتی ہیں۔ بہرحال ابھی اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ نمودار ہو جائیں گی۔" ماہ نور کا استہزائیہ لہجہ انزہ کو اچھنبے میں مبتلا کر گیا تھا۔

"آج کل تو بے چاری تائی جان وغیرہ کے گھر ویسے بھی صف ماتم بچھی ہوئی ہے۔ رانیہ آپی کے ہسبینڈ نے اپنی سیکرٹری سے شادی کرلی ہے۔ ابھی ہم لوگوں

سے تو یہ بات چھپائی جا رہی ہے لیکن ایسی باتیں چھپ تھوڑا سکتی ہیں۔ بے چاری رانیہ آپی اگر اپنی بدمزاجی پر قابو پالیتیں تو کیوں یہ دن دیکھنا پڑتا۔"

ماہ نور نے اپنے خاندان کے ایک گمبھیر مسئلے پر کتنے مزے سے انزہ کے سامنے تبصرہ کر دیا تھا۔ اپنی کزن کے لیے اس کے لہجے میں کوئی ہمدردی بھی نہ تھی بلکہ اس نے تو لطف لیتے ہوئے یہ سب بتایا تھا۔ انزہ خاموش رہی مگر اسے دل ہی دل میں افسوس ضرور ہوا تھا۔

تھوڑی دیر میں واقعی آنٹی اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ گھر کے رہائشی حصے سے نکل لان میں پہنچ گئی تھیں۔ تینوں ماں ' بیٹیوں نے ماہ نور کو لپٹا چمٹا کر خوب پیار بھی کیا تھا اور تحفے بھی دیے تھے۔ ماہ نور نے بھی خوب ہنستے مسکراتے ہوئے ان کے گال پر بوسے دیتے ہوئے تحفے وصول کیے۔ اس وقت تائی کی فیملی سے اس کے تعلقات بہت مثالی لگ رہے تھے۔

انزہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس کے ذرا دیر پہلے کیے گئے تبصروں کو حقیقی سمجھے یا گرم جوشی کے اس مظاہرے کو۔ پتا نہیں کیوں اسے باقی کی تقریب میں مزا نہ آیا۔ سب کچھ مصنوعی ' مصنوعی سا لگ رہا تھا۔ کیک کٹنے کے فوراً" بعد ہی وہ واپس گھر چلی آئی۔ پہلا ٹکراؤ اسفر سے ہوا۔

"میں بہت تھکا ہوا ہوں انزہ! پہلے بازار سے امی کو سودا سلف لا کر دیا پھر دادی نے اپنی دوا منگوانے کے لیے بازار دوڑایا۔ واپس آیا تو چچی جان نے ایک بار پھر یوٹیلیٹی اسٹور تک دوڑا دیا۔ سچ اب بالکل ہمت نہیں ' تمہاری فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی کا احوال کل نہ سن لوں۔" وہ لجاجت بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

انزہ کو اس کے انداز پر ہنسی آگئی تھی۔ "ایسا کچھ خاص احوال نہیں جو میں تمہیں تفصیل بتاؤں۔ ذرا دیر کو دادی کے پاس بیٹھو میں چینج کر کے چائے بنا کر لاتی ہوں۔ مجھے بھی چائے کی طلب ہے اور تمہاری بھی تھکن اتر جائے گی۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

وہ "وائٹ پیلس" کی ایک پارٹی اٹینڈ کر کے آئی تھی اور اس کے پاس سنانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ اسفر اگر حیران ہوا تو یہ حیران ہونا بنتا بھی تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کالج سے گھر لوٹی تو عارفہ آپی کو دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھی۔ ایک ہی شہر میں میکہ اور سسرال ہونے کے باوجود وہ بہت دنوں بعد گھر کا چکر لگاتی تھیں۔

" آپ کے آنے کا پروگرام تھا تو پہلے بتا دیتیں' میں آج کالج سے چھٹی کر لیتی آپی۔" وہ عارفہ آپی سے لپٹتے ہوئے بولی تھی۔

"بس صبح اچانک پروگرام بن گیا' خالد آفس جاتے ہوئے مجھے یہاں چھوڑ گئے۔" انہوں نے مسکرا کر بتایا۔

"ٹھیک ہے ' آفس جاتے ہوئے چھوڑ دیا لیکن آفس سے واپسی پر آپ کو ساتھ لے جانے کی مت سوچیں' کم از کم دو دن تک تو آپ نے ہمارے پاس رکنا ہے۔" اس نے پیار بھری دھونس جمائی۔ عارفہ آپی محض مسکرا دی تھیں۔ انداز ایسا تھا جیسے کسی بچے کی احمقانہ بات پر مسکرایا جاتا ہے۔

"کیوں' کیوں ایسے کیوں ہنسیں آپ ' میں نے کوئی احمقانہ بات کی ہے کیا۔ کتنے ماہ ہو گئے آپ کو ہمارے پاس ایک بھی رات رکے ہوئے۔ چند گھنٹوں کے لیے آتی ہیں وہ بھی اتنے بہت سے دنوں بعد۔"

"اچھا اب آتے کے ساتھ ہی بہن کا دماغ مت چاٹو۔ باورچی خانے میں جا کر ماں کا ہاتھ بٹاؤ۔ پتا نہیں وہ آج کیا کچھ بنانے لگ گئی ہے۔ کب سے باورچی خانے میں ہی ہے۔" دادی کے ٹوکنے پر انزہ مسکرا کر سر ہلاتی آگے بڑھ گئی۔

عارفہ آپی جب آتی تھیں امی کا بس نہ چلتا تھا کہ ایک ہی دن میں ان کے سارے پسندیدہ پکوان بنا کر انہیں کھلا دیں۔ عارفہ آپی ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتیں تو زبردستی انہیں کچن سے باہر بھیج دیتیں۔ ماؤں کی محبت کے عجب ہی انداز ہوتے ہیں۔ انزہ جلدی سے کپڑے تبدیل کر کے کچن میں امی کی مدد کرنے چلی گئی۔

کھانے کی تیاری انتہائی مراحل میں ہی تھی اور جب یہ پر تکلف کھانا ڈٹ کر کھایا تو نیند سے آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔ کب عارفہ آپی سے گپ شپ لگاتی وہ نیند کی وادی میں اتری' پتا بھی نہ چلا۔ آنکھ کھلی تو دادی اور امی عصر کے بعد کی تسبیحات میں مشغول تھیں۔ عارفہ آپی نظر نہ آئیں۔ وہ یقیناً" تائی جان وغیرہ کی طرف گئی تھیں۔ انزہ نے بھی وہیں کا رخ کیا۔

حسب توقع عارفہ آپی تائی جان کے پاس بیٹھی تھیں۔ نازو بھابھی بھی وہیں تھیں۔ عارفہ آپی کی بھیگی پلکیں اور تائی جان کا متفکر چہرہ۔ انزہ سمجھ گئی کہ سسرالی مسئلے' مسائل پر بات چیت ہو رہی ہے۔ عارفہ آپی کا سسرال کم و بیش ایک روایتی سسرال تھا۔ اکھڑے بگڑے تیوروں والی ساس اور تین چار کٹ کھنی سی نندیں' شادی کے کچھ عرصے بعد سے ہی انہوں نے عارفہ آپی کو تنگ کرنا شروع کر دیا تھا اور اب شادی کے دو سال بعد بھی عارفہ آپی کی گود سونی تھی تو سسرال والوں کے طعنے تشنے بھی بڑھ گئے تھے۔

بے چاری عارفہ آپی میکے آکر سسرال کے دکھڑے تائی جان کے سامنے ہی روتی تھیں۔ امی ہائپر ٹینشن کی مریضہ تھیں' عارفہ آپی زیادہ تر باتوں سے امی کو لاعلم ہی رکھتی تھیں' پریشانی میں ان کا بی پی بڑھ جاتا تھا۔ شروع شروع میں ایک دو بار آپی نے اپنے دل کے بوجھ کو ماں کے سامنے ہلکا کیا تو کئی دن تک امی کی طبیعت بگڑی رہی تھی تب دادی نے ہی بہت پیار اور رسان سے عارفہ آپی کو سمجھایا تھا۔

"تجھے پتا تو ہے تیری اماں کے اعصاب کس قدر کمزور ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی کتنی ٹینشن لیتی ہے وہ۔ آئندہ اپنے دکھ سکھ ماں کے بجائے مجھے یا اپنی تائی کو کہہ سنایو۔" امی کی حالت کے پیش نظر عارفہ آپی نے یہ نصیحت پلو سے باندھ لی تھی۔ اب وہ امی کے سامنے سسرال کی چھوٹی موٹی اور بے ضرر سی غیبتیں ہی کرتی تھیں۔

بڑے مسئلے' مسائل یہاں تائی جان کے پاس آکر بیان کیے جاتے' دونوں خواتین ان کی ساس' نندوں کو حسب توقع غائبانہ لتاڑتیں تو عارفہ آپی کو بھی مقدور بھر تسلی دلاسے دے کر ان کے آنسو پونچھتیں' اس وقت بھی ایسا ہی منظر چل رہا تھا۔ انزہ بوجھل قدموں کے ساتھ ان کے قریب گئی تھی۔

"آزمانے میں تو کوئی حرج نہیں عارفہ۔ اندرون شہر کی بہت مشہور گائنا کالوجسٹ ہے۔ شافعہ کی چھوٹی بہن کا بھی وہیں پر علاج ہے۔" انزہ کو آتا دیکھ کر نازو بھابھی کی بات ادھوری رہ گئی تھی' یہ مسئلے کنواری بچیوں کے سامنے بیان کرنے والے نہیں تھے لیکن انزہ ڈھیٹ بن کر وہیں بیٹھ گئی۔

"آپ اتنی ٹینشن مت لیا کریں آپی۔ یہ شکر کیا کریں کہ خالد بھائی اتنے لونگ (پیار کرنے والے) اور کیئرنگ ہیں۔ جب وہ آپ کے ساتھ ہیں تو ساس' نندوں کی باتوں کو دل پر مت لیا کریں۔" اس نے عارفہ آپی کے ہاتھ تھام کر ان کے آنسو پونچھے تھے۔

"جاؤ انزہ ماں کے پاس' کبھی وہ بھی یہاں چلی آئے۔ میں دو گھڑی عارفہ کے پاس بیٹھ جاؤں۔ پھر خالد بھی آنے والا ہو گا۔" اتنے میں دادو چلی آئیں اور آتے کے ساتھ ہی انزہ کو وہاں سے ہٹا دیا۔

وہ منہ بناتے ہوئے واپس اپنے پورشن میں چلی آئی۔ اس بار عارفہ آپی کے پاس بیٹھنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ حسب توقع تھوڑی دیر بعد خالد بھائی آگئے تھے۔ امی کے بہت اصرار کے باوجود وہ کھانے پر نہ رکے تھے۔ پر تکلف چائے پی کر فوراً" ہی عارفہ آپی کو لے کر واپسی کی راہ لی۔ انزہ دل مسوس کر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

بہت دن بعد ماہ نور کا چکر لگا تھا۔ انزہ نے اس سے اتنے دن کی تاخیر کا سبب نہ پوچھا تھا وہ خود ہی بتانا شروع ہو گئی۔

"پچھلے بہت سے دن اتنی ٹینشن میں گزرے انزہ! کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ ہم شاہ زیب بھائی کی شادی کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اچانک سے ان کی منگنی ٹوٹ گئی۔" ماہ نور کے بتانے پر انزہ کی سمجھ میں نہ

آیا کہ وہ جواب میں کیا کہے یا کیا پوچھے۔ ماہ نور بہت آسانی سے گھر کے گمبھیر مسئلے اس کے سامنے بیان کر لیتی تھی۔ انزہ کو بات کریدنے کی عادت ہی نہ تھی اس لیے وہ ایسی باتوں کے جواب میں زیادہ تر خاموش رہنے پر اکتفا کرتی۔ ماہ نور خود ہی تفصیل کہہ سناتی۔

"بہت ماڈرن اور ایڈوانس فیملی تھی اریبہ کی۔ بھائی تو پہلے اس انگیجمنٹ پر راضی ہی نہ تھے۔ ممی اریبہ کی خوب صورتی پر مرمٹی تھیں لیکن اب ممی کو بھی عقل آگئی ہے کہہ رہی ہیں کسی اچھے شریف گھرانے کی گھریلو سی لڑکی کو بہو بناؤں گی۔ ویسے بھی بڑی بھابھی ڈاکٹر ہیں۔ گھر یا گھر کے کسی مسئلے سے انہیں کوئی انٹرسٹ نہیں۔ ممی کہتی ہیں میری توبہ جو میں نے دوسری بہو بھی اس پروفیشن سے متعلق لانے کا سوچا۔" ماہ نور بول رہی تھی اور اس بار انزہ چاہنے کے باوجود پوچھ نہ پائی کہ آخر اس کے بھائی کی منگنی ٹوٹنے کی وجہ کیا تھی۔ خیر وجہ جاننے سے اسے کوئی ایسا خاص سروکار بھی نہ تھا۔ ماہ نور تھوڑی دیر مزید بیٹھ کر چلی گئی تھی۔ جانے سے پہلے اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"تم لوگ فیملی سے باہر شادی کر لیتے ہو؟" انداز سادہ اور بے ضرر سا تھا لیکن انزہ چونک گئی تھی۔

"عارفہ آپی کی شادی فیملی سے باہر ہی ہوئی ہے لیکن ہمارے لیے یہ اتنا اچھا تجربہ نہیں رہا ہے۔" اس نے جو سچ تھا وہ ہی بتا دیا۔

"خیر پانچوں انگلیاں برابر تو نہیں ہوتیں۔" ماہ نور معنی خیز سے انداز میں مسکرائی تھی۔

انزہ جی ہی جی میں حیران تو ہوئی مگر چہرہ بے تاثر ہی رکھا۔ ماہ نور کے جانے کے بعد اس نے دوبارہ اس کی بات پر غور کیا۔ ماہ نور کا معنی خیز سا انداز نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھا مگر اگلے ہی پل اس نے تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹک ڈالا۔ ویسے بھی فائنل پیپرز سر پر تھے ادھر ادھر کی سوچوں میں سر کھپانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اللہ اللہ کر کے پیپرز ختم ہوئے تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

پڑھائی سے توجہ ہٹی تو اس نے غور کیا کہ گھر والوں کے اطوار کچھ عجیب سے ہیں۔ دادی' امی اور تائی اکثر سر جوڑ کر بیٹھتیں۔ پتا نہیں گفتگو کا موضوع کیا ہوتا لیکن انزہ کو آتے دیکھ کر تینوں یکلخت خاموش ہو جاتیں۔

اسفر وہاں سے گزرتا تو یہ خاموشی خفگی میں بدل جاتی۔ امی اب اسفر سے بازار کا کوئی کام نہ کہتی تھیں۔ وہ پوچھتا تب بھی بے رخی سے انکار کر دیتیں۔

"تمہارے چچا سارا سودا سلف لے آئے ہیں۔ کچھ منگوانا ہوا تو نعمان سے منگوا لوں گی۔"

اسفر دادی کے پاس بیٹھتا تو دادی کو نیند آنے لگتی۔

"جب سے دوا بدلی ہے ہر وقت غنودگی سے چھائی رہتی ہے۔ دو گھڑی کو سستا لوں پھر اٹھ کر نماز پڑھوں گی۔"

دادی اپنے تخت پر ہی پاؤں پسارنے کا ارادہ کرتیں۔ اسفر جو ابھی ٹھیک سے بیٹھا بھی نہ ہوتا بے چارے کو فوراً" اٹھنا پڑتا۔ تائی بھی اکثر اس کی شکل دیکھتے ہی خفگی سے کچھ بڑبڑانے لگتیں۔

"آخر تم سے ایسا کیا قصور سرزد ہو گیا ہے اسفر! کہ گھر کی ساری خواتین تم سے ناراض ہیں۔" انزہ اس سے پوچھے بنا نہ رہ پائی۔ اسفر کے لبوں پر بڑی بے بس قسم کی پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی' وہ بنا جواب دیے وہاں سے چلا گیا۔ انزہ حیرت سے کندھے اچکا کر رہ گئی۔

اصل بات کا دو دن بعد پتا چلا۔ امی اور تائی جان بازار گئی ہوئی تھیں اور دادی سو رہی تھیں تب ماہ نور کی آمد ہوئی۔

"تھینک گاڈ! گھر میں تمہارے علاوہ کوئی نہیں۔ میں تم سے کھل کر بات تو کر سکوں گی۔" ماہ نور نے انزہ کے پاس بیٹھتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا۔

"کیسی بات؟" انزہ نے متعجب انداز میں اسے دیکھا۔

"ممااور تائی جان کو یہاں کا چکر لگائے اتنے دن ہو گئے۔ کیا ابھی تک تمہارے گھر والے کسی فیصلے پر نہیں پہنچے انزہ۔" ماہ نور پوچھ رہی تھی۔

"کیسا فیصلہ؟" انزہ واقعی کچھ نہ سمجھ پائی تھی۔

اسے تو ماہ نور کی ماں اور تائی کے یہاں آنے کا بھی علم نہ تھا۔ انزہ کی حیرانی دیکھ کر ماہ نور کو بھی اندازہ ہو گیا کہ وہ سارے قصے سے ناواقف ہے۔

"حد ہوتی ہے یار' یعنی تمہارے گھر والوں نے تمہیں کچھ بتایا ہی نہیں۔" ماہ نور بدمزہ سی ہوگئی۔

"مما اور تائی جان شاہ زیب بھائی کے لیے تمہارا رشتہ لائی تھیں۔ تمہارے گھر والوں نے سوچ کر جواب دینے کا وقت مانگا تھا اور حیرت ہے اتنے دن ہو گئے ان کی سوچ بچار ہی ختم نہیں ہو رہی۔ میرے بھائی کا رشتہ نظر انداز کرنے کے قابل تو نہیں۔ کیا کمی ہے شاہ زیب بھائی میں۔ ویل ایجوکیٹڈ' ہینڈسم' ڈیشنگ اور اسمارٹ۔ ہمارا تو خیال تھا تم لوگ فوراً "ہاں" کر دو گے لیکن شاید تمہارے گھر والے اس پروپوزل کو سنجیدگی سے نہیں لے رہے' انہوں نے تو تمہیں تک بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔" ماہ نور خفگی بھرے انداز میں بولی۔

انزہ کے ہکابکا چہرے پر نظر پڑی تو اندازہ ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی ہے۔

"شاید تمہارے پیپرز کی وجہ سے تمہارے گھر والوں نے تمہیں ڈسٹرب نہ کرنا چاہا ہو لیکن اب تو تمہارے پیپرز بھی ختم ہو گئے' دو چار دن میں ممی پھر چکر لگائیں گی۔ آئی ہوپ اس بار انہیں تمہارے گھر والوں کا پوزیٹو رسپانس ہی ملے گا اور ہاں آنٹی وغیرہ اگر تم سے پوچھیں تو خبردار جو اس بار تم نے سوچنے کا ٹائم مانگا۔ فوراً "ہاں" کرنی ہے۔ میرے بھائی جیسا ڈیشنگ شخص اور کہاں ملے گا تمہیں لڑکی۔" ماہ نور نے شوخی بھرے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ انزہ مسکرا بھی نہ سکی۔

ماہ نور کے جاتے ہی وہ سیدھی تائی جان کے پورشن میں آئی تھی۔ نازو بھابھی کچن میں تھیں اور اس وقت وہ ہی دستیاب تھیں۔

"میرے لیے ڈاکٹر شاہ زیب کا پروپوزل آیا ہے نازو بھابھی؟" اس نے چھوٹتے ہی استفسار کیا۔ نازو بھابھی نے ایک نگاہ اس کے خفا چہرے پر ڈالی۔ پھر چولہے کی آنچ دھیمی کی۔

"میرے کمرے میں چلو۔ ابھی شازیہ بھی آٹا گوندھنے کے لیے کچن میں آنے والی ہے۔ کمرے میں بیٹھ کر تسلی سے بات کرتے ہیں۔" نازو بھابھی نے اسے رسانیت بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔

وہ اسی الجھے الجھے دماغ کے ساتھ نازو بھابھی کے بیڈ روم میں آگئی ذرا دیر بعد وہ بھی دوپٹے سے گیلے ہاتھ پونچھتی اندر داخل ہوئیں۔

"ہاں' اب بتاؤ کیا ہوا؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ سوال تو میں آپ سے پوچھنے آئی ہوں۔ گھر میں کسی نے مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ مجھے اس معاملے کے بارے میں کچھ بتائے۔" اس کا موڈ ہنوز بگڑا ہوا تھا۔

"معاملہ اتنا خاص بھی نہیں' بس ماہ نور کی امی اور تائی تمہارے لیے ڈاکٹر شاہ زیب کا رشتہ لائیں۔ دادی تو نہیں فوراً "انکار کرنا چاہ رہی تھیں لیکن چچی جان اور امی کی بامروت طبیعت انہیں فوراً" منہ پھاڑ کر انکار نہ کرپائی۔ ٹالنے کے لیے سوچنے کا ٹائم لیا۔ خیر کرنا تو انہیں انکار ہی تھا لیکن پھر اسفر آڑے آگیا۔ کہنے لگا اتنا اچھا رشتہ ہے بغیر سوچے سمجھے انکار مت کریں۔ بس وہ دن ہے اور آج کا دن سب گھر والے ایک طرف اور اسفر بے چارہ ایک طرف۔

وہ ہر ممکن کوشش کر رہا ہے کہ ماہ نور کے گھر والوں کو انکار نہ کیا جائے اور گھر والے اس کے اس موقف کی وجہ سے اس سے سخت خفا ہیں۔" نازو بھابھی نے محتاط انداز میں اسے ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔

"میرے معاملے میں اسفر کو رائے دینے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ معاملہ میری زندگی کا ہے تو مجھ سے کیوں نہیں پوچھا جارہا۔" وہ جھنجلائی۔

"اسفر کہتا ہے کہ تم بھی ایسی ہی فیملی کا حصہ بننے کی خواہش مند ہو۔" نازو بھابھی نے سادگی بھرے لہجے میں وضاحت دی۔

"او مائی گاڈ پھر اسفر۔" اس کا جی چاہا اپنے سر کے بال نوچ لے۔ اسی لمحے شازیہ بھابھی نے کمرے میں

جھانکا۔

"بھابھی! سالن کا چولہا بند کردوں یا ابھی آپ نے سالن بھوننا ہے۔" انہوں نے نازو بھابھی کو مخاطب کیا' اسی لمحے انزہ پر نگاہ پڑی۔ "ارے انزہ بھی آئی ہوئی ہے۔ خیر ہے بھئی یوں بند کمرے میں کون سی میٹنگ ہو رہی ہے۔" انہوں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"چچی جان بازار گئی ہیں نا انزہ کو کھانا بنانا ہے۔ پوچھنے آئی تھی کڑھی کتنا بیسن اور کتنا دہی ڈال کر پکانی ہے" نازو بھابھی نے دیورانی کی تشفی کروائی۔

"کڑھی بنا رہی ہو تو ایک پلیٹ مجھے بھی بھجوا دینا۔ میں ذرا سے چاول خود ہی ابال لوں گی۔" شازیہ بھابھی نے جھٹ فرمائش کی۔

"کڑھی کا ارادہ بدل گیا شازیہ بھابھی! اب مونگ کی دال بنانے کا ارادہ ہے۔ وہ بھجوا دوں گی۔" وہ سیدھے سپاٹ انداز میں کہتی کمرے سے نکل گئی۔

"اسے کیا ہوا۔ موڈ خراب لگ رہا ہے۔" شازیہ بھابھی نے حیرت سے جٹھانی کو مخاطب کیا۔

"کیا پتا' او ہو میں ہانڈی تو بھون لوں۔ کبھی لگ ہی نہ جائے۔" نازو بھابھی بھی پھرتی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکلی تھیں۔

شازیہ بھابھی حیرت سے کندھے اچکا کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن ہی ماہ نور کی تائی تشریف لائی تھیں۔ اس بار ان کے آنے کا مقصد قطعی مختلف تھا۔ انہوں نے رازداری کا وعدہ لے کر ڈاکٹر شاہ زیب کے کرتوتوں سے امی اور دادی وغیرہ کو آگاہ کیا تھا۔

"اس روز تو مجھے ماہ نور کی ماں کے ساتھ آنا پڑا۔ مروت کے مارے میں انہیں انکار نہ کرپائی لیکن اتنے دنوں سے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے' میں خود بیٹیوں والی ہوں' کسی کی بیٹی کا برا کیسے چاہ سکتی ہوں۔ شاہ زیب کی عادتیں ٹھیک نہیں۔ اسی وجہ سے اس کا پہلا رشتہ ٹوٹا ہے۔ نشہ کرتا ہے۔ لڑکیوں سے بھی تعلقات ہیں۔ اللہ مجھے معاف کرے' میں آپ کو کیا کچھ بتاؤں۔

آپ شریف لوگ ہیں بس اسی لیے میری دیورانی نے سوچا ایسے گھر کی لڑکی لے آتے ہیں۔ دب کر بھی رہے گی اور ان کے بیٹے کو سدھار بھی لے گی۔ میرا کام تھا آپ کو بتانا۔ آگے آپ کی مرضی بس آپ لوگوں سے یہی درخواست ہے کہ میرا نام بیچ میں نہ آئے۔"

شاہ زیب کی تائی پندرہ منٹ میں ساری ضروری معلومات دے کر رخصت ہو گئیں۔ امی' دادی اور تائی ہکابکا انداز میں بیٹھی رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"اب تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم انزہ کا رشتہ وہاں کریں۔" دادی قطعی لہجے میں بولیں۔

"ٹھیک ہے ہم اب یہ رسک نہیں لیتے لیکن دادی مجھے نوے فی صد یقین ہے کہ ڈاکٹر شاہ زیب کی تائی کی باتیں حقائق پر مبنی نہیں۔ آپ لوگ نہیں جانتے یہ فیملی پالیٹکس کس بلا کا نام ہے۔ سگے رشتے دار ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے میں مصروف رہتے ہیں' مجھے تو ان موصوفہ کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں لگتا ہے۔ پہلے دیورانی کے ساتھ رشتہ مانگنے چلی آئیں اس دن ہمارا شاہ زیب' ہمارا شاہ زیب کہتے ہوئے ان کا منہ نہیں سوکھ رہا تھا اور اب اس کے خلاف اتنی بڑی چارج شیٹ لے کر آگئیں۔ مجھے تو وہ بندہ دیکھنے میں خاصا مہذب اور معقول لگتا ہے اگر آپ لوگ کہیں تو میں اس کے متعلق پوری تحقیق کروا سکتا ہوں۔ میرے دوست کا بہنوئی بھی شاہ زیب والے ہاسپٹل میں ہی ہوتا ہے بلکہ شاہ زیب سے تو خاصا سینئر ہے وہ اور میں تو۔۔۔" اسفر کی بات ادھوری رہ گئی تھی اس وقت کمرے میں انزہ داخل ہوئی تھی۔

"ڈاکٹر شاہ زیب کی تائی کے متعلق بہت مفروضے گھڑ رہے ہو اور خود کو کس کیٹیگری میں شامل کرتے ہو۔ آخر میرا وہاں رشتہ کروانے میں تمہارا کیا مفاد پوشیدہ ہے۔" غصے سے اس کا چہرہ تپ رہا تھا۔ اس نے اسفر پر براہ راست وار کیا تھا۔ اسفر تو اس کے تیور دیکھ کر

ہی ہکابکا رہ گیا تھا۔

"بیٹھو تم تسلی سے بات کرتے ہیں۔" اس نے اسے دوستانہ لہجے میں مخاطب کیا۔

"نہیں تم بتاؤ مجھے۔ تم اتنے دنوں سے امی اور دادی وغیرہ کو کیوں شاہ زیب کے رشتے کے لیے قائل کر رہے ہو۔ زندگی میری ہے تو فیصلے کا اختیار بھی مجھے ملنا چاہیے۔ تم کس خوشی میں اس معاملے میں اتنی ایفی شینسی کا مظاہرہ کر رہے ہو؟" وہ کڑے تیوروں سے استفسار کر رہی تھی۔

"انزہ! یہ کوئی طریقہ ہے بات کرنے کا۔ تمیز، تہذیب سب بھول گئیں۔" امی نے اسے ڈپٹا تھا۔

"یہ وقت بھی آنا تھا گھر کے بچے خود کو عقل کل سمجھ رہے ہیں۔ ایک یہ بیٹھا ہے جس نے اتنے دنوں سے ہماری مت مار رکھی ہے، اب پوتی صاحبہ بھی خم ٹھونک کر میدان میں آگئیں۔ طاہرہ اور شگفتہ میں تم دونوں سے کہہ رہی ہوں، اب اس معاملے کو مزید مت لٹکاؤ۔ کل شام کو عارفہ اور خالد کو بلاؤ۔ گھر گھر میں ہی منگنی کی چھوٹی سی تقریب رکھ لیتے ہیں۔ تین مہینے بعد فرزانہ آئے گی پھر شادی کی تاریخ رکھ لیں گے۔" دادی نے سب سے بڑی بیاہی پوتی کا نام لیتے ہوئے سارا پروگرام ہی ترتیب دے لیا۔

انزہ ساری فون، فاں بھول کر ہکابکا دادی کو تکنے لگی۔

"بالکل ٹھیک فیصلہ کیا اماں آپ نے۔ لیکن کل کے بجائے تقریب جمعے کو رکھ لیتے ہیں۔ مبارک دن ہے پھر تیاری کے لیے بھی تو تھوڑا سا ٹائم چاہیے نا۔" تائی جان ایک دم پرجوش ہو گئی تھیں۔

"ہاں بھئی میں نے تو اپنے بچوں کے نئے کپڑے بھی بنوانے ہیں۔ سب سے چھوٹے چاچو کی منگنی ہے، کوئی مذاق ہے کیا۔" نازو بھابھی بشاشت بھرے لہجے میں بولیں اور سب سے چھوٹا چاچو اس وقت غور سے انزہ کے چہرے کے تاثرات جانچ رہا تھا مگر کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ انزہ فوراً" ہی کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

گھر میں رونق کا عجب ہی عالم تھا۔ نازو بھابھی کی جورہیہ گھر کے سب بچوں کو ڈانس کی پریکٹس کروا رہی تھی۔ گھر میں ہر وقت اونچی آواز میں ڈیک پر گانے چلتے رہتے۔ نازو بھابھی نے سلائی مشین سنبھال لی تھی۔ امی اور تائی جان کے بازاروں کے چکر لگنا شروع ہو گئے۔ شازیہ بھابھی اس تواتر سے پارلر کے چکر لگا رہی تھیں جیسے انزہ کے بجائے ان کی منگنی کی تقریب منعقد ہو رہی ہوں۔

کچن کا زیادہ کام عارفہ آپا دیکھ رہی تھیں، اس خوشی کے موقع پر خالد بھائی نے انہیں چند دنوں کے لیے میکے چھوڑ دیا تھا۔ اسفر کے بھی بازار کے خوب ہی چکر لگ رہے تھے لیکن انزہ نے جانے کون سی سلیمانی ٹوپی اوڑھ رکھی تھی، اسفر کا اس سے سامنا ہی نہ ہو پا رہا تھا اور یہ چیز اسفر کی جھنجلاہٹ میں اضافہ کر رہی تھی۔ تنگ آ کر اس نے انزہ کے موبائل پر میسج بھیجا۔

"اگر تم خوش نہیں ہو تو میں یہ منگنی اب بھی رکوا سکتا ہوں۔"

"میرے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانے کی قطعاً" ضرورت نہیں، اگر تم اس رشتے سے مطمئن نہیں تو شوق سے انکار کرو۔ اگر خود میں اس کی ہمت نہیں پاتے تو صاف صاف بتاؤ پھر میں بندوق چلانے کے لیے اپنا کندھا دینے پر غور کر لوں گی۔" فوراً" ہی انزہ کا جوابی میسج آیا۔ اسفر میسج پڑھ کر بس دانت کچکچا کر رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

نازو بھابھی وائٹ پیلس والوں کو منگنی کا بلاوا دے کر آئی تھیں شاہ زیب کا پرپوزل رد ہونے کے باوجود ماہ نور کی ممی نے انہیں خوشدلی سے مبارک باد دی تھی البتہ مصروفیت کا عذر کر کے منگنی میں آنے سے معذرت کر لی۔ ماہ نور انزہ کے لیے منگنی کا پیشگی تحفہ لے کر شام کو ہی چلی آئی۔

"مبارک ہو پرسوں تمہاری انگیج منٹ ہے۔" وہ

آج انزہ کے کمرے میں آئی تھی۔ انزہ چہرے پر کھیرے ٹماٹر کا ماسک لگائے بیٹھی تھی۔ ماہ نور کو یوں اپنے کمرے میں دیکھ کر تھوڑی خفیف ہوئی۔ کمرے کی حالت بھی خاصی ابتر ہورہی تھی۔

"اس کی کیا ضرورت تھی۔" ماہ نور کے ہاتھ سے تحفہ لیتے ہوئے وہ بلاوجہ شرمندہ ہوئی۔ ماہ نور صرف مسکرادی۔ وہ چہرہ دھونے واش روم میں گھس گئی۔

"میں تو تمہیں اپنا دوست سمجھتی تھی لیکن تم نے اتنی اہم بات مجھے نہ بتائی۔ تمہارا رشتہ تمہارے کزن سے ہی ہونا تھا تو مجھے تو بتادیتیں۔ ہم خوامخواہ شاہ زیب کا پرپوزل لے کر آئے۔" ماہ نور نے شکوہ کرہی ڈالا۔

"ویسے سچ سچ بتاؤ کہیں ہماری تائی جان نے تو یہاں آکر ہم لوگوں کے خلاف تمہاری فیملی کے کان تو نہیں بھرے۔ ان کا ٹریک ریکارڈ ہی یہ ہے ان کی میڈ نے بتایا ہے کہ ان کا یہاں کا چکر لگا بھی ہے۔" انزہ کو کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر ہی ماہ نور نے اگلی بات کرڈالی تھی۔

"ہاں وہ آئی تو تھیں۔" انزہ جھوٹ نہ بول پائی۔

"اس کا مطلب ہے ممی کا شک صحیح نکلا' یہ تائی جان کا ہی کارنامہ ہے۔ ایسی چیپ حرکتیں وہ ہی کرتی ہیں۔ شاہ زیب کا پہلا رشتہ بھی ان ہی کی وجہ سے ٹوٹا ہے یقین کرو انزہ ان کی باتوں میں کوئی سچائی نہیں' وہ بالکل معمولی باتوں کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہیں۔" ماہ نور بلاوجہ صفائی پیش کررہی تھی۔

"شاہ زیب بھائی کی اپنی خواہش تھی کہ وہ کسی سیدھی سادی گھریلو لڑکی سے شادی کریں بس اسی لیے ہماری نظر تم پر پڑی ورنہ شاہ زیب بھائی کو رشتوں کی کمی تھوڑی ہے۔ بلکہ ممی تو پریشان بھی تھیں کہ اگر یہ رشتہ ہو جاتا ہے تو ہمارے تمہارے اسٹیٹس میں فرق کی وجہ سے دنیا خوب باتیں بنائے گی۔ یہ سب باتیں ایک طرف لیکن تائی جان نے ٹھیک نہیں کیا' میں ممی کو بتاؤں گی۔"

"نہیں ماہ نور! ہم نے تمہاری تائی جان کی باتوں میں آکر انکار نہیں کیا۔ تم اس ایشو کو لے کر اپنے گھر میں ٹینشن کری ایٹ مت کرو' ہمیں اس سے بھی غرض نہیں کہ ان کی باتیں سچی تھیں یا جھوٹی لیکن مجھے کسی ایسی فیملی کا حصہ ہی نہیں بننا تھا جس کے ممبرز کے درمیان ایسی ہوکرکسی موجود ہو۔ تمہاری برتھ ڈے پہ بھی میں نے نوٹ کیا کہ تم ویسے تو اپنی کزنز سے بہت محبت سے ملیں لیکن ان کی غیر موجودگی میں ان پر طنز کررہی تھیں۔ یہ ہی کام تمہاری تائی جان نے کیا۔

ہماری فیملی سے تو اب تم واقف ہو ہی چکی ہوگی۔ پورشن بے شک الگ ہیں لیکن ہم ایک ہی فیملی شمار ہوتے ہیں بس ایک شازیہ بھابھی کی نیچر ہم لوگوں میں سب سے الگ ہے پھر بھی ہم سب انہیں ٹالریٹ کرتے ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ دادی' تائی وغیرہ انہیں منہ پر جو کچھ کہہ لیں۔ دوسروں کے سامنے ان کا بھرم پھر بھی قائم رکھتی ہیں۔ میں تو اپنی فیملی کے علاوہ کسی اور فیملی کا حصہ بننے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی اور نہ اسفر کی جگہ کسی اور کا تصور تک کرسکتی ہوں اور جہاں تک تمہاری فیملی کا تعلق ہے تو اسٹیٹس کے فرق کے ساتھ ہماری مینٹل اپروچ میں بھی بہت فرق ہے۔" انزہ نے بھی اس بار صاف گوئی کا مظاہرہ کیا تھا۔

ماہ نور نے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجائی۔

"چلو جہاں رہو خوش رہو۔ میں چلتی ہوں اب۔" وہ پھر رکی نہ تھی نہ ہی انزہ نے رکنے پر اصرار کیا تھا۔ ماہ نور کے جانے کے بعد اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں اپنا جائزہ لیا۔

طرح طرح کے ٹوٹکوں کے باوجود رنگت میں خاص فرق نہ پڑا تھا۔ کل شازیہ بھابھی کے ساتھ پارلر میں بھی تین گھنٹے لگا کر آئی تھی لیکن اسفر کے مقابلے میں رنگت اب بھی کم ہی لگ رہی تھی۔ تائی جان کے سارے بچے خوب ہی گورے چٹے تھے اسے منگنی کی تقریب میں اسفر سے زیادہ گورا لگنا ہے۔ اس نے ایک بار پھر تہیہ کیا اور پھر ڈریسنگ ٹیبل پر بکھرے الم غلم میں سے مطلوبہ بیوٹی پروڈکٹس ڈھونڈنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"شکر اللہ کا تم تمیں تو سہی۔" رات کے کھانے کے بعد وہ دادی کے لیے قہوہ بنا رہی تھی جب اسفر نے اچانک کچن میں چھاپہ مارا۔ انزہ نے ایک نگاہ غلط اس پر ڈالی۔ پھر دار چینی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ابلتے پانی میں ڈالے۔ اس کے چہرے کے تاثرات ہی بتا رہے تھے کہ وہ اس سے کتنی ناراض ہے۔ اسفر گہری سانس کھینچ کر رہ گیا۔

"ناراض ہو؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ہاں۔" تڑاخ کرکے فوری جواب آیا۔

"وجہ؟" کتنی معصومیت سے وجہ جاننا چاہ رہا تھا۔

"خود سے پوچھو۔" وہ مزید سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی۔

"میں ڈاکٹر شاہ زیب کے پروپوزل پر صرف اس لیے گھر والوں کو راضی کر رہا تھا کہ میرا خیال تھا وہ ویسی ہی فیملی ہے جس کو تم آئیڈیلائز کرتی ہو۔" اسفر نے سادہ سے انداز میں وضاحت کی۔

"خود سے ہی سارے مفروضے قائم کر لیے۔" انزہ کی آنکھیں یکدم ڈبڈبا گئی تھیں۔

"میں تمہارے معاملے میں خود غرض نہیں بننا چاہتا تھا۔ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں کہ یہ سب میرے لیے کتنا تکلیف دہ تھا لیکن میں تو تمہاری خوشی کے لیے تمہارا کیس لڑ رہا تھا۔ تمہیں ہر وقت اپنی فیملی کے لائف اسٹائل سے شکایتیں رہتی تھیں مجھے لگا اپنے خاندان کا حصہ بن کر تم ہمیشہ ناخوش رہو گی۔ وائٹ پیلس تو ویسے بھی ہمیشہ سے تمہارے خوابوں کا محل رہا ہے۔ مجھے لگا کہ تم وہاں..."

"مجھے لگا' مجھے لگا میرے کان پک گئے ہیں یہ سن کر۔ تم اپنے مفروضوں پر میری زندگی داؤ پر لگا رہے تھے۔ میں مر کر بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ تائی جان کے گھر کے سوا کسی اور گھر کو اپنا سسرال بناؤں۔ تائی جان جیسی ساس اور تایا ابو جیسے سسر مجھے دنیا میں کوئی اور مل سکتے ہیں۔ بتاؤ ذرا؟" وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

اسفر نے ذرا ڈر کر پیچھے ہٹتے ہوئے نفی میں گردن ہلا دی۔ "ٹھیک ہے مجھے اپنے گھر کے لائف اسٹائل پر کچھ آبجیکشن تھے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں یہاں سے نکلنا چاہ رہی تھی۔ ہم اپنے ملک کے نظام پر بھی تو تنقید کرتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم باہر جا کر رہنے لگیں۔" وہ کڑے تیوروں سے استفسار کر رہی تھی۔ اسفر نے پھر نفی میں گردن ہلا دی۔

"بس اتنی سی خواہش تھی میری کہ ہم لوگ تھوڑے سے ماڈرن تھوڑے سے کلچرڈ' تھوڑے سے ویل مینرڈ ہو جائیں۔ ہم سب کی انگلش ذرا سی امپروو ہو جائے۔ یہ اتنی ناجائز خواہشیں تھیں کیا۔" وہ تابڑ توڑ سوال کر رہی تھی۔ اسفر کو ایک بار پھر نفی میں گردن ہلانی پڑی۔

"جان کی امان پاؤں تو میں بھی کچھ عرض کروں۔" انزہ کے چپ ہونے پر اس نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ انزہ نے کمال' بے نیازی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"وقت کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے رویوں اور سوچوں میں جدت لانی چاہیے اس میں قطعاً" کوئی برائی نہیں۔ زمانے کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا چاہیے کہ اس کے بغیر گزارہ ممکن نہیں۔ اپنے بچوں کی تعلیم پر بھی کوئی کمپرومائز نہیں کرنا چاہیے بلکہ انہیں اتنی بہترین انگلش سکھانی چاہیے کہ جب ہمارے بچے انگلش بولیں تو انگریزوں کے بچے بھی ان کی فرائے والی انگریزی سن کر انگلیاں دانتوں تلے دبالیں۔"

"اور نہیں تو کیا۔" انزہ اس سے صدفی صد متفق تھی۔

"لیکن اس ساری کوشش میں یوں نہ لگے کہ ہم کسی احساس کمتری کا شکار ہیں۔ میں اپنی مثال دوں تو دن میں گفتگو کرتے ہوئے لاشعوری طور پر میں درجنوں لفظ انگلش کے بولتا ہوں۔ منہ پر چڑھے ہوئے ہیں نا لیکن سچ کہوں تو مجھے یہ مضحکہ خیز لگتا ہے کہ میں اپنے کسی بھتیجا' بھتیجی کو کھانا کھلا رہا ہوں تو اس سے پوچھوں بیٹا آپ نے اور ایٹ (eat) کرنا ہے یا آپ کا

بیلی بھر گیا ہے۔

میں بچوں کو چڑیا گھر لے کر جاؤں گا تو انہیں شیر ببر ہی دکھاؤں گا مور کو پی کاک کہہ کر نہیں متعارف کرواؤں گا۔ آم کا درخت آم کا درخت ہی ہوتا ہے مینگو ٹری نہیں۔ کوے کو کوا کہنے میں ہی لطف ہے۔ کرو کا تعارف تھرسٹی کرو پڑھ کر خود ہی ہو جائے گا میں بے چارے کوے سے اس کی شناخت کیوں چھینوں۔

میں دھوپ میں پلنگ بچھا کر لیٹوں گا تو بچوں سے تکیہ ہی منگواؤں گا پلو نہیں۔ اگر ہم یہ چھوٹے بڑے لفظ اپنے بچوں کو انگلش میں ہی سکھائیں گے تو خود سوچو ہمارا مور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پی کاک بن جائے گا۔ جیسے بے چارہ لال بیگ اپنی شناخت کھو کر کاکروچ بن گیا ہے۔ پھر ہم برستی رین میں پکوڑے کھائیں گے بارش میں نہیں۔ جب درخت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹری بن جائے گا تو اس سب میں کوئی مزیداری والی بات تو نہ ہوگی نہ انزہ۔" اسفر نے ہلکے پھلکے انداز میں وہ سب ہی کہہ ڈالا جو وہ عرصہ دراز سے کہنے کا خواہش مند تھا۔

انزہ خاموش تھی لیکن چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اس کی باتیں اس کے جی کو لگی ہیں۔

"بعض باتیں اپنی قومی زبان میں ہی اچھی لگتی ہیں جیسے آئی لو یو کہنے میں وہ بات کہاں جو یہ کہنے میں ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔" فقرے کے اختتام پر اس کا لہجہ خود بخود رومانٹک ہو گیا تھا۔ انزہ اس سے پوچھ بھی نہ پائی کہ اس نے آئی لو یو کا ترجمہ کیا ہے یا وہ واقعی یہ کہنا چاہ رہا تھا۔

"اور ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم صرف اچھی سی ساس اور محبت کرنے والے سسر کے لالچ میں تایا کے گھر کو سسرال بنانے پر راضی ہوئی ہو اور اس رشتے پر راضی ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔" وہ مسکراتی آنکھوں کے ساتھ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں ایک وجہ اور بھی ہے۔" انزہ نے شرمیلی مسکان لبوں پر سجائی۔

"وہ کیا؟" اسفر کا دل خوش فہم ہوا۔

"مجھ سے روٹی گول نہیں بنتی اور اکثر سسرالوں میں اس بات پر بڑا اعتراض ہوتا ہے۔"

"بس یہ وجہ۔" وہ جی بھر کر بدمزہ ہوا۔

"آئی لو یو کا ترجمہ کرنے کے بجائے ڈھنگ سے اظہار محبت کر دیتے تو جواب میں بھی کوئی معقول وجہ سننے کو مل جاتی۔" انزہ نے جی ہی جی میں مسکراتے ہوئے سوچا۔

"انزہ آپی! دادی آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔" اسی لمحے نعمان کچن میں داخل ہوا تھا۔

"اخاہ اسفر بھائی بھی دادی کا جوشاندہ بنوانے میں ہیلپ کر رہے ہیں۔" اسفر کو وہاں دیکھ کر نعمان شریر ہوا۔

"اگر آپ چائے بنا رہی ہوتیں تو میں پوچھتا چائے پک رہی ہے یا پائے۔ دادی کافی غصے میں ہیں کہ نکمی لڑکی کو ایک پیالی جوشاندہ بناتے میں اتنی دیر لگ گئی۔"

"جوشاندہ نہیں قہوہ۔" انزہ نے چھوٹے بھائی کی تصحیح کی۔

"اچھا جو بھی ہے ویسے انزہ آپی جوشاندے یا پھر قہوے کو انگلش میں کیا کہتے ہیں۔" نعمان بھی یقیناً بہن کو چھیڑ رہا تھا۔

"جوشاندے کو جس نام سے بھی پکاریں وہ جوشاندہ ہی رہے گا۔" انزہ چڑ کر جواب دیتی پیالی میں قہوہ ڈال کر کچن سے نکل گئی۔ اسفر اور نعمان ایک دوسرے کو دیکھ کر زور سے ہنس پڑے تھے۔

"اسفر بھائی! سوچ لیں آپی کا مزاج کبھی کبھی قہوے کی طرح کسیلا ہو جاتا ہے گزارا ہو جائے گا۔" وہ مصنوعی تشویش کا اظہار کر رہا تھا۔

"رشتوں میں خلوص ہو تو مزاج کے کسیلے پن پر محبت بھری مٹھاس حاوی آجاتی ہے۔ اس لیے ڈونٹ وری یار۔" اسفر بھی مسکرا کر اس کا کندھا تھپکتا کچن سے نکل گیا۔

"یہ ہی تو ہے وہ اپنا پن۔" نعمان کچن کیبنٹس کھول کر پیٹ کے لیے کھانے کو کچھ ڈھونڈتا ہوا گنگنانے لگا تھا۔

نعیمہ ناز سلطان

ہم صورت گر کچھ خوابوں کے

بارش یوں برس رہی تھی جیسے ساغر کے اندر کا طوفان بھی اس کے ساتھ ـــــ شامل ہو گیا ہو۔ شروعات تو کن من کن من برستی بوندوں سے ہوئی تھی۔ شاید کسی کو بھی توقع نہیں تھی کہ یوں اچانک تیز ہوائیں چلنے لگیں' اور آسمان کی نیلگوں پوشاک' سیاہ ہو کر غضب ناکی کا روپ دھار لے گی اور اسی غضب ناکی کے عالم میں آسمان اب اپنا سینہ شگاف کر کے خوب پانی برسا رہا تھا' پانی کی اتنی موٹی چادر آسمان سے زمین تک تنی ہوئی تھی کہ اس کے پار کچھ دیکھنا بھی محال تھا۔

وہ دریچے میں کھڑا اس سیلاب کو آسمان سے اترتے دیکھ رہا تھا جو گرج دار آواز کے ساتھ زمین کے سینے پہ گر رہا تھا۔ تیز بوچھاڑ سے وہ خود بھی کافی حد تک گیلا ہو گیا تھا۔ کتنی ہی دیر سے وہ یہاں کھڑا برستے پانی کی سیاہ چادر کو گھور تا رہا۔ اس کے پار دیکھنے کی کوشش کرتا رہا مگر ناکام رہا' اور اس پار دیکھنے میں وہ اکثر ناکام ہی رہتا تھا'

Watch Us On
YouTube

چہرے کے فالتو بالوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

چہرے کی جھُریوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

مکمل ناول

چاہے بارش کے اس پار دیکھنے کی کوشش کرے یا اپنے حال کے اس پار، جسے مستقبل کہا جاتا ہے۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کوئی کرن، کوئی شعاع روشنی کا کوئی مدھم سا نقطہ ہی، دیکھنے کی کوشش کرتا مگر سوائے اندھیرے کے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ایک گھور سیاہ اندھیرا اس کی آنکھوں کی طرح، شاید ابا ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ تاریکیاں میری آنکھوں میں بس گئی ہیں اس لیے مجھے صرف اندھیرا ہی نظر آتا ہے۔ وہ سوچتا ہوا دریچے سے ہٹ کر اندر کی طرف چل پڑا۔

ابا کھانے کی میز پر بیٹھے یقیناً" اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ دو پلیٹیں، دو گلاس اور پانی کی بوتل میز پر موجود تھی۔

"کھانا کھاؤ گے یا دوپہر کی طرح رات کا کھانا بھی گول کرو گے؟" اپنے کھچڑی بالوں والا سر اٹھا کر انہوں نے ساغر کو دیکھا جو آگے آ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا اور یہی ان کے سوال کا جواب تھا۔

"شوکت! کھانا لے آ۔" انہوں نے آواز لگائی۔

شوکت تھا تو کچن میں ہی مگر یقیناً" اپنے موبائل کے ساتھ مصروف تھا تب ہی اس کے کانوں میں صاحب کی آواز نہیں گئی۔

"شوکت!" وہ دوبارہ زور سے دھاڑے۔ ان کو غصہ آتا تھا تو ان کی خاکستری مونچھوں کے کنارے لرزنے لگتے تھے۔ ساغر بلا ارادہ ہی انہیں دیکھنے لگا۔ وہ یقیناً" اشتعال میں تھے، وہ بچپن سے اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ بہت جلد غصے میں آجاتے تھے۔ لوگوں کی ناک پہ غصہ دھرا رہتا ہو گا مگر ان کی تو زبان کی نوک پر غصہ دھرا رہتا

تھا جو ذرا سی مہمیز پر گالیوں کی صورت میں نکلتا تھا۔

"بے غیرت کہیں کا' بیٹھا ہوگا اپنی معشوقہ کو لے کر۔" شوکت کے موبائل کو انہوں نے معشوقہ کا نام دیا ہوا تھا۔ ساغر اس لفظ سے چڑتا تھا لیکن اسے اپنے ابا کا بھی اچھی طرح معلوم تھا' ان کی لغت میں ایک سے بڑھ کر ایک عامیانہ بلکہ سوقیانہ الفاظ تھے جنہیں وہ مختلف لوگوں کے لیے بے دھڑک استعمال کرتے تھے۔

شوکت بھاگ بھاگ کر کھانا لگا رہا تھا اور ان کی گالیاں بھی سن رہا تھا۔

"بہرا ہی ہو گیا ہے تو شوکت! ہر وقت کانوں میں ٹونٹیاں ٹھسیڑے بدذات موبائل میں لگا رہتا ہے۔ تجھے آواز نہیں آرہی تھی میری۔"

"آرہی تھی سرجی! کھانا گرم کر رہا تھا۔"

"اور یہ پکایا کیا ہے؟" وہ ڈشوں کے ڈھکن اٹھا اٹھا کر چیخ رہے تھے۔

"ہزار بار منع کیا ہے' یہ ابلا ہوا پانی مت بنایا کر میرے لیے' پھر بنا دیا۔" انہوں نے مرغی کی یخنی کا پیالہ اتنے زور سے سرکایا کہ وہ لڑھکتے لڑھکتے بچا مگر چھلک ضرور گیا۔

"اور یہ کیا ہے؟" انہوں نے دوسری ڈش کا معائنہ کیا۔

"پھر سے لال لال شوربے میں مرغی تیرا دی' تجھے اس ایک جانور کے سوا اور کچھ نہیں ملتا پکانے کو؟" ناشتے' دوپہر اور رات کے کھانے کے وقت ان کا گرجنا برسنا معمول تھا اور شوکت چکنا گھڑا' ڈھیٹوں کا ڈھیٹ لوگ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتے ہیں مگر وہ سننے کی زحمت بھی نہیں کرتا تھا' باہر کے باہر ہی ان کی ڈانٹوں اور ہدایات کو ہوا میں اڑا دیتا تھا۔

"اب کھانا شروع کریں۔ میرا غصہ اس پر کیوں اتار رہے ہیں۔" ساغر بہت اکتایا ہوا تھا۔

"بے فکر رہو' تمہارا غصہ تم پر ہی اتاروں گا' ابھی تو اس کمینے پر جو غصہ آرہا ہے' وہ اسی کا حق ہے۔ یہ کام چور' بدحرام' اس سے میں نے کہا تھا بارش ہو جائے تو آلو کے پراٹھے بنا دے یا کوئی ساگ واگ ہی گھوٹ دیتا مکھن ڈال کر' بے غیرت' آسان کام ڈھونڈتا ہے۔" کھانا نکالنے کے بجائے وہ ابھی تک اس پر گرج رہے تھے جو اب بٹلر کے روپ میں میز سے ذرا ہٹ کر ہاتھ باندھے مسکین صورت بنائے کھڑا تھا۔

"سرجی! ڈاکٹر صاحب ڈانٹ کر گئے تھے مجھے' انہوں نے کہا ہے کہ کم چکنائی' کم نمک' کم مرچ' کم۔۔"

"اوہ بند کر یہ کم کم نامہ' وہ سالا ڈاکٹر کمینہ' خود ہارٹ پیشنٹ ہے اور میرے ساتھ بیٹھ کر سگریٹیں پھونکتا ہے۔" وہ اس کی صفائی اور وضاحت سن کر درمیان ہی میں پھر سے گرج برس اٹھے۔

ساغر نے خاموشی سے دال کی ڈش سرکائی اور ان کی پلیٹ میں دال ڈالی پھر اپنی پلیٹ میں۔

"اوئے نہیں کھانا میں یہ دالیں والیں۔" اس بار ان کا روٹھا روٹھا لہجہ ساغر کے لیے تھا۔ وہ یہ لہجہ خوب جانتا تھا مگر کچھ کہے بنا خاموشی سے سر جھکائے نوالہ توڑنے لگا۔

"بیماری سے تو نہیں مروں گا میں' مگر بھوکا ضرور مار دو گے تم لوگ' یہ کوئی پیٹ بھرنے کی چیزیں ہیں' نرا مریضوں والا کھانا' پتلی دال' ابلا ہوا پانی (یخنی) ابلی ہوئی مرغی۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے ہاٹ پاٹ سے چپاتی نکالنے لگے۔

"کل دوپہر میں ابا کو ساگ گھوٹ دینا۔" ساغر نے ہدایت کی۔

"مکھن ذرا ٹھیک ٹھاک ڈالنا' خوشبو بھی آئے' ذائقہ بھی اور نظر بھی آئے' پچھلی بار کی طرح ابلا ہوا پکایا تو سارا تجھے ہی کھلاؤں گا۔" وہ مزید ہدایتیں دیتے ہوئے آخر میں غرائے تھے۔

"اچھا جی!" شوکت نے بڑی تابعداری سے سر ہلایا تھا۔

رات گئے بارش تھمی' زور ٹوٹتے ٹوٹتے بھی رات

گہری ہوگئی تھی۔ اپنے کمرے کی کھلی کھڑکی سے وہ ابا کے اسٹوڈیو کی بند کھڑکی دیکھ رہا تھا' شیشے کے دروازوں سے روشنی چھن چھن کر باہر آرہی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ جاگ رہے تھے' یہ کوئی انوکھی یا نئی بات نہیں تھی' وہ اکثر راتوں میں بھی اپنا کام کیا کرتے تھے۔

"رات سے میرا رشتہ بڑا گہرا اور بڑا پیارا ہے' رات میں میری تخلیقی صلاحیت عروج پر ہوتی ہے۔" انہوں نے ایک بار ساغر سے کہا تھا۔

"رات سے میرا بھی رشتہ بڑا گہرا بڑا پیارا ہے ابا جی!"

ساغر اکثر یہ بات سوچتا تھا' تب ہی رات رات بھر جاگ کر وہ صفحات کالے کرتا تھا۔ اس کے چند افسانے شائع ہوئے تھے اور ان افسانوں کو پسند کیا گیا تھا' بہت سراہا گیا تھا' پھر اس نے خاموشی اختیار کرلی تھی' پچھلے ایک سال میں اس نے کچھ تحریریں لکھی تھیں مگر وہ مقفل الماری کی زینت بنی ہوئی تھیں۔ ایڈیٹر کے بے حد اصرار پر بھی اس نے "لکھوں گا' بہت جلد لکھوں گا" قسم کی تسلیاں دے کر انہیں ٹرخا دیا تھا۔ مزید اپنی تحریریں چھپوانے سے' خود کو منوانے سے خوف زدہ سا لگتا تھا وہ۔

ابا کہتے تھے کہ وہ خوف زدہ نہیں' احساس کمتری میں مبتلا ہے۔

ٹھیک کہتے تھے وہ مگر ساغر سوچتا تھا کہ احساس کمتری بھی تو خوف کی ہی ایک قسم ہے۔ خود کو کم تر' حقیر سمجھنے کا خوف' لوگوں کا سامنا کرنے کا خوف' طنز' طعنے' باتیں' مذاق نہ سہ سکنے کا خوف' سب احساس کمتری کی ہی ایک شکل ہیں۔

وہ بند شیشوں سے چھن چھن کر آتی روشنی کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔ لکھنے کے لیے قلم ہاتھ میں لیا تو ذہن اک دم کورا ہوگیا' جیسے اس کے خیالات اور الفاظ بھی خوف زدہ ہوکر کہیں چھپ گئے ہوں۔ اس نے لاکھ کوشش کی مگر کوئی خیال گرفت میں نہ آیا' لفظوں نے پکڑائی نہ دی۔ ذہن کی طرح صفحہ بھی سادہ کا سادہ' کورا کا کورا ہی رہا۔ اس نے خاموشی سے کاغذ' قلم دراز میں ڈالا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

کمرے سے باہر نکلا' صحن میں پہنچا تو سرد ہوا نے استقبال کیا۔ اس غضب کی سردی میں' خنجر کی طرح کاٹ کر گزرتی سرد ہوا کو ابا بہت انجوائے کرتے تھے۔ وہ اکثر ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

چل اے ہوائے زمستاں چل اور زور سے چل
تو سرد میرے احباب سے زیادہ نہیں

بچپن میں یہ شعر ساغر کے سر پر سے گزر جاتا تھا مگر جب وہ سمجھنے کے قابل ہوا' کتابوں میں لکھے لفظوں کو بھی اور لوگوں کے لہجوں' رویوں اور چہروں کو بھی' تب سے اسے یہ شعر بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ کبھی اس کا دل چاہتا وہ بھی ایسی سرد ہوا میں بیٹھے۔ اسے اپنے چہرے پہ' اپنے ہاتھوں پہ' اپنے وجود پہ محسوس کرے اور زور زور سے ابا کی طرح یہ شعر پڑھے' مگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ شاید وہ ابا کی طرح نہیں تھا۔ دلیر' بے باک اور منہ پھٹ۔ وہ تو بہت شرمیلا سا تھا یا شاید بقول ابا کے احساس کمتری میں مبتلا۔ نہ وہ دلیر تھا' نہ بے باک' نہ منہ پھٹ۔

ابا کہتے تھے "تو پورا کا پورا' اپنی ماں پہ چلا گیا' تھوڑا سا بھی مجھ پہ چلا جاتا تو زندگی تیرے لیے تھوڑی آسان ہو جاتی" اور ساغر کو لگتا تھا کہ زندگی ابا کے لیے بھی اتنی آسان نہ تھی۔ یہ تو ان کی وہ دو' تین خوبیاں تھیں جن کی مدد سے انہوں نے زندگی کو خود پہ مہربان اور اکثر لوگوں کو خود پہ نامہربان کر رکھا تھا۔ اور جو وہ اس پر ہی مطمئن اور خوش ہیں تو یونہی سہی۔

اسٹوڈیو کے دروازے پہ دستک دیتے ہوئے' وہ ابا کے ہر رد عمل کے لیے تیار تھا۔ دراصل وہ جو بات کرنے آیا تھا اس پر ابا راضی نہ تھے اور ابا کی مرضی پہ وہ راضی نہ تھا۔

"آجاؤ....!"

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ ابا حسب توقع اپنی پینٹنگ پر جھکے ہوئے تھے جو تقریباً" مکمل ہی ہو

چکی تھی۔ شاید تھوڑا سا کام ہی باقی رہ گیا تھا۔

وہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا اور انہیں دیکھنے لگا' وہ لاپرواہ اور بے نیاز بننے کی اداکاری کر رہے تھے مگر یہ طے تھا کہ وہ جتنے اچھے مصور تھے' اتنے ہی برے اداکار' اس لیے کہ انہوں نے زندگی بھر کبھی خود پہ کوئی خول نہیں چڑھایا تھا۔ وہ جیسے تھے خود کو ایسے ہی پیش کرتے تھے' چاہے سامنے والے کو اچھا لگے یا برا' وہ خوش ہو یا ناخوش' مگر یہ کم بخت اولاد' اس کے لیے انسان وہ کچھ بھی کر لیتا ہے جو کبھی نہ کیا ہو۔

ساغر خاموشی سے ان کی بھونڈی اداکاری اور ان کے ہاتھوں کا بنا شاہکار دیکھتا رہا' بالآخر انہوں نے برش ایک طرف رکھ دیا۔

"کہو' کیا بات ہے۔"

"میں اگلے ہفتے کے ٹکٹ کرا رہا ہوں۔ دس دن بعد کلاسز شروع ہو جائیں گی۔"

"ہو گیا ایڈمیشن؟"

"جی.....آ"

"اچھا' تو مجھے اطلاع دینے آئے ہو کہ اگلے ہفتے دفعان ہو جاؤ گے۔"

"جی۔"

"جاؤ' دفع ہو جاؤ۔" وہ کہتے ہوئے مڑے اور برش اٹھا لیا۔ اسے باری باری دو تین رنگوں میں لتھیڑا اور ایزل پہ رکھی پینٹنگ پر کراس کی شکل میں دو بڑی اور گہری لکیریں ڈالیں۔

"ابا...!" ساغر کو حیرت تو نہیں ہوئی کہ وہ ایسے ہی تھے' غصے میں آپے سے باہر۔ نہ اپنا نفع سوچتے نہ نقصان مگر اسے صدمہ ضرور ہوا۔ کئی مہینوں کی محنت کے بعد یہ شاہکار تیار ہوا تھا۔ چند سیکنڈز بھی نہیں لگائے انہوں نے' اسے برباد کرنے میں۔

"اتنے مہینوں کی محنت آپ نے پل بھر میں ضائع کر دی۔ آپ۔"

"اتنے سالوں کی محنت جو ضائع ہو گئی' اس کا کیا؟" ابا نے طیش میں آکر اس کی بات کاٹی۔ "تجھے پالنے پوسنے میں' سمجھانے میں اتنے سال لگائے مگر اپنے ڈھب اور اپنی سوچ کے مطابق نہ ڈھال سکا' پتا نہیں یہ بزدلی کا بیج تیرے اندر کہاں سے پڑا جسے پال پوس کر درخت بنا لیا ہے۔"

"اس بحث کا اب کیا فائدہ ابا' کیا آپ یہ سوچ کر خوش نہیں ہو سکتے کہ میں خوش ہوں۔" وہ دھیمے سے بولا تھا۔

"تم خوش ہو؟" انہوں نے گھور کر اسے دیکھا۔

"حقائق سے فرار حاصل کر کے' نظریں چرا کر بچ نکلنے سے تمہیں خوشی مل رہی ہے؟ خوش فہمی ہے تمہاری۔" وہ تو سے تم پر آ گئے تھے' مطلب یہ کہ ناراضی اور غصہ ایک درجہ اور بڑھ گیا تھا۔ "اور جو وہاں کسی کو تمہارے پس منظر کا' تمہاری اصل کا پتا چلا تو وہاں سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے' بحیرہ عرب میں کود کر خودکشی کر لو گے؟ بولو۔"

"ابا' مجھے خودکشی کرنی ہوتی تو میں یہاں بھی کر سکتا تھا' دریائے راوی بہت بڑا ہے۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ اپنے اصل سے' اپنے پس منظر سے دور رہ کر اپنے آپ کو کھوجنے کی کوشش کروں' خود کو سنبھالنے کی' مضبوط بنانے کی کوشش کروں۔ میں بہت کمزور ہوں ابا' آپ اچھی طرح جانتے ہیں' یہاں مستقل رہا تو شاید ایسا ہی رہوں گا' کمزور' خوف زدہ' احساس کمتری میں مبتلا۔"

ساغر نے اپنے لیے وہ سارے الفاظ استعمال کیے جو ابا اس کے لیے کرتے تھے۔

"الو کے پٹھے!" وہ گرجے۔ "مجھے تو عادت ہے بکواس کرنے کی' تو نے میری گالیوں کو سچ مان لیا۔ خود کو اتنا ارزاں کر لیا۔" ان کی خاکستری مونچھوں کے کنارے لرزنے لگے۔

"میرے بارے میں آپ کا تجزیہ نہ بکواس ہے نہ ہی گالیاں' آپ سے زیادہ مجھے کون جانے گا' میرے بارے میں آپ جو کچھ بھی کہتے ہیں' ٹھیک کہتے ہیں۔" ساغر اسی نرمی اور ملائمت سے بول رہا تھا۔ جو

اس کی فطرت کا خاصا تھی۔

"تو تو پیچھے نہیں ہٹے گا اپنے فیصلے سے 'جو ٹھان لیا ہے' وہی کر گزرنا ہے؟" انہوں نے ایک گہری سانس لی پھر ایک مسکرا دیے۔

"چلو' کوئی تو عادت میری بھی لی تو نے۔"

"ابا' آپ مجھے اپنے پروں سے باہر نکلنے دیں۔ میں اڑنا سیکھ جاؤں گا۔"

"اڑنا سیکھ جاؤ گے؟ نئے آسمانوں کی کھوج میں پنچھی اپنے گھونسلے کو فراموش کر دیتے ہیں' اپنے مسکن سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔"

ابا کی آنکھیں اب اسے نہیں دیکھ رہی تھیں' خلاؤں میں تک رہی تھیں۔

"میں کہیں بھی چلا جاؤں ابا' لوٹ کر یہیں آؤں گا' آپ کے پاس' کوئی درخت کتنا ہی اونچا ہو جائے' زمین سے کتنا ہی بلند ہو جائے' زمین میں گڑی اپنی جڑیں تھوڑی چھوڑ دیتا ہے۔ آپ میری جڑ ہیں میرا اصل' آپ سے کٹ گیا تو میں ختم ہو جاؤں گا۔ بس کچھ عرصے کی بات ہے ابا' مجھے خوشی خوشی اجازت دے دیں ورنہ میں ہر وقت گلٹی فیل کرتا رہوں گا۔"

"اوئے چل' جا' چلا جا' ترلے منتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ان کا لہجہ تھوڑا سا دھیما ہوا مگر تھا روٹھا روٹھا سا۔

"اپنی ساری محنت پہ پانی پھیر کے' مکمل تصویر خراب کر کے اب راضی ہوئے تو کیا۔"

"شکر کر اپنی ہی محنت پہ پانی پھیرا ہے۔ کسی اور کی نہیں ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں۔"

"اتنی شدت پسندی اچھی چیز نہیں ہے ابا!"

"یہ تو کہہ رہا ہے' مجھ سے؟" انہوں نے کچھ طنزیہ اور کچھ حیران انداز اپنایا۔

"مجھ سے زیادہ شدت پسند تو تو ہے۔ شہزادے۔"

"آپ پہ گیا ہوں گا۔" ساغر مسکرا دیا۔ "رات بہت ہو گئی ہے۔ اب آپ سو جائیں۔"

"یار! بڑی خوب صورت رات ہے' اسے تو کینوس پر اتارنا چاہیے یا پھر کاغذ پر' میں اپنا برش اٹھاتا ہوں تو اپنا قلم اٹھا لے۔"

"قلم اٹھانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔"

"اسے اپنا ہتھیار سمجھ لے اور ہتھیار مرد اپنے ہاتھ میں ہی رکھتا ہے' اسے سنبھال کر تالے میں نہیں رکھتا۔"

"یہ وہ ہتھیار ہے ابا! جس کے بھی ہاتھ میں ہو اسے بھی زخمی کر دیتا ہے۔"

"چھوڑ یار' یہ رات تو ضرور ہی کاغذ پر اترنی چاہیے۔ ایسی حسین راتیں روز روز نہیں آتیں۔" ابا نے ہاتھ ہلایا۔

"ہر حسین کو قدر دان ملے' ضروری تو نہیں۔" ساغر اٹھ کھڑا ہوا۔

دروازہ کھول کر باہر نکلا تو وہی سرد تو کیلی ہوا نے استقبال کیا۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

بارش بند ہو چکی تھی اور صاف شفاف آسمان پر زرد چاند ٹکا ہوا تھا۔ ساغر کی طرح' تنہا اور اداس' چند لمحے وہ اوپر دیکھتا رہا پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔

ابا کو رات حسین لگ رہی تھی۔ اسے اداس اور تنہا۔

ایک ہی منظر تھا مگر دونوں کے خیالات الگ تھے۔ مختلف آنکھیں ایک ہی منظر کو' مختلف انداز سے' الگ الگ زاویوں سے دیکھتی ہیں۔ دو دماغ ایک ہی بات کو ایک جیسا نہیں سوچتے۔ کمبل تان کر منہ تک ڈھکتے ہوئے' وہ یہی سوچ رہا تھا۔

"ہم دونوں کے دیکھنے' سوچنے اور محسوس کرنے میں اتنا فرق کیوں ہے؟ آخر کیوں؟"

☆ ☆ ☆

صبح بڑی روشن' خوشگوار اور کھلی کھلی سی تھی۔ سورج نکلا تھا اور خوب نکلا تھا' اپنے پورے جوبن اور آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ بارش کے بعد

ٹھنڈ بڑھ گئی تھی اور اس سرد صبح میں چمکتا گرم سورج اور نکھری ستھری دھوپ ایسی خوب صورت اور دل نواز لگ رہی تھی جیسے پہلا پہلا پیار اور نیا نویلا محبوب 'سوچتے ہی رہو' دیکھتے ہی رہو' دل ہی نہیں بھرتا۔

ناشتے پر پھر ابا کی چخ چخ شروع ہو گئی۔ ساڑھے گیارہ بجے ابا سو کر اٹھے تو شوکت نے غلطی سے پوچھ لیا۔

"حضور! بریک فاسٹ بناؤں یا برنچ۔"

درجن بھر گالیوں بھرا دیوان اپنی شان میں سن کر وہ کان دبائے کچن میں سٹک گیا۔

صحن میں کرسی ڈال کر ساغر نرم گرم دھوپ سے لطف اندوز ہو رہا تھا جب ماہ نور اندر آئی۔

"ماسٹر صاحب؟" غیر متوقع طور پر اسے صحن میں یوں براجمان دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔

"اندر۔" ساغر نے ان کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ کمرے میں بک شیلف میں سے کوئی کتاب نکال رہے تھے۔

"واپس آ گئیں بیگم صاحبہ' چھٹیوں سے؟" وہ غالباً اس کی آواز سن چکے تھے تب ہی بغیر مڑے اپنے مخصوص طنزیہ لہجے میں اس سے مخاطب تھے۔ جو ان کا طنز سن کر ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

اندازہ تھا کہ دو دن کے ناغے کے بعد کچھ اسی طرح کے الفاظ اور رویے کا سامنا کرنا پڑے گا' مگر لاکھ ذہنی طور پر تیار ہونے کے باوجود بھی وہ ایک لمحے کو گڑبڑا گئی۔

"طبیعت خراب تھی ماسٹر صاحب! بہت تیز بخار ہو گیا تھا' ابھی بھی ہلکا ہلکا ہے۔ لیکن میں پھر بھی آ گئی۔" ماہ نور اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے اندر آ کر کرسی پر ٹک گئی۔

"بڑا احسان ہے کہ بیماری میں بھی آپ آ گئیں' کیا ضرورت تھی؟" ان کی گھنی بھنویں اٹھیں اور تیز چمکتی سیاہ آنکھیں ماہ نور پر مرکوز ہو گئیں وہ واقعی بیمار بیمار سی لگ رہی تھی۔ دھان پان سی تو وہ پہلے ہی تھی' اب کچھ اور ہو گئی تھی۔ چہرہ ستا ہوا تھا۔

"آج بھی آرام کرو' آج کلاس نہیں ہو گی۔" چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد ابا نے فیصلہ سنایا۔

"کیوں؟"

"میری مرضی۔" وہ کتاب ہاتھ میں لیے باہر آ گئے۔ ساتھ ساتھ اسے بھی حکم دیا۔

"آؤ' باہر آ جاؤ' بڑی اچھی دھوپ نکلی ہوئی ہے۔"

وہ کرسی پر بیٹھے ہی تھے کہ شوکت بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گیا۔ ہاتھ میں موجود ٹرے اس نے میز پر رکھ دی' جس میں دو کپ چائے تھی۔

"آپ کے لیے چائے لاؤں؟"

"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ لے کر آ۔" ابا نے اسے گھورا۔

"میں چائے نہیں پیوں گی' آج کلاس نہیں ہو گی کیا؟" ماہ نور نے انکار اور سوال جلدی جلدی کیا۔

"چائے پیو اور آج کلاس نہیں ہو گی' باتیں ہوں گی۔" ابا نے ڈپٹ کر کہا۔ وہ بے بسی سے ابا کو دیکھنے لگی۔

"کلاس نہیں ہے تو چھٹی دے دیں۔"

"دو دن کی چھٹی کر کے دل نہیں بھرا؟"

"بتایا تو ہے۔ طبیعت خراب تھی۔" وہ جھنجلائی' ایک تو کلاس نہیں لے رہے تھے آج' اوپر سے یہاں لا کر بٹھا دیا' اپنے اس آدم بیزار بیٹے کے سامنے جو ماہ نور تو کیا' کسی پر بھی ایک نگاہ غلط انداز بھی نہیں ڈالتا تھا۔ اپنے آپ میں گم اور اپنے آپ سے بے خبر جس کا چہرہ اور تاثرات چیخ چیخ کر کہتے تھے کہ وہ اپنے اردگرد سے سخت بے زار ہے۔ ایسے سڑیل بندے کے ساتھ بیٹھ کر تو اگلا بندہ بھی سڑیل مزاج ہی ہو جائے۔

ماہ نور سر جھکائے گود میں دھرے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی جا رہی تھی اور سوچتی جا رہی تھی۔

"مراقبہ بعد میں کر لینا' چائے پیو۔" ابا کی ڈانٹ سن کر ماہ نور خجل سی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"کتنے دنوں بعد ایسی اچھی دھوپ نکلی ہے۔" ابا نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں' آسمان سے لے کر زمین تک سب ہی کچھ سنہری رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس سنہرے پن میں بڑی خوب صورت سی نرمی اور بڑی دلربا سی گرمی تھی۔

"یار ساغر! اس دھوپ کو صفحات پر رقم کر اور ماہ نور بی بی تم اسے کینوس پر اتارو۔"

"آپ کو تو کل اندھیری اور سرد رات بھی ایسی ہی خوب صورت لگ رہی تھی' اسے بھی آپ صفحات پہ اور کینوس پر اتار رہے تھے۔"

"بس یار! کوئی کوئی دن رات ایسا ہوتا ہے جسے کینوس پر اتارنے کو جی چاہتا ہے ورنہ تو سب دن رات ایک جیسے ہی لگتے ہیں۔ تو میاں ساغر فاروق تم یہ بتاؤ کہ کیوں لکھتے ہو؟"

ابا اس وقت بڑے موڈ میں تھے' پتا نہیں یہ مزے دار دھوپ کا اثر تھا یا دل پسند صحبت کا کہ ان کے دائیں بائیں بیٹھے دونوں ہی بچے انہیں بہت پیارے تھے' یہ اور بات کہ وہ اپنے جذبات کا اظہار ان دونوں سے ذرا کم ہی کرتے تھے۔

"میں کیوں لکھتا ہوں؟" ساغر ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گیا۔

"شاید اپنے کتھارسس کے لیے؟" اس کا جواب' جواب سے زیادہ ایک سوالیہ خود کلامی تھی۔

"او یار' اپنے کتھارسس کے لیے تو بندہ کسی کو دو چار گالیاں اور آٹھ دس باتیں بھی سنا سکتا ہے' اس کے لیے اتنے صفحات کالے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائے "کتاب لکھنے والے کو باتیں کتابی نہیں کرنی چاہئیں۔"

"کیوں نہیں کرنی چاہئیں' دیوانوں کی سی نہ بات کرے تو اور کرے دیوانہ کیا؟" ساغر نے جواب دینے کے لیے ابن انشاء کے لفظوں کا سہارا لیا۔

"اور ماہ نور بی بی! آپ پینٹ کیوں کرتی ہیں؟" ابا ماہ نور کی طرف متوجہ ہوئے۔

"شاید اس لیے کہ میرے اندر اس کی صلاحیت ہے۔" ماہ نور نے بڑا سنبھل کر جواب دیا۔ ابا تو بغیر کسی لحاظ اور مروت کے اگلے کے پرخچے اڑانے میں ماہر تھے۔

"اچھا! صلاحیت کے اظہار کے لیے؟" ابا کی سرمئی آنکھوں میں شرارتی چمک عود آئی۔

"یارو! ایک بات غور سے سنو۔" انہوں نے اپنے جملہ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے تقریر کا آغاز کیا۔

"جب میں یہ کہتا ہوں نا کہ میں اپنے کتھارسس کے لیے' اپنی صلاحیت کے اظہار کے لیے یا فن کی خدمت کے لیے مصوری کرتا ہوں تو میں یعنی فاروق احمد مصور اس بات کو کہتے ہوئے آدھا سچ بولتا ہوں اور آدھا جھوٹ' اگر میں صرف اپنی صلاحیت کا اظہار چاہتا تو اپنی تخلیق لوگوں کے سامنے نہیں رکھتا' اپنی صلاحیت کو پینٹنگ کی صورت میں ڈھال کر ایک طرف ڈال دیتا مگر نہ۔ جی نا' میں فاروق احمد اندر سے تھوڑا سا شہرت کا طلب گار بھی ہوں' تھوڑا سا خود غرض بھی' میں چاہتا ہوں میری صلاحیت' میرا فن میرے اسٹوڈیو تک محدود نہ رہے' دنیا اسے دیکھے اور سراہے۔ فن کی خدمت کے ساتھ پیسے کا حصول بھی ہو تو یہ خدمت بہت اچھی چیز ہے۔ ہر کوئی دولت بھی چاہتا ہے اور شہرت بھی' میں بھی یہی چاہتا ہوں' پھر یہ بات ہر فنکار سیدھا سیدھا کہتا کیوں نہیں' اعتراف کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"ابا! آپ کی بات ہنڈرڈ پرسنٹ درست نہیں۔ ہر فنکار چاہے کسی بھی شعبے کا ہو' داد و دہش کا محتاج بھی ہوتا ہے اور مستحق بھی' اپنے فن کو روزی کا وسیلہ بنانے میں کیا برائی ہے؟ فن کار اپنی تخلیقات دنیا کے سامنے کیوں نہ لائے۔ اسے اپنی پہچان کا' اپنی شناخت کا اور اپنی کسمپرسی دور کرنے کا ذریعہ کیوں نہ بنائے؟ فنکار اسی دنیا کا ایک فرد ہے' کوئی تارک الدنیا راہب نہیں' کوئی برہمچاری نہیں اور پھر اللہ کی دی ہوئی صلاحیت کو انسان اپنی لگن اور محنت کے ذریعے چمکاتا ہے' وہ کیوں نہ اپنی محنت کا معاوضہ لے۔ چاہے وہ دولت کی شکل میں ہو یا شہرت کی شکل میں۔"

ساغر بولنا شروع ہوا تو بولتا ہی چلا گیا۔ ماہ نور اسے حیرت کے ساتھ سن رہی تھی۔ آج پہلی بار اس نے ساغر کو اتنا مربوط' بھرپور اور مدلل بولتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ شخص بولنا بھی جانتا ہے؟ پچھلے دو سال میں آج پہلی بار اس کے دل نے ایک خوشگوار حیرت کے ساتھ ساغر کو سوچا تھا۔

ابا کے خاکستری مونچھوں تلے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

"ہو نا قلم کے دھنی' زبان کے بھی دھنی ہی نکلے۔ اتنی لمبی تقریر جھاڑ دی۔"

"آپ نے پتا نہیں کیوں یہ فضول ٹاپک نکال لیا۔" ساغر واپس اپنے خول میں سمٹ گیا۔

"یار! میں تیرے ایک ایک لفظ سے اتفاق کرتا ہوں' بس میرا سوال صرف اتنا ہے کہ کوئی بھی فنکار اس بات کا اعتراف کیوں نہیں کرتا کہ وہ اپنی صلاحیت کا اظہار دولت اور شہرت کے لیے کرتا ہے؟"

"آپ کیوں بے چارے کسی بھی فنکار کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ کوئی اعتراف کرے نہ کرے' آپ کو کیا؟ آپ نے کیا ہے کبھی اس بات کا اعتراف؟" ساغر جھنجلا گیا۔

"میں تو اپنے متعلق ہر سچ کا اعتراف کر لیتا ہوں۔" ابا اس سے مزے لے رہے تھے۔

"جو اپنے متعلق ہر سچ بولنے کا شوق رکھتا ہے اسے دنیا والوں سے پتھر کھانے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔" ساغر کی کالی سیاہ آنکھیں تپش سے بھر گئیں۔

"میں سچ بولتے وقت اپنے ہاتھ میں اینٹ رکھتا ہوں' جہاں سے پتھر آئے' وہیں جوابی اینٹ کا وار۔"

"کیوں' اچھی بھلی دھوپ اور چائے کا مزہ خراب کر رہے ہیں ابا؟" ساغر سچ مچ اکتا گیا تھا۔

"یار! تم شکوے شکایات بہت کرتے ہو' کبھی تمہیں قدرت سے شکایت ہوتی ہے کہ اس نے تمہاری زندگی کا مزا خراب کر دیا' کبھی مجھ سے۔"

"ابا پلیز۔" ساغر کا چہرہ شدت ضبط کا آئینہ بن گیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھ جاؤ اور اب جب کہ تم ایک دوسری دنیا میں جا رہے ہو تو جوش اور جذبات کو پرے رکھ کر ہوش اور

عقل سے کام لینا سیکھو۔ تمہیں غصہ کیوں آرہا ہے؟ یہاں کوئی غیر نہیں، کوئی اجنبی نہیں ہم تینوں کا ایک ہی پس منظر ہے اور ایک دوسرے سے ملتی جلتی کہانیاں اور زندگیاں۔ اویار! ہم تینوں تو ایک دوسرے کے سامنے کھلی کتاب ہیں، پھر حقیقت کا سامنا کرنے سے کترانا کیسا؟" ابا بڑے ٹھنڈے لہجے میں بول رہے تھے۔

"زخم بار بار کریدنے سے تکلیف ہی بڑھتی ہے، وہ مندمل نہیں ہوتا۔" ساغر تلخی سے کہتا ہوا چلا گیا۔

ابا لب بھینچے اسے جاتا دیکھتے رہے۔

"پتا نہیں یہ لڑکا کب سدھرے گا اس سے پہلے کہ لوگ اور تلخ واقعات و تجربات ہمیں سدھاریں تم کیوں نہ ہم خود کو پہلے ہی سدھار لیں، کیوں؟" انہوں نے ماہ نور کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"ٹھوکر کھانے سے پہلے ہی عقل آجائے تو ہم لوگوں کے آدھے مسائل حل نہ ہو جائیں۔"

ماہ نور مسکراتی تو اس کی آنکھیں بھی مسکرا اٹھتی تھیں مگر وہ بہت کم مسکراتی تھی۔ شاید وہ چاہتی نہیں تھی کہ اس کی آنکھیں مسکرائیں، اسے لگتا تھا کہ آنکھیں بار بار مسکرائیں تو خوش آئند خوابوں کی تمہید ہو جاتی ہیں۔ خواب دیکھنا کوئی بری بات تو نہیں۔ وہ پہلے پہل یہی سوچتی تھی مگر جب سے شعور نے ہاتھ تھاما تھا خود ترسی نے خیالات میں جگہ بنالی تھی۔ تہمت زدہ لوگوں کا خوش آئند خواب دیکھنا بری بات ہی تو ہے۔ آگہی کی تلخیاں وجود میں آہستہ آہستہ سرائیت کرتی جارہی تھیں اور اسے ذلیل و خوار کرنے کے درپے تھیں۔

"بات کرو صاحبزادی! کہاں خیالات میں گم ہو جاتی ہو، تمہاری چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی۔" ابا نے اسے ٹوکا۔

"آپ کے بیٹے کی تقریر سن رہی تھی، چائے کا دھیان ہی نہیں رہا۔" ماہ نور نے سادہ سے لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے ٹھنڈی چائے کا کپ منہ سے لگا لیا۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔" ماہ نور نے دو گھونٹوں میں کپ خالی کر دیا۔ دھوپ کی حدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"کل تو ہو گی نا کلاس؟"

"ہاں، کل ہو گی کلاس، اب تم جاؤ۔" وہ اک دم ہی رکھائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

ماہ نور کے لیے یہ رویہ نہ اجنبی تھا نہ عجیب و غریب، وہ کسی تاثر کا اظہار کیے بغیر کھڑی ہو گئی۔

"سر! آپ اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ بحث میں نہ الجھایا کریں۔" ماہ نور اچانک ہی ان سے مخاطب ہوئی تھی۔

"کیا؟" پہلے تو وہ اس کی جرات پر بھونچکا رہ گئے پھر غرائے۔ "تم سے مطلب؟" تم بتاؤ گی مجھے اپنے بیٹے سے کیسے بات کرنا چاہیے؟" انہیں بھتے سے اکھڑنے میں چند لمحے ہی لگتے تھے۔

"مجھے لگتا ہے، آپ بھی کبھی کبھی انہیں بہت ہرٹ کر دیتے ہیں؟" وہ خائف ہوئے بغیر یوں کہہ رہی تھی جیسے ان سے نہیں بلکہ کسی دیوار سے مخاطب ہو۔

"اب اس سے پہلے کہ میں تمہیں ہرٹ کروں، دفع ہو جاؤ یہاں سے، بڑی آئی لیکچر دینے والی۔" ابا کی زبان کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے بھی شعلے برسنے لگے۔

"کھسک لے ماہ نور بی بی! کھسک لے۔ بڑے میاں پر پھر سے دورہ پڑ گیا ہے۔" شوکت دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں آنکھوں میں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ ہی کہاں تھی۔

"اب جاؤ اور کل وقت پر آنا ورنہ بھگا دوں گا۔"

"اکلوتی شاگرد کو بھی بھگا دیں گے تو اپنا فن کسے منتقل کریں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے دروازے کی طرف چل دی۔

"او کوئی نہ ملا تو اس کھوتے شوکت کو ہی سکھا دوں گا۔" وہ گیٹ کے قریب پہنچی تھی جب ماسٹر صاحب کی تلملاتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ ماہ نور مسکرا کر باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

الماری کا پٹ کھلا ہوا تھا۔ ایک ایک کر کے وہ اپنے کپڑے اور دیگر ضروری اشیا اکٹھی کر رہا تھا۔ اپنے سارے ضروری کاغذات پہلے ہی ایک چھوٹے سے بیگ میں رکھ چکا تھا۔ وہ پاؤچ اس نے بیگ میں سب سے نیچے رکھ دیا۔

ایک ایک کر کے ساری اشیا بیگ میں بھر کے اس نے زپ بند کر کے بیگ کو ایک طرف رکھ دیا۔

اب وہ اپنی دراز کھولے بیٹھا تھا۔

ادھوری کہانیاں، میری زندگی کی طرح۔

وہ صفحات الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ آٹھ دس نامکمل افسانے تھے۔ وہ لاابالی یا لاپروا نہیں تھا، نہ ہی غیر مستقل مزاج مگر پتا نہیں کیا ہو جاتا تھا اسے اچھا خاصا لکھنا شروع کرتا، اختتام تک لکھنے کے ارادے سے شروعات کرتا اور دو چار صفحات لکھنے کے بعد دل ایسا اچاٹ ہوتا کہ اسے ایک طرف رکھنے کے بعد دوبارہ دیکھتا بھی نہیں۔

کیا یہ دیوانگی کی کوئی قسم ہے؟

پاگل پن کے آثار ہیں۔

یا جنوں کی شروعات؟

اپنی ادھوری کہانیوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے سے یوں ہی خیال آیا۔ ایک لمحے کو وہ خوف زدہ سا ہو گیا۔

نہیں، یہ صرف میرا احساس کمتری ہے جس کی دلدل میں، میں ڈوبتا ہی جا رہا ہوں۔ شاید ابا ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ احساس کمتری نہیں احساس ذلت کی دلدل مجھے اپنے اندر ڈبو رہی ہے۔ وہ خود سے باتیں کر رہا تھا۔ خود کو تسلیاں دے رہا تھا۔ اپنے آپ کو بہلا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ٹرین اپنی پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اس کا ذہن بھی، فرق صرف اتنا تھا کہ ٹرین آگے کی سمت بھاگ رہی تھی اور اس کا دماغ پیچھے کی طرف، ماضی کی طرف۔ وہ ماضی جو اس کے ہوش سنبھالنے کے بعد کا تھا اور وہ ماضی بھی جس کا تذکرہ اس نے اپنے باپ سے سنا تھا۔ وہ سوچتا رہا یہاں تک کہ ٹرین کی گھڑگھڑاہٹ، کانوں کے ساتھ ساتھ اس کے دماغ میں بھی دھماکے کرنے لگی۔

ابا ان دنوں جوان تھے۔ جب وہ فاروق احمد تھے، پیدائشی فنکار، خداداد صلاحیتوں اور ہنر کے مالک، نو عمری سے ہی اپنے فن کا مظاہرہ کرنے لگے۔ برش سے کینوس پر اس انداز سے رنگ بکھیرتے کہ ہر تصویر یادگار اور ہر پینٹنگ شاہکار بن جاتی۔ اس جگہ اور ماحول میں پیدا ہوئے تھے جہاں پیدا ہونا ہر انسان اپنی بدقسمتی خیال کرتا ہے چاہے مرد ہو یا عورت، مگر وہ عجیب دل و دماغ کے تھے، انہیں نہ اس بات پر شرمندگی محسوس ہوتی تھی کہ وہ ریڈ لائٹ ایریا کے باسی ہیں اور نہ ہی انہیں اس حقیقت پر ذلت محسوس ہوتی تھی کہ وہ ایک طوائف کے بطن سے پیدا ہوئے۔

"یار ساغر! میں سوچتا ہوں کہ میں خود سے کیوں شرمندہ ہوؤں ——— اپنی مرضی سے یہاں پیدا نہیں ہوا اور میری ماں بے چاری کا کیا قصور، ایک عام انسان آنکھ کھولتے ہی جو ماحول دیکھتا ہے اسی کے حساب سے زندگی گزارتا ہے، چاہے نہ چاہے اسے قبول کرنا ہے۔ ہر ایک میں انقلابی اور باغی روح نہیں ہوتی۔"

"آپ اتنی آسانی سے کیسے حقیقت کو قبول کر لیتے ہیں؟" ساغر کی بے یقین اور حیران نظریں ان پر ٹک جاتیں۔

"جو لوگ حقیقت کو آسانی سے قبول نہیں کرتے وہ خود پہ زندگی کو مشکل کر لیتے ہیں۔" یہ ان کا فلسفہ تھا۔

وہ بے رحمی اور خود اذیتی کی حد تک حقیقت پسند تھے، انہوں نے اسی ماحول کو پینٹ کرنا شروع کر دیا۔ وہاں کی عمارتیں، چوبارے، محرابیں، جھروکے، سیڑھیاں، گلیاں، سڑکیں، دکانیں وہاں کے بچے، مرد اور عورتیں، انہوں نے اب تک جتنی صورتوں کو تصویر کے قالب میں ڈھالا تھا سب کا تعلق وہیں سے تھا۔ شبنم کو بھی انہوں نے پینٹ کیا تھا، پہلی بار،

دوسری بار پھر تیسری بار اور چوتھی دفعہ اس سے شادی کے لیے کہا۔ وہ پہلے پہل حیران نظروں سے اس مصور کو دیکھتی رہی جو غصیلا' خردماغ اور الٹی کھوپڑی جیسے القابات سے مشہور تھا۔

"جلدی بتاؤ۔" اپنے فطری اکھڑپن سے مصور نے دوبارہ پوچھا۔ شبنم کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے۔ وہ تو بغیر بیاہ کے بھی اسے دستیاب ہوسکتی تھی۔ پھر؟

روتے روتے اس نے یہ سوال پوچھ ہی لیا۔

"سنکی جو ہوا۔" مصور کی پیشانی شکن آلود ہو رہی تھی اور اس سے پہلے کہ اس کی جواب مانگتی آنکھیں پرتپش ہو جاتیں' شبنم نے جلدی سے ہاں کردی۔

بیٹے کی پیدائش ہوئی تو خوشی کے مارے شبنم کا برا حال تھا۔ بڑے چاؤ سے اس کا نام ساغر رکھا۔ بیٹے سے تو محبت تھی ہی اسے' اپنے خبطی اور سنکی شوہر سے بھی ہوگئی تھی' مگر ان کی کہانی مختصر نکلی۔ کینسر نے اپنے موذی پنجوں سے اسے گرفت میں لے لیا۔

شبنم کو زندگی کی آرزو تھی' وہ زندہ رہنا چاہتی تھی۔ مصور بھی یہی چاہتا تھا۔ مگر وہ' جس کے ہاتھ میں سب کی تقدیریں ہیں' نہیں چاہتا تھا کہ شبنم کو اس مرض سے شفا ملے' سو ہر طرح کے علاج کے باوجود بھی وہ جانبر نہ ہوسکی' کیموتھراپی کے شدید اثرات سے اس کے سر کے سارے بال جھڑ گئے تھے' اپنے آخری ایام میں اس نے شادی شدہ زندگی کی پہلی فرمائش مصور سے کی۔

"مجھے پینٹ کرو۔"

"نہیں۔" مصور کی آنکھوں میں درد اترا ہوا تھا' کرب اترا ہوا تھا۔

اس نے شادی سے پہلے شبنم کی جو تین پینٹنگز بنائی تھیں' ان میں زندگی تھی' حسن تھا' رعنائی تھی' دلکشی تھی۔ اس کی مہارت اور ہنر نے بڑے دل سے اسے تصویر کیا تھا۔ اب اس نحیف و نزار ڈھانچے کو جس کے سر پر بال تھے نہ آنکھوں میں زندگی کی چمک' نہ چہرے پہ امید کی ترنگ' اسے کیسے پینٹ کرتا' اس کا برش یہ لکیریں کیسے کھینچتا۔ اس کے رنگ کیوں کر ساتھ دیتے؟

"میری تصویر بناؤ' آخری تصویر۔" اس نے دوبارہ التجا کی۔

"میں زندگی پینٹ کرتا ہوں' موت نہیں۔" اپنے درد و کرب کو ایک طرف کرکے مصور پھر سے اکھڑپن کیا' مگر وہ ڈٹی رہی۔

"میری آخری خواہش سمجھ لو۔"

"پہلی خواہش تو کبھی کی نہیں' آخری پہ کیسے آ گئیں؟"

"آخری وقت میں ہر شے آخری ہی ہو جاتی ہے۔ آخری لمس' آخری نگاہ' آخری سانس' خواہش کو بھی اسی تناظر میں سمجھ لو۔" اس سے ٹھیک سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا' وہ ہانپ رہی تھی۔

مصور نے ایک نظر اسے دیکھا اور زندگی میں پہلی اور شاید آخری بار وہ اپنے دل کی بات زبان پر نہیں لایا۔ وہ کہنا چاہتا تھا شبنم سے کہ وہ جلدی مرجائے تاکہ وہ ایک ہی بار کھل کر رو لے' یہ روز روز کا رونا اور پل پل کی موت مصور سے برداشت نہیں ہو رہی تھی' بس یہی ایک بات تھی جو وہ شبنم سے کہہ نہیں سکا' مگر وہ تو مصور کی ان کہی بھی خوب سمجھنے لگی تھی' جس رات اس کی پینٹنگ مکمل ہوئی' اسی رات کی صبح اس کی روح پیکر خاکی سے آزاد ہوگئی۔ ادھر سپیدۂ سحر نمودار ہوا اور ادھر مصور کی دنیا اندھیر ہوگئی۔

یہاں سے زندگی کی اس کہانی کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے۔ ساغر اس وقت آٹھ برس کا تھا۔ اسے کسی حد تک اپنی ماں یاد تھی' پھر ان کی بیماری اور موت بھی' مگر جب وہ کچھ اور بڑا ہوا تو یہ یاد سوہان روح بن گئی اس کے لیے۔ وہ جیسے جیسے بڑا ہو رہا تھا' اس کے خیالات اور سوالات الجھتے جا رہے تھے۔ مصور فاروق احمد کا کردار اب بدل کر ابا کے روپ میں ڈھل گیا تھا۔ وہ بیٹے کی ہر الجھن سلجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ ہر سوال کا جواب دیتے تھے' مگر اپنے مخصوص اکھڑ اور حقیقت پسند انداز میں' ساغر کبھی تو۔۔۔ رنجیدہ ہو جاتا تھا' الجھ جاتا تھا۔ وہ نیا نیا فرسٹ ایئر میں آیا تھا۔ آگہی اور خود ترسی

کی راہوں پہ چلتے چلتے اس کا دل بھی نگار ہونے لگا تھا۔ ایک روز اسی خود اذیتی کے عالم میں اس نے ابا سے سوال کیا تھا۔

"ابا' آپ نے ایک ایسی خاتون سے شادی کیوں کی جو۔۔۔"

یہاں تک بولنے میں ہی اس نے اپنے جسم و جان کی تمام توانائیاں پھونک ڈالی تھیں' آگے کچھ کہنے کی ہمت کہاں سے لاتا۔

ابا اپنی کرسی پر جھولتے جھولتے ساکت ہوگئے' پھر یکایک ایک زہر خند مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں نے ایک طوائف سے شادی کیوں کی؟"

ساغر کا پورا جسم تپ گیا' رواں رواں جیسے جل اٹھا۔ اسے اس دم ایسا لگا جیسے وہ بیچ بازار میں عریاں ہو گیا ہو۔ باپ کے اس لب و لہجے کا اسے عادی ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ نہیں ہوا تھا اب تک۔

"سیدھے ہو کر بیٹھو اور میری بات غور سے سنو۔ میں نے جس عورت سے شادی کی تھی' وہ ضرور وہی تھی جس کا نام تمہاری زبان سے نہیں نکل رہا' مگر شادی کے بعد وہ میری وفادار اور ایک گھریلو عورت تھی' وہی تمہاری ماں تھی۔ تمہاری ماں طوائف نہیں تھی۔ تم اپنے دل و دماغ سے یہ خناس نکال دو۔"

وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولے تھے۔

"آپ یہاں کیوں رہتے ہیں' یہ علاقہ چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟" ساغر لاجواب ہوا تو جھنجلا کر پھر سوال کر بیٹھا۔

"کیوں؟ یہاں کیا برائی ہے؟" انہوں نے بھنویں اچکائیں۔

"یہی تو ہے ساری برائی' کوئی بھی اس جگہ کو' یہاں کے لوگوں کو اچھا نہیں سمجھتا ابا' آپ کہیں اور گھر لے لیں۔" وہ روہانسا ہو کر بچوں کی طرح فرمائش کر رہا تھا۔

وہ ایک گہری سانس لے کر پھر سیدھے ہو بیٹھے۔

"بات سنو ساغر! میری بات سمجھنے کی کوشش کرنا اور یاد رکھنا۔ اگر ایک جسم فروش طوائف ہے تو دنیا ایمان فروشوں اور ضمیر فروشوں سے بھری ہوئی ہے۔ وہ بھی اسی نام کے حقدار ہیں' تمہیں خود سے اور اپنے پس منظر سے گھن کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس جگہ کو چھوڑ کر کسی بھی شہر کسی بھی علاقے میں چلے جائیں' ہر جگہ ایسے ہی لوگ ہوں گے' کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں۔"

"ابا! جن لوگوں کا ایمان اور ضمیر برائے فروخت ہوتا ہے انہیں لوگ اتنا گھناؤنا اور اتنا برا نہیں سمجھتے جتنا۔" ابا کو قائل کرنے کی کوشش میں اس نے پھر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"تو تم سمجھنا شروع کر دو' تم انہیں ایسے ہی قابل نفرت سمجھو جیسے وہ لوگ یہاں کے لوگوں کو سمجھتے ہیں۔"

"آپ جیسا انقلابی اور باغی ہر کوئی تو نہیں ہو تا نا۔" ساغر مایوس ہو کر اٹھ گیا۔ مگر پھر آنے والے دنوں میں یہ بحث آئے دن ہونے لگی۔

ساغر کا اصرار بڑھتا گیا اور ابا کا چڑچڑا پن۔ یوں تو ان کے عتاب کا نشانہ بننے کے لیے شوکت موجود تھا پھر ملو نور کا بھی اضافہ ہو گیا۔ وہ شبنم کی خالہ کی نواسی تھی' ماں مر گئی تھی' نانی کے بقول وہ کسی کام کے لائق نہیں تھی اس میں نہ خوب صورتی تھی نہ ادائیں' اپنے آپ میں مگن گم صم سی لاغر بدن کی مالک زرد زرد سی لڑکی' ہاں بس اس کی انگلیاں بڑی آرٹسٹک سی تھیں' لمبی لمبی انگلیوں والے صاف ستھرے ہاتھ' اپنی انگلیوں اور ہاتھوں سے وہ پہلے پہل چاک سے دیواروں پر لکیریں کھینچتی رہتی پھر کاغذ پنسل اور کلر ملے تو ان میں لگ گئی۔ نانی فاروق احمد کے پاس لے آئیں۔

"سارا دن دیواروں پہ' کاغذوں پہ تصویریں بناتی رہتی ہے' اسے اپنی شاگردی میں لے لو' تصویریں بنانا سکھا دو۔" ان کی فرمائش پہ فاروق احمد نے انہیں گھور کے دیکھا۔

"ناچ گانا نہیں ہے' نہ ہی روٹی ہنڈیا جو

سکھادوں۔" انہوں نے جیسے نانی کی نقل اتاری تھی۔

"ارے تم دیکھ تو لو میاں! پھر غصہ کرنا۔" نانی نے اپنے ساتھ لایا کاغذوں کا پلندا ان کے سامنے کیا۔

انہوں نے نیم دلی سے دیکھنا شروع کیا پھر ان کے چہرے پہ حیرت نمودار ہونے لگی۔ وہ اسکیچز تھے مختلف چہروں کے، درختوں کی، پھولوں کی اور گاڑیوں کی تصویریں بھی تھیں اور گھر کی بھی۔

"یہ سب تم نے بنائی ہیں؟" اپنی مخصوص گھورتی ہوئی نگاہیں انہوں نے ماہ نور پر مرکوز کیں۔

"جی۔" اس کی باریک سی گھبرائی ہوئی آواز نکلی۔

"ٹھیک ہے بڑی بی! کل ٹھیک نو بجے اسے بھیج دینا۔"

"سکھاؤ گے اسے؟" نانی کی نگاہیں ان کے اچانک فیصلے پر بے یقین سی تھیں۔

"نہیں، شوکت کی ہیلپری کرواؤں گا کچن میں۔" وہ پھر سے تپے سے اکھڑ گئے۔

یوں ماہ نور ان کی شاگرد بن گئی۔ وہ باصلاحیت تھی مگر اسے بہت محنت اور پالش کی ضرورت تھی۔ وہ اسے پالش کر رہے تھے اور محنت کروا رہے تھے۔ شروع شروع میں وہ کئی مہینوں تک ان کے مزاج اور غصے سے خائف رہی پھر آہستہ آہستہ جیسے ان کا مزاج سمجھنے لگی تھی۔

شاید کوئی اسٹیشن آیا تھا۔ گاڑی آہستہ آہستہ ہوتے ہوتے رک گئی تھی۔ پلیٹ فارم پہ لگا بلب پوری طرح اندھیرا دور کرنے قاصر تھا پھر بھی بے چارہ اپنی سی کوشش کر رہا تھا۔ سنسان پلیٹ فارم پہ سامنے ہی خالی بنچ پڑی ہوئی تھی۔ ایک دو دکانیں بھی کھلی ہوئی تھیں، رات ہو گئی تھی مگر بہت گہری نہیں ہوئی تھی ابھی، ساغر یوں ہی سا کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ کتوں اور گیدڑوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سرد ہوا چہرے کو برف بنا رہی تھی، اس نے کھڑکی بند کر دی۔ ویسے بھی ٹرین نے اب رینگنا شروع کر دیا تھا۔ چھوٹا سا اسٹیشن تھا، تھوڑی دیر ہی ٹرین رکی پھر چل پڑی اور اس کے ساتھ ساتھ ساغر کے خیالات کی رو بھی دوبارہ چل پڑی مگر اب وہ ماضی کے بارے میں نہیں بلکہ آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہاسٹل میں اپنے کمرے تک پہنچتے پہنچتے وہ تھک کر چُور ہو چکا تھا۔ تھکن جسمانی سے زیادہ ذہنی تھی۔ سامان ٹھکانے لگا کر وہ نہانے گھس گیا۔ نہا کر باہر نکلا تو کمرے میں ایک نئی شکل دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"عمیر ہاشمی، حیدر آباد سے۔" بھوری آنکھوں والے اس خوش شکل لڑکے نے مسکراتے ہوئے تعارف کرایا۔ وہ ساغر کا روم میٹ تھا۔

تعارف سے دوستی تک کے مراحل بہت جلد طے ہو گئے یہ اور بات کہ یہ یک طرفہ دوستی عمیر کی طرف سے تھی۔ وہ گرم جوش اور باتونی تھا، ساغر محتاط اور کم گو۔ مگر عمیر کو اس بات سے نہ کوئی غرض تھی نہ پرواہ، بلکہ اس کے حق میں تو ایک طرح سے اچھا ہی ہوا۔ وہ بلا تکان نان اسٹاپ بولتا رہتا اور بولتا ہی رہتا، ساغر سنتا رہتا، کبھی خاموشی کبھی ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ۔

یونی ورسٹی لائف شروع ہو گئی۔ آہستہ آہستہ کلاس فیلوز کے ساتھ اجنبیت کی جگہ شناسائی نے لے لی۔ چند مہینوں میں تین طالبات اور چار طلباء پر مشتمل ان کا گروپ بن گیا تھا۔ جن کے درمیان دوستی اور ہم آہنگی کی فضا تھی۔

یونی ورسٹی کسی زمانے میں شہر سے دور ویرانے میں بسائی گئی تھی مگر شہر اب اس کے چاروں طرف بے ہنگم انداز میں پھیل چکا ہے۔ اسی بے ہنگم خرابے میں یونی سے قریب ایک وسیع میدان ہے یہاں دو ڈھائی سو نفوس رہتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی مدد آپ کے تحت بانسوں کپڑوں کے چیتھڑوں اور ٹین کی چادروں کی مدد سے اپنے ٹھکانے بنائے ہوئے ہیں۔ انہیں تکلفاً "جھونپڑی" کہہ دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، ان جھونپڑیوں میں کوئی چالیس پچاس کے قریب گھرانے ہیں اور ڈیڑھ سو کے قریب چھوٹے

بڑے بچے' چند ایک گھرانوں کو چھوڑ کر اکثریت کا پیشہ کچرا چننا ہے' جو کچرا انہیں چنتے وہ دن بھر گھوم پھر کر سستی سستی اشیاء فروخت کرتے ہیں جیسے غبارے' پلاسٹک کے کھلونے' ازار بند کے پیکٹ' موم بتیاں یا کھانے پینے کی چیزیں۔

سب سے پہلے خدمت خلق کے جذبے نے فہد اور عمیر کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا اور کچھ کچھ اس کی زد میں زنیرہ بھی تھی۔ یہ تینوں بیٹھے اپنے باقی چار ساتھیوں کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یار! وہ نہ تو نشئی ہیں نہ گداگر' بے چارے نیم دیہاتی سے غریب غرباء ہیں مزدوری تک تو بے چاروں کو ملتی نہیں' کوئی ہنر یہ لوگ جانتے نہیں' کچرا نہ چنتے تو خود بھی بھوکے مرتے' اپنے بچوں کو بھی مارتے۔ اپنے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی اسی دھندے میں لگا دیا ہے۔ وہ ماس کمیونیکیشن ڈیپارٹ کا عبدالواحد ہے نا وہ اپنی ٹیم کے ساتھ وہاں کا وزٹ بھی کر چکا ہے اور ان لوگوں سے بات چیت بھی' اگر ان غریبوں کی تھوڑی بہت امداد کر دی جائے جس سے یہ اپنا چھوٹا موٹا روزگار شروع کر لیں اور بچوں کو تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو تھوڑی سی زندگی ان کی بہتر ہو جائے گی اور ہماری لائف کا بھی تو کوئی مقصد ہونا چاہیے نا۔" فہد نے ایک لمبی تقریر جھاڑ دی تھی۔

سامعین کے چہرے بتا رہے تھے کہ اس تقریر دل پذیر سے متاثر ہوئے ہیں' کچھ دیر وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے پھر سب کی گردنیں اثبات میں ہل گئیں۔

"ٹھیک ہے۔" گردن ہلانے کے ساتھ ساتھ زبانیں بھی کھل سی گئیں۔ عبدالواحد کی سربراہی میں اس ٹیم نے کام کرنا شروع کر دیا۔ طالب علموں سے ہی چندہ جمع کیا گیا۔ ہر گھرانے کے سربراہ سے بات کی گئی کہ اگر اسے کچھ رقم دی جائے تو وہ کون سا کام شروع کرے گا؟ لوگوں کی اکثریت کچرا چننے سے بے زار تھی مگر مجبوری اور بھوک کے عفریت نے اس بدبودار دلدل میں انہیں پھنسا ہوا تھا' وہ اس سے نکلنا چاہتے تھے اور اپنے بچوں کو بھی نکالنا چاہتے تھے۔

انہوں نے چھوٹا موٹا سامان خرید کر بس اسٹاپوں پہ' بسوں میں اور ارد گرد فروخت کرنا شروع کر دیا۔ بچوں کے لیے اسی میدان میں ایک اوپن اسکول کھل گیا۔ بچوں کو ابتدائی تعلیم اور بنیادی اخلاقیات کے اسباق پڑھائے جا رہے تھے۔ ایک وقت میں چار سے پانچ طالب علم ایک ڈیڑھ گھنٹے کو آتے اور ان بچوں کے ٹیچر بن جاتے۔ ان کے علاوہ یونی کے کئی دوسرے طلباء بھی رضاکارانہ تعاون کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

ابھی پراٹھے کا پہلا نوالہ ہی لیا تھا اس نے جب زنیرہ آکر بیٹھی۔ پہلے اس نے اپنے لیے بھی پراٹھے کا آرڈر دیا پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کیا حال ہے؟" وہ مسکرائی۔

"تمہارے سامنے ہوں۔" ساغر نے کندھے اچکائے۔

"ہوں۔" زنیرہ نے گرم چائے کا گھونٹ بھرا "شکر ہے تمہیں بولنا تو آیا' تین ماہ پہلے جب تم آئے تھے تو اتنا کم بولتے تھے کہ گونگے ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔"

"گونگا ہونا بھی ایک طرح سے ٹھیک ہی ہے۔"

"کیوں؟"

"بقول خلیل جبران' جب تک انسان چپ رہتا ہے' وہ بند ہوتا ہے' جب منہ کھولتا ہے تو کھل جاتا ہے۔"

"تو؟ ایسی کیا مسٹری ہے زندگی میں جو ایکسپوز ہونے سے ڈرتے ہو۔" وہ کھاتی جا رہی تھی' بولتی جا رہی تھی' اس کی بے ساختہ بات سن کر ساغر یکدم خاموش ہو گیا۔

"ویسے تو ہر شخص کی ذات میں کچھ نہ کچھ اسرار ہوتے ہیں مگر ہر کوئی انہیں کھوج نہیں سکتا۔" اس کی خاموشی کا خیال کیے بغیر زنیرہ نے تبصرہ کیا۔

"ارے کچھ بولو نا' تم تو بالکل ہی خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔" وہ دوبارہ کہنے لگی۔

"ناشتہ ختم کرلوں پھر بولنا شروع کردوں گا۔"

"سوچ کر بولو گے۔"

"بول کر سوچنے سے بہتر ہے' انسان سوچ کر بولے۔" اس نے آخری نوالہ منہ میں رکھا اور چائے کا آخری گھونٹ بیا۔

زنیبو نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"تمہاری باتیں سن کر کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ تمہارے اندر کوئی لکھاری ہے' تم نے کبھی لکھنے کی طرف توجہ دی؟"

ساغر نے گڑبڑا کر اس خطرناک لڑکی کو دیکھا جو اس کے اندر تک جھانکنے کی کوشش کررہی تھی۔

"تم سب کے متعلق ایسے ہی اندازے لگاتی ہو؟"

"ہاں' سب کے متعلق میں کچھ نہ کچھ اندازے لگاتی ہوں اور میرے ستر فیصد اندازے درست نکلتے ہیں۔"

"پھر تو ڈرنا چاہیے تم سے۔"

"بالکل' پھر کب سے ڈرنا شروع کروگے؟"

"کر بھی دیا۔" ساغر بہت محظوظ ہو رہا تھا۔ اس کی باتوں سے۔

"میرے ابو کہتے ہیں کہ میں بہت اچھی قیافہ شناس ہوں۔" زنیبو نے اپنی ایک اور خوبی بتائی۔

"تو قیافہ شناس صرف دوسروں کے بارے میں ہی قیافے لگاتے ہیں یا اپنے بارے میں بھی کچھ بتاتے ہیں۔" ساغر پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"اپنے بارے میں زیادہ گفتگو کرنا خود نمائی میں آجاتا ہے۔"

"دامن بچانے کا اچھا طریقہ ہے۔" ساغر مسکرایا تو وہ بھی ہنس پڑی۔

"واقعی کوئی بات ہے تم میں' ایسا کرو کہ ایک افسانہ لکھنے کی ٹرائی کرو۔"

"اب جب کہ تم مشورہ دے رہی ہو تو آگے بھی گائیڈ کردو۔ افسانے کا موضوع کیا ہونا چاہیے۔" ساغر نے خود پہ سنجیدگی طاری کی۔

"ارے واہ! جو بولے' سو کنڈی کھولے۔"

"بالکل' منہ کھولنے کی اتنی سزا تو ہونی چاہیے۔" مزے سے جواب ملا۔

"ویسے تو ہمارے اردگرد بھی موضوعات بکھرے پڑے ہیں لیکن پھر بھی اگر سمجھ نہ آئے تو اپنی لائف کا جائزہ لے لو' کوئی چھوٹا موٹا واقعہ' کوئی چھوٹا موٹا حادثہ۔" وہ ایک لمحے کو رک کر بولی۔

"میری زندگی میں سب بڑے بڑے واقعات اور حادثات ہیں' چھوٹا موٹا کوئی نہیں ہے۔" ساغر نے بظاہر مذاق مذاق میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ بیان کیا اور زنیبو ہنس پڑی۔

"پھر تو ایسا کرو' ان بڑے بڑے واقعات اور حادثات پہ ایک ناول لکھ لو۔" بولتے بولتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کلاس نہیں لینی کیا؟"

"بالکل لینی ہے اور پھر ناول کے آئیڈیے پہ بھی تو کام کرنا ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

زنیبو پھر ہنس پڑی۔ اس نے ساغر کا جواب واقعی بہت انجوائے کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ابا کی پیشانی حسب معمول شکن آلود اور لہجہ ڈانٹ سے بھرپور تھا۔

"فرصت نہیں ملتی بات کرنے کی؟"

"سگنلز کا بڑا مسئلہ ہو جاتا ہے اکثر' اسی لیے بس۔"

"چل چھوڑ دفع کر' یہ بتا' پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"بہت اچھی' کوشش کر رہا ہوں دوسرے سمسٹر کا رزلٹ پہلے سے بہتر ہو۔"

"اور وہ تمہاری خدمت خلق؟"

"ہاں' وہاں بھی سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے۔"

"تو نے کچھ لکھا؟ لوئے کھوتیا! اس میں چینی تو ڈھنگ سے ڈال دیتا۔" کافی کا گھونٹ لے کر وہ یقیناً شوکت پر چلائے تھے۔

"ڈاکٹر نے چینی کم کرنے کو کہا ہے ابا!" ساغر ان کے سوال کا جواب دینے کے بجائے فکر مندی سے بولا۔

"او بند کر یہ ڈاکٹری بکواس، اس کا بس چلے تو ہوا کھانے اور سانس لینے کا بھی کوٹہ مقرر کر دے میرا۔" اب کے وہ بیٹے پر برس پڑے۔

"کسی کی تو سن لیا کریں۔"

"میں صرف اپنے آپ کی سنتا ہوں اور بس۔" وہ دوٹوک لہجے میں گویا ہوئے۔

"ٹھیک ہے۔ ویسے بھی اب اس بڑھاپے میں تو آپ خود کو بدلنے سے رہے۔" ساغر گویا جل کر بولا تھا۔

"بڈھا ہو گا تیرا باپ، کھوتے دے پتر!"

"ابا! آپ نے خود کو ایک ساتھ دو القاب دے ڈالے، بڈھا بھی اور۔۔۔"

"اب۔۔۔"

"اف۔۔۔" ساغر نے اکتا کر موبائل ایک طرف رکھا۔ سگنلز کا نہ جانے کیا مسئلہ تھا، کبھی پورے نہیں آتے تھے۔ بات کرتے کرتے رابطہ ختم ہو جاتا تھا۔

پڑھتے پڑھتے دل اچاٹ ہوا تو ابا کو کال کر بیٹھا، وہ بھی ادھوری رہ گئی۔ اکتا کر وہ لائبریری چلا گیا چند کتابیں۔ اس نے سوچ رکھی تھیں ایشو کروا کر لے آیا۔ لکھنے کا موڈ نہیں بن رہا، پڑھنے کا ہی بن جائے۔

"ناول ہی لکھ ڈالو۔" زنیرہ کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ "آئیڈیا برا نہیں ہے ویسے۔" اس نے بے اختیار زنیرہ کو سوچا پھر یکدم وہ ٹھٹک گیا۔

"میں اس لڑکی کو کچھ زیادہ ہی نہیں سوچنے لگا۔"

کچھ راستوں کو اس نے سختی سے ممنوعہ قرار دیا ہوا تھا۔ خیالات کے بھٹکنے پر پہرہ لگایا ہوا تھا مگر سب حفاظتی تدابیر جیسے ناکارہ ہو چلی تھیں۔ ممنوعہ راستے منزل کا نشان بن کر خود پر چلنے کی دعوت دے رہے تھے۔ اس نے شروع سے ہی کو ایجوکیشن میں تعلیم حاصل کی تھی مگر اس سے پہلے کبھی کوئی لڑکی اس کے حواسوں پہ اس طرح اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔ زنیرہ نے جیسے اس کے دل پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے دماغ سے اسے جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا اور اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ آنے والے وقت میں وہ اپنے دل کے ہاتھوں کتنا بے بس ہونے والا ہے۔

ہاسٹل میں اپنے کمرے میں آیا تو عمیر خلاف توقع منہ لٹکائے بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا؟" ساغر نے جیب سے موبائل نکال کر چارج پر لگایا۔

"وہی یار، عنایہ کا مسئلہ۔"

"اب کیا ہو گیا؟" ساغر نے تکیہ سر کے پیچھے لگایا اور نیم دراز ہوا۔

"یہی تو مسئلہ ہے کہ کچھ ہو نہیں رہا۔ میرے امی، ابو دونوں ہی اڑے ہوئے ہیں، اپنی برادری، اپنے مسلک سے ہٹ کر کسی اور کے بارے میں سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں۔" عمیر جھنجلایا ہوا بھی تھا اور بے حد ناراض بھی۔

ساغر اس کا یہ روپ پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

"یار! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے گھر والے اتنے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہو کر بھی اس طرح کا ری ایکٹ کریں گے۔" عمیر کی بھوری آنکھوں میں کرب اتر آیا۔

ساغر نے تحیّر سے اسے دیکھا۔ "آر یو سیریس؟"

"آف کورس یار! میں سیریس ہوں عنایہ کے ساتھ، اس کے بغیر زندگی کا تصور کروں تو سانسیں رکنے لگتی ہیں میری، میری لائف کچھ نہیں ہے یار، صفر ہے صفر عنایہ کے بغیر، میری زندگی میں جتنے رنگ ہیں سب اس کی محبت کے دم سے ہیں۔" عمیر ایک جذب کے عالم میں بول رہا تھا۔

ساغر نے متاثر کن نظروں سے اسے دیکھا۔

"اتنی محبت ہے لڑکی سے تو گھر والوں کو راضی کر لو۔"

"ہاتھ پیر تک جوڑ لیے ہیں میرے بھائی، خود کشی کی دھمکی بھی دے چکا ہوں، کسی پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔ ان کا جو موقف ہے بس وہی درست ہے باقی سب غلط،

خاندان برادری ' مسلک ' یہ باتیں اہم ہیں ' انسان کی کوئی اہمیت نہیں ' میرے جذبات کی کوئی وقعت نہیں۔" اپنے جذباتی لہجے میں وہ تقریر کرتا چلا گیا۔

"تو بتا یار ' اگر تیرے گھر والے تیری محبت کو قبول کرنے سے انکار کردیں ' برادری ' خاندان اور مسلک کا نام لے کر تو تو کیا کرے گا؟ بغاوت یا سرنڈر؟" اچانک ہی توپوں کا رخ ساغر کی طرف ہوا تو وہ گڑبڑا گیا۔

"میں۔۔۔ شاید اس سے پہلے والا کام ہی نہ کروں۔" ساغر نے سنبھلتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پہلے والا کام۔۔۔؟"

"میرا مطلب ہے محبت۔۔ محبت ہوگی تو اس قسم کی سچویشن پیدا ہوگی نا ' بغاوت یا سرنڈر ' ٹائپ۔"

"کم آن یار ' محبت بھی کوئی سوچ سمجھ کر کرتا ہے ' یہ تو ہو جاتی ہے خود بخود ' جیسے۔۔۔ جیسے۔۔" عمیر کوئی مثال ڈھونڈنے لگا۔

"جیسے کھانسی ' نزلہ بخار ' بن بلائے اور ان چاہے مہمان۔" ساغر نے لقمہ دیا۔

"یار ' تجھے مذاق سوجھ رہا ہے۔ چل فرض کر تو اس طرح کی سچویشن میں پھنس جائے ' پھر بتا کیا کرے گا؟" عمیر نے اصرار کیا۔

"میرا خیال ہے کہ میں ایسی کسی سچویشن میں نہیں پھنسوں گا۔" ساغر نے نفی میں سر ہلایا۔

"ارے یار! فرض کر لے تجھے کسی سے محبت ہے اور۔۔۔" عمیر زچ ہوگیا۔

"محبت فرض کرنے سے نہیں ہوتی ' یقین کرنے سے ہوتی ہے۔"

"اف ' تجھ سے تو مغز ماری کرنا فضول ہے۔" عمیر اپنا لٹکا ہوا منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔

"دیکھو عمیر! تم خود کو یا اپنی سچویشن کو کسی بھی دوسرے شخص پہ اپلائی مت کرو ' اسے خود پہ اپلائی کرو ' اپنا فیصلہ کرو تو اپنے آپ کو دیکھو ' اپنے آپ کو کھوجو ' دوسرے کو مت ٹٹولو۔" ساغر نے سنجیدگی سے بولتے ہوئے اسے سمجھایا۔

"میرے اندر عنایہ بسی ہوئی ہے۔ میں خود کو جتنا ٹٹولتا ہوں ' دیکھتا ہوں اپنے اندر ' وہی ملتی ہے۔ میں اسے خود سے نہیں نکال سکتا۔" عمیر کا لہجہ بے بس سا ہوگیا۔

"محبت میں شاید یہی ہوتا ہے ' اپنے اندر باہر ایک ہی شخص نظر آتا ہے اور کچھ نہیں۔" ساغر نے خود کو کہتے سنا۔

"تھوڑا ویٹ کر لو ' ہو سکتا ہے کوئی راستہ نکل آئے۔" ساغر نے خود کو بے اختیار لمحے کی گرفت سے نکال کر سنبھلتے ہوئے عمیر کو مشورہ دیا۔

"اس کے رشتے آرہے ہیں یار! وہ کب تک اور کیسے اپنی فیملی کو ٹالتی رہے گی۔"

"تم ایسا کرو ' زنیرہ سے شیئر کرو ' ہو سکتا ہے ' وہ تمہارے کچھ کام آجائے۔"

"ہیں؟ سچ؟ کیا وہ میری ہیلپ کر سکتی ہے؟" عمیر کا بجھا ہوا چہرہ امید سے کھل اٹھا۔

"میرا خیال ہے ہاں ' دراصل وہ مشورے اچھے دیتی ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسا کار آمد مشورہ دے دے جو تمہارے کام آئے۔"

"تھینک یو ' تھینک یو یار ' میں زنیرہ سے پوچھتا ہوں ' کیا پتا وہ واقعی کوئی اچھا مشورہ دے دے۔" عمیر اسے تشکر سے دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

تصویر میں رنگ بھرتے بھرتے اچانک ہی اس کا دل اچاٹ ہو گیا۔ دراصل اسے بہت تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ آج کا دن بہت مصروف اور تھکا دینے والا تھا۔ پھر تصویر بھی مکمل کرنے لگی حالانکہ وہ اب آخری مراحل میں تھی پھر بھی اس کا دل چاہ رہا تھا ' ذرا دیر کا وقفہ لے لے۔

جلدی جلدی کام ختم کرنے کے چکر میں کام خراب نہ ہو جائے کہیں ' ماہ نور نے برش رکھا اور تنقیدی نظروں سے تصویر کا جائزہ لیا۔

"اب آخیر کا کام آرام سے کروں گی ذرا ٹھہر کر۔" سوچتی ہوئی وہ باہر صحن میں نکل آئی۔ یہ بہت بڑا

صحن تھا جس کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا گول تالاب بھی تھا۔ کبھی اس میں پانی اور بطخیں ہوا کرتی تھیں، اب نہ بطخیں تھیں نہ پانی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آئی اور تالاب کی منڈیر پہ بیٹھ گئی۔ یہاں دھریک کی گھنی چھاؤں بھی تھی۔ پورے صحن میں دھوپ بھی پھیلی ہو تو یہاں وہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں اور درخت کی چھاؤں میں بیٹھ جاتی تھی۔ خالی تالاب میں خشک پتوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ملازمہ بس جلدی جلدی دو چار ہاتھ مار کر چلی جاتی تھی۔

"صحن کا کیا حال ہو رہا ہے۔" ماہ نور اپنے خیالات میں غلطاں تھی، اسے احساس بھی نہ ہوا کہ کوئی دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے قریب آن کھڑا ہوا ہے۔

"کیا ہوا، یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" فہد کی آواز پہ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"یوں ہی ذرا تھکن محسوس ہو رہی تھی تو یہاں آگئی۔" اپنی لانبی انگلیوں والے سانولے ہاتھوں کو دیکھنے لگی جن پر مختلف رنگوں کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔

فہد تھوڑا فاصلہ چھوڑ کر خود بھی تالاب کی منڈیر پر ٹک گیا۔ اسے یہاں آتے ہوئے تقریباً" چھ ماہ ہو گئے تھے۔ اب جا کر اتنا ہوا تھا کہ ماہ نور اس سے دو چار باتیں کر لیتی یا اس کے سوالات کے جواب دے دیتی۔

"تم عموماً" بچوں کو ہی پینٹ کرتی ہو، کیوں؟"

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ بچوں کو پینٹ کرنے سے انسان معصومیت اور سچائی کو دریافت کر سکتا ہے شاید اسی لیے۔۔۔"

"کیا بڑوں میں معصومیت اور سچائی نہیں ہوتی؟"

"ہوتی ہے، کچھ لوگوں میں بھی ہوتی ہے مگر بچوں جیسی بھرپور نہیں ہوتی۔ مصلحتوں، مجبوریوں اور مفادات کی دھند میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔"

"کتابیں پڑھتی ہو؟"

"میں کہانیاں پڑھتی ہوں۔"

"کہانیاں، کتابوں میں ہی تو ہوتی ہیں۔"

"کہانیاں، زندگیوں میں بھی ہوتی ہیں، چہروں پر بھی رقم ہوتی ہیں۔"

"چہرے پڑھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔"

"ماہر نہیں ہوں، بس تھوڑی بہت کوشش کر لیتی ہوں پڑھنے کی۔"

"میرا چہرہ پڑھا؟"

"تمہارے چہرے سے زیادہ آنکھیں بولتی ہیں۔"

"کیا۔" فہد کے لہجے میں زمانے بھر کا شوق اور تجسس ابھر آیا۔

"ایسی باتیں جو تمہیں کہنی نہیں چاہئیں، مجھے پڑھنی نہیں چاہئیں۔"

ماہ نور اٹھ کھڑی ہوئی، اسے اب پتا چلا۔ تھا کہ اس کی تھکن جسمانی نہیں ذہنی ہے، کچھ دنوں سے ایسا ہونے لگا تھا کہ جب جب فہد اس کے ساتھ ہوتا اس کے دماغ پر بوجھ بڑھ جاتا شاید دل پر بھی۔

"یہ شخص روزانہ کیوں چلا آتا ہے؟" یہ سوال وہ خود سے پوچھتی اور جو جواب اسے ملتا اسے جھٹلانے کی کوشش کرتی۔

اندر آئی تو ماسٹر صاحب بدستور اپنا کام کرتے ملے۔

"تم کہاں چل دیتی ہو، تھکن لگانے؟" سوال کے دوران اسٹروک لگاتا ان کا ہاتھ نہیں رکا تھا۔

"یہیں تھی۔" ماہ نور نے مختصر جواب دے کر اپنا برش اٹھا لیا۔

"آج کل نظر نہیں آرہیں تم یہیں۔" انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں طنز کرتے ہوئے آخری لفظ پر زور دیا۔

ماہ نور نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر فہد کو۔

راہوں سے بھٹکانے والے، راہوں میں کیوں آجاتے ہیں؟

وہ خاموشی سے اپنی تصویر میں رنگ بھرنے لگی۔

"میاں صاحبزادے! تم سیکھنے آتے ہو یہاں، فن پہ اور استاد پہ توجہ دو، بس۔" انہوں نے فہد کو بھی جھاڑ دیا۔

وہ این سی اے کا طالب علم تھا۔ وہاں کے چند

اساتذہ فاروق احمد کے دوستوں میں سے تھے۔ وہ کبھی کبھار اپنے طالب علموں کا گروپ ان کے پاس بھیجتے تھے' فاروق احمد کے دروازے سب کے لیے کھلے تھے مگر کم ہی طلبا تھے جو ان کا مزاج سہار سکتے۔ اکثریت چند ہفتوں میں ہی بھاگ لیتی تھی۔ فہد عنایت اپنے گروپ کے ساتھ چھ ماہ پہلے آیا تھا۔ اب یہ اکیلا ہی بچا تھا جو ٹکا ہوا تھا۔ استاد کی تلخ مزاجی کو وہ شیریں گھونٹ سمجھ کر پی جاتا۔

ماہ نور کا حوصلہ شکن رویہ بھی اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نہیں روک سکا تھا۔ وہ دراصل بے بس ہو گیا تھا۔ ماہ نور کے معاملے میں خود اس کا اپنا دل اس کے مد مقابل ڈٹ گیا تھا۔ اسے ماہ نور اچھی لگی' لگتی رہی اور پھر یہ پسندیدگی محبت کے درجے تک جا پہنچی۔ ماہ نور کا پس منظر' اس کی فیملی' اس کا گھر' علاقہ' کوئی بھی اسے روک نہیں سکا ماہ نور سے محبت کرنے سے اور ماہ نور اس بات کو جان گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ فہد اپنے دل کی سنے۔ مشکل یہ تھی کہ اس کا اپنا دل فہد کو روکنے سے باغی ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
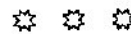
ایک ساتھ دو مسئلوں کا سامنا تھا۔ سب سے پہلے تو ان کے "فروغ تعلیم" کے پروجیکٹ کو دھچکا لگ رہا تھا۔ جس چھوٹی سی جھونپڑ پٹی میں وہ سب پڑھانے جا رہے تھے' وہاں کی چند عورتوں کے بارے میں سننے میں آیا کہ وہ غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ "غیر اخلاقی سرگرمی" کی اصطلاح چند طالبات نے استعمال کی تھی ورنہ جو ذرا منہ پھٹ تھیں' وہ سیدھا سیدھا انہیں جسم فروشی کا نام دے رہی تھیں۔ خدا جانے سچ تھا یا گپ' افواہ تھی یا حقیقت مگر لڑکیاں تو اس سچ یا افواہ کے پھیلتے ہی بدک گئی تھیں۔

"گھر والوں کو بھنک بھی پڑ گئی تو پڑھانا تو دور کی بات ہماری اپنی پڑھائی بند ہو جائے گی۔" تقریباً" سب ہی طالبات نے وہاں جانا اور پڑھانا چھوڑ دیا تھا۔ بس ایک زنیو اور ماس کمیونیکیشن ڈپارٹ کی منتہا عارفین تھی جو شاید پوری یونی کی سب سے مشہور اور متحرک شخصیت تھی۔ اسے ان سب باتوں سے چاہے وہ سچ ہوں یا گپ کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اب زنیو اپنے گروپ کی لڑکیوں کو قائل کرنے کی کوششوں میں لگی ہوئی تھی۔ مگر کوئی قائل ہو کر ہی نہیں دے رہی تھی۔

"عزت کی بات ہے یار! تم خود سوچو' کسی نے سن لیا تو کیا امپریشن پڑے گا۔ لڑکیوں کی عزت تو ویسے ہی نازک ہوتی ہے۔"

"ایک تو یہ لڑکیاں اور ان کی عزتیں۔" زنیو نے جھنجلا کے انہیں گھورا۔ "ساری عزت تم ہی لوگوں کی ہوتی ہے' لڑکوں کی کوئی عزت نہیں ہوتی؟ جسے خطرات لاحق ہوں' آخر وہ بھی تو جا رہے ہیں پڑھانے۔"

"ہمارے معاشرے میں مرد کی عزت کالی چادر ہوتی ہے۔ کوئی داغ دھبہ لگ جائے' نہ پتا چلتا ہے نہ فرق پڑتا ہے' لڑکیوں کی عزت سفید چادر ہوتی ہے۔ اتنا سا بھی داغ دھبہ دور سے ہی نظر آجاتا ہے۔" وہ لوگ قائل ہونے کے بجائے دلائل دے رہی تھیں' زنیو کو غصہ آرہا تھا۔

"تم لوگ اپنی کالی' سفید چادروں سمیت دفعان ہو جاؤ یہاں سے' میں کچھ اور مینیج کرلوں گی۔" اس نے انگلی اٹھا کر حکم صادر کیا۔

ان سب کو ویسے بھی کلاس اٹینڈ کرنی تھی' سب ہی کھڑی ہو گئیں۔ اب صرف زنیو' عمیر اور ساغر تھے۔

"تم کیوں ناکام عاشق کا حلیہ بنا کر گھوم رہے ہو' کیا ہوا؟" وہ عمیر کی طرف متوجہ ہوئی جو پچھلے ایک ہفتے سے بڑھی ہوئی شیو میں گھوم رہا تھا۔ جینز بھی شاید ایک ہفتے سے نہیں بدلی تھی۔

عمیر نے دردناک' حسرت ناک اور اس طرح کے جتنے بھی ناک ہوتے ہیں۔ ان سے بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پھر شروع ہو گیا۔ الف سے لے کر یے تک اپنی داستان محبت سنا کر وہ چپ ہوا تو ایسا لگ رہا تھا

کہ بس اب رویا کہ تب رویا۔

"تمہیں پتا نہیں تھا کہ تمہارے گھر والے کیسے ہیں؟ کن خیالات کے ہیں؟ کیا ضرورت تھی پھر غیر برادری میں محبت کرنے کی۔" زنیرہ نے پہلے تو اسے جھاڑا۔

"میں نے کوئی پلاننگ سے کی تھی محبت 'بس ہو گئی خود بخود۔" وہ جھنجلایا۔ مشورہ دینے کے بجائے اعتراض کر رہی ہے۔

"حل بتاؤ کوئی 'مشورہ دو میں کیا کروں؟"

"اس جنجال میں پھنسنے سے پہلے مشورہ کرنا تھا نا' اب تو تمہیں اپنے مطلب کا مشورہ چاہیے ہو گا۔"

"چھوڑنے کا مت کہنا' میں عنایہ کو چھوڑ نہیں سکتا۔" عمیر نے جھٹ اس سے کہا۔

"امی' ابو کے معاملات اور فیصلوں پہ کون اثر انداز ہو سکتا ہے گھر میں' ہے کوئی ایسا۔؟"

"ہاں' ہیں تو بڑی آپا۔ ان کی بہت چلتی ہے گھر میں' اپنی بات منوا بھی لیتی ہیں امی' ابو سے۔" عمیر نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھو' اسٹوڈنٹ لائف کی محبت کو گھر والے عموماً "سیریس نہیں لیتے۔ تم ایجوکیشن کمپلیٹ کر کے جلد از جلد اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کی کوشش کرو تاکہ تمہاری پوزیشن کچھ اسٹرونگ ہو اور جب تک اپنی آپا کو پٹاؤ تاکہ امی' ابو کے رویے میں کچھ لچک آئے۔"

"پٹا تو لوں گا آپا کو مگر کافی رقم خرچ کرنی پڑے گی ان پر۔"

"تو کرو' انہیں اپنی مٹھی میں لینے کے لیے جتنا خرچا کرنا پڑے' کرو۔"

"رقم کے بندوبست کے لیے تو پارٹ ٹائم جاب کرنی پڑے گی۔" عمیر کا چہرہ بے چارہ بے چارہ سا ہو رہا تھا۔

"تو؟" زنیرہ نے بھنویں اچکا کے اسے گھورا۔

"محبت میں جان دینے کو تیار ہو' پارٹ ٹائم جاب کرنے میں جان نکل رہی ہے۔"

"طنز مت کرو۔ پڑھائی بھی کروں گا' جاب بھی کروں گا' محبت کے لیے سب کچھ کروں گا۔" وہ پھر جذباتی ہو گیا۔

"محنت بھی کرنا تاکہ رزلٹ اچھا آئے' اسی پہ تمہارے فیوچر کا دارومدار ہے' اب جاؤ اور جا کر کلاس اٹینڈ کرو۔"

☼ ☼ ☼

"میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ الف مد آ سے ہمیشہ آم ہی کیوں ہوتا ہے' آسمان بھی تو ہو سکتا ہے۔ الف سے ہمیشہ یا تو کوئی جانور ہو گا یا کوئی پھل' امی' ابو بھی تو ہو سکتے ہیں ہیں نا؟" واپسی پر پیدل چلتے ہوئے وہ ساغر سے مخاطب تھی۔

"کیا کہنے آپ کی سوچ کے' ابتدائی قاعدے بچوں کا ذہن سامنے رکھ کر لکھے جاتے ہیں' آپ کی سوچ کے مطابق نہیں۔"

"آسمان یا امی ابو بچوں کے فہم سے آگے کے نام تو نہیں۔" زنیرہ نے اپنی بات پر اصرار کیا۔

"اگر میں نے بھی بچوں کے لیے کوئی قاعدہ لکھا تو تمہارے یہ زریں خیالات ضرور اپنے دماغ میں رکھوں گا۔" ساغر نے دلچسپ مسکراہٹ کے ساتھ اسے یقین دلایا۔

"مذاق اڑا رہے ہو؟" اس نے مشکوک نظروں سے ساغر کو دیکھا۔

"میری کیا مجال؟" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان چھوئے۔

"ویسے میں تمہاری ہمت اور حوصلے کی داد ضرور دوں گا' ساری لڑکیاں بھاگ لیں لیکن تم اور مس عارفین اپنے محاذ پر ڈٹی ہوئی ہو۔" ساغر کے لہجے میں سچائی تھی' تحسین تھی ان دونوں کے لیے۔

"اب ایسی بھی کوئی توپ نہیں چلائی ہم نے۔" ایک لمحے کو وہ جھینپ گئی۔

"دراصل اپنی فیملی جب سپورٹ کرنے والی ہو تو اس طرح کا اسٹیپ لینا ایک لڑکی کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ میں نے امی ابو دونوں کو اعتماد میں لیا ہوا ہے'

ہر بات انہیں بتاتی ہوں' میری ساری روٹین ان کے علم میں ہوتی ہے جب میں نے ان خواتین کے بارے میں بتایا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں چند عورتوں کی وجہ سے اتنے سارے لوگوں کے خواب نہ توڑوں' تم نے دیکھا ہے نا کہ اب بچوں کے ساتھ ساتھ ان کے والدین بھی کتنی دلچسپی لے رہے ہیں تعلیم میں۔" بات کرتے کرتے وہ اچانک ساغر سے مخاطب ہوئی۔

"ہاں یہ تو ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

"پھر ابو نے یہ بھی کہا کہ ابھی تو کنفرم بھی نہیں کہ یہ واقعی سچ ہے یا کچھ لوگوں نے محض افواہ پھیلائی ہے تاکہ علم کا جو ننھا سا دیا ہم وہاں جلانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ نہ جلے۔"

"تو یہ بات ہے۔ تمہارے پیچھے تمہاری فیملی کی طاقت ہے۔ جس نے تمہیں بہادر بنایا ہوا ہے۔"

"بالکل!" زنیرہ مسکرائی۔

ساغر نے اسے مسکراتے دیکھا اور لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ جواباً" مسکرا نہیں سکا' اس نے ایک گہری سانس لی اور لب بھینچ لیے۔ فیملی کی طاقت انسان کو کتنا مضبوط اور پر اعتماد بنا دیتی ہے۔ زنیرہ کا پرسکون اور پر اعتماد چہرہ دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔ چند لمحوں کے لیے وہ اچانک ہی یاسیت میں گھر گیا تھا۔

"دو ماہ بعد میری بہن کی شادی ہے۔" زنیرہ اپنی ہی دھن میں بول رہی تھی۔

"اوہ' مبارک ہو۔"

"تم سب کو بلاؤں گی میں' آنا ضرور۔" میں نے باقی سب کو بھی تاکید کر دی ہے۔"

"آؤں گا' میں ضرور آؤں گا تمہارے گھر۔" ساغر نے بے ساختہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

شادی' ہال میں ہے' گھر پہ نہیں۔" زنیرہ نے مسکراہٹ لبوں میں دبائی۔ اس کے برابر میں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ کتنی اچھی لگ رہی تھی۔

"تم اتنی اچھی ہو کہ کسی بھی دل میں اپنی رفاقت کی تمنا جگا سکتی ہو۔" وہ بہت دھیرے سے بڑبڑایا تھا۔

"کیا بول رہے ہو منہ ہی منہ میں' کچھ بھی سمجھ نہیں آیا۔ اوپر سے یہ ٹریفک کا شور۔" زنیرہ نے دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھے۔

"کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا نہ کہنا اور نہ سننا ہی بہتر ہوتا ہے۔" ساغر کی نگاہوں میں حسرت سمٹ آئی۔

"جو بات دل میں ہو کہہ دینی چاہیے۔ نہ کہنے سے دل کا بوجھ بڑھ جاتا ہے۔"

"اور کہہ دینے سے زندگی کا بوجھ بڑھ جاتا ہے۔"

وہ دونوں چلتے چلتے رک گئے' یہاں سے دونوں کے راستے الگ الگ ہو جاتے تھے' زنیرہ کو گھر جانا تھا اور ساغر کو ہاسٹل۔

"اوکے' کل ملتے ہیں پھر خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

☼ ☼ ☼

ہنڈیا بھونتے بھونتے اس نے ذرا سا پانی کا چھینٹا مارا اور دو چمچ دہی اس میں ڈال دی۔ مسالا اچھی طرح بھون کر اس میں گوشت ڈالا اور دو گلاس پانی ڈال کر مناسب آنچ پر گلنے کے لیے چھوڑ دیا۔

آج صاحب کے مہمان آ رہے تھے' خصوصی مہمان' جن کے اعزاز میں دو تین کھانے پک رہے تھے۔

"آج تو کھل کر بدپرہیزی ہو گی بڑے میاں کی۔" بریانی کو دم لگاتے ہوئے اس نے خود کلامی کی پھر موبائل اٹھا کر میسج چیک کیا۔ جو آیا ہوا تھا اس کا جواب دیا اور سلاد بنانے لگا۔

نو بج گئے تھے اور مہمان کا کچھ اتا پتا نہ تھا۔

"کب آئیں گے مہمان' صاحب!" ڈرتے ڈرتے سوال کیا تھا۔ بڑے صاحب سے کچھ پوچھنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا تھا۔

"کھانا لگا دے۔" خلاف توقع مختصر جواب ملا۔

"مہمان تو آئے نہیں اب تک۔"

"تجھ سے مطلب' جو کہا ہے وہ کر۔" صاحب غرائے۔ شوکت کان لپیٹے کچن میں سٹک گیا۔

"یہ کیا بچوں والی حرکت کی آپ نے؟" دوسرے شہر سے ان کی جھنجلائی ہو رہی تھی۔

"وہ بے غیرت اب مخبری بھی کرنے لگا۔" ابا کو چند لمحے ہی لگے تھے بات سمجھنے میں۔

"مخبری کی کیا بات ہے؟ میں خبر رکھتا ہوں آپ کے کھانے پینے کی' ڈاکٹر نے سختی سے پرہیز کرنے کو کہا ہے۔ آپ نے دعوت کے نام پہ سارے وہی کھانے پکوا کے کھائے۔" ساغر بہت خفا ہو رہا تھا ان سے۔

"دفع کرو ڈاکٹروں کو اور ان کے پرہیز کو' دو ہفتے سے ابلی سبزیاں اور دال کھا کھا کر فوت ہونے والا تھا میں ہم لوگ ایویں فکر نہ کیا کرو میری' جب میرا وقت آئے گا تب ہی مروں گا' اس سے پہلے نہیں۔" انہوں نے ساغر کو جھاڑ دیا۔

"ہاں' ایک ہم ہی ہیں جو وقت سے پہلے ہی مر گئے ہیں۔" ساغر نے ناراضی سے فون آف کر دیا۔

"اوئے شوکت بے غیرت' یہاں آ۔" اب ان کا سارا عتاب شوکت پہ نازل ہونے والا تھا ہمیشہ کی طرح۔

☼ ☼ ☼
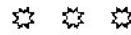
"بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو۔ میرے گھر میں ایسا کوئی ہے ہی نہیں جو میرے فیصلے سے ڈس ایگری کرے۔ پیرنٹس فوت ہو گئے ہیں۔ آپا ہیں' آپا جان ہیں' دونوں کی شادیوں کو عرصہ ہو چکا ہے۔ ان کے بچے مجھ سے بس تھوڑے ہی چھوٹے ہیں۔ بڑے بھیا ہیں' وہ بھی میریڈ ہیں۔ دیکھو ہمارے ہاں سب لوگ ایجوکیٹڈ اور بہت لبرل ہیں۔ کسی کو کوئی اعتراض ہو گا بھی تو میں منا لوں گا۔" تالاب کی منڈیر پر بیٹھا وہ خود بھی خواب دیکھ رہا تھا اور اسے بھی دکھا رہا تھا۔

"اتنی خوش فہمیاں نہ پالو۔" ماہ نور اس کے ہمراہ ہونا بھی چاہتی تھی اور خوف زدہ بھی تھی۔

"یہ خوش فہمیاں نہیں' خواب ہیں۔"

"خواب کبھی سراب بھی بن جاتے ہیں' دھوکے کے سوا کچھ نہیں دیتے۔"

"انسان کو آپٹی مسٹک ہونا چاہیے۔ ہر معاملے کی ڈارک سائیڈز نہ دیکھا کرو' کچھ اچھا بھی سوچ لیا کرو۔"

"جب کچھ اچھا ہو جائے گا تو سوچ لوں گی۔ اچھا۔" وہ دل گرفتہ سی کھڑی ہو گئی۔

"تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ تم خوش کیوں نہیں ہونا چاہتیں؟"

"اس لیے کہ میں تمہاری طرح نہ بے وقوف ہوں نہ پاگل۔" وہ وہاں سے چل دی۔

☼ ☼ ☼

آخری پیپر کا بوجھ سر سے اترا تو سب نے ہی سکون کا سانس لیا تھا۔

"آج تو ڈٹ کے کچھ کھاؤں گا' شکر ہے پیپرز کی ٹینشن ختم ہو گئی۔" عمیر بہ آواز بلند شکر ادا کر رہا تھا۔

"تمہاری سب سے بڑی ٹینشن بھی تو ختم ہو گئی۔" عادل نے اسے چھیڑا۔

"ہاں یار! اس پر تو شکرانے کے نوافل ادا کیے تھے میں نے۔" عمیر نے ایک گہری سانس لی۔ پچھلے ماہ ہی اس کا رشتہ طے ہو گیا تھا عنایہ کے ساتھ۔

"دعائیں تو کروا لیں ہم سے' کام نکل گیا مگر ٹریٹ ابھی تک نہیں ملی' چائے سموسے ہی کھلا دو۔"

"ارے یار' تو چائے سموسے کی بات کر رہا ہے میں اچھا سا ڈنر کرواؤں گا تم سب کو بس تھوڑا سا انتظار۔" ان سب کی آوازیں لحہ بہ لحہ دور ہوتی جا رہی تھیں۔ زنیرہ فائل گود میں رکھ کر بیٹھی تھی۔

"تم کیوں نہیں گئیں؟"

"یوں ہی' موڈ نہیں ہو رہا کچھ کھانے کا۔"

"موڈ کو کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں

آج کچھ بے سبب اداس ہے جی
عشق ہوتا تو کوئی بات بھی تھی

"کیا پتا عشق ہی ہو۔" ساغر کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

"عشق تو بہت آگے کی چیز ہے' ابھی تو اس سے پہلے کے مراحل بھی نہیں آئے۔" زنیرہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پتا ہے' میں پہلے اسلام آباد جا رہا تھا پڑھنے۔" ساغر نے موضوع بدل دیا۔

"اچھا' پھر یہاں کیسے آگئے؟"

"بس' میرے دل نے کہا کہ مجھے کراچی جانا چاہیے۔ سو میں یہاں آگیا اور اچھا ہی ہوا کہ یہاں آگیا۔"

"اچھا کیسے ہوا؟"

"یہاں نہ آتا تو تم سے ملاقات کیسے ہوتی۔"

"جنہیں ملنا ہو' وہ کہیں بھی مل جاتے ہیں اور جنہیں نہ ملنا ہو وہ مل کر بھی نہیں ملتے۔" زنیرہ آزردہ سی تھی۔

"میرا دل چاہ رہا ہے' تمہیں لطیفے سناؤں۔"

"کیوں؟"

"تمہیں ہنسانے کے لیے۔"

"اوہ' ضرور' میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

"یہی تو ستم ظریفی ہے' مجھے لطیفے یاد نہیں رہتے۔"

"تمہیں معلوم ہے' لطیفے کن لوگوں کو یاد نہیں رہتے؟ وہ جو اپنے اندر اداسی کا ایک سمندر رکھتے ہیں۔" زنیرہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ ساغر کو ایسا لگا جیسے اس کی نگاہیں اندر تک اتر کر اس کے بارے میں سب کچھ جان رہی ہوں۔

"تمہیں یاد رہتے ہیں لطیفے؟" اس نے زنیرہ سے سوال کیا۔

"ہاں' میں لطیفے شوق سے پڑھتی ہوں اور مجھے یاد بھی رہتے ہیں اور مجھے یہ بھی یاد ہے کہ تم ہمیشہ ٹاپک بدل دیتے ہو جب۔۔۔"

"جب؟"

"جب تمہیں لگتا ہے کہ تمہاری ذات کا کوئی روزن' کوئی دریچہ کسی کے سامنے کھلنے والا ہے۔" زنیرہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"کبھی کبھی تو مجھے تم سے بہت ڈر لگتا ہے۔" ساغر نے اپنی آنکھوں میں یکدم امڈ آنے والے خوف کو چھپانے کے لیے ہنسنا چاہا' مگر ناکام رہا۔

"مجھے بھی تم سے بہت ڈر لگنے لگا ہے ساغر!" وہ اپنی فائل اور بیگ سنبھالتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔

ساغر نے سر اٹھا کر اسے ایسی نظروں سے دیکھا جن میں بیک وقت خوف بھی تھا اور جرات بھی' مایوسی بھی تھی اور امید بھی۔ اسے ایک لمحے کو یوں لگا جیسے اس وقت پوری کائنات میں موجود ہر سیارے' ہر کرے کی گردش اور ہر شے کی حرکت تھم چکی ہے سب کچھ فنا ہو چکا ہے۔ چاروں طرف خلا ہے اور اس کے اندر زنیرہ کی محبت کا سمندر بپھر کر ساحلوں سے سر پٹخ رہا تھا۔

"زنیرہ!" وہ خلا میں بے وزنی کی کیفیت میں تھا اور آواز دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیا خلا میں آواز ہوتی ہے؟

"مجھے اپنے آپ سے بھی بہت ڈر لگنے لگا ہے۔" زنیرہ ایک لمحے کو رکی پھر چلی گئی۔

ساغر' خلا سے جیسے واپس زمین پر آگیا' بے وزنی کی کیفیت ختم ہوگئی اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

زندگی اور اپنا آپ' دونوں ہی بوجھ معلوم ہو رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

محبت تو بہت آرام سے ہوگئی تھی مگر جب اس محبت کو اپنانے کے لیے عملی قدم اٹھانے کا وقت آیا تو قدم من من بھر کے ہونے لگے تھے۔ ارادہ تو یہی کر کے آیا تھا کہ آپا جان سے حال دل کہہ ڈالے گا' نہ صرف حال دل بلکہ صاف صاف فیصلہ سنا دے گا کہ "شادی کرے گا تو صرف ماہ نور سے' زندگی گزارے گا تو صرف اسی کے ساتھ' ورنہ۔۔۔"

"ورنہ کیا؟" آپا نے ساری بات سن کر بڑے تحمل سے سوال کیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" فہد نے خفت زدہ ہو کر سر جھکا لیا۔ پھر ایک ہی بار ہمت کر کے اس نے اپنی محبت اور اس

کے ساتھ جڑے سارے سچ بتا دیے ' بڑی آپا کی آنکھیں حیرانی سے پھیلتی چلی گئیں۔

"اف میرے خدایا! فہد کے بچے ' اتنی بڑی دنیا میں تمہیں کوئی اور لڑکی نہیں ملی محبت کرنے کے لیے۔"

"محبت بھی نصیب سے ہوتی ہے۔ جو میرے نصیب میں ہے ' اسی سے پیار ہو گیا۔" فہد نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ اسے ایسے شدید ری ایکشن کی توقع نہیں تھی۔

"پھر بھی بندہ کچھ تو دیکھ ہی لیتا ہے ' کچھ تو سوچ ہی لیتا ہے ' تم تو سیدھے گڑھے میں جا کر گر گئے۔"

"آپا!" اس نے احتجاج کیا۔ "اپنی فیملی اور اس ماحول سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں۔ وہ تو اتنی اچھی آرٹسٹ ہے ' بہت خالص لڑکی ہے وہ ' آپ مل کر تو دیکھیں اس سے۔"

"ملنا تو دور کی بات ' مجھے تو سوچتے ہوئے بھی گھن آ رہی ہے۔"

"آپ اتنی پڑھی لکھی ہو کہ ایسی باتیں کر رہی ہیں۔" فہد نے افسوس سے انہیں دیکھا۔

"پڑھا لکھا ہونے کا یہ مطلب نہیں ہم اپنی اقدار فراموش کر دیں ' ساری اخلاقیات بالائے طاق رکھ دیں۔ دنیا والوں کا بھی تو سامنا کرنا ہے ' کیا تعارف کراؤ گے اس کا کیا بیک گراؤنڈ بتاؤ گے؟"

"وہ بذات خود ایک باصلاحیت آرٹسٹ ہے ' یہی کافی ہے۔ کسی کو کیا اس کے بیک گراؤنڈ سے۔" فہد جز بز ہو رہا تھا اسے آپا سے اس طرح کی باتوں کی توقع نہیں تھی۔

"بچوں جیسی باتیں مت کرو۔" انہوں نے جھڑک کر کہا۔ "کہیں بھی شادی بیاہ کرو ' لوگ بال کی کھال نکالتے ہیں۔ دس طرح کے سوالات کرتے ہیں۔ لوگ کیا کہیں گے ' کوئی لڑکی نہیں ملی تمہیں ' لائے بھی تو ایسی جگہ سے جہاں کا سوچ کر ہی شریف لوگ اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیں۔"

"آپا! پلیز ' آپ مجھے بہت ہرٹ کر رہی ہیں۔" فہد کا چہرہ اہانت کے احساس سے سرخ ہونے لگا تھا۔

"میں تمہیں ہرٹ نہیں کر رہی حقیقت بتا رہی ہوں ' وہ حقیقت جس کے بارے میں تم نے سوچنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ تمہیں کیا لگتا ہے تم ہر بات کو نظر انداز کر کے جیسے تیسے اس سے شادی کر لو گے تو کیا شادی کے بعد وہ اپنی فیملی سے سارے رشتے توڑ لے گی۔ اپنی سگی ماں اور سگے بہن بھائیوں سے ملنا چھوڑ دے گی۔ اپنے بچوں کو ایسی ننھیال کا تحفہ دو گے تم ' تمہیں اللہ نے بیٹی دی تو اسے وہاں بھیجو گے؟ تمہارے بچوں کو پتا چلے کہ ان کی ماں کو اپنے باپ کا نام تک نہیں معلوم تو۔" وہ تو نان اسٹاپ شروع ہو گئیں۔

"آپا پلیز۔" فہد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس کی گلابی آنکھیں سرخ ہو کر دہکنے لگی تھیں۔ اس کا دل کٹ رہا تھا یہ سب سن کر۔

دنیا والے تو بعد میں کہیں گے جو کہیں گے پہلے تو گھر کے فرد نے ہی اسے سولی پہ ٹانگ دیا تھا۔

"کیا انسان اپنی پیدائش کے معاملے میں خود مختار ہے؟ اپنی مرضی کا مالک ہے کہ اسے کس جگہ ' کس کے گھر پیدا ہونا ہے ' ماہ نور کا کیا قصور ہے؟ وہ تو کیچڑ میں کھلا کنول کا پھول ہے ' اس کی پاکیزگی پہ صرف اس لیے پتھر برسائے جائیں کہ وہ اس غلاظت میں کیوں کھلی۔"

گھر واپسی پر پورے راستے وہ جانے کیا کیا سوچتا ہوا آیا۔ غم و غصے کے مارے اس کا برا حال تھا۔ خیر ابھی ابا اور بڑے بھیا کی صورت میں کچھ امید باقی تھی اور سب مخالف ہوں بھی تو کیا؟ وہ اپنے دل میں مصمم فیصلہ کر چکا تھا۔

★ ★ ★

زنیرہ گھر لوٹی تو عفرا آئی ہوئی تھی۔ شادی کے بعد وہ آج پہلی بار رکنے آئی تھی۔ زنیرہ کو بہت خوشی محسوس ہوئی۔ اسے شدت سے کسی دوست کی ضرورت تھی اور عفرا سے بڑھ کر کوئی دوست نہیں تھا ' وہ دونوں ایک دوسرے کی بہنیں ہی نہیں ' رازدار اور بہت اچھی دوست بھی تھیں۔

"تمہیں کیا ہوا؟ کتنی تھکی ہوئی ' عجیب سی ہو رہی ہو؟" عفرا نے اسے دیکھتے ہی فکرمندی سے سوال

کیا۔
"سمسٹر ہو رہے تھے نا! اسی کی ٹینشن اور تھکن ہے۔" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواز پیش کیا مگر عفرا مطمئن نہیں ہوئی۔
"تم نے کب سے ایگزامز کی ٹینشن لینی شروع کر دی۔"
"بس جب سے امتحان مشکل ہوئے ٹینشن خود بخود ہونے لگی۔" زنیرہ فریش ہونے جا رہی تھی جب اس نے پیچھے سے عفرا کی آواز سنی۔
"کون سے امتحان مشکل ہو گئے ہیں، تعلیم کے یا زندگی کے؟" اور جب رات میں سب کے سونے کے بعد ان دونوں کی باتیں شروع ہوئیں تو زنیرہ کے اندر سے ایک سمندر بہہ نکلا۔
"وہ ایک بالکل بند کتاب ہے، ہر کوئی تو اسے چھو بھی نہیں سکتا۔ اس نے اپنے اردگرد سنجیدگی اور سرد مہری کی اتنی بڑی بڑی دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں، صرف ہم چند لوگ ہیں جو ان دیواروں کو پھاند سکتے ہیں مگر وہ بھی ایک حد میں رہ کر مگر میں ان حدوں سے آگے نکل گئی اور وہ بھی یہی چاہنے لگا ہے۔"
"عفرا...!" اس نے اپنی بے حد بے بس نگاہیں اس پر مرکوز کیں۔
"میں نے بارہا خود کو بہلانے کی کوشش کی، جھٹلانے کی کوشش کی مگر میں ناکام ہو گئی، میں پاگل ہو گئی ہوں۔ میں گھر پر ہوں یا کہیں بھی، مجھے ایسا لگتا ہے وہ میرے ساتھ ساتھ ہے، مجھ سے باتیں کر رہا ہے، مجھے دیکھ رہا ہے اور مجھے لگتا ہے وہ میرے پاس ہی ہے میرے قریب۔ کبھی یہ تصور اتنا طاقتور ہو جاتا ہے جیسے میں اسے ہاتھ بڑھا کر چھو سکتی ہوں۔
ایسا کیوں ہو گیا ہے عفرا! تم تو جانتی ہو نا مجھے، میں کتنی پریکٹیکل تھی۔ مجھے رومانٹک فلمیں، ڈرامے اور کہانیاں کتنے فنی لگتے تھے، کتنا ہنستے تھے ہم دونوں ان سب باتوں پر اب مجھے رونا آنے لگا ہے۔"
اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔
"زونی!" عفرا نے اس کے کندھے تھام کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔
"تم اتنی ڈس ہارٹ کیوں ہو رہی ہو، یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے، زندگی میں ہر ایک کو کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی سے محبت ہو ہی جاتی ہے، تمہیں بھی ہو گئی، ٹھیک ہے کوئی بات نہیں۔"
"بات ہے۔" زنیرہ نے بھیگی آواز میں کہا۔ "بات یہ ہے کہ میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے تڑپ دیکھی ہے، شدت دیکھی ہے، مجھ سے زیادہ وہ کرتا ہے محبت مجھ سے، مگر اظہار کرنے سے خود کو روکتا ہے میں جانتی ہوں وہ کبھی اظہار نہیں کرے گا۔ اس کا چہرہ پڑھا ہے میں نے، وہ محبت کرے گا مگر اظہار نہیں کرے گا۔"
"کیوں؟"
"یہی تو نہیں جانتی۔" وہ بے بسی سے بولی۔
"بہت برا ہوا ہے میرے ساتھ، میں غلط سمندر میں اتر گئی ہوں، میں ڈوب جاؤں گی عفرا! مجھے لگتا ہے میں ڈوب جاؤں گی۔" اپنی بھیگی پلکیں خشک کر کے وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول رہی تھی
"اتنا نیگیٹو کیوں سوچ رہی ہو، کیا پتا آگے سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔ ہو سکتا ہے وہ ابھی اظہار نہ کرنا چاہتا ہو، خود کو اسٹیبلش کرنا چاہتا ہو، تم کچھ اچھا بھی تو سوچ سکتی ہو۔" عفرا اسے تسلیاں دے رہی تھی۔
"نہیں۔" زنیرہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں افراد اور معاملات کے متعلق کتنے درست اندازے لگاتی تھی مگر اپنے معاملے میں میرے اندر سے کوئی مجھے روکتا ہے۔ میرے اندر ایک کشمکش سی ہے۔ میں خود کو روکنا بھی چاہتی ہوں اور اسی سے محبت بھی کر رہی ہوں اور یہ محبت بھی عجیب محبت ہے، جس میں کوئی خوش رنگ خواب نہیں، کوئی سنہری تتلی نہیں نہ ہاتھوں میں جگنو، مجھے بے تحاشا رونا آتا ہے اور بس، کیسی محبت ہے یہ؟"
"زونی!" عفرا نے اس کا سر اپنے کاندھے سے لگا لیا اور اسے سہلانے لگی۔ "تم بہت زیادہ حساس ہو رہی ہو، نارمل رہو، نارمل سوچو اور بی ہیو کرو، ان شاء اللہ

سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تمہارے سامنے سب کچھ بول کر ریلیکس فیل کر رہی ہوں۔" زنیرہ نے اس کے کندھے سے سر ہٹایا اور لیٹنے کے لیے تکیہ ٹھیک کرنے لگی۔

سونے لیٹی تو نیند کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ زبردستی آنکھیں میچ کر وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

بڑی جلدی محبت کا تاج محل کھڑا کر لیا تھا اس نے اور اب اس میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئی تھیں۔ بات کا آغاز بڑی امید کے ساتھ کیا تھا فہد نے مگر جیسے جیسے گفتگو آگے بڑھی' ویسے ویسے تلخی اور مایوسی بھی بڑھی۔ فہد کا چہرہ پہلے غصے میں سرخ پھر مایوسی سے سفید پڑ گیا۔

"دیکھو بیٹا' ہمارے بچے تو دنیا میں بعد میں آئے' پہلے تم تھے گھر میں سب سے چھوٹے' سب کے لاڈلے۔ اپنی اولاد کی طرح سمجھا ہے ہم سب نے تمہیں تمہاری بھلائی کے لیے ہی تمہیں سمجھا رہے ہیں۔ جو تم سوچ رہے ہو وہ ناممکن ہے تم جوان ہو' جذباتی ہو رہے ہو ابھی۔ پریکٹیکل لائف میں آؤ گے' جب ہماری جگہ لو گے تب تمہیں ہماری باتیں سمجھ میں آئیں گی۔"

بڑے بھیا بہت نرمی اور بردباری سے اسے سمجھا رہے تھے مگر اپیا اور بڑی آپا کے چہرے بدستور غصے سے تنے ہوئے تھے۔

فہد نے مایوسی کے عالم میں انہیں دیکھا۔

"اس لڑکی کا کیا قصور ہے؟" دھیمے لہجے میں اس نے آخری کوشش کی۔

"قصور تمہارا ہے' ایسے رستے پہ قدم ہی کیوں رکھا جہاں تمہاری منزل نہیں ہے۔" اپیا نے اسے گھور کے دیکھا۔ دونوں بہنوں کو فہد پر اتنا غصہ آ رہا تھا کہ بس نہیں چل رہا تھا کہ پکڑ کر اس کی پٹائی کر دیں۔

"میری دو بیٹیاں ہیں' ان دونوں کی بھی ہیں۔ آگے ان کی شادیاں بھی کرنا ہیں' کون رشتہ جوڑے گا ہم سے اگر ہم تمہاری ضد پوری کریں تو۔" بھیا نے ایک اور دلیل دی۔

"نیت اچھی رکھ کر جو نیکی کی جائے' وہ رائیگاں نہیں جاتی ہم کسی کی بیٹی کو عزت دیں گے تو ہماری بیٹیوں کو بھی آگے عزت ملے گی۔" فہد نے لب بھینچ کے انہیں دیکھا۔

"مگر آپ سب تو پہلے ہی طے کر چکے ہیں کہ کون معتزز ہے کون ذلیل۔"

"ہم کسی کو کچھ نہیں کہہ رہے' صرف تمہیں سمجھا رہے ہیں کہ تم اتنی ہٹ دھرمی مت دکھاؤ۔" اپیا نے کہا۔

"میں نے تو اپنے دل کی بات کہی تھی' ہٹ دھرمی تو آپ لوگ دکھا رہے ہیں۔" فہد آزردگی سے کہتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

ٹیبل لیمپ کی روشنی اس کے لکھے ہوئے لفظوں پہ پڑ رہی تھی اور وہ بلا رکے لکھتا ہی جا رہا تھا۔ آج کل بڑے عرصے بعد اسے اندر سے تحریک ملی تھی لکھنے کے لیے' وہ سب کچھ جو وہ کہہ نہیں سکتا تھا یا زبان سے کہنا نہیں چاہتا تھا' مگر قلم سے تو کہہ سکتا تھا۔ ساغر نے لکھنا شروع کیا اور پھر اس نے اپنا دل اور دھڑکنیں لفظوں کی صورت میں کاغذ پر سجا دیں۔

"کیا کر رہا ہے میرے بھائی آدھی رات کو۔" عمیر آنکھیں ملتا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ "ایگزام میں ابھی تین مہینے باقی ہیں۔ ابھی سے کیوں نیندیں حرام کر رہا ہے' اپنی بھی اور دوسروں کی بھی۔" کروٹ بدل کر اس نے خود پہ چادر تان لی۔

"تین ماہ؟" روانی سے چلتا ہوا قلم یکدم تھم گیا۔ فقط تین ماہ رہ گئے ہیں؟

وہ بے یقین سا اپنے آپ سے سوال کر رہا تھا۔ پھر وہ چہرہ' وہ آواز فقط خواب و خیال میں؟ دل میں ایک ٹیس اٹھی اور درد کی صورت اختیار کر گئی۔

وہ تو بڑا پختہ ارادہ کر کے نکلا تھا کہ دل کو ان راہوں کا

مسافر نہیں بننے دے گا مگر پھر کیا ہوا کہ اس کا عزم جیسے پانی پہ لکیر ثابت ہوا اور وہ پختہ ارادہ' ریت کی دیوار۔ محبت کے کوہ ندا سے بار بار صدائیں آتی رہیں اور اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر کے پتھر کا بنا گئیں۔ اب یہ پتھر وجود نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے جا سکتا ہے۔

"کیا کروں؟" بے بسی سے اس نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے۔

"کاش میں بھی ایسا ہی خوش نصیب ہوتا۔" اس نے سوئے ہوئے عمیو پر ایک نگاہ ڈالی جو اپنی محبت کی بازی جیت کر پرسکون نیند کے مزے لے رہا تھا۔

"سب کچھ جانتے بوجھتے بھی میں نے اس وادی میں قدم کیوں رکھا؟

کیوں میں اتنا بے بس ہو گیا اپنے دل کے آگے' اپنے جذبوں کے ہاتھوں؟"

رات کے اس پہر وہ اپنے آپ سے ان سوالات کے جواب پوچھ رہا تھا جو اسے زندگی کی صلیب پہ لٹکا گئے تھے۔ وہ اپنی محبت کے ہاتھوں مصلوب ہو رہا تھا' دھیرے دھیرے ختم ہو رہا تھا۔ اس محبت کے ہاتھوں جس کا اظہار کرنا اس کے لیے اذیت اور نہ کرنا اس سے بڑی اذیت' وہ محبت جس کی وادی میں وہ بھٹکنا بھی چاہ رہا تھا اور منزل پانا بھی۔

"اتنا طاقت ور کیوں ہے یہ جذبہ' جس کے ہاتھوں میں اتنا کمزور ہو گیا ہوں؟" وہ خود سے سوال پوچھ کے' باتیں کر کر کے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆
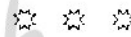
"کچھ کام بتائے تھے میں نے تجھے' اس صدی میں ہو جائیں گے یا نہیں۔" وہ شوکت کی کلاس لگائے بیٹھے تھے اور وہ مؤدب بنا کھڑا تھا۔

"جی سر! میں نے کارپینٹر کو بلا کر کام سمجھا دیا تھا۔ وہ اپنا کام ختم کر لے تو کلر بھی ہو جائے گا۔ اس سے بھی بات کر لی ہے میں نے۔"

"سب سے باتیں ہی کی ہیں الو کے پٹھے! کام شروع کب ہو گا؟" وہ گرجے۔

"پرسوں سے۔"

"کل سے کیوں نہیں؟"

"کل؟" شوکت نے سر کھجایا۔ "اس کے خاندان میں کوئی شادی چل رہی ہے جی' کل کے بعد فارغ ہو گا وہ۔"

"پرسوں کام شروع نہیں ہوا تو تجھے دفعان کر دوں گا یہاں سے۔" یہ دھمکی مہینے میں چار بار تو ضرور ہی ملتی تھی اسے۔

"آپ فکر نہ کریں سر جی! کام ہو جائے گا۔"

"فکر تو تو کر نواب کی اولاد' اب اگر دیر ہوئی تو تیرا کام تمام ہو جائے گا۔" دھمکی آمیز لہجے میں بولتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھ گئے۔

"بیٹے کے آنے کی خوشی میں کچھ زیادہ ہی سٹھیا گیا ہے بڈھا۔" شوکت نے ایک ہاتھ سے بالوں کو سنوارا اور جیب سے موبائل نکال لیا۔

وہ اپنے اسٹوڈیو میں جا رہے تھے جب صحن میں انہیں فہد مل گیا۔

"تم گئے نہیں ابھی؟" انہوں نے اسے سر سے پاؤں تک گھورا۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" اپنے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیر کر وہ رک رک کر بولا۔

"اندر آؤ۔" وہ دروازہ کھول کر اسٹوڈیو میں داخل ہو گئے۔ یہاں ماہ نور حسب معمول ایزل پر جھکی ہوئی تھی۔

"یہ کون سے رنگ استعمال کر رہی ہو' اتنا عرصہ ہو گیا تمہیں ابھی تک رنگوں کے استعمال کا سلیقہ نہیں آیا' نکمّی کہیں کی۔" اندر آتے ہی وہ ماہ نور پہ برس اٹھے۔

"پھر کون سے رنگ لگاؤں؟" وہ بے بسی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"زندگی کے جیتے جاگتے رنگ' جس سے یہ تصویر بول اٹھے' یہ تو ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی میت کو پینٹ کر دیا ہے۔" بغیر کسی لگی لپٹی کے انہوں نے اپنے مزاج کی طرح کھردرا اور تلخ تبصرہ کیا اور فہد کی طرف متوجہ

ہوئے۔

"بولو۔"

"میں...." وہ ایک لمحے کو جھجکا۔ "میں ماہ نور سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں اس کا باپ نہیں ہوں۔" ٹھک سے جواب دے کر وہ اپنی آرام کرسی پہ بیٹھ گئے۔ پھر دوبارہ گویا ہوئے۔ "اپنی فیملی کو لے جانا اس کے گھر 'وہیں کرنا یہ سب باتیں 'وہ کچھ چھوڑ کر گھر ہے۔"

"میری فیملی میں کوئی راضی نہیں ہے۔" فہد نے ایک نظر محبوبہ دل نواز کو دیکھا۔ جو لگ تو بے نیاز رہی تھی مگر شاید مجسم سماعت بھی تھی۔

"اپنی مرضی چلاؤ گے!" انہوں نے کڑی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کہاں رکھو گے؟ خرچے کیسے پورے کرو گے؟"

"میرے نام پہ فلیٹ ہے۔ وہیں رہوں گا 'خرچے پورے کرلوں گا۔ اتنی محنت تو کر سکتا ہوں۔" وہ جواب دیتے دیتے تلخ ہوا۔

"پھر بات کرلو اس کی نانی سے 'وہی بڑھیا سرپرست ہے۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

"ایک بات اور کرنا تھی آپ سے؟"

"اب کیا ہے؟" انہوں نے بھنویں اچکائیں۔

"ایگزیبیشن کے بارے میں بات ہوئی تھی نا آپ سے؟"

"ایک تو میں تم لوگوں سے بڑا تنگ ہوں 'تم لوگوں کا تو وہ حساب ہے کہ کاتا اور لے دوڑی 'او خدا کے بندے! اپنے کام کی الف بے تو سیکھ لو پھر لوگوں کو بھی دکھا دینا 'میں نے دس بارہ سال کے بعد ایگزیبیشن کی تھی اپنے کام کی 'وہ بھی جب...."

"اُفوہ!" فہد نے جھنجلا کر ان کی بات کاٹی۔ "بات تو پوری سن لیا کریں۔ آپ نے ہی بات کی تھی سرہاشمی سے گروپ ایگزیبیشن کے بارے میں 'اسی کی بات کر رہا ہوں میں۔"

"تمہارا گروپ اور سرہاشمی دونوں ہی لاپتا ہیں۔ ان سب کو اکٹھا کرکے لانا پھر بات کریں گے۔" اپنی بات ختم کرکے انہوں نے ایسے تاثرات کے ساتھ فہد کو دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں "اب جاؤ بھی 'کھڑے کیوں ہو۔"

فہد دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

اندر ماہ نور استاد محترم کی ڈانٹ سن رہی تھی۔ انہیں آج کل ماہ نور کی لائنیں سمجھ میں آ رہی تھیں نہ کلر۔

"یہ لڑکا تمہارا دماغ خراب کر رہا ہے اور تم اپنا ہاتھ خراب کر رہی ہو 'اچھا بھلا کام کر رہی تھیں 'اب پتا نہیں کیا ہو گیا 'زندوں کے بجائے مُردوں کی تصویریں بنانے لگی ہو۔"

"زندگی اور زندوں کی طرح موت اور مُردے بھی تو ایک حقیقت ہیں۔" ماہ نور نے ان سے کہا۔ وہ حسب عادت بپھر گئے۔

"کس نے مشورہ دیا ہے حقیقت پینٹ کرنے کا؟ فنکار خوابوں کو پینٹ کرتا ہے 'خوابوں کو تخلیق کرتا ہے بے وقوف لڑکی!"

"اور جو کوئی خواب ہی نہ دیکھتا ہو۔" اس نے ہولے سے سوال کیا۔

"خواب دیکھے بغیر کوئی تخلیق کار بن سکتا ہے نہ فن کار۔" انہوں نے نفی میں سرہلایا۔

"جو خواب دیکھنا نہ سیکھے اور جو خواب نہ دیکھے 'وہ اپنا سارا ہنر 'ساری صلاحیت خاک میں ملا دے گا۔"

"جب سے یہاں آئی ہوں 'زندگی اور اس کے حقائق پر آپ سے لیکچر سن رہی ہوں۔ اب یکایک خوابوں کی باتیں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا مجھے؟" ماہ نور نے ان ہی کے انداز میں صاف گوئی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔

"ارے میں تو بڈھا ہوں اوپر سے سنکی اور جھکی بھی 'میں زندگی کی تلخیاں دہراؤں یا اس کی حقیقت 'میری عمر اور مزاج کا تقاضا ہے 'تم تو عمر کے سب سے سنہرے اور خوب صورت دور میں ہو 'خواب کیوں نہیں دیکھتیں؟" وہ ڈپٹ کر بولے۔

"میری زندگی کے سارے دن سرمئی اور مٹیالے

ہیں' ان میں کوئی سنہراپن ہے نہ خوب صورتی۔" ماہ نور اپنی ادھوری پینٹنگ کو دیکھتے ہوئے دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔

"جس انسان کی جڑیں تعفن زدہ دلدلی زمین میں ہوں اس کے اندر خوابوں کے شجر نہیں اگتے۔"

"تم تو ساغر سے بھی زیادہ خوف ناک باتیں کرنے لگی ہو۔" مصور فاروق احمد نے بھنویں چڑھا کر ناگواری سے اسے دیکھا۔

"کام ختم کروانا' جلدی جانا ہو تو چلی جانا' وہ الو کا پٹھا باہر بیٹھا ہوگا تمہارے انتظار میں۔"

اور ان کا اندازہ واقعی بہت درست نکلا' چار گھنٹے بعد جب وہ کام ختم کرکے باہر نکلی تو وہ محبت کا مارا صحن میں اپنی مخصوص جگہ بیٹھا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اب کیا ہے؟" ماہ نور اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی؟"

"نہیں' مگر۔۔۔ میرا مطلب ہے جب تم کہو' نیکسٹ ویک یا اس کے بعد' جب تم کہو۔" وہ بوکھلا کر بولتا چلا گیا۔

"ٹھیک ہے' بیٹھ کر ڈسکس کریں گے اسے۔" ماہ نور نے قدم بڑھائے۔

"بات سنو۔" فہد تیزی سے کھڑا ہوا اور اس کی طرف لپکا۔ "تمہارے گھر والے مان جائیں گے؟"

"ہاں!"

"شیور؟" فہد نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"ہوں۔" ماہ نور نے اقرار میں گردن ہلائی۔

"میں۔۔۔ بات کروں ان سے؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "ضروری نہیں ہے۔ میں نے کہا نا' وہ ایگری ہیں۔"

"مطلب؟ بغیر ملے' بغیر دیکھے' بغیر جانے' کیسے بھروسا کرلیا؟" فہد ششدر سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"انہیں مجھ پر بھروسا ہے۔" ماہ نور کی مسکراہٹ میں اداسی تھی فہد کو محسوس ہوا۔ وہ پھر اس کے پیچھے لپکا' مگر وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

وہ وہیں کھڑا حیرانی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ جتنی دور جا رہی تھی۔ اتنی ہی اسے اپنے دل کے قریب محسوس ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

فائنل امتحانوں میں فقط ایک ماہ رہ گیا تھا اور زنیو تین دن سے چھٹیوں پر تھی۔ یہ ایک انہونی بات تھی۔ وہ تو پورے سال میں بھی بمشکل تین چھٹیاں کرنے والی اسٹوڈنٹ تھی۔

"وہ بیمار ہے' ہم اسے دیکھنے جا رہے ہیں' جسے چلنا ہے' چلے۔" نمرہ نے پورے گروپ کے سامنے اعلان کیا۔ سب ہی چلنے کو تیار تھے۔

ایک سوزوکی مہران اور دو موٹر سائیکلوں کا یہ قافلہ چلا اور زنیو کے گھر پہنچ گیا۔ زنیو سب کو دیکھ کر حیران بھی تھی اور خوش بھی۔

"کون سا وائرس ہے جو دل سے لگا لیا؟" فائزہ نے اپنے مخصوص انداز میں فقرہ چست کیا۔

"خدا جانے کون سا وائرس ہے۔ پہلے ابو کو بستر سے لگا دیا پھر مجھے۔" زنیو مضمحل سی مسکرائی۔

"ہائیں' ابو بھی بیمار ہیں۔ پہلے کیوں نہیں بتایا؟ ان کے لیے بھی فلاورز لے آتے۔"

"بس رہنے دو نا' کچھ نہیں بگڑا ان کا۔"

"اب جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ' بالکل بھی مزا نہیں آرہا تمہارے بغیر' دل بھی نہیں لگ رہا کسی کا بھی۔"

"یہ "کسی" کون ذات شریف ہیں؟" بلال نے مشکوک انداز میں سوال کیا۔

"کسی سے مراد ہے ہم سب' ڈفر!" فائزہ نے اسے گھورا۔

"کیا پیو گے تم لوگ' بلا تکلف بتا دو۔" زنیو نے آداب میزبانی نبھائے۔

"کچھ بھی نہیں' تم آرام سے بیٹھی رہو۔"

"میں کہیں نہیں جا رہی' یہیں ہوں۔ میری بہن جائے گی کچن میں' تم لوگ بتاؤ یا میں اپنی مرضی

چلاؤ میں۔"

"ہمیشہ تم ہی باس بنی رہتی ہو سب کی' اپنی ہی مرضی چلالو۔" نمرہ نے مشورہ دیا۔

"اوکے' چلو میرے ابو کی بھی عیادت کرلو' عفرا کی شادی میں مل تو چکے ہو تم سب ان سے۔" زنیرہ سب کو اپنے کمرے سے نکال کر لاؤنج میں لے آئی۔ ابو یہاں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ سب سے علیک سلیک کے بعد وہ بھی ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"بھئی بڑا زبردست انٹرویو ہے فاروق احمد کا' آپ لوگوں نے نام تو سنا ہوگا ان کا' کافی مشہور آرٹسٹ ہیں۔ ابھی حال ہی میں ان کی تصویروں کی بڑی شاندار نمائش ہوئی تھی۔

اپنے بارے میں سچ بولنے کی ہمت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ فاروق احمد ان ہی کم یاب لوگوں میں سے ہیں۔" زنیرہ کے والد فاروق احمد کی تعریف میں رطب اللسان تھے جو اس وقت ایک مشہور اینکر کے ساتھ ٹی وی اسکرین پر نظر آرہے تھے اور اپنے مخصوص بکھرے اور بے باک انداز میں اپنی زندگی اور اس سے جڑے حقائق بیان کررہے تھے۔

سب ہی لوگ دلچسپی اور شوق سے اس انٹرویو کو سن رہے تھے سوائے ساغر کے جو اپنے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو بڑی مشکل سے بے تاثر رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" زنیرہ بہت غور سے اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے مخاطب ہوئی۔

"آں' ہاں۔" وہ چونکا۔

"میرے سر میں بہت درد ہے۔" اس نے اپنی کنپٹیاں دبائیں۔ "ایسا لگ رہا ہے' جسم کا سارا خون یہیں آکر جمع ہوگیا ہے۔"

"تم ایسا کرو چائے کے ساتھ کچھ کھالو پھر ٹیبلٹ لے لینا' ٹھیک ہے۔" وہ بہت نرم اور مہربان لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی۔

"اچھا۔" ساغر نے ایسی کرب ناک نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ جیسے کوئی ڈوبنے والا' آخری بار لہروں کے پار دیکھتا ہے کہ شاید کوئی بچانے والا کھڑا ہو' شاید۔

"مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" زنیرہ نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" ساغر نے تیزی سے کہا اور ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہوگیا۔

اس کا دماغ بالکل خالی تھا' کان سائیں سائیں کر رہے تھے' اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آرہا تھا کہ فاروق احمد کیا بول رہے ہیں۔ وہ چپ چاپ اوروں کے ساتھ بیٹھا رہا۔ انٹرویو کے دوران ہی چائے اور دیگر لوازمات بھی آگئے۔ ابو اور زنیرہ کے اصرار پر بھی ساغر سے کچھ کھایا نہیں گیا' باقیوں نے تو خیر ایک ایک شے سے خوب انصاف کیا۔

"تم بہت ڈسٹرب لگ رہے ہو' اپنا خیال رکھنا۔" چلتے سمے زنیرہ نے اس سے کہا۔

"میں اپنا خیال خود نہیں رکھ سکتا' پلیز تم میرا خیال رکھ لو۔" ساغر کا دل کرلایا۔

"چلو بھئی جلدی کرو' دیر ہورہی ہے۔" عادل نے جلدی جلدی کا شور مچایا اور سب وہاں سے نکل پڑے۔

زنیرہ نے گیٹ بند کیا اور الجھی الجھی سی اندر آگئی۔

"پتا نہیں یہ لڑکا اتنا ڈسٹرب کیوں ہے؟" زنیرہ کے تصور میں بار بار ساغر کی آنکھیں اور اس کا چہرہ آرہا تھا۔ اتنا کرب' اتنی اداسی' وحشت' پریشانی' کیا کچھ نہیں تھا جو اس کی آنکھوں میں رقم تھا' چہرے پہ تحریر تھا۔ جسے وہ سب کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کررہا تھا مگر زنیرہ سے کیسے چھپاتا' وہ تو اس کی ایک ابرو کی جنبش سے اس کا حال سمجھ جاتی تھی۔ ایک ایک لکیر اور شکن کی تحریر باآسانی پڑھ لیتی تھی اور آج اس نے جو اداسی اور بے بسی ساغر کے وجود پر حکمران دیکھی تھی' اس نے زنیرہ کا دل دہلا دیا تھا۔

"تم اپنی محبت کا اظہار کرو نہ کرو مگر اپنی پریشانیاں' اپنے سارے دکھ مجھ سے شیئر کرو۔ تمہیں اس طرح اس حال میں دیکھنا میرے لیے بہت دردناک ہے۔"

زنیرہ نے اپنے کمرے میں آکر بیڈ کے کراؤن سے سر ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆ ☆

بڑی آپا کا لاؤنج ان کے اپنے بہن بھائیوں سے بھرا ہوا تھا۔ بیٹی کا رشتہ فائنل کر رہی تھیں۔ ویسے تو سب کو معلوم ہی تھا' رمشا اپنی پھوپھی کے گھر جا رہی تھی' تقریباً" بچپن سے ہی رشتہ طے تھا' بس ایک رسمی طور پر اپنے بہن بھائیوں کو آگاہ بھی کر رہی تھیں اور ان کی رائے بھی لے رہی تھیں۔ کسی کو بھلا کیا اعتراض ہونا تھا' ہر لحاظ سے اچھا رشتہ تھا سب نے ہی خوشی سے بسم اللہ کرنے کو کہا۔

"پھر ٹھیک ہے اگلے ہفتے بلا لیتی ہوں انہیں۔" وہ بھی کب سے اصرار کر رہی ہیں کہ زبانی کلامی بات کو اب باقاعدہ اور باضابطہ کر لیں' آپا بہت خوشگوار موڈ میں تھیں۔

فہد نے موقع غنیمت جانا اور کھنکھارا۔" ایک اعلان مجھے بھی کرنا ہے۔"

سب بیک وقت اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اگلے سے اگلے ہفتے میں ۔ ماہ نور سے نکاح کر رہا ہوں۔ آپ سب انوائیٹڈ ہیں۔" فہد نے بم کا دھماکہ کیا تھا مگر حیرت انگیز طور پر لاؤنج میں ایسی خاموشی اور سناٹا چھا گیا تھا کہ سوئی بھی گرے تو آواز آجائے۔

"یہ کیا ۔۔؟" آپا اور ابا تقریباً" ایک ساتھ بولی تھیں' دونوں کے چہروں کی رنگت بدل گئی تھی مگر بڑے بھیا نے ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے بیٹے' ہمارا فرض تھا تمہیں سمجھانا' آگے تمہاری مرضی ہے' ہم اپنی مرضی کرنے کے لیے آزاد ہو۔ بس آئندہ کے لیے ہم میں سے کسی سے کوئی امید مت رکھنا۔"

سرد لہجے میں کہتے ہوئے وہ کھڑے ہو گئے۔ ان کا چہرہ پتھر ہو رہا تھا اور باقیوں کے چہرے دھواں دھواں فہد کو اپنا چہرہ کسی انجانی آگ میں جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

امتحان شروع ہو گئے تھے' سب کے سب تندہی سے تیاریوں میں جتے ہوئے تھے۔ ہر پیپر کے بعد جب بھی زنیرہ سے سامنا ہوتا' وہ اس سے کچھ کہنے کی کوشش کرتا مگر اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کے پاس سارے الفاظ ختم ہو گئے ہوں' زبان بھی دغا دے جاتی' کچھ کہنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتی تھی' اس کا وجود دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ایک حصہ بضد تھا کہ زنیرہ کے آگے وہ اپنا دل کھول کر رکھ دے۔ وہ سب کچھ کہہ دے جو وہ کہنا چاہتا ہے۔ مگر اس کے وجود کا دوسرا حصہ یہ سب کہنے سے' یہ سب کرنے سے روک رہا تھا۔ وہ لبوں پہ لگی مہر توڑنے کے حق میں نہ تھا' اس کے نزدیک چپ میں بھلائی اور خاموشی میں عافیت تھی۔ ساغر اس ساری کشمکش سے تھک کر نڈھال ہو گیا تھا۔

آخری پیپر ختم ہوا تو ساغر کا ضبط بھی ختم ہو گیا' اس کا حوصلہ جواب دے گیا۔

"مجھے اپنی زندگی کے دو سچ بتانے ہیں تمہیں۔"

وہ زنیرہ کے سامنے کھڑا تھا' نہ فاتح کی شان نہ مفتوح کی صورت' بس وہ تو یوں کھڑا تھا جیسے کوئی عزت نفس اور پندار کا مارا فقیر بغیر کشکول کے' سخی کے سامنے جا کھڑا ہو' اس امید پر کہ وہ فقط اپنی دانائی اور فہم و فراست سے فقیر کا حال جان کر کچھ عنایت کر دے۔

"صرف دو سچ کیوں' اپنی زندگی کے سارے سچ مجھے دے دو' پوری کہانی بیان کر دو۔"

زنیرہ بے تابی سے بولتے ہوئے اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے کوہ پیما کسی اونچے اور مغرور پہاڑ کو سر کرنے سے پہلے اسے حیرت' ہیبت اور غور سے دیکھتا ہے کہ یہاں زندگی بھی ہے اور موت بھی۔

"میں مشہور مصور فاروق احمد کا بیٹا ساغر احمد ہوں اور ۔۔۔" وہ رکا۔

"اور مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔" ساغر ایک

لمحے کو رکا اور پھر اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر اس نے زنیرہ کو دیکھا۔

"یہی میری زندگی کے دو سب سے بڑے سچ ہیں اور یہی میری پوری زندگی اور یہی میری پوری کہانی۔"

"تم....." زنیرہ کی زبان بھی لڑکھڑا گئی اور وہ خود بھی۔ "تم ان کے بیٹے ہو' تم وہ ساغر احمد ہو جو افسانہ نگار ہے؟"

وہ جو قیافہ شناسی میں ماہر تھی' چہرے اور بدن بولی میں مہارت رکھتی تھی۔ آج دو سال بعد ساغر کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار ملی ہو۔

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے؟" وہ نیچے گھاس پر بیٹھتی چلی گئی۔ ہری بھری گھاس حالانکہ بہت نرم تھی مگر اسے جانے کیا چبھ رہا تھا۔ بہت تکلیف کا احساس ہونے لگا تھا۔

"بتا دیتا تو کیا فرق پڑتا؟ محبت نہیں ہوتی؟" ساغر بھی وہیں بیٹھ گیا۔

زنیرہ کے ہونٹ کپکپائے' اس نے کچھ کہنا چاہا مگر لب بھینچ کر خاموش ہو گئی۔

"کوئی امید نہیں ہے کیا؟" ساغر کے سوال میں اور لہجے میں عجیب سی حسرت تھی۔ زنیرہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"امید تو ہر جگہ ہوتی ہے مگر کہیں کہیں اس کی قیمت بہت بڑی ہوتی ہے۔"

"میں نے بہت کوشش کی بچنے کی' مگر ناکام رہا۔ محبت کے سحر نے مجھے جکڑ لیا۔ مجھے بتاؤ کوئی وظیفہ' کوئی دعا' کوئی اسم اعظم' کوئی روشنی' کوئی جگنو کچھ تو رکھو میری ہتھیلی پہ۔" شدت ضبط سے فقیر کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ بلند آواز بتدریج سرگوشی میں ڈھل گئی۔ اپنا پندار' اپنی انا ایک طرف کر کے وہ ہتھیلی کی صورت میں کاسہ پھیلائے ہوئے تھا۔

زنیرہ کو لگا اب اگر وہ ایک لمحہ بھی ساغر کے سامنے ٹھہری تو اس کے بھرم کا شیشہ بھی چکنا چور ہو جائے گا۔ اپنے اندر امڈتے ہوئے سیلاب کو بمشکل روکتے ہوئے وہ کھڑی ہو گئی۔

"تمہارے جانے سے پہلے آخری بار ملنے آؤں گی۔" ساغر کی طرف دیکھے بغیر وہ چل دی۔ اس کی آواز کی نمی میں سات سمندر قید تھے۔

ساغر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا' دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

کوئی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے' کوئی زندگی سے اوجھل ہو جاتا ہے مگر دل سے اوجھل کیوں نہیں ہوتا۔

☆ ☆ ☆

عفرا ہی تو تھی اس کی رازدار' زنیرہ کا ارادہ جان کر وہ شروع ہو گئی۔

"پاگل تو نہیں ہو گئی ہو' میں اچھی طرح جانتی ہوں تمہیں' عرصہ لگ جائے گا خود کو سنبھالنے میں' ایسا مت سوچو زونی' امی' ابو سے میں خود بات کروں گی' وہ ایگری ہو جائیں گے۔ تم خود کو اور ساغر کو اتنا ڈی گریڈ مت کرو۔ لوگوں کی کیا پرواہ کرنی' کون ہے جو دودھ کا دھلا ہوا ہے' پھر دیکھو نا' کبھی نہ کبھی' کہیں نہ کہیں سے تو تبدیلی کا آغاز ہوتا ہی ہے تو ہم کیوں نہ بن جائیں بارش کا پہلا قطرہ۔" عفرا اپنے پرجوش لہجے میں دھنا دھن بولے چلی جا رہی تھی۔

دل نہ چاہنے کے باوجود زنیرہ بے اختیار مسکرا دی۔ "تم بالکل بھی نہیں بدلیں۔ وہی آئیڈیلسٹ قسم کی پرجوش تقریریں کرنے والی۔" "زندگی ہے یہ' کسی آڈیٹوریم کا روسٹرم نہیں' جہاں دس منٹ کی تقریر میں زندگی کے سارے نکات بیان ہو جاتے ہیں۔ پریکٹیکل لائف میں زندگی اپنے ایک ایک نکتے اور ایک ایک قدم کا خراج وصول کرتی ہے۔ کہیں زیادہ کہیں کم۔"

"اچھا میں آئیڈیلسٹ ہوں' جذباتی ہوں اور تم' تم کچھ زیادہ ہی فلاسفر ہو' پریکٹیکل لائف میں فلسفہ کام نہیں آتا' عملی طور پر اٹھایا جانے والا قدم کام آتا ہے۔" عفرا نے اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"اچھا نا' دیکھتے ہیں۔" زنیرہ جانے کیا کیا کچھ سوچ رہی تھی۔

"رولی؟" عفرا نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ "محبت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔" اس کی آنکھوں میں بڑا واضح کوئی دکھ بول رہا تھا۔ زنیو نے بے اختیار نظریں چرائیں۔

"قسمت بھی تو ساتھ دے۔"

"ہمت کرو گی تو قسمت بھی ساتھ دے گی۔"

"ٹھیک ہے تم کہتی ہو تو یہ کوشش بھی کرلوں گی۔" زنیو نے اچھے بچوں کی طرح اس کی بات مان لی۔

☼ ☼ ☼

اس بار عدالت بجی ہوئی تھی لاؤنج میں فرق صرف اتنا تھا کہ اس عدالت میں ملزم صرف ایک تھا اور باقی سارے منصف بنے ہوئے تھے۔

"تم سے کس نے کہا تھا عاشر کو یہ سب بتانے کے لیے اس نے فوراً اپنی امی تک یہ خبر پہنچائی۔"

بڑی آپا کا غم وغصے اور صدمے سے برا حال تھا۔ غم و غصہ اس بات کا کہ فہد کے نکاح کی خبر نکاح سے پہلے ہی لیک آؤٹ ہو گئی اور پہنچی بھی سب سے پہلے کہاں؟ ان کے سمدھیانے 'رمشا کی سسرال اور صدمہ اس بات کا تھا کہ ان کی نند اور ہونے والی سمدھن کا ردعمل انتہائی شدید تھا۔ انہوں نے فی الحال آنے کا ارادہ موخر کردیا تھا اور آئندہ کے لیے بھی سوچ بچار کا عندیہ دیا تھا۔

بڑی آپا نے فہد سمیت سب کو بلایا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ رمشا پر بھی برس رہی تھیں جس نے عاشر کو یہ سب بتایا۔

"بعد میں بھی تو پتا چلنا ہی تھا' منگنی یا نکاح کرکے ختم کردیتے تو میں کیا کرلیتی' اس لیے پہلے ہی بتادیا تاکہ جو بھی فیصلہ کریں سوچ سمجھ کے کریں۔" رمشا اپنی صفائی پیش کررہی تھی۔

"اب کیا ہوگا میری بچی کا' ساری دنیا کو معلوم ہے کہ بچپن کا رشتہ طے ہے' خدانخواستہ بات ختم ہوگئی تو کہاں دوسرا رشتہ تلاش کرتے پھریں گے' جو بھی آئے گا پہلے تو یہی انویسٹی گیشن کرے گا کہ پہلا رشتہ کیوں ختم ہوا' یا اللہ! میں کیا کروں' بھائی کا گھر ابھی بسا بھی نہیں اور ہماری بچی کا رشتہ ٹوٹ بھی گیا۔" وہ دوپٹہ منہ پہ رکھ کر سسکنے لگیں۔

"آپا!" فہد گڑبڑایا سا ان کی طرف بڑھا مگر چھوٹی اپیا کے طنزیہ جملے سن کر اس کے قدم جہاں کے تہاں رک گئے۔

"ارے یہ تو ابھی شروعات ہے' صرف ایک کا ہی رشتہ ٹوٹا ہے' سارے ہمارے خاندان کا حصہ تو بننے دو' دیکھنا ہم میں سے کسی کی بیٹی بھی کسی دوسرے خاندان کا حصہ نہیں بن سکے گی۔ کون قبول کرے گا ہماری بیٹیوں کو؟ مبارک ہو ہمارے بھائی کو' اپنے ہی گھر کی بچیوں کو زندہ درگور کرکے اپنی محبت کا تاج محل کھڑا کررہے ہیں۔"

اپیا کے زہر میں بجھے الفاظ اسے نیل و نیل کرگئے تھے۔

"ایسا کون سا گناہ کردیا میں نے؟" اس نے زخمی نگاہوں سے اپنے پیاروں کی طرف دیکھا۔

"تم گناہ کرو گے؟ گناہ گار تو ہم ہیں' جس کی سزا ہمیں اور ہمارے بچوں کو ملے گی۔" اپیا نے تڑخ کر جواب دیا۔

آپا اب باقاعدہ رو رہی تھیں' رمشا کی آنکھوں میں بھی آنسو چمک رہے تھے۔ عاشر اس کا اولین خواب تھا جو شاید بکھرنے جارہا تھا۔ فہد نے بے بسی سے باری باری سب کو دیکھا۔ اس لمحے اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ رشتوں کی نادیدہ زنجیریں پیروں میں یوں پڑی ہوتی ہیں کہ انسان باہمت ہوتے ہوئے بھی اور چاہتے ہوئے بھی اپنے پروں کو پرواز کے لیے نہیں تول سکتا۔

"مگر مجھے پرواز سے کوئی نہیں روک سکتا۔" اس کے اندر سے کوئی چیخا تھا۔

☼ ☼ ☼

ساغر کا کمرہ بالکل تیار ہوچکا تھا۔ کمرے میں لکڑی اور پینٹ کی مخصوص بو پھیلی ہوئی تھی۔

وہ کمرے میں داخل ہو کر ایک ایک شے کا طائرانہ

جائزہ لے رہے تھے۔ نئے فرنیچر اور پردوں سے آراستہ ساغر کا کمرا بہت ہی خوب صورت لگ رہا تھا۔

"اس الو کے پٹھے کو پسند آہی جائے گا۔" انہوں نے بیٹے کا تصور ذہن میں لاتے ہوئے سوچا۔ پھر موبائل نکالا۔

"تکلیں کرالیں؟"

"جی ٹیکسٹ ویک کیا۔"

"میں نے خواب میں تجھے روتے ہوئے دیکھا' مجھے معلوم ہے کہ تو بہت دکھی ہے مگر یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھے کبھی نہیں بتائے گا۔" وہ اداسی سے کہہ رہے تھے۔

ان کی بات سن کر ساغر کا دل دھک سے رہ گیا مگر اس نے خود کو سنبھالا۔

"آپ کب سے خواب دیکھنے لگے؟" ساغر نے ان کی بات مذاق میں اڑانی چاہی۔

"تو کس دکھ سے گزر رہا ہے' کس تکلیف میں ہے۔ بتا مجھے؟" وہ اس کی نہیں سن رہے تھے' اپنی ہی بول رہے تھے۔

"کچھ بھی نہیں ہے۔" ساغر نے مدہم لہجے میں جواب دیا۔

"او بے وقوف کے بچے! بتا مجھے کیا بات ہے؟" وہ حسب عادت فوراً" ہی غصے میں آگئے۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آپ بے کار میں پریشان نہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے' میں ایک دو دن میں کراچی آ رہا ہوں۔" انہوں نے دھمکی دی۔

"کیوں؟"

"اسے دیکھوں گا' ملوں گا' جس نے تجھے رلایا ہے۔" وہ کوئی بچے تو نہیں تھے' تھوڑا بہت معاملہ ان کی بھی سمجھ میں آرہا تھا۔

"مجھے کسی انسان نے نہیں رلایا۔"

"پھر؟"

"مجھے محبت نے رلایا ہے۔" ساغر کے اعتراف نے ان کا دل چیر دیا۔

"میں آرہا ہوں' میرے آئے بغیر مسئلہ حل نہیں ہوگا۔"

"آپ آکر کیا کریں گے ابا' کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"اوئے' میں کچھ بھی کر سکتا ہوں' تیرے لیے' تیری خوشیوں کے لیے۔ میں اپنے ہاتھ پاؤں جوڑ کر بھی مناؤں گا یار!" ان کی آواز شکستہ ہوگئی۔

"ایک دو کو منانا آسان ہے ابا' پوری دنیا کو کیسے منائیں؟ کیسے سمجھائیں۔"

"ایسی کی تیسی پوری دنیا کی' اب میں وہاں آکر ہی تجھ سے بات کروں گا۔" انہوں نے لائن کاٹ دی۔

دوسری طرف ساغر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ابا کا کوئی بھروسا نہ تھا۔ وہ اس کی روانگی سے پہلے یہاں آن دھمکتے۔ کل زنیرہ کو یونی آنا تھا۔ اس نے ساغر سے کہا تھا آنے کے لیے۔

وہ پوری رات جاگتا رہا۔ ویسے تو رت جگے کب سے معمول بن گئے تھے مگر اب تو بے چینی کچھ سوا تھی۔ وحشت و بے قراری تھی کہ اپنے عروج پر' کل صبح کا انتظار بھی تھا اور کل کا دن نہ آنے کی آرزو بھی۔

اپنی بے قراریوں کو وجود کا حصہ بنا کر اور وحشتوں اور رت جگوں کے عذاب سمیٹتی آنکھوں کے ساتھ وہ زنیرہ کے سامنے تھا۔ اس کی حالت سزائے موت پانے والے اس قیدی کی سی تھی جسے پھانسی گھاٹ کی طرف لے جایا جا رہا ہو اور وہ بار بار اس امید پہ پیچھے مڑ مڑ کر دیکھے کہ شاید معافی کا حکم آجائے' شاید رہائی کا پروانہ آجائے۔

اس کی آنکھوں میں اتنے سوال مچل رہے تھے کہ زنیرہ نے اس کے پوچھنے کا انتظار کیے بغیر ہی جواب دے دیا۔

"ہماری کہانی بس یہیں تک تھی۔"

"یہیں تک؟ اس سے آگے کچھ نہیں؟" قیدی پھانسی گھاٹ پر کھڑا تھا۔ آنکھوں کی وحشت اور وجود کی ویرانی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔

"اس سے آگے صرف کوشش ہوگی۔ خود کو سمیٹنے کی اور۔۔۔" زنیرہ کے حلق میں گولہ پھنسنے لگا۔

تختۂ دار پہ کھڑا قیدی' سیاہ غلاف پہنے اس کی آواز کا منتظر تھا۔

"دراصل۔۔۔" زنیرہ نے بدقت' حلق میں پھنسا آنسوؤں کا گولہ اندر دھکیلا۔

"دراصل میرے پیرنٹس اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اندر سے وہی ہیں۔ رسموں رواجوں کے قیدی' قدروں اور ضابطوں کے نگہبان' کسی کی سچائی اور کھرے پن کو سراہتے ضرور ہیں مگر اسے گلے کا ہار بنانے کی جرات نہیں رکھتے۔ مجھے فیصلے کی آزادی دی گئی ہے مگر اس امید اور آس کے ساتھ کہ میں ان کی مرضی کا فیصلہ کروں گی۔" زنیرہ کی آواز لرزنے لگی۔

قیدی کے گلے میں پھانسی کا پھندا پڑ چکا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر صرف سن رہا تھا۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ میں اپنے لیے خوشیاں حاصل کر سکتی ہوں مگر اس کی بڑی بھاری قیمت میری تینوں بہنوں کو چکانی پڑے گی۔ اس لیے۔۔۔ اس لیے۔۔۔" زنیرہ سے مزید کچھ نہیں بولا گیا' آنسوؤں نے اس کا چہرہ بھگو ڈالا تھا اور آواز بند کردی تھی۔

جلاد نے لیور کھینچ دیا تھا۔ قیدی کی لاش تختۂ دار پر جھول رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے کچھ یاد نہیں تھا کہ وہ کب اور کیسے ہاسٹل میں اپنے کمرے تک پہنچا تھا۔ جسم سے جان تو نکل چکی تھی۔ زندہ لاش کی طرح خود کو گھسیٹتا ہوا وہ یہاں تک آیا تھا۔ اس کا سارا سامان بکھرا ہوا تھا۔ زندگی بھی تو بکھر گئی تھی تو سامان کا کیا' وہ ایک ایک شے کو خالی الذہنی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ اسے اس وقت کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کمرے میں پھیلے ہوئے کپڑوں اور دوسرے سازوسامان میں کون سا اس کا اپنا ہے اور کون سا عمیر کا۔

عمیر کمرے میں داخل ہوا تو ساغر کو دیکھ کر چونک گیا۔

"کیا ہوگیا میرے بھائی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"نہیں۔" ساغر نے خود کو کہتے سنا۔

"کیا ہوا؟" وہ ٹھٹک گیا۔

"پتا نہیں۔" ساغر کی آواز کسی گہرے کنویں سے آ رہی تھی۔

"او یار! کیا ہوگیا۔" وہ عین ساغر کے سامنے بیٹھ گیا۔

"پتا نہیں۔" ساغر نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"تو۔۔۔" عمیر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ساغر کا موبائل بجنے لگا۔ ساغر نے کان سے لگایا۔ لاہور سے شوکت تھا لائن پر۔

"سر جی اسپتال میں ہیں فالج کا اٹیک ہوا ہے۔"

ساغر کے ہاتھ سے موبائل نیچے گر گیا۔ اس کا چہرہ لاش کی طرح سفید پڑ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

کئی گھنٹوں سے وہ اسٹوڈیو میں ساکت بیٹھا ایک ایک شے کو یوں غور سے دیکھ رہا تھا جیسے آخری بار دیکھ کر اپنی نگاہوں میں جذب کر رہا ہو۔ پھر وہ اٹھا اور دھیرے دھیرے ہر شے پہ ہاتھ پھیرنے لگا' وہ تمام اشیاء جن پر مصور فاروق احمد کا آخری لمس نقش تھا۔ ان کی بنائی ہوئی مکمل اور نامکمل پینٹنگز' برش' رنگ' ایزل ان کی مخصوص کرسی' بک شیلف اور اس میں رکھی ان کی کتابیں' وہ ایک ایک شے پہ ہاتھ پھیرتا ہوا وہ لمس محسوس کر رہا تھا جو آخری بار چھ ماہ پہلے محسوس کیا تھا۔ جب وہ ایک ہفتے کی چھٹیوں پہ گھر آیا تھا۔

گزشتہ کل مصور فاروق احمد کا سوئم تھا۔ جس وقت اس کے پاس شوکت کا فون آیا' عمیر نے لاہور جانے والی سب سے قریبی فلائٹ میں اس کی سیٹ کرادی تھی۔ چند گھنٹوں بعد وہ لاہور میں تھا مگر فاروق احمد نے اس کے اسپتال پہنچنے کا انتظار ہی نہیں کیا۔ اس سے پہلے ہی آنکھیں موند لیں۔

تعزیت کے لیے آئے لوگوں سے وہ خشک آنکھوں کے ساتھ ملتا رہا۔ آنسو اندر ہی اندر جمع ہو رہے تھے مگر باہر نکلنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ لوگوں سے تعریفیں سن رہا

تھا۔ مصور فاروق احمد کے فن کی، ان کی سچائی اور کھرے مزاج کی، منافقت سے پاک شخصیت کی اور ساغر دل ہی دل میں ان سے شکوے کر رہا تھا۔ مگر وہ شکوے بھی جلد ہی ختم ہو گئے۔ اب کچھ نہیں تھا، دل میں فقط خاموشی تھی، سناٹا تھا۔ ایسا سناٹا جیسے گھری اندھیری رات اپنے اندر وحشت سمیٹے ہوئے ہو، خوف لیے ہوئے۔

اس وقت جب وہ اسٹوڈیو میں بیٹھا ہوا تھا، اس کے اندر آنسوؤں کے سیلاب نے طغیانی پکڑلی تھی اور یہ سیلاب اس کے اندر کے سناٹے کو توڑتا ہوا آنکھوں تک آرہا تھا۔ ساغر کے اندر اب ایک طوفان بپا تھا، شور تھا۔ ماتم تھا، وہ بلک بلک کر رو رہا تھا، بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ ایک ایک شے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے ان کے آخری لمس کو محسوس کرتے ہوئے، اس کے اندر کا سیلاب بلاخیز آنکھوں کے رستے باہر نکل رہا تھا۔

وہ تین دن سے مسلسل جاگ رہا تھا۔ اس کی زندگی کے سب سے بڑے اور جذباتی دھچکے یکے بعد دیگرے آئے اور اسے زندہ درگور کر گئے۔ وہ جو اپنے یہاں ہونے کو اپنی سب سے بڑی بے بسی اور سب سے بڑی بدقسمتی سمجھتا تھا، اسے اب پتا چلا کہ بے بسی اور بدقسمتی کیا ہوتی ہے۔ اس سے بڑی بے بسی کیا ہوگی کہ اسے اپنے آنسوؤں پہ اختیار نہیں رہا اور اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہوگی کہ اس کے آنسو صاف کرنے والا دنیا میں کوئی نہ رہا۔

اسے خبر نہیں ہوئی کہ وہ اپنی ان ہی کیفیات میں گھرا جانے کب سو گیا وہ شوکت سے کرید کرید کر ابا کے آخری دنوں کے بارے میں پوچھتا رہتا اور وہ بتا رہا تھا۔

ان کا غصہ اور بدپرہیزی دونوں ہی اپنے عروج پر تھے۔ کبھی ڈانٹ ڈپٹ کر کے، کبھی بہانے سے اس سے اپنی مرضی اور پسند کی چیزیں بنوا ہی لیتے اور کچھ نہیں تو بازار کا رخ کر لیتے۔

"آپ کا کمرہ بڑے شوق سے تیار کروایا تھا۔ ہر چیز اچھی سے اچھی اور نئی منگوا کے سیٹنگ کروائی، جس دن اٹیک ہوا۔ اس دن صبح میں مجھے بتا رہے تھے کہ آپ کو لینے کراچی خود جائیں گے۔ کہہ رہے تھے کہ وہاں کے سمندر سے کچھ راز و نیاز کرنے ہیں۔"

شوکت مسلسل بول رہا تھا اور ساغر انہماک سے سن رہا تھا، جب ماہ نور آئی تو ساغر اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پتا نہیں کس عفریت نے اس کی ساری تازگی اور شادابی نچوڑلی تھی۔ وہ ایک چلتا پھرتا نوحہ لگ رہی تھی۔ غم زدہ، آنسوؤں سے بھرا۔ اجڑا اجڑا۔

"تمہیں کیا ہوا، کیا بیمار تھیں؟" ساغر سے رہا نہ گیا۔ وہ ابا کی واحد شاگرد تھی جس نے اتنے سالوں انہیں جھیل کر ان سے فن کی میراث حاصل کی تھی۔ ابا کو اس سے خاص لگاؤ تھا اور ابا کے حوالے سے ساغر کو بھی۔

"میں...!" اس نے ایک نظر ساغر کو دیکھا پھر نظریں جھکالیں۔

"دراصل میں بیمار ہو گئی تھی، بہت بری بیماری لگ گئی تھی مجھے مگر اب میں ٹھیک ہوں۔"

اس نے ہاتھ میں پکڑا لفافہ ساغر کی طرف بڑھایا۔

"یہ سر نے آپ کے لیے دیا تھا۔" لفافہ دے کر وہ رکی نہیں چلی گئی۔ ساغر نے اسے حیرانی اور ترحم سے دیکھتے ہوئے لفافہ پکڑ لیا تھا۔

"پتا نہیں اسے کون سی بیماری لگ گئی تھی۔" ساغر نے خود کلامی کی۔

"سر جی! میں بتاتا ہوں۔" شوکت اس کے قریب آ کر رازدارانہ انداز میں بولا۔

"دراصل یہاں کالج کے بہت سارے اسٹوڈنٹس آتے رہتے تھے، ان میں ایک فہد باز بھی تھے۔ وہ....." شوکت شروع ہو گیا۔

ساغر بغیر کسی تاثر کے سنتا چلا گیا۔ اسے حیرانی تو نہیں ہوئی مگر افسوس ضرور ہوا۔ پھر وہی کہانی، پھر وہی درد۔

"بس جی، اس دن سے یہ ایسی ہو گئیں جیسے بدن سے کسی نے جان نکال دی ہو۔" شوکت نے کہانی کے اختتام پر کہا۔

☆ ☆ ☆

ساغر نے اپنے کمرے میں آکر لفافہ کھول لیا تھا اور اس کی نظریں بڑی بے تابی سے کاغذ پر پھسل رہی تھیں۔ فاروق احمد اپنے بے تکلف انداز میں ساغر سے مخاطب تھے۔

"مجھے معاف کر دینا یار! تیری زندگی کی سب سے بڑی ندامت کی وجہ میں ہوں۔ میں نے اپنے زعم میں صاف گوئی اور بے باکی کا دامن تھامے رکھا اور میرے اس زعم نے تجھے خاصی تکلیف پہنچائی ہے۔ تو اپنے آپ پر اپنے ہونے پر شرمندہ رہا، مجھے تیری فیلنگز سمجھنا چاہیے تھیں مگر میں اس طرح نہیں سمجھا جس طرح تو سوچتا تھا۔ بات یہ ہے کہ میرے لیے یہاں کی دنیا کافی تھی۔ باہر کی دنیا سے مجھے کوئی خاص سروکار نہیں تھا اور میں نے یہاں سے باہر کی دنیا کو دیکھا، جانا اور سمجھا تھا۔ مجھے وہ بھی گندگی اور آلائشوں کا ڈھیر لگی تھی۔

فرق صرف اتنا تھا کہ باہر کی دنیا کی ساری غلاظت معاشرتی رسموں رواجوں اور اخلاقی و سماجی قدروں کے خوب صورت غالیچوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ یہاں سب کچھ عیاں بلکہ برہنہ ہے۔ اس لیے میں نے یہاں رہنے کو ترجیح دی۔

مجھے اپنا آپ اور اپنا پس منظر بتانے میں کبھی شرم محسوس نہیں ہوئی مگر تو مجھ سے مختلف ہے۔ جو سچ میں بغیر کسی لگ لپٹ کے سب کو بتا دیتا، وہ تیرے لیے باعث ندامت اور باعث شرم تھا۔

میں ان سب کے لیے ایک بار پھر تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور مزید ستم یہ ہوا کہ میں ایک آرٹسٹ بن گیا وہ بھی مشہور، ایک دو ماہ پہلے ٹی وی پہ میرا انٹرویو نشر ہوا تھا۔ اسی رات تو نے فون پر بات کرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ ابا مجھے آج احساس ہوا ہے کہ شہرت کبھی کبھی کتنی مکروہ اور بدصورت ہوتی ہے اور کتنی ظالم بھی۔"

میں اس رات بہت دیر تک سوچتا رہا کہ تو نے شہرت کو مکروہ، بدصورت اور ظالم کیوں بتایا ہے؟ سوچتے سوچتے مجھے یہ بات سمجھ میں آئی کہ دراصل میری شہرت نے، یعنی تیرے اس باپ کی شہرت نے (جو ایک قابل نفرت علاقے اور لوگوں میں رہتا ہے) تیرے لیے زندگی کو مکروہ، بدصورت اور ظالم بنا دیا ہے۔ میرے حوالے نے تجھے تیری خوشیوں سے محروم کر دیا ہے۔

میں نے چاہا اس حوالے سے تجھ سے بات کروں، سوال کروں مگر مجھے جرات نہ ہوئی کہ میں خود کو تیرا سب سے بڑا مجرم سمجھنے لگا تھا، حالانکہ میں دنیا میں سب سے زیادہ تجھ سے محبت کرتا ہوں مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کبھی کبھی ہماری بہت زیادہ محبت بھی اگلے بندے کو مار ڈالتی ہے۔ میری محبت نے تو تجھے نہیں مارا مگر شہرت نے ضرور مار دیا۔

میں نے زندگی میں بہت کم خواب دیکھے ہیں۔ وہ بھی، جو سوتے میں دیکھے جاتے ہیں اور وہ بھی جو جاگتے میں دیکھے جاتے ہیں مگر میں نے یکے بعد دیگرے دو خواب دیکھے اور ان میں سے ایک نے مجھے دہلا دیا دوسرے کا ذکر میں آگے کروں گا۔ مکروہ خواب جس میں تجھے روتے ہوئے دیکھا، پھر مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں تیری خوشیوں کے لیے تیرے پاس آنا چاہتا تھا مگر قدرت کو جانے کیا منظور ہوا کہ اسپتال کے بستر پہ پڑا یہ خط لکھوا رہا ہوں۔

میں خدا کا اتنا پسندیدہ بندہ تو نہیں ہوں مگر سوچتا ہوں کہ وہ تو میرا پروردگار ہے بس اسی بھروسے اس سے تیری خوشیوں کے لیے دعاگو ہوں آخری سانس تک، جو کہ مجھے لگتا ہے کہ قریب ہی ہے شاید۔

دوسرے خواب میں تیری ماں کو دیکھا تھا جو میرا ہاتھ تھامے اپنے ساتھ کہیں لے جا رہی تھی۔ سنا ہے کہ خواب میں کوئی مردہ، زندہ کو اپنے ساتھ لے جائے تو سچ مچ لے ہی جاتا ہے۔ کچھ میرا وجدان بھی بار بار یہی کہہ رہا ہے کہ بس اب میرا آخری وقت ہے۔ یہی بات میں نے اپنی نرس سے کہی تھی ہنس کر کہنے لگی اسپتال آنے والے ہر بڑے میاں یا بڑی بی کو یہی وہم ہوتا ہے

مگر آپ ٹھیک ہو کر جائیں گے یہاں سے اور میری پینٹنگ بنائیں گے۔

اچھا یار! تو نے اپنی کہانی پوری نہیں بتائی مجھے بس تیری باتوں کے اور اپنے اندازوں کے ٹکڑے جوڑ جوڑ کر میں نے خود ہی ایک تصویر بنالی۔ وہ تصویر جو محبت اور خوشی کے رنگوں سے خالی ہے۔ زندگی گزرتی جائے گی اور ان رنگوں کی محرومی بھی ساتھ چلتی جائے گی۔ تو کیا کرے گا؟ کیا اسی محرومی کے ہمراہ زندگی گزارے گا؟ اپنی زندگی میں تو اس حال میں تجھے نہیں دیکھ سکتا مرنے کے بعد کا کچھ کہہ نہیں سکتا۔ بس اپنے دل کی تسلی کے لیے ڈرتے ڈرتے تجھے ایک مشورہ دے رہا ہوں بلکہ اسے میری التجا ہی سمجھ لے۔ یہ جو میری شاگردہ ہے مجھے بہت عزیز ہوگئی ہے۔ اگر آگے کے سفر میں اسے اپنے ہمراہ کر لے تو شاید دونوں ایک دوسرے کی محرومیوں کا ازالہ اور دکھوں کا مداوا کر سکو۔ جب کبھی دل کرے' اس التجا پہ کان دھر لینا ورنہ کوئی ضروری بھی نہیں۔ یہاں رہنا چاہو تو رہ لینا' جانا چاہو تو چلے جانا کہ لوگوں کو بدلنے سے جگہ بدلنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ اب بولنے کی ہمت جواب دے رہی ہے' چل پھر خدا حافظ۔"

"میں سمجھتا تھا کہ میں آپ کے بارے میں جانتا ہوں مگر کتنا غلط تھا میں' کتنا خوش فہم' یوں لگ رہا ہے جیسے آج جانا ہے آپ کو۔" خط کو واپس لفافے میں ڈالتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔

اس نے ماہ نور کو بلوایا تھا۔ وہ آگئی تھی اور اسٹوڈیو میں اس کے مقابل کھڑی تھی۔

"ابا کا یہ کمرہ مجھے بہت عزیز ہے مگر میں اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس کا حق تم ادا کر سکتی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس جگہ کو ویسے ہی استعمال کرو جیسے ابا کی زندگی میں کرتی تھیں۔"

"میرے لیے اب یہ سب بہت مشکل ہوگا مگر۔" وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی۔ "میں کوشش کروں گی۔"

"ہاں' ہم کچھ نہیں کر سکتے مگر کوشش تو کر سکتے ہیں۔" ساغر کو جانے کیا کچھ یاد آیا تھا۔ اس نے لب بھینچ لیے' ایک نظر ماہ نور کو دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

فاروق احمد کی موت کے بعد وہ اب پہلی بار یہاں آئی تھی۔ اسٹوڈیو کی ایک ایک شے کو وہ دیکھتی رہی۔ ہر شے سے کتنی ہی باتیں اور یادیں جڑی ہوئی تھیں۔ اچھی بھی' بری بھی' ہنسانے والی بھی اور رلانے والی بھی اور ان کے انتقال سے ایک ہفتے پہلے ہی کا تو ذکر ہے۔ وہ حسب معمول اپنی پینٹنگ پر جھکی ہوئی کام کر رہی تھی۔ جب تواتر سے موبائل پر میسج آنے

شروع "ایک کے بعد ایک" تانتا بندھ گیا۔

"یہ گدھا پرسوں تک صبر نہیں کر سکتا' چھوڑو یہ کام' پہلے اسے فارغ کرو۔" وہ اپنے مخصوص آتش فشاں لہجے میں غرائے۔

پرسوں فہد کے ساتھ اس کا نکاح تھا۔ وہ ایک ہفتے پہلے آیا تھا' بہت ساری باتیں کر کے گیا تھا۔ ڈھیروں وعدے بہت سے دعوے' اپنی چاہت' گھر والوں کی مخالفت' اس نے سب ہی کچھ جتا دیا تھا۔

ماہ نور نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے موبائل کھولا۔

پیغام پڑھ کر وہ ساکت رہ گئی۔ اس سے آگے اور بھی میسجز تھے۔ اس نے پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑا سا پڑھ کر ماہ نور نے موبائل بند کر دیا۔ مجبوریوں کی داستان پڑھ کے کیا کرتی۔

"کیا ہوا؟"

"اس نے لکھا ہے' مجھے معاف کر دینا۔" ماہ نور نے اپنا لہجہ سپاٹ رکھنے کی کوشش کی مگر آواز میں لرزش آ ہی گئی۔

"بے غیرت' کمینہ۔" فاروق احمد کے منہ سے مغلظات کا طوفان نکل پڑا۔

"گالیاں دینے سے کیا ہو گا؟" ماہ نور کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

"خبردار' خبردار جو اس شیطان کے لیے ایک آنسو بھی بہایا۔ کس نے کہا تھا محبت کرنے کو۔" وہ بدستور آتش فشاں بنے ہوئے تھے۔

"میں نے محبت کب کی تھی' بس خواہش کی تھی زندگی میں کسی انہونی کی۔" لاکھ ضبط کے باوجود بھی ماہ نور کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"یہ تو ہونی ہے' ہونی ہی تھی' انہونی تو تب ہوتی جب وہ آجاتا۔"

"جہنم میں جائے میری طرف سے' مل جائے کہیں' ٹینٹوا دبا دوں اس کا۔" فاروق احمد سے ماہ نور کے بہتے آنسو برداشت نہیں ہو رہے تھے۔

تم نے مجھے مسکرانا سکھایا اور رونا مجھے خود بخود آ گیا۔

* * *

چھ ماہ میں اس نے خود کو سمیٹنے کی' جوڑنے کی بہت تگ و دو کی تھی' اپنا سارا دھیان اپنے کام میں' اپنے فن میں لگانا چاہا' کبھی کامیاب ہو جاتی کبھی ناکام۔

زخم بھر ہی جاتے ہیں' ہمیشہ تو تکلیف نہیں دیتے' ماہ نور خود کو تسلیاں دیتی رہتی اور رنگوں' لکیروں میں الجھی رہتی۔

ایک روز خلاف توقع ساغر اسٹوڈیو میں آیا تھا۔

"ماہ نور! تم کچھ دن کے لیے ریسٹ کرو' میں گھر میں کچھ کام کروا رہا ہوں۔" بغیر کسی تمہید اور تکلف کے ساغر نے اسے مخاطب کیا۔

"کیسا کام؟" ماہ نور کی سوالیہ نظریں اس پر ٹکیں۔

"میں اسکول کھول رہا ہوں اس گھر میں' اسی حوالے سے کنسٹرکشن کا کام ہے۔"

"اسکول؟" ماہ نور نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "آپ یہیں رہیں گے؟"

"ہوں!" ساغر نے ایک گہری سانس لی۔ "ابا نے کہا تھا کہ لوگوں کو بدلنا مشکل ہوتا ہے' جگہ بدلنا آسان ہوتا ہے۔ سو میں نے سوچ سمجھ کر مشکل کام کا بیڑا اٹھا لیا اگر تم تھوڑا وقت دے سکو تو مجھے خوشی ہو گی۔" ساغر نے ٹھہر ٹھہر کر اسے بھی دعوت دے ڈالی۔

"زندگی کو کوئی سمت' کوئی مقصد مل جائے' اس سے بڑی خوشی کیا ہو گی۔" بہت عرصے بعد ماہ نور کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔

اور ساغر سوچ رہا تھا کہ کیا کبھی وہ خواہش یا التجا پتا نہیں کبھی پوری ہونے کے امکانات ہوں گے بھی یا نہیں۔

اس کا دل بالکل خالی ہو گیا تھا' اپنے لیے ہر خواب' ہر خواہش سے خالی' وہ باہر نکل کر اپنے کمرے میں جا رہا تھا اور زندگی اس کے ہمراہ چلتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ اور بزبان خموشی کہہ رہی تھی۔

"جب تک میں ہوں' امید باقی رہے گی۔"

اپنی جنت

ناظمہ زیدی

"آج واپسی پہ اسکول سے حسن کو لیتے آییے گا۔ بہت دن ہوگئے اسے دیکھے ہوئے۔" امینہ بیگم نے امتیاز صاحب سے کہا۔

"ہاں اس اتوار بھی آئے نہیں وہ لوگ، جانے کیا مسئلہ تھا۔" امتیاز صاحب نے سائیکل باہر نکالتے ہوئے سوچا۔ "اور جیسے اس کی ماں تو بھیج ہی دے گی نا۔" امتیاز صاحب نے سائیکل پر بیٹھتے ہوئے خود کلامی کی۔ وہ امینہ بیگم کے علم میں لائے بغیر دو تین بار اپنے پوتے حسن سے ملنے گئے، مگر سو بیگم نے ملنے ہی نہ دیا۔ "کبھی کہا کہ بخار ہے تو کبھی سو رہا ہے۔" اور امتیاز صاحب اسے لیے بغیر ہی واپس آگئے۔

ان کے جانے کے بعد امینہ بیگم پلاؤ بنانے لگیں۔

"حسن کو بہت پسند ہے۔"

امتیاز صاحب پوسٹ آفس میں ملازم تھے۔ ان کا ایک ہی بیٹا ایاز جسے گھر میں رونق کے چاؤ میں بیس سال کی عمر میں ہی بیاہ دیا۔ ایاز گھر کے ہی قریب ایک جنرل اسٹور چلاتا تھا، امینہ بیگم کے سلیقے اور امتیاز صاحب کی تنخواہ مل جل کر اچھی گزر بسر ہو رہی تھی۔ بہو بمشکل حسن کی پیدائش تک گزارا کر سکی، اس کے بعد لڑائی جھگڑے شروع۔ امینہ بیگم زیادہ تر خاموش

Watch Us On
YouTube

چہرے کے فالتو بالوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

چہرے کی جھُریوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

رہتیں مگر چونکہ انہیں شروع سے کام کرنے کی عادت تھی سو کچن میں مداخلت کرتیں۔ ان کا کام کرنا بھی بہو کو کھلتا۔ "ہونہہ... بے جا روک ٹوک کرتی رہتی ہیں۔" بہو ناک بھوں چڑھاتی۔

روز روز کے لڑائی جھگڑے سے تنگ آکر امتیاز صاحب نے ایاز کو علیحدہ گھر دیکھنے کو کہا، بہو کی تو جیسے چاندی ہو گئی، ایاز کو روز اکساتی۔ ایاز بھی اس کی زبان سے بہت تنگ تھا، سوچا الگ گھر لے لوں، سکون تو ملے گا۔ یوں وہ اسی محلے میں الگ کرائے کے گھر میں شفٹ ہو گئے۔ امینہ بیگم اور امتیاز صاحب نے بھی سکون کا سانس لیا مگر حسن کے بے حد عادی تھے۔ اس کی معصوم شرارتوں سے ان کا گھر ہر دم مہکتا رہتا۔ امینہ بیگم تو ہر دم مصروف رہتیں۔ گھر میں ایک طرف کیاری بنا رکھی تھی، جس میں دھنیا، پودینہ، ٹماٹر، پیاز، لہسن اور جانے کیا کیا اگا رکھا تھا۔ دو بندوں کا کام کتنا ہوتا ہے۔ فارغ ہو کر اپنے کچن گارڈن میں مصروف رہتیں یا پھر ایاز اور حسن کے کرتے کاڑھا کرتیں۔ مگر ایاز سے زیادہ انہیں حسن کی معصوم شرارتیں یاد آتیں تو کلیجہ کھنچتا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو امینہ بیگم بے ساختہ دروازے کی طرف لپکیں۔ دروازہ کھولا تو امتیاز صاحب کے پیچھے کیریر پر بیٹھے حسن کو دیکھ کر تو جیسے نہال ہو گئیں۔ گود میں اٹھایا اور اندر لے آئیں۔ حسن تو گویا دھوپ میں جھلس گیا تھا۔ دادو نے جلدی سے لیموں کا شربت لا کر پلایا، منہ ہاتھ دھو کر یونیفارم بدلایا اور نرم بستر پر لٹا دیا۔

"لاؤ بھئی بیگم! کھانا دو، بہت بھوک لگی ہے۔" امتیاز صاحب بھی اس دوران ہاتھ منہ دھو کر کمرے میں آ بیٹھے۔ امینہ بیگم نے جھٹ دسترخوان لگایا اور دادا، پوتا دونوں دسترخوان پر آ بیٹھے۔

"واہ بھئی آج تو گویا عید ہو گئی۔" امتیاز صاحب نے دسترخوان پر سجے لوازمات کو دیکھ کر کہا۔

"پلاؤ، دہی اور پودینے کا رائتہ، سلاد اور آلو کے بنے کباب اور وہ بھی جب سب ہو بیگم کے ہاتھ کا اگایا ہوا۔ واہ، بھئی واہ۔" امتیاز صاحب کھاتے ہوئے تعریفیں بھی کرتے جاتے۔ امینہ بیگم کم ہی تردد کرتیں، ہاں مگر جب ایاز اور حسن آتے تو دسترخوان سجا دیتیں۔ ساتھ ساتھ حسن اپنے اسکول کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بتاتا جاتا۔

"ایاز کو بتا دیا تھا نا حسن کو لے جا رہا ہوں۔" امینہ بیگم نے کھانے کے دوران پوچھا۔

"نہیں تو۔" امتیاز صاحب نے جواب دیا۔

"کیا؟" امینہ بیگم کا کھاتا ہوا ہاتھ رک گیا۔

"بہت برا کیا آپ نے۔" امینہ بیگم کو حد درجہ ملال ہوا۔

"جب میں اسکول پہنچا تو سب بچے جا چکے تھے، حسن اکیلا چوکیدار کے ساتھ کھڑا رو رہا تھا، مجھے دیکھتے ہی سلام کر کے وہ بھی بھاگ لیا۔" امتیاز صاحب نے تفصیلاً" بتایا۔

"اب بتاؤ، بچے کو گھر لے کر آتا یا ایاز کی دکان پر جا تا اسے بتانے؟" امتیاز صاحب نے شکوہ کیا۔

"ہاں... مگر... کسی طرح اطلاع تو کر دیتے میرا بچہ پریشان ہو رہا ہو گا۔" امینہ بیگم نے کچھ کچھ متفق ہو کر کہا۔

"آرام کر کے جاتا ہوں، پھر بتا دوں گا۔" امتیاز صاحب نے حسن کو بازو پر لٹایا اور اسے کہانیاں سنانے لگے۔

"جب تک ساتھ تھے کبھی یہ مسئلہ نہ ہوا، اور اب میرا بچہ پریشان ہوتا پھرتا ہے۔" امینہ بیگم نے خود کلامی کی۔

امتیاز صاحب بارہ بجے ڈیوٹی سے گھر آتے ہوئے حسن کو لے آتے تھے، مگر جب سے بہو علیحدہ ہوئی تو ایاز اکثر اسے لینے دیر سے پہنچتا، دکان پر گاہکوں کو نپٹاتے نپٹاتے اسے دیر ہو جاتی اور بیوی کے طعنے سنتا۔

ادھر ایاز کا حال سنیے، ڈیڑھ گھنٹے بعد جب وہ اسکول پہنچا تو تالا لگا ہوا تھا، ایاز کا مارے پریشانی کے برا

حال ہو گیا۔

"کہاں چلا گیا۔" ایاز نے سوچا۔ "اسے تو گھر کا راستہ بھی معلوم نہیں' یا اللہ کیا کروں۔" ایاز گلیوں میں بائیک گھماتا رہا اور حسن کو تلاش کرتا رہا۔ ایاز علیحدہ ہو کر خوش ہونے کے بجائے مزید پریشان ہو گیا۔ تین ماہ میں اس کی صحت بھی گر گئی اور ٹینشن کا مریض بھی بن گیا۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی۔ امتیاز صاحب پوتے کو اسکول لاتے' لے جاتے' گھر میں راشن ہو یا دودھ یا پانی لینا ہو' ایاز نے کبھی فکر نہ کی' اب تک اور اب خرچے کا اف۔۔۔ سبزی بھی بازار سے آتی اور بیوی کے ہاتھ کے بدمزہ کھانے۔۔۔

"امی کتنا اچھا سالن بناتی ہیں اور پلاؤ اور چٹنی۔۔۔" ایاز ماں کو سوچتے سوچتے ماں کے دروازے پہ کب آ کھڑا ہوا پتا ہی نہ چلا۔ بائیک اندر لایا اور دروازہ بند کر دیا' دھوپ سے کمرے میں آیا تو پہلے تو کچھ دکھائی نہ دیا' مگر جب آنکھیں مانوس ہوئیں اندھیرے سے تو دیکھا کہ حسن بے خبر سو رہا ہے۔

"حسن۔۔۔" جھٹ اس کی طرف بڑھا اور بے تحاشا چومنے لگا۔

"ابو! آپ مجھے اطلاع تو کر دیتے' تین گھنٹوں سے گلیوں میں خوار ہو رہا ہوں۔" ایاز کی آواز میں ناراضی در آئی۔

"بیٹا! وہ میں اسکول کے سامنے سے گزرا تو یہ کھڑا رو۔۔۔"

"ابو! اس کی ماں کا تو سوچتے' کتنی پریشان ہے وہ۔" ایاز ہنوز غصہ میں تھا۔

"اچھا بیٹا! اس کی ماں کا خیال ہے جو تین گھنٹے میں ہی پریشان ہو گئی اور میرا کوئی خیال نہیں جو تین ماہ سے اپنے لال کے بغیر رہ رہی ہوں۔" امینہ بیگم نماز پڑھ رہی تھیں۔ سلام پھیرتے ہی ایاز کو جھک کر جواب دیا۔ اب تک جو بچے کی پریشانی کے خیال سے پریشان تھیں' میاں کا گھگھیانا انہیں ذرا پسند نہ آیا' جھٹ ان کی مدد کو آئیں۔

"امی!" ایاز نے دکھ بھرے لہجے میں کہا اور چمٹ گیا۔

"معاف کر دیں امی' معاف کر دیں ابو۔" امتیاز صاحب نے جھٹ گلے سے لگایا امینہ بیگم بیٹے کو کھانا کھلانے لگیں۔

"بیٹا یہ دیکھو تمہارے کرتے کاڑھے ہیں۔" امینہ بیگم نے سفید کرتا دکھایا' جس پہ سفید دھاگے سے ہی چھوٹے چھوٹے پھول بنے ہوئے تھے۔

"چلو جلدی سے یہ پینٹ شرٹ اتارو اور کرتا پہن کر دکھاؤ۔" امینہ بیگم نے ہینگر میں لٹکا سوٹ اس کے آگے کیا۔

"آیا امی! ذرا ایک فون کر لوں۔" ایاز نے برآمدے کی طرف قدم بڑھائے۔ موبائل نکالا اور نمبر ملایا۔

"کہاں ہیں آپ؟ کب سے بھوکی بیٹھی ہوں' سبزی لا کے دینے کا ہوش ہے؟ حسن کو بھی ساتھ دکان پہ بٹھا رکھا ہے۔" اس کی بیوی نان اسٹاپ بولنا شروع ہو گئی۔

"بات سنو! میں یہاں اماں کے گھر ہوں' حسن بھی میرے ساتھ ہے' میں اپنی جنت چھوڑ کے واپس آنے والا نہیں' ہاں اگر تم بہو بن کر آنا چاہو تو دروازے کھلے ہیں' ورنہ تمہیں تمہارا گھر مبارک۔" ایاز نے یہ کہہ کر موبائل بند کیا اور جیب میں ڈال لیا۔ اس کی صلح جو طبیعت کا فائدہ آج تک اس کی بیوی اٹھاتی رہی تھی' مگر ایک ذرا سی پریشانی نے اس کی بڑی پریشانی کا فیصلہ منٹوں میں کروا دیا تھا۔

سائرہ رضا

صحرا کا آگ اگلتا سورج ' شدید پیاس ' پھوڑے ' پھنسیوں سے بھرا جسم وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔ نام ' عہدہ ' شخصیت ' رشتے ' محبت ' نفرت... اس لمحے اسے اپنے گناہ یاد آرہے تھے وہ اللہ کو پکار رہا تھا۔

ماہ رو ' اریبہ ' حلیمہ اور حسن المآب کالج میں دوست تھیں۔ ماہ رو کا آزاد خیال اور ماڈرن گھرانے سے تعلق ہے۔ اریبہ ایک مڈل کلاس فیملی سے ہے اور بڑی بہنوں کے رشتے نہ ہونے سے پریشان رہتی ہے۔ حلیمہ کا تعلق ایک بہت مذہبی گھرانے سے ہے۔ حسن المآب غیر معمولی حسین ہے۔ اس نے سن شعور سے اپنے گھر میں شریعت کے احکام سنے اور مذہب کی سختی سے پابندی دیکھی ہے۔ مفتی عبیدالرحمٰن اس کے نانا تھے۔

حسنل کا خاندان تبلیغ دین کے لیے مشہور تھا۔ جبکہ حلیمہ کے گھر والوں کی حیثیت ان کے مریدین جیسی تھی۔ حلیمہ کے والد کی انتہا پسندی کی وجہ سے حلیمہ کی بڑی بہن اور دو بھائیوں کے رشتے نہ ہوسکے تھے۔

Watch Us On
YouTube

چہرے کے فالتو بالوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

چہرے کی جھُریوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

مکمل ناول

حلیمہ اپنے والد کا پرتو تھی' جبکہ حسنل اپنے مذہبی ماحول سے شدید بے زار تھی۔
میری اپنی خالہ زاد کی شادی میں شرکت کرنے چرچ جاتی ہے۔ وہاں دولہا یوحنا اسے شکوہ بھری نظروں سے دیکھتا ہے۔
یوحنا نے پہلے اس کے لیے رشتہ دیا تھا۔ ماما کو بھی شدید رنج ہے کہ میری نے یوحنا کے رشتے سے انکار کیوں کیا۔
حسنل کے لیے عبدالمبین اور عبدالمتین کا نام لیا جاتا ہے۔ جن سے حسنل شدید نفرت کرتی ہے۔
حسنل ماہ رو اور اریبہ کے شدید اصرار پر ایک میوزک کنسرٹ میں جاتی ہے۔ وہاں موسیٰ بی کو دیکھتی ہے۔ اسے لگتا

ہے کہ جس شخص کو وہ اپنے تصورات میں دیکھتی رہی ہے۔ وہ موسیٰ بی ہے۔ اس کا خیالی پیکر مجسم ہو کر سامنے آگیا تھا۔
عقیلہ بیگم اس کے آنے سے بہت خوش تھیں۔ ان کا پوتا ساری زندگی ان سے دور رہا تھا۔ ان کا پوتا ماورائی حسن کا مالک تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بے حد نازک مزاج بھی تھا۔ خصوصا" کھانے کے معاملے میں اس کے ہزار نخرے تھے۔ انہوں نے اس کے لیے خاص طور پر شیف رکھا تھا۔
حسنل کی تصورات کی دنیا موسیٰ بی سے آباد تھی۔ موسیٰ انڈین میوزک ڈائریکٹر کی چال بازیوں سے دل برداشتہ ہو کر پاکستان اپنا کیریئر بنانے آگیا۔ جہاں چالاک اور نسبتا" بڑی عمر کی اداکارہ شہرزاد عیسائی نے اسے گھیر لیا اور دونوں ہی اپنے مفادات کی خاطر دوستی کے رشتے میں بندھ گئے۔
سعد حسن نے دوراندیشی سے کام لے کر محی الدین سہگل کو اپنا داماد بنالیا۔ جو کہ مفتی عبیدالرحمٰن کا کلاس فیلو تھا۔ محی الدین سہگل نے ذہانت کے بل بوتے پر خوب ترقی کی اور اسی دوران وہ ایک بیٹے بدرالدین کا باپ بن گیا۔ بدرالدین کی آمد

سہگل اور عقیلہ کے لیے ڈراؤنا خواب تھی۔ وہ صرف کیریئر بنانا چاہتے تھے۔

وہ اپنے دوستوں ایڈورڈ اور کیلاش کے ساتھ تفریح کی غرض سے نکلا تھا۔ مگر ایڈونچر کے شوق میں راستہ بھٹک گیا۔ اس کے دوستوں نے اسے بہت ڈھونڈا مگر وہ صحرا میں کہیں کھو گیا تھا۔

خدیجہ بانو نو عمری میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے بل بوتے پر پالا۔ خدیجہ بانو کے اپنے بھائی اور اس کی فیملی سے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ خدیجہ بانو کا بیٹا ماریہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ماریہ عیسائی ہے۔ دونوں کے خاندان اس رشتے کے لیے تیار نہیں۔ مگر ماریہ اور منا دونوں ہی کسی معجزے کے منتظر ہیں۔

تیسری قسط

یہ سرما کی پہلی بارش تھی۔ آسمان کھل کے تو نہیں برسا تھا۔ مگر اتنے دنوں سے خشک سردی جھیلتے لوگوں نے بادلوں کی پہلی انگڑائی پر حشر اٹھا دیا تھا۔

کہیں کہیں سے موسلا دھار بارش کی خبریں آئی تھیں۔ مگر ادھر مسجد کے باہر بنے احاطے کے اوپر آسمان۔۔۔ ڈیڈی کو لگا آسمان سسکیاں بھر رہا ہے۔ بالکل ایسے جیسے ان کا دل گدلا رہا تھا۔ مولوی صاحب نے انہیں سفید ماربل والے برآمدے میں آجانے کے لیے کہا تھا۔ مگر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے شکریہ کہتے ہوئے انکار کر دیا تھا پھر انہوں نے بھی اصرار نہ کیا۔ انہیں مسجد کی اس پاکیزہ فضا سے وحشت ہو رہی تھی۔

گرینڈ مام اپنے موٹے پیٹ پر ہاتھ باندھے بینچ پر بیٹھی تھیں اور زیر لب ورد کرتی تھیں۔ ڈیڈی کی نگاہیں ممی کے چہرے پر جا رکیں۔ وہ ایک ماں کا چہرہ تھا دنیا کی سب سے بے بس مخلوق۔

ایک آنکھوں سے اندھی۔۔۔ پیروں سے لنگڑی۔ شکنجے میں جکڑی بے زبان بلی سے بھی زیادہ بے بس۔۔۔ ایک پر کے سہارے لٹکتی جاں بلب فاختہ سے بھی زیادہ لاچار۔۔۔

اپنے نوزائیدہ بچے کو شیر کے منہ میں دبا دیکھ کر بے آواز رونے والی ہرنی سے بھی زیادہ بے کس۔۔۔ آہ۔۔۔ آہ۔

تو ممی کا چہرہ ایسا ہی چہرہ تھا۔ ڈیڈی نے ان کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا مسجد کے کسی اندرونی کمرے سے آتی وہ ماریہ تھی۔

وہ چہرے کو بہت آگے تک ڈھانپے ہوئے تھی۔ اور ماریہ نے تھوڑی کے پاس سے دوپٹا جکڑ رکھا تھا مبادا! گر جائے اس کا چہرہ بھیگا بھیگا سا تھا۔

خدیجہ بانو نے اسے کہنی سے پکڑ رکھا تھا۔ دیگر بہت سے رشتے دار بھی ہمراہ تھے۔ جن کے چہروں پر خوشی و جذبے کی تمتماہٹ سی تھی۔ ایک سرشاری ایک کامیابی اتنا نیک عمل ان کے ہاتھوں سرانجام پائے گا۔

خدیجہ بانو کے متامل ذہن کو بھی اسی نیکی و جزا کے نام پر مضبوط کیا گیا تھا اور وہ خوش بھی ہو گئیں۔ ہاں اللہ نے انہیں اور ان کے بیٹے کو چنا۔ یہ تو اللہ کی خاص رحمت تھی۔ برکت و خیر۔۔۔

عصر کی اذان میں کچھ وقت باقی تھا۔ سو عجلت عیاں تھی۔ مولانا صاحب کے پاس دو زانو بیٹھنے کے بعد خدیجہ بانو نے ماریہ کا دوپٹا اور اچھے سے کھینچ دیا۔

"نکاح سے پہلے اسے دائرہ اسلام میں داخل کرنا تھا۔"

مولانا صاحب نے ماریہ کو اپنے پیچھے الفاظ دہرانے کا کہا۔

ترجمہ: "اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔"

اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے سننے کی دعا کی تھی۔ وہ عمر جو ننگی تلوار لیے بہن بہنوئی کے سر پر کھڑے تھے۔

"میں بھی تو سنوں وہ کیا ہے جو تم چھپ کر پڑھ رہے تھے۔"

اور پھر تلوار موم بن کر پگھل گئی۔ پیروں میں گر گئی۔ جلال زوال پذیر ہوا تنا ہوا سر اللہ کے دربار میں جھک گیا۔ ایسے کہ قیامت تک نہ اٹھا۔ رفیق قبر بن گیا۔

اور یہ وہی اقرار تھا جو بلال حبشی نے عرب کی تپتی ریت پر سینے پر بھاری سلوں کو برداشت کرتے ہوئے جب ایک بار کرلیا تو سرتاپا لہولہان بلال کی انگشت شہادت بشکل آسمان کی سمت اٹھتی تھی۔

اور زخمی لبوں سے احد احد نکلتا تھا۔

اور یہ وہی گواہی تھی۔ جو پیدائش رسول کے روز یہودی عالم نے دی تھی۔

"کیا آج کسی عرب کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ وہ جس کا باپ مرچکا ہے اگر ہاں۔۔۔ آج نبوت بنی اسرائیل کے ہاتھوں سے نکل کر اہل عرب کو مل گئی اور وہ آگئے جن کی آمد کی نوید گزشتہ تمام کتابوں میں موجود ہے۔ اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ ہو۔۔۔ آہ۔۔۔"

تو ماریہ نے وہی الفاظ دہرانے شروع کردیے تھے۔

وہی جو نجات کا باعث ہیں۔

ماریہ کا تلفظ صاف تھا۔ خدیجہ بانو کو خوش گواریت کا احساس ہوا۔ تو اتنا آسان ہوتا ہے۔ شرک سے توحید کا سفر۔

(ہاں کہنا آسان ہوتا ہے۔ مگر عمل۔۔۔ عمل امتحان ہے جو مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے)

سارے صحن میں مبارک سلامت اور معانقہ شروع ہوگیا۔

ماریہ کو خدیجہ بانو نے خود سے لپٹایا تھا اور پھر پیشانی بھی چوم لی۔ ماریہ نے کن اکھیوں سے خدیجہ بانو کے بیٹے کو دیکھا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے عیاں تھی۔

وہ کچھ اشارہ کررہا تھا۔ تب ہی ماریہ کی نگاہ بہت دور بیٹھی ممی پر پڑگئی اور ممی کی آنکھوں کی حسرت۔۔۔ مگر وہ نگاہ ملنے پر مسکرائی تھیں۔

اس کی خوشی میں خوش تھیں اور گرینڈ مام ان کے ہونٹ تیز تیز ہل رہے تھے اور فاریہ کا چہرہ جو سارا راستہ پتھریلا رہا تھا اب جیسے پتھر چٹخ گیا تھا۔ اور ڈیڈی۔۔۔ وہ رخ موڑے بیٹھے تھے۔ ماریہ اگر ذرا سا دائیں جانب ہوکر دیکھتی تو وہ دکھائی دے جاتے مگر۔ نکاح شروع ہوا چاہتا تھا۔ مولانا صاحب کی آواز ڈیڈی کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

پھر ایجاب و قبول کا مرحلہ آگیا۔ پہلا حق ماریہ کا تھا۔

اور کتنے دنوں پہلے کی بات ہے جب خدیجہ بانو ان کے گھر سے نکل گئی تھیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔ ساری صورت حال ڈیڈی سمجھ گئے اور انہوں نے دن رات دعا کی تھی اور شکر منایا تھا کہ خدیجہ بانو نے اپنے بیٹے کو روک دیا تھا۔ انہیں لگا ان کی دعائیں قبول ہوگئیں۔ وہ اب بیٹی کو کہہ سکتے تھے کہ وہ تو اس کی محبت میں مان گئے تھے مگر وہ لڑکا اور اس کی ماں ہی۔۔۔

مگر پھر ایک ہفتے پہلے وہ لڑکا۔۔۔ اور اس کی ماں دوبارہ ان کے گھر بغیر کسی پیشگی اطلاع کے موجود تھے۔

اور اب یہ آج کا دن۔ ان کے لیے مشکل ہو گیا یہ فیصلہ کرنا وہ وقت مشکل تھا یا یہ والا۔۔۔

وہ رخ موڑے بیٹھے تھے، مگر بنا دیکھے بھی سب محسوس ہو رہا تھا جو ہو رہا تھا۔ سینے کے بائیں جانب ایک درد اٹھتا تھا۔ جان نکال دینے والا درد۔۔۔

اور یہ آسمان بھی ان کے غم میں برابر کا شریک تھا ان کے ساتھ مل کر رو رہا تھا۔ ہچکیوں سے اور کبھی کبھار دھاڑیں بھی مارنے لگتا تھا۔

اور ماریہ۔۔۔ اسے بارش کی آواز جلترنگ لگ رہی تھی اور بادلوں کی گرج جیسے آسمان سے اس کے لیے شہنائیاں بجائی جا رہی ہوں اور فرشتے ہار پھول لیے کھڑے ہوں اور یہ ابر رحمت خاص اس کے لیے برسایا گیا ہو۔

تو بات یہ ہے کہ ساری بات دل کے موسم کی ہوتی ہے۔ اندر مرلیاں بج رہی ہوں تو سارا جہان کھِلا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اگر اندر مرگھٹ بن جائے، جیسے ڈیڈی کا اندر پھونک دیا گیا تھا۔

انہوں نے تیزی سے آنکھیں رگڑیں۔ نہیں ابھی نہیں۔۔۔ سامنے سے ماریہ آرہی تھی اور اس کا نیا خاندان (اور اس کا پرانا خاندان۔۔۔؟ رشتے پینٹل کے تو نہیں ہوتے نئے پرانے۔۔۔)

"کل ولیمہ کی تقریب ہو گی۔" خدیجہ بانو کے بھائی نے خوش دلی سے کہا۔

ڈیڈی نے آنکھیں پونچھ لی تھیں اور چہرے پھر سے حال دل کو صاف کر دیا تھا۔ وہ مضبوط انداز سے پورے قد سے کھڑے تھے۔ فاریہ نے پیچھے سے آکر ان کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ (وہ جانتی تھی کہ عمارت کہاں سے کمزور ہے۔ ایک ہاتھ کا سہارا ضروری تھا۔)

"ہاں ضرور۔۔۔ مگر میں نے اپنی بیٹی ابھی یہیں سے رخصت کر دی ہے اور ماریہ تم! آج کے بعد تم سے یا تمہاری کسی بھی ایکٹوٹی سے میرا یا میرے خاندان کا تعلق نہیں رہے گا۔ یہ رشتہ یہیں تک تھا۔"

"ڈیڈی!" خوشی سے کھلا چہرہ ششدر رہ گیا۔

"میں اس سے زیادہ نہیں کر سکتا تھا۔ آؤ سارہ! آئیں ماما!"

اور وہ پلٹ بھی گئے۔ ماریہ کا ہاتھ خدیجہ بانو کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بے ساختہ ان کے پیچھے لپکی تھی، مگر فاریہ نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"ڈیڈی کی ایک بات تو مان لو ماریہ!"

ماریہ کے قدم جکڑ گئے تھے اسے پتا ہی نہ چلا کب آنسو ٹھوڑی سے ٹپکنے لگے۔

قطع تعلق کا یہ اعلان گمان سے پرے تھا۔ دل دکھی ہوئے۔ جیسے جیتتے جیتتے ہار جائیں یا پھر۔

لیکن ان سب سے الگ خدیجہ بانو۔۔۔ حیران تو وہ بھی رہ گئی تھیں، مگر دوسروں کی نسبت انہوں نے جلد خود پر قابو پایا۔ اور دزدیدہ نظروں سے منے کو دیکھا۔ وہ بھی ساکت کھڑا اس گاڑی کو دیکھ رہا تھا۔

جس کے ساتھ ماریہ کی بہتی نگاہیں سفر کر رہی تھیں۔

خدیجہ بانو نپے تلے پرسکون قدم بڑھاتی ماریہ کے برابر کھڑی ہو گئیں اسے شانے سے تھام کر اپنی سمت گھمایا اور گلے سے لگا لیا۔ اسے ایسے ہی لمس کی ضرورت تھی۔ ساتھ کی، یقین کی، ڈھارس کی۔۔۔ اور خدیجہ بانو سے بڑھ کر مضبوط ستون کون تھا اس وقت۔۔۔ اور خوش بھی کوئی نہیں تھا ان کے علاوہ اس وقت یہ ہی ایک شرط تو رکھی تھی انہوں نے منے کے سامنے۔۔۔

"شادی کے بعد ماریہ اپنے ماں باپ سے نہیں ملے گی۔ کبھی بھی۔۔۔ نہیں بھی قطعی نہیں۔۔۔"

اور منے کا چہرہ متغیر ہو گیا۔۔۔ ماں نے مشکل میں ڈال دیا تھا، مگر انہوں نے چہرہ سخت کر لیا۔ پھر منہ موڑ لیا۔ نہیں تو پھر نہ سہی۔

اور انہیں یہ بھی یقین تھا۔ بیٹے نے یہ شرط ماریہ کو بتائی نہیں ہے۔ شاید بعد میں کوئی موقع دیکھ کر۔۔۔ نرمی سے یا سختی سے۔۔۔ مگر منوانی تو اسے تھی۔

"تو چلو دونوں کی مشکل آسان ہوئی۔" انہوں نے ہاتھ نہیں جھاڑے تھے، مگر انداز وہی تھا۔ خس کم جہاں پاک۔۔۔

"شادی مبارک ہو۔"
منظر میں جان پڑ گئی سب ایک دوسرے کو مبارک دے رہے تھے۔ مصافحہ کر رہے تھے۔ ہنس رہے تھے۔ سب سے پیاری مسکان خدیجہ بانو کی۔

☼ ☼ ☼

ولیمہ کی تقریب بہت شان دار تھی۔ سب سے دلچسپ چیز لوگوں کا ردعمل تھا حیرانی کے بعد نئے سرے سے حیرانی۔۔۔ اور پھر رشک۔۔۔۔ حسد اور تمسخر۔۔۔۔ بالخصوص ان کی کولیگز اور وہ لوگ جو ان کو سمدھن بنانا چاہتے تھے۔

"ہم نے سوچا۔ کون سا تیر مارا ہو گا منہ۔!"

"ایک سے ایک نیک پاک باز مسلمان لڑکیاں چھوڑ کے۔۔۔ ہنہ۔۔۔"

"اوں ہوں!" پھر کسی کو تادیب کا خیال آتا۔ "یہ تو شرف عظیم تھا جو خدیجہ بانو کو عطا ہوا۔"

"لاکھ کلمہ پڑھ لیا ہو مگر پیدائشی مسلمان والی بات نہیں ہو سکتی۔" متفقہ رائے میں قطعیت کا عنصر غالب تھا۔

اور رائے عامہ سے قطع نظر۔۔۔ خدیجہ بانو تفاخر سے سر اٹھائے مبارک باد وصول کر رہی تھیں۔

اور بہو۔۔۔ بنگال کا جادو لگ رہی تھی۔ دیوی کی طرح سجی بنی۔۔۔ (اور ان کا تو نظروں نظروں میں آرتی اتارنا تھکتا نہیں تھا)

تو در اصل وہ منے کی خوشی میں خوش تھیں،

۔اس کی آنکھوں کی چمک پنڈال میں لگائی روشنیوں سے بڑھ کر تھی اور اس کی ہنسی جیسی زندگی کا احساس اور کہیں نہیں تھا اور بہو۔۔۔ ماریہ۔۔۔

اور ماریہ۔۔۔ وہ مسلمان کیے جانے کے بعد اس کا نام بدلنا چاہتی تھیں مگر مولانا صاحب نے کہا۔

"یہ نام ماریہ ام المومنین میں سے ایک کا نام تھا اور بڑا ہی مبارک نام ہے ان ہی کے بطن سے نبی پاک کے بیٹے سیدنا ابراہیم پیدا ہوئے۔ سو نام بدلنے کی چنداں ضرورت نہیں۔"

خدیجہ بانو عقیدت سے دہری ہو گئیں ہاں وہ یہی نام رہنے دیں گی۔

اور صرف ان کا منا ہی خوش نہیں تھا۔ ماریہ بھی خوش تھی ایک دوسرے کی سنگت نے انہیں نہال کر دیا تھا۔

دن عید اور راتیں شب برات۔۔۔ ہنی مون پریڈ چٹکی بجا کر گزر گیا گویا اور عملی زندگی کا آغاز ہو گیا۔

خدیجہ بانو کی سالوں پرانی عادت تھی۔ صبح صبح اٹھ کر اسکول روانہ ہوتا۔ منا انہیں پہلے بائیک پر چھوڑا کرتا تھا۔ اب اس نے گاڑی لے لی۔ بہو ایک بہت بڑی فارماسیوٹیکل کمپنی کے بڑے عہدے پر ملازم تھی وہ پہلے ماں کو اتارتا پھر بیوی کو۔۔۔ پھر اپنے آفس روانہ ہوتا۔

خدیجہ بانو دوپہر کو آرام سے رکشہ یا بس میں آجاتیں۔ کبھی کبھار پیدل مارچ بھی ہو جاتا بیٹا اور بہو شام کو اکٹھے لوٹتے۔

اور وہ خود نوکری پیشہ عورت تھیں۔ انہیں بہو کی ملازمت پر کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ لاشعوری طور پر انہیں اس کا خود مختار ہونا اچھا لگا۔

ساس بہو کے روایتی رشتے کے برعکس ان کے گھر میں کسی قسم کا کھنچاؤ نہیں تھا۔ بہو دیر سے کیوں اٹھی۔ شوہر سے پہلے اٹھ کر باہر کیوں نہیں آئی۔ کمرے میں جلدی کیوں چلی گئی۔ دیر تک کیوں رہی اور وہ اکیلی دیواریں تکتی رہیں۔ بہو بیٹے کے ساتھ ہے اور بیٹا اس کے ساتھ سے خیال و بے حال رہتا ہے۔ ٹھیک ہے نا۔۔۔ ان کے بیٹے کی خوشی۔۔۔

گھر کے کام کاج کے حوالے سے بھی کوئی قدغن نہیں تھی۔

جو کر لیا اچھی بات ہے۔ جو چھوڑ دیا اس کے لیے انہوں نے ملازمہ رکھ لی۔ کھانا بنانا انہیں ویسے ہی پسند تھا۔ دوسرے ایک نوکری پیشہ عورت کی مجبوریوں سے ان سے بڑھ کر بھلا کون واقف ہو سکتا تھا اور بہو تو پھر نو

سے پانچ والی ملازمت کرتی تھی۔
وہ خود تو سات سے بارہ ہی میں چکرا جاتی تھیں۔
سو وہ پانچ بجے ہی چائے دم دے دیتیں اور پھر اہتمام سے سجا کر ان دونوں کا انتظار کرنے لگ جاتیں۔ ان کی آمد کا اعلان ان کی ہنسی سے ہوتا۔
"اللہ انہیں یونہی شاد آباد رکھے۔" وہ دعا گو ہو جاتیں۔
بہو کے آنے سے گھر میں بڑی تبدیلیاں بھی ہوئیں۔ وہ بلا کی صفائی پسند تھی۔ اس نے ان کے سادہ سے گھر کو ایسے سجایا کہ گڑیا گھر معلوم ہونے لگا۔ آئے دن کوئی نہ کوئی چیز لے آتی۔ خدیجہ بیگم نے تنہائی کاٹنے کو صحن کو گملوں سے بھر رکھا تھا۔ منا ماریہ کی ہدایت پر ایک روز راج مستری لے آیا ایک طرف کارپورچ بنا دیا گیا اور دوسری طرف کیاریاں اور گملوں کے اسٹینڈ۔
ماریہ قابل بھی بہت تھی۔ اس کی معلومات کے کیا کہنے۔ نجانے کون سی کھاد ڈالی کہ گلاب کے پھول اپنے حجم میں گوبھی کے پھول کو مات دینے لگے۔ اور اتنی قسم کے گیندے۔ اور اچانک ہی چنبیلی کے پودے سے اتنے بہت سے پھول کیوں اترنے لگے۔ ان کا گھر تو چھوڑو گلی تک مہکنے لگی۔
رات کی رانی اور دن میں راجہ۔ اللہ اللہ۔ وہ مسحور ہو جاتیں۔
ماریہ کھانا بھی بہت اچھا بناتی تھی۔ وہ بھی نت نئے پکوان۔ وہ پالک گوشت بناتی تھیں۔ بہو نے پالک پنیر بنایا۔
انہیں تو آلو پالک پیاز کے پکوڑے آتے تھے۔ ماریہ نے پران پکوڑے بنائے۔ بیٹا پکا مسلمان تھا گوشت کا عاشق۔ بہو گویا گوشت کی مار مارتی۔ کیک تو کیک زیرے والے بسکٹ تک گھر میں بنا لیے۔ خدیجہ بانو صاف انکاری ہو گئیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ماریہ نے اگلے روز پھر انہیں کچن میں اسٹول پر بٹھا کر سامنے بنا کر کھلائے۔ خدیجہ بانو انگشت بدنداں۔
ایسی ہر فن مولا بہو۔ آسودگی ان کے ہر مو سے ٹپکنے لگی۔ پہلے صابر دکھائی دیتی تھیں اب شاکر دکھائی دینے لگیں۔
بہو کی سجائی پھلواری میں ننگے پیر چلتیں۔ خستہ بسکٹ کترتیں۔ شاخوں پر جھومتے موٹے مٹلنڈے گلابوں (یہ نام بھی ان کے منہ ہی سے نکلا اور منے نے پھر پکڑ لیا جیسے) کو جھک کر سونگھتیں تو روح تک میں سرشاری پھیل جاتی۔
کتابیں پڑھتیں۔ اخبار اور ٹی وی دیکھتیں اور اللہ اللہ کرتیں اور اللہ اللہ۔ وہ چونکی تھیں۔ جیسے اچانک کچھ انکشاف ہوا تھا۔
"ہائیں۔ اس طرف تو دھیان ہی نہ گیا۔"
انہیں اب خود سے خیال آیا تھا اور کچھ "لوگ" بھی تو خیال کروا رہے تھے مگر تب ان کا دھیان نہ تھا اور اب جب دھیان پڑ گیا تو خیال اندر کہیں گڑ گیا۔

☼ ☼ ☼

"بہو نماز روزہ تو کرتی ہوگی نا۔؟ نماز آتی بھی ہے کہ نہیں۔؟ آپ نے سکھائی یا شوہر سکھاتا ہے؟ ویسے اگر کسی عالمہ کے ہاں بٹھا دیں کچھ عرصہ تو سب سے بہتر رہے گا۔"
اف خدا اتنے بہت سارے سوال۔ اور انہیں تو ایک بار دھیان نہ آیا۔
"بہو نماز نہیں پڑھتی منے۔!"
"اسے آتی نہیں ہے امی۔!" اتنے کھرے سوال کا اتنا ہلکا جواب کہ پھونک سے اڑ جائے۔
"صرف کلمہ پڑھنے سے تو مسلمان نہیں ہو جاتے منے۔ اور پھر ہمارا دین علم سے زیادہ عمل کی تلقین کرتا ہے۔" وہ شدید صدمائی آواز سے کہہ رہی تھیں۔
"امی سیکھ جائے گی تو کرے گی۔" وہ پرسکون تھا۔
"اور سیکھے گی کب؟" ان کے لہجے سے عجلت جھلکنے لگی۔
"آہستہ آہستہ سب آجائے گا۔" وہ گزشتہ لہجے سے بولا۔
"ضرور آجائے گا۔" انہوں نے صبر کا گھونٹ بھرا۔

"مگر آغاز تو ہو۔"

"تو آپ سکھائیں نا امی! اس نے منع کیا ہے۔"

"وہ سیکھے گی؟" وہ پل بھر میں برافروختہ ہو گئی تھیں۔ منے کا سر اثبات میں ہلا۔

"مجھے کسی نے کچھ کہا ہی نہیں تو اس لیے۔" اگلے روز بہو ان کی ہدایت پر غسل کر کے ان کے سامنے خوب اچھی طرح سے دوپٹا لے کر بیٹھ گئی۔ "تمہیں غسل کا سنت طریقہ معلوم ہے۔"

"سنت مطلب؟" بہو نے الجھ کر ان کی صورت دیکھی۔ "او آئی سی۔ یو مین مسلم طریقہ" بہو نے خود ہی سمجھ لیا۔ "مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔ (اس سے اچھا وہ منہ پر الٹے ہاتھ کا تھپڑ دے مارتی) خدیجہ بانو کا ہاتھ بے ارادہ گال پر ٹھہر گیا۔

"وضو تو اس روز مسجد میں کروایا گیا تھا۔ اب میں صبح اٹھ کر نارمل طریقے سے منہ دھونے کے بجائے وہی کر لیتی ہوں۔"

"بس!" خدیجہ بانو نے ہاتھ اٹھا دیا۔ اب بہتر تھا کہ وہ چپ ہی رہتی۔

"پانچ وقت نماز سے پہلے ایسے ہی وضو کرتے ہیں بلکہ پاک باز متقی مائیں تو بچوں کو دودھ پلانے سے پہلے بھی وضو کر لیا کرتی ہیں۔ بسم اللہ کے بغیر کبھی بچے کو دودھ نہیں دینا چاہیے۔"

"لیکن ابھی تو بچہ نہیں ہے نا۔" بہو نے کچھ گڑبڑاہٹ سے تصحیح کی۔ خدیجہ بانو چونکیں۔

"ارے ہاں ہاں' مگر اللہ خیر کرے ابھی نہیں ہے' مگر ہو گا تو ناں۔" انہوں نے بہو کو جھاڑ پلا دی۔

"جی جی یقیناً!"

"ان شاء اللہ بولتے ہیں۔ سبق نمبر ایک ہی سے اتنے سوال اٹھ رہے تھے آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟"

"جی مجھے پتا ہے اور ماشاء اللہ بھی۔"

"ٹھیک ہے' مگر اب تم غور سے میری بات سنو۔" اور بہو کو غور سے سننے کی عادت تھی۔ فرماں بردار بھی تھی اور سب سے بڑھ کر اسے شوہر سے محبت

تھی۔ محبت تھی جب ہی تو اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا۔ دین بدل لیا یہ آسان نہیں ہوتا اور اس نے جب رات کو ماں کے خیالات بتائے اور یہ کہ اب اسے دین کو سیکھنے اور عمل کرنے کی راہ پر آجانا چاہیے تو اس نے بلاچوں چرا اثبات میں سرہلا دیا تھا۔

اور دین دین فطرت تھا۔ بہت سادہ اور سیدھی باتیں۔ چھوٹی چھوٹی باتیں بڑے بڑے فائدے اور اجر' اجر بے پناہ۔ زمین آسمان کی وسعت سے بھی بڑھ کر (جنت زمین آسمان سے بڑھ کر ہی ہوگی ناں) مگر

"ناخن کاٹ دو۔ چالیس دن بعد مکروہ ہوجاتے ہیں۔"

"چالیس دن صرف چالیس دن۔" یہ تو زمانوں کی محنت تھی۔ اس نے دس بار سوچا نیل کٹر پکڑ رکھا اور پھر کاٹ لیے۔

"پانی بیٹھ کے پیو کھانا کھانے سے پہلے کے آداب اور کھانے کے بعد کے آداب اور کھانا بنانے کے آداب اور دعائیں' ہر عمل کی دعا۔" ماریہ واقعی سیکھنا چاہتی تھی۔ جاننا چاہتی تھی اور ماننے کا عہد خود سے کرچکی تھی۔

مگر۔

یہاں استاد یعنی خدیجہ بانو' وہ جلد باز بن گئیں۔ اسے خود سے آتا کیوں نہیں وہ سب کچھ جان کیوں نہیں جاتی۔ اتنی دیر کیوں بھلا۔

وہ جھنجلانے لگیں۔ برداشت کا مادہ کم ہونے لگا۔ اسکول میں تو بہت متحمل مزاج استاد تھیں۔ مگر پہلے مرحلے پر چھوٹی چھوٹی بنیادی باتیں تھیں۔ وہ سنتی بہت ذوق و شوق سے تھی اور ہر بات پر اس کا سر اثبات میں ہلتا تھا' مگر عمل کے وقت بھول جاتی تھی۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھول جاتی اور خدیجہ بانو شروع میں ہنکارا بھرتیں۔ با آواز بلند بسم اللہ پڑھ لیتیں۔ بیٹا بھی چونک کر ماں کی تقلید کرتا۔ پھر وہ بھی دہرا لیتا۔ (کیونکہ پڑھتی وہ بھی بھول گیا تھا) ماریہ چونک کر دیکھتی فورا" ہاتھ روک کر دہرا لیتی اور اس کا تلفظ بہت ٹوٹا ہوا تھا۔ بہت گراں گزرتا۔

خدیجہ بانو کو لگتا وہ سننے سے گناہ گار ہوتی ہیں۔ منے سے شکایت لگائی۔

"امی سیکھ لے گی آہستہ آہستہ۔" وہ بے فکر تھا۔

"ہاں مگر کتنا آہستہ؟"

"اسے نورانی قاعدے سے شروع کروائیں مسز خدیجہ!" ان کی کولیگ نے متانت سے راہ سجھائی۔ اوہ ہاں یہ بنیادی بات کیسے بھول گئی میں۔

اسکول واپسی پر قاعدہ خریدتی ہوئی لے آئیں۔

"قرآن پڑھنے' سمجھنے سے پہلے اس کا احترام اسے چھونے کے آداب سے واقفیت ضروری ہے۔ یوں ہی پکڑ لینے کی چیز نہیں ہے۔" ان کا لہجہ سنسناہٹ لیے ہوئے تھا۔ ماریہ کا سرہلا۔

"میں نے خوب اچھی طرح سے ہاتھ دھوکر ہی اسے پڑھاتا تھا امی جان۔"

"پڑھا تھا۔" خدیجہ بانو نے الفاظ دہرائے۔ "کب پڑھا؟ کیسے پڑھا؟ اور کہاں سے پڑھا؟ تمہارے پاس قرآن پاک آیا کہاں سے؟" ان کے لہجے میں تیزی تھی۔

"میرے پاس تو بہت سارے قرآن پاک ہیں۔" ماریہ کے لہجے میں تفاخر گھل گیا۔

"بہت سارے" ان کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔

"جی مسلمان کرنے کے بعد وہاں مسجد کے مولانا صاحب نے گفٹ کیا تھا۔" اوہ۔ خدیجہ بانو کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ "اور شادی میں بہت سے لوگوں نے بھی دیا۔ اور اسلامک بکس بھی' وہ تو میں نے ابھی نہیں پڑھیں مگر قرآن کو میں نے پڑھ لیا تھا۔"

"تم نے قرآن پڑھ لیا۔" خدیجہ بانو چھت تک اچھل گئیں۔

"جی' دوبار۔"

"دوبار!" خدیجہ بانو نے دہرایا۔ "تو پھر اگر تم کو قرآن پڑھنا آتا ہے تو دعاؤں میں اتنا غلط تلفظ کیوں۔؟" وہ چلا اٹھی تھیں۔

"ارے!" ماریہ ہنس دی۔ "وہ تو میں نے ترجمہ پڑھا تھا۔ عربی تو نہیں۔"

"اوہ اچھا!" ان کا چہرہ پر سکون ہوگیا۔ پھر غیر شعوری طور پر ایک طنز سا ابھر کر معدوم ہوگیا۔ ماریہ ان کے تاثرات سے بے خبر اپنی ہی کہہ رہی تھی۔

"وہ بالکل مقدس بائبل جیسا ہے۔ وہی تمام قصے جو میں نے بائبل میں پڑھے تھے آدم کی پیدائش سے لے کر....."

"ماریہ!" خدیجہ بانو کی آواز غضب ناکی کی حدوں کو چھو آئی۔ ماریہ نے پہلی بار یہ آواز و انداز دیکھا۔ وہ حیران پریشان رہ گئی۔

"قرآن قصوں کی کتاب نہیں ہے۔ اور تم اسے بائبل سے کیسے ملا سکتی ہو۔ تم قرآن کے بارے میں جانتی ہی کیا ہو۔ تم' تم۔"

"آپ بائبل کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں امی اس میں بھی انسانوں کے لیے ہدایت ہے نیکی کی تلقین ہے اور....."

"تم' تم" خدیجہ بانو اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئیں۔ ماریہ پریشانی آمیزنا سمجھی سے کھڑی ہوگئی۔ "وہ بھی خدا کی کتاب ہے۔"

وہ غم و غصے سے کپکپانے لگیں۔

"اٹھو چلو میں تمہارے کمرے کی تلاشی لوں گی مجھے یقین ہے' وہاں اب بھی وہ ہوگی۔" خدیجہ بانو اک جنون کے عالم میں کمرے سے نکل بھی گئیں۔

ماریہ کو پیچھے جانا ہی پڑا۔ اس کے نفاست سے سجے کمرے کا منٹ میں کباڑہ بن گیا۔ ایسا لگتا تھا وہ سوئی ڈھونڈ رہی ہیں۔ خوب صورت سے شیشے والا دیوار گیر بک شیلف کتابیں میز پر پڑی تھیں۔ کچھ شاعری، کچھ نثر' ڈکشنریز' کچھ اسلامی کتابیں اور بہت خوب صورت جلد میں قرآن پاک بہت ساری جلدیں خدیجہ بانو ہانپ گئیں۔ وہ اب چھت اور دیواروں کو دیکھ رہی تھیں۔ کہیں ٹنگی نظر آئے۔ مگر دیوار پر چاروں قل کا فریم تھا۔ اور آیت الکرسی کا۔ اور ایک خوب صورت برفانی منظر۔ "مجھے اپنے ساتھ بائبل لانے کی ضرورت نہیں تھی امی!" ماریہ نے سر پر آنچل ٹکایا۔ وہ بہت خیال سے میز پر رکھی کتابوں کو اٹھانے جھکی تھی۔ "بسم اللہ" اس نے کچھ اٹک کر کہا اور سب سے پہلے اوپر والے ریک میں دوبارہ سے قرآن پاک رکھنے شروع کردیے۔

خدیجہ بانو کو اس کے بیان کی صداقت پر ذرہ برابر یقین نہ آیا۔ ان کا دل چاہا وہ اسے دھکیل دیں اور اس سے کتاب مقدس چھین لیں۔ "مت ہاتھ لگا ناپاک عورت۔" مگر ماریہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی۔

"اس لیے کہ مجھے بائبل زبانی یاد ہے۔" اس کے لہجے میں کسی ندی کی روانی سا سکون تھا۔ رات کے وقت گمان کی صورت بہتی ندی۔

اور خدیجہ بانو کی آنکھوں حلقوں سے ابل پڑی تھیں۔ جیسے سونامی کی لہر نے انہیں بہت اوپر تک اٹھا کر اچھال دیا تھا۔ اور پھر بہت دور پٹخ دیا۔ یا پھر ٹرین ان کے اوپر سے گزر گئی تھی۔ یا.....

"تمہیں بائبل یاد ہے۔؟"

"جی جیسے آپ کو قرآن پاک یاد ہے۔"

ماریہ نے سینے پر ہاتھ لپیٹ کر اطمینان سے جواب دیا۔ اور ان کی پوری زندگی سے اطمینان رخصت ہوگیا۔ ایک بے کلی' ایک آزمائش۔ ایک شک زندگی بھر کا۔ تو یہ عذاب تھا جو شروع ہوگیا۔

اور شک جیسے لکڑی کو گھن۔ جنس کو کیڑا..... زمین کو تھور اور تناور درخت پر امر بیل چڑھ جائے۔ پھر کہیں جائے اماں نہیں بچتی۔ کوئی علاج نہیں سوجھتا۔

☼ ☼ ☼

وہ کس کس چیز سے بھاگتا۔ اپنی جان بچاتا۔ یہاں چہار سو اس کے لیے موت بکھری تھی۔ زندگی کا کوئی نشان نہیں تھا۔ موت حقیقت تھی اور سینہ تانے کھڑی تھی۔ وہ بھاگتا تو ضرور' مگر کس کس چیز سے' کس کس جگہ پر۔

دن کی تپش جلد کو جھلسا دیتی اور رات کی ٹھنڈک ٹھٹھراتی۔ ریت کے اندر سرسرائے سانپ سے اور لپ لپ زبان نکالتی عجیب الخلقت چھپکلیاں اور بچھو

اور چونٹیاں' وہ ان سے بچ بھی جاتا تو سورج کی تپش اور پیاس کی شدت اور بھوک سے اور اس کی ختم ہوتی قوت ارادی اور۔

زمین سے آسمان تک موت تھی۔ وہ اتنے بہت سے محاذوں پر کیسے لڑ سکتا تھا۔ وہ بھی خالی ہاتھ' ایک گھونٹ پانی جو ہونٹوں کو تر کرسکے۔ اور کھانے کو' کچھ بھی۔

اسی وقت کے لیے یقیناً" مکروہ کو جائز اور حرام کو حلال ہوجانے کا حکم دیا گیا مگر کوئی حرام جان دار حلال مردار یہاں یہ دونوں چیزیں نہیں تھی۔

وہ اپنے اردگرد کو کھوج رہا تھا۔ دفعتاً" اس کی آنکھوں میں کرن چمکی۔

اسے افسوس ہوا اس کا دھیان کیوں نہ گیا' اردگرد بے شمار انجان چھوٹی بڑی جھاڑیاں تھیں وہ اٹھنے کے قابل نہیں تھا رینگتا گھسٹتا ایک پودے تک پہنچ گیا۔ اس نے اوپر ٹہنی نوچ لی یہ بہت مشکل کام تھا' اس نے اپنی ساری توانائی خرچ کی تھی۔

تھے نہ نظر آنے والے کانٹوں نے خراشیں ڈال دی تھیں۔

"ہاں میں ان سب کو کھالوں گا تو دوبارہ چل سکوں گا۔ ساری ٹہنی کھا جاؤں گا۔ پیٹ میں کچھ جائے گا تو جسم میں ہمت اور دماغ میں عقل آئے گی۔

اور' اور پتوں میں پانی بھی تو ہوتا ہے۔ کامیابی کا یقین جان چھوٹ جانے کا خیال اس نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے خوب مسل کر پتا صاف کیا تھا۔

اگلے ہی منٹ وہ آخ تھو' اوک' آک' تھوک تھوک بے حال ہوگیا۔ اس قدر کڑوا' نیم کے پتے' سنبل کی چٹکی' اس نے بہت اونچی آواز میں گالیاں دینی شروع کردیں۔

وہ اندھادھند دونوں ہاتھوں سے ریت اڑانے لگا۔

وہ ریت پر ایڑیاں رگڑنے لگا۔ اور پھر زمین پر اوندھے منہ گر گیا۔ وہ رو رہا تھا۔ بے حد بے حساب سوکھے حلق اور آنکھوں کے ساتھ رونا کیسا تکلیف دہ تھا۔ بیان مشکل تھا۔

"ہم تمہیں کھینچ کھینچ کر تمہاری قتل گاہوں کی طرف لے جائیں گے۔" اس نے کسی سے سنا تھا یا کبھی پڑھا تھا۔

"تو وہیں مار دیتا ناں' اتنا ذلیل و خوار کیوں کیا؟" وہ شکوہ کناں تھا۔ اور موت کا عمل تکلیف کا نام ہے۔

"ریشم کا دوپٹہ اور کانٹے دار جھاڑی۔"

"کسی کی موت کا عمل اتنا طویل بھی ہوتا ہے؟"

آپ مرگئے اور آپ کے تمام اعضا نے کام کرنا چھوڑ دیا یہ فطرت ہے۔

آپ زندہ ہیں۔

اور دھیرے دھیرے کسی بھی وجہ سے تمام حواس کام کرنا چھوڑ دیں۔

(آنکھیں دیکھنا' کان سننا' جسم جنبش کرنا زبان گنگ ہوجائے۔) یہ ذلت ہے' یہ عذاب ہے۔

اور وہ اتنے بہت سے خطرات میں بھی نہ صرف زندہ تھا۔ بلکہ سوچ سمجھ بھی رہا تھا۔ اسے لوگ اور چہرے یاد تھے بلکہ مقام حیرت تھا۔ اسے پرانی سے پرانی باتیں بھی جزئیات کے ساتھ یاد آنے لگی تھیں۔ وہ خود احتسابی کے عمل سے دوچار تھا۔ ہوش بے ہوش کے درمیانی وقفے میں گزری تمام زندگی گھنٹی بجا کر شور کرتی تھی۔

نقاہت' کمزوری نے اس کی عقل کو سلب کردیا تھا۔ وہ ذرا سا دماغ لڑاتا تو یا ذرا سی باریک بینی سے گردوپیش کو دیکھتا تو اپنی جھاڑیوں میں ادھ کھائے پتے ٹوٹی شاخیں تھیں اور نیچے مینگنیاں۔

یہاں سے بکریوں کے ریوڑ گزرے تھے۔ وہ اگر ان نشانوں پر چلتا تو یہاں کڑوے پتے تھے۔ تو بکریوں کے لیے بھی خوراک تھی۔ یہاں زہریلی کانٹے دار جھاڑیاں ہی تھیں۔ مگر اس میں ان کی تمیز کا ادراک قطعاً" نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

شہرزاد عیسائی کی برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے کسی نفسیاتی کیس کی طرح بیڈ پر بکھرے

میگزین اور اخبار اٹھا اٹھا کر کمرے میں پھینک دیے وہ ہانپ رہی تھی پنکھے کی ہوا سے پھڑپھڑاتے ورق جیسے اسے چڑا رہے تھے۔ اس کا تھمتا جنون عود کر آیا اس نے سب سے زیادہ شور مچاتے ورق کو نوچ لیا تھا۔ پرزہ پرزہ کردیا۔ بے شمار چھوٹی پرچیاں پھر بھی چہرہ نمایاں ہو رہا تھا۔ وہ کتنے ورق پھاڑ دیتی (نوشتہ دیوار پڑھنا مشکل اور ناقابل برداشت کیوں ہوتا ہے) وہ بے دم ہو کر صوفے پر گر گئی۔

اس نے رات کا رکھا پانی کا کھلا گلاس منہ کو لگالیا۔ اس کے اوسان اس قدر خطا تھے کہ باچھوں سے گرتا پانی گردن سے گزرتا آتشی گلابی بلاؤز کو گیلا کر گیا۔

اس سے واقعی غلطی ہوئی اس نے موسیٰ کو اپنی جاگیر کیوں سمجھا۔ انہوں نے آپس میں طے کیا تھا کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور کے ساتھ کام نہیں کرے گا۔

اس کے بس میں ہوتا تو وہ سچائی کے علم بردار متلاشی صحافیوں کو سوچوتے مارتی جو یرکا کو اپناتے ہیں۔

جب موسیٰ نے سب بڑے نامی گرامی ناموں کو چھوڑ کر اسے اپنی ویڈیو میں شامل کیا تب یہ صحافی ہی تھے جو اس فیصلے کو موسیٰ کی ناعاقبت نااندیشی گردانتے تھے۔ وہ انڈسٹری کے ان تمام لوگوں سے واقف تھی جو اس کے پیٹھ پیچھے اس کی اور موسیٰ کی دوستی سے جلتے تھے۔ ویڈیو ہر لحاظ سے بے پناہ کامیاب ہوگئی۔ تو حقیقت پسند صحافیوں نے دونوں کو ایک دوسرے کے لیے سیڑھی کا نام دیا "اندھے لولے کی جوڑی" پھر کچھ سنسنی پھیلانے کے شائق اندر کی بات نکالنے والے۔

اس دوستی کا انت کیا ہوگا؟ یہ کب تک چل پائے گی۔ موسیٰ سرکش گھوڑا اور شہزاد عنانیں کھینچنے کے دور سے گزر چکی۔

وہ اگر کبھی موسیٰ کو ایک جانب متوجہ کرتی تو وہ بے نیازی سے اگنور کرنے کا مشورہ دیتا اور وہ خود میڈیا سے بھاگتا تھا۔ انگلش میگزینز کو انٹرویو دینا یا پھر ماڈلنگ اسے دنیا کی قطعاً "پروا نہیں تھی وہ اپنی مرضی کا مالک تھا۔ وہ خاموش طبع تھا تنک چڑھا اور غرور اس کے چہرے پر نقش بن کر ابھرا ہوا تھا۔ دونوں کی باہم ملاقاتوں میں وہ خاموش رہتا بمشکل سے کوئی بڑا جملہ شہزاد ہی بولتی وہ اسے سنتا ضرور تھا۔ مسکرا دیتا بس۔

شہزاد اب حقیقت پسندی سے جائزہ لے رہی تھی اسے کوئی ایسا پل یاد نہ آتا جو کسی گہرے التفات کا مظہر ہوتا۔ اس نے ہی اسے اپنی ملکیت سمجھ کر غلطی کی۔

(شہزاد نے اپنے آنسوؤں کو ہتھیلی کی پشت سے رگڑا' وہ نیم تاریک کمرے میں صوفے پر بیٹھی محاسبہ کررہی تھی)

اور تین دن سے اپنے کمرے میں بند پہلے وہ غصے کا شکار تھی پھر دھیرے دھیرے جب غصہ اترا تو اسے محسوس ہوا کچھ بھی ہو اس کے اور موسیٰ کے درمیان ہوئی ناراضی یا غلط فہمی کو میڈیا سے دور رہنا چاہیے تھا وہ کیوں جاکر اس پر چیخی۔ کس حق سے' کس برتے پر اور وہ اس وقت بھی خاموش رہا تھا اس نے تمام لوگوں کو جانے کا اشارہ کرکے اسے خاموشی سے سنا تھا۔ بس وہ خود ہی جب بول بول کر تھک گئی تو پلٹ آئی۔

اخبارات کو تو جیسے بیٹھے بٹھائے مزے دار کہانی مل گئی۔ شہزاد کی پچھلی ساری زندگی کے بخیے ادھیڑ دیے گئے وہ اخبارات کی مین اسٹوری بن گئی۔ مگر وہ اس طرح سے کب چاہتی تھی۔ موسیٰ کی کامیابیاں اس کے مستقبل کی پیش گوئیاں اس کی پرسنالٹی سب شہزاد جتنے غصے میں گئی تھی۔ اسے خیال تک نہ رہا کہ میڈیا میں تماشا بن جائے گی اس کے اور موسیٰ کے درمیان جو کچھ کہا سنا گیا وہ بند کمرے میں تھا۔ مگر خبر پھیلانے والے ڈھیروں

"واقعی غلطی ہوگئی میں یہ بھی تو شو کرسکتی تھی کہ میں نے ہی موسیٰ کو یہ مشورہ دیا کہ اس ویڈیو کی تھیم کے مطابق نئی نوعمر لڑکی کاسٹ کرے۔ اگر میں بظاہر تو میری عزت بھی رہتی اور دنیا کو تماشا دیکھنے کو نہ ملتا۔

میں جاؤں گی اب کے پاس میں اس سے سوری کہوں گی۔ میں کہہ دوں گی مجھے کسی نے بھڑکا دیا تھا۔ مجھ سے غلط فہمی میں وہ سب ہوا میں نے مان لیا ہے کہ موسیٰ کو میری یہیں تک ضرورت تھی۔ مگر مجھے اس کی

دوستی کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔ کتنے بہت سے نام ہیں۔ جو سالوں سے اچھے دوست بنے انڈسٹری میں رہ رہے ہیں مجھ سے غلطی ہوگئی۔" وہ خود کلامی کرتے ہوئے اپنی پیشانی مسل رہی تھی۔

شہزاد کی نگاہیں رسالے کے سرورق پر تھیں جہاں نیلی جینز اور خیالے رنگ کی قمیص پہنے موسی تھا اور اس کے مقابل سویا خان نیلی جینز پر سرخ پھولوں والی مٹیالی قمیص میں ملبوس تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔ اور کیمرے کو بہت استحقاق بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

سویا خان فقط سترہ برس کی تھی۔ وہ بے حد پرکشش نقوش کی مالک تھی اس کے سیاہ گھونگھریالے بال اونچی پونی میں گچھوں کی صورت تھے اس کے کانوں میں چوڑی جتنے بڑے بالے تھے۔

اور اس کی صراحی دار گردن غرور سے تنی تھی۔

میڈیا کے پنڈتوں نے اس جوڑی کو دھماکے دار انٹری قرار دیا اور مدح سرائی میں ہر ایک نے دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کی تھی۔

☼ ☼ ☼
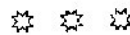
"پنڈال میں چار ہزار لڑکیاں تھی۔ اور تین ہزار نو سو ننانوے نے اس کو دیکھ کر اسے پانے کی آرزو کی تھی۔ پل بھر کو دل جیسے رک گئے تھے اور کیا ان سب نے زندگی کو چھوڑ دیا۔ بھول بھال گئیں۔ اور اب ٹی وی پر اخباروں میں اسے دیکھ کر خوش ہو لیتی ہیں۔"

"اور تم احمق اعظم! پاگل کی" حلیمہ نے زبان دانتوں تلے داب لی جوش خطابت میں اب وہ پٹڑی سے نہ اتر جاتی۔

"یہ صرف جنس مخالف کی کشش ہے اور کچھ نہیں۔" اریبہ نے سوسنار کی کردی۔

"پہلے وہ بوڑھی سوکھی گائے شہزاد عیسانی کے ساتھ ننگا رہا پھر سویا خان اور اب ٹاپ ماڈل شیل کے بازو میں بازو دے کر کھڑا ہے۔ اور تم ہو کون' ہے کیا تمہاری اوقات' خالی شکل ہی شکل عقل کا خانہ خالی۔

صرف ایک نام معلوم ہے' وہ بھی ادھورا صرف ایک بار شکل دیکھی اخبار میں چھپی تصویریں جنہیں کینٹین والے انکل کل کاٹ کر رول پیٹ لپیٹ کر بیچتے پھریں گے اور لڑیاں انگلیاں پونچھ کر گولا بنا کر ڈسٹ بن کے اندر۔"

ماہ رو تو گویا سوچ سوچ کر بول بول کر اور دانت پیس پیس کر تھک چکی تھی۔ وہ خاموش ہوئی تو حلیمہ کا ناصحانہ ٹھہرا ٹھہرا انداز بیچ میں اریبہ کے چھوٹے چھوٹے ایک لائن کے آگ لگاتے ہوئے جملے۔

"تم نے اپنی اب تک کی زندگی میں اپنے ابا بھائیوں' بھتیجوں اور گھر کے تمام دیگر مردوں کو داڑھی' صافے' عمامے میں دیکھا ہے۔ جینز شرٹ بکھرے بال کلین شیو اور خوب صورت تو خیر وہ تھا ہی ایسا مرد پہلی مرتبہ۔ تو اٹریکشن ہوتا ہے یار' مگر کون پاگل کا بچہ ایسے جوگ لیتا ہے۔"

"اور جوگ لینے کی وجہ ہو کوئی" اریبہ نے خود ہی بات ادھوری چھوڑ کر گویا سرپیٹ لیا۔

"پہلے تم اسے ڈھونڈو اور چلو' ہم تمہاری خاطر اس تک پہنچ بھی جائیں تو کیا کریں گے۔ کیا کہیں گے۔ جی ہماری سہیلی ہے۔ آپ سے عشق کرتی ہے رو رو کر اس نے آپ کے ہجر میں بینائی کھو دی ہے۔ وہ آپ کے بغیر رہ نہیں سکتی۔ پلیز پلیز اللہ کے لیے آپ اس سے شادی کرلیں۔ آپ کا بھلا ہوگا اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔ دیکھیں۔ وہ بہت خوب صورت ہے۔ بہت پیاری۔ پورے کالج میں اس جیسی دوسری نہیں ہے۔ پلیز۔"

ماہ رو خالی کرسی کے سامنے یوں بول رہی تھی جیسے وہاں موسی بیٹھا ہو۔ آخری جملے پر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے گھٹنوں کے بل زمین پر جھک آئی۔

"الو کی پٹھی۔ وہ روزانہ ایسے ہزاروں پروپوزل اور مرتی لڑھکتی لڑکیوں کو اک نگاہ غلط انداز سے دیکھے بنا شاہانہ طور گزر جاتا ہوگا۔" اریبہ نے شدید غصے کے عالم میں کتابیں پٹخ دیں۔

"اونہوں!" حلیمہ کا چہرہ سرخ ہوا۔ "گالی مت دو

والد تک جاتی ہے اسے گالی۔"

"ہاں تو والد تک ہی جائے گی بلکہ دادا سے پردادے اگلی پچھلی نسلوں تک بیٹیوں کی ایسی حرکتیں گالی بن کر منہ پر چپک جاتی ہیں۔" اریبہ بری طرح روتی حسنل کو یوں دیکھتی تھی جیسا مرجائے یا مار دے۔

"اور یہ یک طرفہ محبت دوسری پارٹی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں وہ مست الست شرابی کبابی اور نجانے کیا کیا عقل کے ناخن لو" دانت پیس پیس کو بولتے حلیمہ کے جبڑے دکھ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

"اس روز تو تم کہہ رہی تھیں۔ خواب ضرور دیکھو۔ اونچے سے اونچے آنکھوں میں خواب ہوں تو تعبیر کو راستہ دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے ڈھیروں من چاہے خواب دیکھو۔" حسنل آنسو پونچھ کر گلا کھنکھار ماہ رو سے مخاطب ہوئی۔ اگلے روز حسنل نے خود ہی قصہ چھیڑ دیا۔

"اور تم اور حلیمہ۔" وہ اریبہ اور حلیمہ کی سمت گھومی۔

"اور تم لوگ کہہ رہی تھیں دعا مانگو اور جب ہر جگہ سے مایوس ہو جائیں تو آخری راستہ دعا رہ جاتا ہے۔ انہونی دعا سے ہونی میں بدل جاتی ہے۔ جو باتیں مثالیں تم مجھے دے رہی ہو خود عقل کل اور مجھے پاگل جھلی سمجھ کر وہ میں تم لوگوں سے بہتر جانتی ہوں۔ میں اس کی طلب میں اندھا دھند بھاگ ضرور رہی ہوں مگر اندھی ہوئی نہیں ہوں۔ میں نے ساری جمع تفریق کرلی ایسے نہیں تو ایسے۔ مگر ہر جمع تفریق کا حساب صفر آیا۔ اور جب کوئی راہ نہ سجھائی دی تب ایک آخری حل مل گیا مجھے۔" اس کا لہجہ یقین سے بھرپور تھا۔

اریبہ عاقل ماہ رو فیاض اور حلیمہ کی ساری حسیں متوجہ تھیں۔

"جس اللہ نے جس مالک نے مجھے اس کی جانب متوجہ کر دیا۔ میں اسی سے اسے کیوں نہ مانگ لوں۔ مجھے وہ چاہیے ہر قیمت پر میں اسے اللہ سے مانگ لوں گی۔ رو کر پیٹ کر لڑ جھگڑ کر۔ میں گڑگڑاؤں گی، روؤں گی، پیٹوں گی۔ میرے پاس ایسی کوئی نیکی نہیں جس کے بدلے میں جس کا احسان جتا کر میں اللہ کو راضی کروں۔ مگر مگر تم تینوں سن لو اور ساری دنیا بھی سن لے۔" اس کے لہجے میں کچھ پالینے کا جوش تھا۔

تینوں کو تو پہلے ہی سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ خاموش طبع تھی۔ کچھ چڑچڑی کچھ بے زار اپنے خاندان سے نالاں۔ مگر اس کی عزت و شہرت کا غرور، ناک کی نوک اور اٹھی کمانوں پر دھرا رہتا تھا۔ وہ کم بولتی تھی۔ مگر خون دودھ کا اثر تھا۔ وہ جس گود میں پلی بڑھی تھی جس گھر میں رہتی تھی وہ علم و حکمت کا گہوارہ تھا۔ وہ شعوری طور پر کبھی قابلیت و علم کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ مگر سن سن کر جبراً ہی سہی وہ خود کو بیان تو کر سکتی تھی۔

"مجھے اللہ پر یقین ہے کامل وہ مالک و مختار ہے اور ہر چیز اس کی دسترس میں ہے۔ وہ اختیار والا مہربان ہے کائنات کی ہر چیز اس کی ہے وہ جبار و قہار ہے۔ وہ رحیم و کریم ہے۔ وہ دینے والا ہے وہ بخشنے والا ہے۔"

وہ آنسوؤں سے بوجھل آواز میں بولتے بولتے جیسے اتنی مگن ہوئی کہ بھول گئی کہاں بیٹھی ہے۔ کلاس روم میں کوئی بھی کبھی بھی آسکتا ہے۔ اس کی ہچکیاں ہتھیلیوں میں چھپا چہرہ جھکڑوں کی زد میں آئی شاخ جیسا لرزہ براندام وجود۔

اس کا تڑپنا کرلانا وہ صحیح تھی۔ وہ سچی لگ رہی تھی۔ ان تینوں کی قوت گویائی سلب کر دی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے گاڑی سے قدم نکالنے سے پہلے ایک منٹ رک کر سب کچھ دہرایا جو اس سے کہنا تھا۔ معذرت کے الفاظ، زبان سے، آنکھوں سے، ہاتھوں کا استعمال اسے اپنا سارا ایکٹ یاد تھا۔ مگر لاک پر جما ہاتھ۔ اس نے ایک طویل ٹھنڈا سانس لیا۔ جیسے تمام قوت مجتمع کی۔ اسے بالکل سامنے موسیٰ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ نیلی جینز پر سفید بے حد باریک کپڑے کی بشرٹ

میں ملبوس تھا۔ اوپر کے چار بٹن کھلے تھے۔ ہتھیلیوں کی اوک ہونٹوں سے جڑی تھی اور اس کے اندر لائٹر تھا۔ اس نے پہلا طمانیت انگیز طویل کش لیتے ہوئے جب گردن اٹھائی تو سامنے سے آتی شہرزاد کو دیکھا۔

وہ سبز جارجٹ کی ساڑھی میں لپٹی ہوئی تھی۔ کانوں میں بہت باریک لمبی چین کے سرے پر لٹکتے چنے کے دانے برابر زمرد تھے۔ کلائی میں ویسا ہی بریسلیٹ' نوکیلی ہیل نے دراز قامتی کو آزمائش' بنادیا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

''آئی ایم سوری موسی۔!'' اس نے اپنے ایک جملے میں اپنی ساری شرمندگی سمودی تھی۔ آنکھوں میں التجا تھی اور ہاتھ موسی کے ہاتھ کے اوپر۔

وہ بہت گہری نگاہوں سے چند پل اس کے چہرے کو یوں دیکھتا رہا۔ جیسے ایکسرے رپورٹ دے گا۔

''اٹس اوکے! موسی نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ جسے ایک دم لائٹ آگئی۔ سارا منظر روشن ہوگیا۔

کلفٹن کے اس بنگلہ میں وہ اپنے گانے کی ویڈیو شوٹ کروا رہا تھا۔ شہرزاد نے تمام حقیقتوں کو پالینے کے بعد محض دوستی (ہمیشہ کا ساتھ) پر اکتفا کرنے کا سوچ لیا تھا وہ کسی بھی طرح بس اس کے ساتھ جڑی رہنا چاہتی تھی۔

وہ اسے ہمراہ لیے اندر آگیا۔ بے حد لگن تیزی سے کام کرتے لوگ ایک پل کو ساکت ہوگئے۔ شیل' گلابی نائٹ گاؤن میں گلابی بیڈ روم کے سیٹ پر بالوں میں کرل ڈلوائے سیدھی کمر کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر ابھی صرف بیس لگی تھی اب پتا نہیں یہ بیس کی سفیدی تھی یا تحیر کی مردنی۔۔۔ وہ بے ساختہ کھڑے ہوتے ہوتے بیٹھ گئی۔ ''ان سے تم واقف ہوگی۔ میری یہاں بننے والی پہلی دوست' میں نے فرینڈ یوز نہیں کیا شہرزاد! روکھا سا لگتا ہے۔'' موسی نے شیل سے تعارف کرواتے ہوئے جیسے شہرزاد کو نہال کردیا۔

شہرزاد کے ترتیب دیئے سارے جملے ایسے ہی رہ گئے تھے۔ اسے کوئی صفائی نہیں دینی پڑی بس اس کا آجانا تمام گناہ دھو گیا تھا۔ تمام مسئلوں کا حل تھا۔ خوشی نے اسے سرشار کردیا۔ وہ موسی کی کہنی تھام ذرا سا خم کھا کر ہنستی چلی گئی۔

''فاسٹ فاسٹ آج اس سیٹ کا کام فائنل ہوجانا چاہیے۔'' ویڈیو ڈائریکٹر جے 'کے' تالی پیٹتا ان کی طرف آگیا۔ اس نے شہرزاد کی جانب مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

تمام لوگ ایک بار پھر مگن ہوگئے۔

تیز ہوا سے بیڈ روم کے ہلتے حریری پردے اور موسی کی بانہوں میں ڈولتی بے خودی کا تاثر دیتی شیل۔ شہرزاد کا تن من پھونک رہا تھا پر اسے منافقت کے دور میں قدم رکھنا تھا اس نے ممکن کو ہار بنتے دیکھا تھا وہ خامشی کو جیتتا دیکھ رہی تھی۔

سین کے مکمل ہونے پر اس نے شیل کو گلے لگا کر بہت دل سے مبارکباد بھی۔ اور اس کی کامیابی کی پیش گوئی بھی۔۔۔۔

شیل میک اپ دھوتے اور واپسی کے لیے تیار ہوتے ہوئے بے حد جھنجلائی ہوئی تھی۔ وہ تو موسی کو اپنی ملکیت سمجھ رہی تھی وہ اسے رجھانے اور پھنسانے کے لیے باقاعدہ ہوم ورک کر کے آئی تھی مگر شہرزاد کی اچانک آمد اس کے وہم و گمان سے پرے تھی۔ وہ لنچ موسی کے ساتھ کرنے کا ارادہ باندھ کر آئی تھی اور ہارتے ہارتے بھی اس نے اظہار کردیا کہ صبح سے کام کے باعث وہ اب تک بھوکی ہے مگر اس وقت اس کا پورا وجود شعلوں میں گھر گیا۔

جب موسی نے اپنا سارا کام سیکریٹری کو سونپا اور شہرزاد کے فیورٹ جاپانی ریسٹورنٹ میں ''سوشی (کچی مچھلی کا کھاجہ) کھانے روانہ ہوا۔

''مجھے اتنا خفا نہیں ہونا چاہیے تھا در اصل میڈیا میں چھپنے والی بکواس اور لہر عجیب و غریب سوالات یہ صحافی۔'' اس نے گالی دی۔ ''سونگھتے پھرتے ہیں اور کچھ نہ ملے تو بکواس شروع کردیتے ہیں۔''

''میں سمجھ سکتا ہوں شمو'' موسی چاپ اسٹک سے

کھیل رہا تھا۔ ”مگر تمہیں ایسا بچکانہ رویہ نہیں اپنانا چاہیے تھا کیا تم نہیں چاہوگی کہ میں کامیابیاں سمیٹوں جب مجھے تم مناسب لگی تھیں تو میں نے ہزاروں مخالفتوں کے باوجود جب ایک بار تمہارا نام لے دیا تو پھر پیچھے نہیں ہٹا۔ اور میں نے کبھی ذکر نہیں کیا اور تم کبھی پوچھنا بھی مت کہ وہ کون کون سے تمہارے ”ویل وشرز“ تھے جنہوں نے تمہاری مخالفت کی اور ایک کے بعد ایک نام دیئے لیکن میں نے تمہیں صرف ٹی وی میں دیکھا تھا۔ ایک بار ایک ایونٹ میں، اور مجھے تب ہی کنفرم ہو گیا تھا کہ ”تیری طلب“ کی ہیروئین تم ہی ہوگی۔ ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں شیری اور ہمیں ایک دوسرے کا بھلا سوچنا چاہیے۔ میں تمہیں کبھی نہیں روکوں گا کہ تم فلاں کام کرو یا نہ کرو۔ ہاں اگر کبھی میں یہ فیل کروں کہ فلاں کام سے واقعی تمہارا نقصان ہوگا تو میں تمہیں روکنے آؤں گا اور پیار سے نہیں مانوں گی تو زور زبردستی کروں گا۔ دراصل“

موسیٰ اپنے مخصوص گمبھیر لہجے میں بہت واضح بول رہا تھا۔ شہرزاد کے پورے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی اس کے جملے کو اس نے اپنے حساب سے معنی دیئے تھے۔

”اب اگر مجھے سوہا یا شیل مناسب لگ رہی ہیں تو میں ان ہی کو لوں گا بلکہ شیل کا انتخاب تو جے کے نے کیا ہے میں تو اسے جانتا تک نہیں“ آئی تھنک ریڈ لائٹ ایریا سے بی لونگ کرتی ہے۔ میرے شدید تحفظات تھے مگر جے کے کہتا ہے بیڈ روم سین میں جو ایکسپریشن چاہئیں‘ وہ اس کے علاوہ اور کوئی دے نہیں سکتی اور بہرحال جے کے کا مشاہدہ درست معلوم ہوتے لگا ہے‘ اگر کل کو کوئی اور تھیم ملی جس میں تم مناسب ہوئیں تو یار اس سے اچھا کیا ہو سکتا ہے مگر کام پر کمپرومائز میں نہیں کر سکتا۔“

اس کا بے حد صلح جو ناصحانہ لہجہ سختی میں ڈھل گیا۔ پر شہرزاد اس کے الفاظ کب سن رہی تھی وہ وائن گلاس کے کنارے پر انگلی پھیرتی بس اسے دیکھے جارہی تھی اور موسیٰ بی کو دیکھنا بھی ایک مشقت طلب ہمت طلب کام تھا۔ اس کے چہرے کی بے پناہ مردانہ وجاہت اور آنکھوں کی گہرائی سے چھلکتی بے پناہ کشش نظروں کو باندھ لیتی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے بہت سوچ سمجھ کر یہ وقت چنا تھا۔ جب نانا کی لائبریری میں کوئی نہیں ہوتا تھا تاکہ وہ بہت اطمینان سے مطلوبہ کتب ڈھونڈ سکے بلکہ مطالعہ بھی کر سکے۔

یہ نہیں تھا کہ اسے مطالعہ کرنے یا کتاب ساتھ لے جانے سے کسی نے منع کر دینا تھا‘ مگر وہ ہی کہ وہ بہت خاموشی سے یہ کام کرنا چاہتی تھی۔

حدیث‘ فقہ‘ تاریخ کی کتابوں کا ڈھیر لگا تھا۔ قرآنی نسخے‘ تراجم اسلامی تاریخ اور تاریخ عالم کے قدیم نسخے بڑی نایاب کتب۔

ایک ریک میں نانا کی اپنی تصانیف کا ڈھیر تھا۔ لائبریری کا ماحول بہت پاکیزہ تھا۔ گرد و غبار کا شائبہ تک نہ تھا اور اس کا باعث نانا سمیت سب کی بھرپور دلچسپی تھی۔ اس لائبریری سے مستفید ہونے کے لیے بڑے بڑے لوگ آیا کرتے تھے ان میں سیاست دان‘ مفکر‘ مصنف اور سپریم کورٹ کے کچھ جج بھی شامل تھے۔ کتب کا تو گویا بہانہ ہوتا۔ باتوں ہی باتوں میں نانا جان سے بہت سے مسائل کا حل معلوم کر لیتے۔ الجھنیں سلجھا لیتے۔

سو آج حسنل بی بی کو بھی الجھن نے تھکا دیا تھا۔ وہ بھی پھنسی ہوئی تھی اور کاش وہ بھی نانا جان سے گفتگو کر کے سرا پکڑ پاتی لیکن اسے تو خود ہی کوشش کرنی تھی۔

اسے اسم اعظم کی تلاش تھی جس سے بند دروازے کھل جاتے ہیں (قسمت کے دروازے؟) کوئی دعا کوئی وظیفہ کوئی منتر اور وہ جو دیواروں پر لکھا ہوتا ہے ”ایک ہی رات میں محبوب قدموں میں“ پسند کی شادی چٹکی بجا کر

”اور اگر مجھے محبوب مل جائے تو میں اسے قدموں

میں تو نہ بٹھاؤں خود ہی بیٹھ جاؤں۔" اسے تصور ہی نے گدگدا دیا۔

"اور وہ بھی تو کہتے ہیں سامنے بٹھا کر عمر گزار دی جائے کیسی عجیب بات ہے نا مگر محبوب تم جیسا ہو تو عمر گزاری جا بھی سکتی ہے۔"

وہ ایک موٹی سے کتاب پر ٹھوڑی جما کر "محبوب" کو سوچنے لگی اور موٹی کتاب کے نکال لینے سے ریک میں روزن سا بن گیا اور روزن کے اس طرف پورے انہماک سے نوٹ بک میں کچھ تحریر کرتا عبدالمبین تھا۔

اسے پورا یقین تھا اس پوری لائبریری میں جو ہزاروں کتب بھری ہوئی تھیں ان میں ایک بھی لطائف کی کتاب نہیں تھی تو پھر کیا تھا جس نے اس کے چہرے کو کھلا دیا تھا۔ ایسی الوہی مسکان عبدالمبین مبہوت ہوا تھا۔

پھر اسے وہ سارے سبق یاد آ گئے جو گھول کر پلائے گئے تھے۔ ایسے چوری چوری دیکھنا سخت معیوب بات تھی اور گناہ بھی ہوتا۔

وہ یقیناً" اس کی موجودگی سے بے خبر تھی۔ عبدالمبین نے ذرا سی ترچھی گردن کر کے ان کتابوں کو دیکھا جو وہ نکال چکی تھی۔ یہ دینی مسائل اور وظائف کی کتابیں تھیں۔

وہ کسی خاص چیز کی تلاش میں لگتی تھی تو یوں ہلکان ہونے سے بہتر تھا وہ کسی سے پوچھ لیتی ماشاءاللہ سب صاحب علم تھے۔ نانا جان دیکھتے تو بہت سراہتے۔ علم کی تگ ودو تو شرف ہوتی ہے، جو بڑی ریاضت سے حاصل ہوتی ہے اور یہ اعزاز ہر ایک کو ملتا بھی نہیں تو یہ بڑی مبارک ساعت تھی جب تلاش کتاب پر آ کر رک گئی تھی۔ حسن المآب کی انگلیاں اب فہرست پر چل رہی تھیں مسمرائز کرتی مسکان کی جگہ ایک گہرا پر تفکر انداز حاوی ہو چکا تھا۔ وہ جستجو میں غرق تھی۔ بہت سے وظیفے تھے مگر طویل کیا جواب دیتی اور کیوں؟۔

اس نے اپنی توجہ چھوٹے وظیفوں پر مرکوز کر دی۔ نماز کے بعد پڑھنے والے بالخصوص زیر لب پڑھ لیے جانے والے وظیفے چھوٹی چھوٹی دعائیں و ورد۔

پر یہاں بھی مسئلہ ہو گیا ہر دعا پچھلی سے بڑھ کر لگتی۔ فیصلہ مشکل ہو گیا کس کو چنے۔ اس کی روشن پیشانی پر ابرو کے پاس لمبی لکیر ابھر آئی۔ ہونٹ بھینچ جاتے، ناک سکیڑتی اور پھر ایک تکان زدہ سانس اس کے گال کا تل مزاج کے سب رنگوں کا ترجمان بن جاتا۔

"کیا تلاش کر رہی ہوں حسنل۔ کیا میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟۔"

عبدالمبین کے لیے مزید مخفی رہنا اب مشکل ہو گیا۔ آج سے پہلے اسے اس قدر اور اتنی دیر تک دیکھا نہیں تھا۔ احساس جرم بھی ہونے لگا۔ دوسرے اس کی فکر مندی نے اسے پریشان کر دیا تھا اور ادھر حسنل وہ یوں اچھلی تھی جیسے سر پر چھپکلی ٹپک گئی ہو اس کے ہاتھ سے کتاب چھوٹ کر پیروں پر آن گری۔ وہ سخت ہراساں نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"اوہ!" عبدالمبین تیر کی سی تیزی سے کتاب اٹھانے جھک آیا۔ حسنل کا چہرہ سپید ہو گیا تھا۔

"ارے تم تو ایسے ڈر گئیں جیسے میں نہیں ہوں میرا بھوت ہے۔" وہ کتاب اس کی جانب بڑھا رہا تھا۔ حسنل نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سر سے ڈھلکتا دوپٹا سنبھالا۔

"ایسی کوئی بات نہیں" اس نے اپنی آواز کی لڑکھڑاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

"میں تمہیں بہت دیر سے دیکھ رہا تھا۔" اس کا انداز ہچکچاہٹ آمیز تھا۔

"دراصل میں کچھ نوٹس بنا رہا تھا۔" حسنل کے چہرے پر اجنبیت اور درشتی آ گئی۔ اس نے جیسے اس کا دوسرا جملہ سنا ہی نہیں۔ وہ کتابیں ریک میں لگانے لگی۔ عبدالمبین نے اس کی لگائی کتابوں کو واپس نکال لیا۔ وہ کتابیں یوں ہی ٹھونس رہی تھی انہیں ان کی مخصوص جگہ پر نہیں لگا رہی تھی۔ بعد میں ڈھونڈنے والے کو مشکل پیش آتی۔

"اوں ہوں یہ رہنے دو۔ مجھے کچھ کام ہے۔" اس

نے ٹوکا۔

"اوہ ضرور ویسے اگر کوئی مسئلہ ہے تو تم پوچھ سکتی ہو میرا مطلب ہے نانا جان سے پوچھ لو۔" وہ کھوج نہیں رہا تھا مگر اتنی دیر تک اس کا چہرہ پڑھا تھا۔

"نہیں کوئی مسئلہ نہیں اور اگر ہو گا تو میں پوچھ لوں گی۔ مشورے کا شکریہ۔" وہ بہت بے مروّتی سے بولی جملے اگرچہ اچھے تھے۔

عبدالمبین مسکرا دیا۔ پتلی کھال والے چہرے کی یہ مسکراہٹ بالکل اچھی نہ لگی۔

حسنل نے قصداً" تاثرات کو کرخت سا بنا لیا نہ کرتے بھی اس کے پاس موٹی موٹی چار کتابیں تھیں اور ایک ڈائری۔

"میں لے جاتا ہوں یہ تمہارے ساتھ" عبدالمبین نے ہاتھ بڑھائے۔

"نہیں" حسنل نے تیزی سے اپنے ہاتھ پیچھے کیے۔ "شکریہ۔" وہ آگے بڑھی۔

"ایک بات کہوں۔" حسنل مڑی نہیں رک گئی البتہ۔

"دعا کی قبولیت کے لیے اہم چیز نیت اور طلب کا سچا ہونا ضروری ہوتا ہے اور۔۔۔"

"میں یہ بات تم سے بہتر جانتی ہوں۔ کہو تو سنا دوں؟"

وہ مڑ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی اور اس بار اس کا لہجہ مروت سے عاری تھا۔ اس میں بے خوفی اور ہٹ دھرمی کا عنصر نمایاں تھا۔

اور ایک چیلنج کرتا انداز جسے کیا کہیں۔ کیا بھلا؟

اوں۔۔۔ ہاں گھمنڈ کہنا مناسب ہے شاید۔

عبدالمبین کا مسکراتا چہرہ سمٹنے لگا۔ پھر اس پر ایک گہری سوچ تحریر ہونے لگی۔

اس سے پرے حسنل تیزی سے اپنے کمرے کی جانب جا رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کوئی اور اسے دیکھے۔

☆ ☆ ☆

سارے ہفتے تو سب صبح کا آغاز اپنے حساب سے کرتے تھے۔ کسی کو جلدی نکلنا ہے کسی کو دیر سے مگر اتوار کے روز ناشتے پر خوب اہتمام ہوتا اور سارے اہل خانہ ہال کمرے میں بچھے فرشی دسترخوان پر جمع ہو جاتے۔ عبدالمبین اور عبدالمتین عام طور پر خواتین والے حصے میں نہیں آیا کرتے تھے مگر اتوار کے ناشتے میں ان کی شرکت بھی لازمی ہوتی۔

مگر پھر بھی دسترخوان پر سب کے بیٹھنے کی ترتیب یوں ہوتی کہ حد بندی واضح ہو جاتی۔ ایک طرف مرد پھر خواتین اور لڑکیاں اسی دائرے میں بیٹھے ہوتے بھی سب سے کٹی کٹی سی نظر آتیں۔

نانا جان نے سیر ہو کر کھایا۔ پورے ہفتے پرہیزی کھانے کھاتے تھے مگر اتوار کے ناشتے کو پرہیز سے ماورا قرار دیا تھا۔ پائے، حلوہ پوری، چنے، کباب اور پراٹھا ہفتہ کی رات کو چاند رات جیسی ہڑبونگ کا عالم ہوتا تھا کچن میں۔

اپنے کنبے کو اس طرح اکٹھا دیکھ کر نانا جان بڑے مسرور تھے۔ خدا کا کرم تھا۔ یہ منظر بھی ایک نعمت تھا۔ اپنے بچے اور پھر۔۔۔ ان کے بچے۔

بڑا خوش گوار ماحول تھا۔ ہلکی پھلکی گفتگو کوئی قصہ چھڑا تھا اور سب کی دلچسپی عروج پر تھی۔ نانا جان نے سب پر نظر ڈالی۔ پھر یک دم نگاہ ٹھٹک گئی۔ یہ حسن المآب تھی ایک گھٹنا موڑے دوسرے کو کھڑا کیے اسی پر ٹھوڑی ٹکائے وہ بہت چھوٹے نوالے سے شوربہ اٹھاتے اٹھاتے جیسے ساکت ہو گئی تھی۔ نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں اور دھیان کسی اور جہان کی سیر کو گیا ہوا تھا۔

قصے کے دوران ہنسی کا وقفہ آ گیا تھا۔ وہ چونکی تھی جیسے "حاضر" ہو گئی تھی۔ پھر سب پر خالی نگاہ ڈالی۔ ساتھ ہی اپنے ہاتھ کے نوالے کو دیکھا اور یوں منہ میں ڈال دیا جیسے کسی حکیم کی کڑوی پھکی ہو۔ ساتھ ہی پانی کا گلاس بھرنے لگی۔ پلیٹ آگے کھسکا دی تھی۔ اس کی پلیٹ میں آدھی سے زیادہ روٹی موجود تھی اور اس نے اتنے بہت سارے لوازمات میں سے کسی چیز کی طرف دیکھا تک نہ تھا۔

"تمہیں کوئی مسئلہ درپیش ہے حسن المآب؟" وہ باقی گھر والوں کی نسبت اسے پورے نام سے پکارتے تھے۔ وہ بری طرح چونکی۔

"نہیں بالکل نہیں۔"

"اوں!" ان کی آنکھوں سے پیار بھری تنبیہہ جھلکی۔ "تم نے ناشتا صحیح طرح سے نہیں کیا۔"

"مجھے اتنی ہی بھوک تھی۔" سب کے متوجہ ہوجانے پر وہ خائف ہوکر دوٹوک انداز میں بولی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں ابا جان آپ اس کی بھوک بہت کم ہوگئی ہے۔" تو امی کے نوٹس میں بھی یہ بات اور امی ہی کیوں باقی سب نے بھی تائیداً" سرہلائے۔ سب اسے دیکھنے لگے۔ موضوع بدل گیا تھا۔ اب وہ موضوع گفتگو تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" حسنل نے سرنہ اٹھایا۔ سراٹھانے سے چہرہ سب کے روبرو آجاتا ہے۔

اور کہتے ہیں چہرہ کھلی کتاب ہوتا ہے۔

اور نظر۔ بھی اٹھانی پڑتی ۔

اور کہتے ہیں کہ آنکھیں اندر کی کہانیاں سنا جاتی ہیں۔ اس نے خاموشی اختیار کرنا مناسب سمجھا کہ یہ بھی سنا تھا کہ آواز کی لرزش بھی سننے والوں کے کان کھڑے کردیتی ہے اور اسے بروقت محاورہ بھی یاد آیا۔ ایک چپ اور سو سکھ مگر آگے بھی ناناجان تھے۔

"وظائف کی کتاب ڈھونڈ رہی تھیں۔ کوئی مسئلہ ہے؟"

حسنل کا جھکا سر جھٹکے سے اٹھا اور نظریں تیر ہوکر عبدالمبین کے چہرے پر گڑ گئیں (غضب چھلکاتی شربار نگاہیں) سب ایک بار پھر متوجہ ہوگئے تھے۔

"میں نے کچھ نہیں بتایا۔ لائبریری میں کتابوں کی ترتیب بگڑی ہوئی تھی اور ناناجان کو وہی کتاب درکار تھی جو تم لے گئی تھیں۔" عبدالمبین نے سچ کہا۔

حسنل نے نگاہیں ناناجان پر مرکوز کیں جو گہری نگاہ سے اسے جانچ رہے تھے۔ (سب گھر والے بھی کبھی اسے دیکھتے کبھی عبدالمبین کو۔ کیا بات تھی بھلا۔ عبدالمبین کا صفائی دیتا انداز بھلا کیوں.....)

"جی مجھے پڑھنی تھی۔ میں آپ کو لادیتی ہوں۔" وہ کھڑی بھی ہوگئی۔

"اوں ہوں۔" ناناجان نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ "ضرورت نہیں۔ مطالعہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

باقی سب ایک بار پھر ناشتے میں جت گئے۔ بس ناناجان ہی اسے دیکھ رہے تھے۔ (عبدالمبین نے قصداً" پرہیز کیا۔ مبادا شک یقین بن جائے جب کہ وہ بے قصور تھا)

ناناجان اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

"چائے بھجوادو میں کتب خانے میں ہوں۔"

حسنل نے سکھ کا سانس بھرا۔ "جان چھوٹی' بڑا مشکل ہوتا ہے زیرک لوگوں سے نظر ملانا اور مکالمہ کرنا، مگر....."

"تم چائے لے کر آنا حسن المآب.....!"

"وہ.....!" اس بار سب نے اس کے رنگ کو اڑتا دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"دعا سے بڑا ہتھیار کوئی نہیں ہوتا حسن المآب۔" ناناجان کی آواز یقین سے بھرپور تھی تو ناناجان کو کیسے پتا چل گیا کہ وہ.... حسنل کی تھوڑی گریبان میں گھس گئی۔

"مگر دعا کی شکلیں ہوتی ہیں۔ ہر دعا قبول ہوجانے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ....."

"اور اب ناناجان کہیں گے کہ جو دعائیں دنیا میں پوری نہ ہوں وہ آخرت کے لیے بچالی جاتی ہیں اور ان کا اجر آخرت میں ملتا ہے' مگر اسے موسیٰ دنیا ہی میں چاہیے۔" اس نے اتنی زور سے جبڑے بھینچے تھے کہ ہڈیاں ابھر آئیں رگیں دکھائی دینے لگیں۔

"دعا قبول نہ ہونے میں بھی اس مالک کی مصلحت ہوتی ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے' ہمارے حق میں کیا بہتر ہے کیا نہیں..... ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے۔"

"نہیں میں بھی جانتی ہوں۔ مجھے کس چیز کی ضرورت ہے۔" وہ ضدی لہجے میں زیرلب بولی۔

نانا جان کی نظریں اس کے جھکے سر پر جمی تھیں۔
اس کا دوپٹا کچھ ڈھلک گیا تھا۔
عبیدہ نے کچھ غلطی کردی اور صحیح کہتے ہیں بچوں سے بات کرنے میں سب سے زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔ باپ کے انتقال پر سب کی ضد کو صبر آگیا تھا۔ (ابو کہاں چلے گئے' ابو کو لائیں) مگر حسن المآب کو قرار نہ آیا اسے ابو چاہیے تو چاہیے۔
"جو ایک بار اللہ کے پاس چلا جائے' وہ واپس نہیں آتا۔" صبغہ زیادہ عقل مند تھی اور وہ ساکت رہ گئی۔ مگر پھر......
اسے حل سوجھ گیا تھا۔ وہ اللہ سے ابو کو واپس مانگ لے گی۔ اللہ دعائیں سنتا ہے اور بچوں کی تو کبھی رد نہیں کرتا اور پھر اس نے چلتے پھرتے ابو کی واپسی کا تقاضا شروع کردیا۔ سب سے چھپ کر خشوع و خضوع سے۔
اور ایک روز نانا جان نے یہ سب جان لیا۔ انہیں اس پر رحم آیا۔ دکھ ہوا' مگر ساتھ ہی اسے سمجھانا بھی ضروری تھا۔
"ہر دعا قبول ہونے کے لیے نہیں ہوتی حسن المآب!"
"مگر سب تو کہتے ہیں اللہ دعائیں سنتا ہے۔"
"ہاں' مگر جنہیں اللہ واپس بلالے پھر واپس نہیں بھیجتا۔
اس کا ایک نظام ہے۔ جو دعائیں اس نظام میں خلل ڈالیں' وہ قبول نہیں ہوتیں جیسے نیم کے درخت پر گلاب نہیں کھل سکتے۔ ایسی دعا ... کرنے سے منع کیا گیا ہے۔" وہ حیران رہ گئی تھی۔
"میں نے تمہیں دعا کے بارے میں بتایا تھا۔ تمہیں یاد ہے؟"
نانا جان نے اسے مخاطب کیا۔ حسنل کا سر اٹھا...... نہیں تو ایسا کب ہوا' اس کی تو اس موضوع پر نانا جان سے بات ہی نہیں ہوئی۔
نانا جان کے لبوں پر شفیق مسکراہٹ پھیل گئی۔
"جب تم بچپن میں اپنے ابو کی واپسی کے لیے دعائیں کرتی تھیں۔"
"اوہ!" حسنل کے چہرے پر خجالت ابھری۔ پھر اس کا سر نفی میں ہلا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" بچپن کی یاد نے لہجہ متبسم کردیا۔ نانا جان بھی مسکرا رہے تھے۔ پھر اسی مسکراہٹ کے دوران انہوں نے اگلا سوال کردیا۔
"میں صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا۔" نانا جان نے قصداً" رک کر اسے دیکھا۔
"یہ نیم کے پیڑ پر گلاب کھل جانے جیسی دعا تو نہیں ہے؟"
حسنل کا رنگ فق ہوگیا۔ حلق خشک اور حواس جاتے رہے۔
"باقی کوئی مسئلہ ہے کچھ چاہیے۔ کوئی بھی ضرورت ہے تو تم مجھ سے کہہ سکتی ہو' میں تو اس خوش فہمی میں مگن ہوں کہ تمہارے باپ کے مرنے کے بعد میں نے تمہیں محرومیوں سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ ہاں باپ لاکر دینا اختیار سے باہر کی چیز تھا۔"
(او خدا... تو وہ اسے آج بھی وہی حسنل سمجھ رہے تھے جو ابو مانگتی تھی)
"نہیں بس مجھے یوں ہی مطالعہ کرتا تھا۔" اس نے خود پر قابو پالیا۔
"وہ اریبہ کے چہرے پر دانوں کے نشانات آگئے ہیں۔ وہ پریشان تھی تو کہنے لگی کوئی دعا ہو تو..." اسے سوجھ ہی گیا ایک بہانہ....
"پانچ وقت وضو کرنے سے جلدی مسائل کا تدارک ہوتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اب اپنی داڑھی کو سہلانے لگے تھے۔
"میں نے بتایا تھا اسے۔" اس نے فوراً" کہا۔ نانا جان نے سر ہلایا۔ وہ اس کا چہرہ پڑھنا چاہ رہے تھے۔ جہاں کشمکش رقم تھی۔
"دعا سے تقدیر بدل بھی تو جاتی ہے۔" اس کے منہ سے نکلا۔
"بالکل... مگر دعا کا بھی ایک دائرہ اختیار ہوتا ہے۔ ایک حد بندی... ہوتی ہے۔"

"لیکن دنیا کی ہر چیز تو اللہ کی ہے ناں.... وہ جسے چاہے دے۔" وہ غیر ارادی طور پر کھل کر حجت پر اتر آئی اور نانا جو کسی خاص بات کے گمان میں گفتگو کو یہاں تک لے آئے تھے کہ وہ کھلنے لگی اور بے خبر بھی رہی۔ نانا کی زمانہ شناسی کے سامنے تو وہ کل کا بچہ ہی تھی ناں۔ کچھ وقت جاتا تو سب کچھ اگل دیتی۔

"ہاں، مگر اللہ چھین کر نہیں دیتا جو جس کے لیے ہے، وہ اسی کا رہے گا۔ آپ کو اس سے اچھا یا دوسرا تو دے سکتا ہے، مگر چھین جھپٹ، کھاڑ پچھاڑ اللہ کے نظام کا حصہ نہیں۔ وہ ہر کام بڑا نظم سے کرتا ہے۔"

حسنل کے پرامید چہرے پر تاریکی پھیل گئی، مگر فون بیل کی وجہ سے نانا جان کی نظر بھٹک گئی۔ ورنہ وہ حقیقت تک پہنچ جاتے اور پھر صاف سیدھے سوال سے انہیں کون روکتا؟ وہ تو حسنل کی قسمت اچھی رہی۔ اس نے اجازت طلب نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ نانا جان نے شفقت سے بھرپور انداز سے سر کو ہلا دیا۔

وہ اٹھی تو قدموں میں شکستگی اور چہرے پر غم تحریر تھا اور غم دھواں دار ہوتا ہے۔ فوراً" آنکھوں میں بھر جاتا ہے۔ وہ جب تک نانا جان کی نگاہوں کے حصار میں رہی، متوازی قدم اٹھائے لائبریری سے نکلتے ہی اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

تو اگر اللہ نے اسے کسی اور کے لیے لکھ دیا ہے۔ اسے کسی اور کو دے چکا ہے تو مجھے نہیں دے گا؟

اس سوچ ہی سے اس کے دل کو دھکا لگا تھا۔

"مجھے نہیں پتا.... میں مانگ لوں گی۔ میں اللہ کو منالوں گی، اسے مجھے دے دیں اور اگر وہ کسی اور کے نام ہے تو اسے کچھ اور دے دیں۔ اللہ کے لیے کیا مشکل ہے، مگر مجھے تو بس وہی چاہیے۔"

اس کے لہجے کی ہٹ دھرمی بتانے کو مثالیں ڈھونڈنا مشکل تھا۔

اتنا ہی مشکل جتنا اسے سمجھانا، مگر سمجھانے کا مرحلہ تو تب آتا نا جب وہ کسی کو بتاتی، اس نے تو سب کچھ اپنے بل بوتے پر کرلینے کی ٹھان لی تھی۔

☆ ☆ ☆

پانچ وقت اللہ کے حضور جھکنا اس کی تربیت کا حصہ تھا۔ یہ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے کی طرح کی ایک عادت تھی۔ مگر اس میں جو خشوع و خضوع پابندی اب آئی تھی وہ سب گھر والوں کے لیے حیران کن مگر خوش کن بھی تھی۔

اس کے وظائف اور طویل دعائیں.... کسی کو ان کا سبب نہیں معلوم تھا۔ شاید امتحان، شاید خوف خدا.... یا پھر.... اللہ کی رحمت....

اسے اب کسی بھی کام کے لیے نہیں کہنا پڑتا تھا۔ وہ ایک لگے بندھے معمول کی طرح سب کرتی تھی۔ اس کی اکڑ.... بے زاری جو بدتمیزی کو جنم دیتی تھی جیسے ختم ہو رہی تھی۔

امی کے لیے یہ تبدیلی خوش آئند تھی۔ وہ اعتراضات اور نکتہ چینی چھوڑ چکی تھی۔ اس کے لبوں پر بہت سارے سوالوں کے جواب میں فقط ہلکی مسکراہٹ در آتی۔

امی کی بے خبری کو سلام....

ماہ رو، اریبہ اور حلیمہ تینوں کے لیے اس کا رویہ حیران کن تھا۔ انکشافات کے اگلے روز، وہ ہلکی پھلکی اور یوں نارمل تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں.... وہ تینوں بہت سے جملے، مثالیں، وضاحتیں تیار کر کے لائی تھیں، مگر اس نے جیسے اس باب کو بند کر دیا تھا بنا حل کیے....

وہ اسے بے وقوف، کم عقل، یوٹوپیا کی ملکہ سمجھ رہی تھیں۔

مگر وہ بے وقوف نہیں تھی۔ وہ شاید خود غرض تھی۔ اپنے مطلب کے لیے ہر جائز ناجائز راستہ اپنا لینے والی۔

کل تک سجدے صبح و شام کی ٹکریں تھے۔

آج ان میں عاجزی اور استحکام ابھر آیا تھا۔

دعا پہلے جزو نماز تھی۔ وہ نماز مکمل کرنے پر ہاتھ اٹھا لیتی تھی۔ چند مخصوص دعائیں۔ آج تنگکی باندھ کر

یوں اردگرد سے غافل ہوتی کہ اسے چونکایا جاتا۔

دوغلی، منافق، مطلب پرست، خودغرض۔

کل کی آشناہٹ اپنی غرض کی خاطر لگاوٹ میں بدل گئی۔

اسے آئینہ دکھانے والا کوئی نہیں تھا۔ اس کے سجدے اور تسبیح کی انگلیاں غرض کے شیرے میں لتھڑی ہوئی تھیں۔

ایسے گڑگڑا کر تو اللہ سے اللہ کو مانگا جاتا ہے۔

اور وہ اللہ کے بندے کو مانگ رہی تھی۔

اس نے کتنے ہی نفل مان لیے تھے۔

حسن المآب جانتی نہ تھی وہ مٹی کی ڈھیری پر بیٹھا جعلی فقیر تھی جو مجمع تو اکٹھا کر سکتا ہے مگر مرید نہیں۔

جو اپنے حلیے چال ڈھال سے اللہ کا بندہ' نظر آتا ہے مگر اس میں بندگی کا نام و نشان نہیں ہوتا۔

حسن المآب اپنی غرض کی خاطر نیک ہو چکی تھی مگر ایسی نیکی جو دریا میں ڈالی جائے تو دریا خشک ہو جاتے ہیں۔

اللہ منافقت کو پسند نہیں کرتا۔

☆ ☆ ☆

محی الدین سہگل اپنی پریشانی کے جواب میں عقیلہ کی فرمائش سن بھونچکے رہ گئے۔ انہوں نے ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ مگر خدشہ بیان کر دیا تھا کیا سمیع الدین مان جائے گا۔ اور اسی سوال کا جواب نہیں تھا۔ وہ ان کے ساتھ آکر تو رہنے لگا تھا۔ صبح و شام کا ساتھ کھانا پینا باقاعدہ گپ شپ بھی..... مگر اس کے باوجود اس کی اپنی ایک دنیا تھی۔

"لیکن وہ بدر کی طرح بے دید نہیں۔" عقیلہ کہیں کھو گئیں.....

"وہ کہتا تھا اس کے بے دید ہونے کا باعث ہم دونوں ہی تھے۔"

"ہم نے سب کچھ اسی کے لیے تو کیا تھا۔ محی الدین بدر کے ذکر پر ہمیشہ کھو سے جاتے تھے۔

"مگر وہ اسی کو ہماری خودغرضی کہتا رہا۔" عقیلہ بولیں۔" اور آج مجھے لگتا ہے وہ شاید صحیح تھا۔"

"وہ ہمیں مورد الزام ٹھہراتا رہا کہ عہدہ بڑھانے اور نوٹ کمانے کی ہوس میں ہم نے اسے اگنور کیا۔ وہ اپنی ساری برائیوں کو ہماری لاپروائیوں کا رزلٹ کہتا رہا۔"

"وہ ٹھیک کہتا ہے عقیلہ..... ہم نے اس کے ساتھ یہی کیا۔"

"پتا ہے سہگل۔ غلطی کہاں ہوئی۔ اسے اچھی انگلش آئے تو انگلش بولتی میڈ رکھ دی۔ وہ مینرز سیکھ لے۔ کانٹے چھری سے کھانا اسے ایک لارڈ بچہ بنانے کے لیے ہم نے خوب پیسہ خرچ کیا۔ سب ٹھیک تھا مگر ایک بار دن میں یا ہفتے میں..... یا چلو مہینے میں پل بھر کو رک کر دیکھ تو لیتے "آیا وہ وہی بن رہا ہے۔ جو ہم بنانا چاہ رہے تھے۔"

"اس کی زندگی فلپ نے برباد کی تھی۔" محی الدین پر براہ راست الزام آرہا تھا۔ وہ تنہائی میں تو خود کو ساری غلطیاں گنوا دیتے تھے مگر عقیلہ کے منہ سے سچ سن کر تڑپ اٹھے.....

"اور فلپ کو لایا کون تھا؟" عقیلہ کا لہجہ چور چور ہو گیا۔ آنکھوں میں نمی ٹھہر گئی۔ محی الدین لاجواب ہو گئے۔

ہاں وہ ہی تو لائے تھے اسے..... ایک بے دین انگریز..... جو مذہب پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ جو فرد کی آزادی کو اہم مانتا تھا۔ حدود قیود سے نا آشنا مگر ایک بے حد پڑھا لکھا انگریز..... اور انہوں نے وقت کی شدید قلت کے باعث اپنی بیٹے کی پرورش کا ذمہ اسے دے دیا۔

بارہ تیرہ برس تک آیاؤں کی گود سے گرمی تلاشتا ننھا بدر الدین اب عمر کے اس دور میں تھا جہاں ماں کی انگلی چھوڑ باپ کی کلائی تھام لی جاتی ہے۔

مگر وہ تو محی الدین سہگل کی زندگی کا اہم ترین دور تھا۔ وہ وفاقی دارالحکومت کی مشنری کا اہم پرزہ بن چکے تھے۔ حکومت کا آنا، حکومت کا جانا سب ان کی میز پر طے ہوتا تھا، پورے ملک کا نظام سنبھالنا اہم تھا یا بارہ تیرہ برس کے بچے کو..... فلپ تھا نا.....

فلپ اینڈرسن کون تھا کہاں سے آیا اس کا آگا پیچھا کیا تھا خبر نہیں۔ ہاں مگر وہ گورا تھا۔ اس کی موٹے ہونٹوں والی آنکھوں کے سبز ڈیلے بے حد پُراسرار معلوم ہوتے تھے مگر وہ بے حد مہذب تھا۔

وہ گلے پہ سرخ بو لگاتا تھا اور دونوں ہاتھ بندھے ہوئے۔۔۔۔ اس کے بال چھوٹے اور نفاست سے ترشے ہوئے تھے' وہ انہیں ہمیشہ سلیقے سے جمائے رہتا۔

وہ بہت مہذب اور چاق وچوبند تھا۔

چار ماہ کے مختصر عرصے ہی میں بدر خالص برطانوی لہجے میں انگریزی — بولنے لگا۔ عقیلہ اور محی پہلے سے اعلا تعلیم یافتہ تھے۔ ان کا شمار کریم میں ہوتا تھا۔ وہ کنگ میکرز کے گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔

مگر اندر سے تو وہی غلام ذہنیت تھی۔ بیٹا جو ان کی طلب کے بغیر یوں ہی اچانک زندگی میں آیا تھا اب ایک قابل فخر پیکج میں ڈھلتا جارہا تھا۔

محی الدین کو خبر ہی نہ ہوئی کہ وہ تو دراصل فلپ اینڈرسن جونیئر بنتا جارہا تھا۔ اس نے بال چھوٹے کروا کے بالکل اس جیسے کردیے تھے۔ اس کے چہرے پر ابھی ہلکا سنہرا رواں تھا مگر وہ ہو بہو فلپ جیسی قلمیں رکھنا چاہتا تھا۔

وہ محی الدین سہگل کا بیٹا تھا اور اسے ان کا پرتو ہونا چاہیے تھا۔ مگر حیران کن حد تک وہ فلپ اینڈرسن کی کاپی بن گیا۔

بدر کی ساری دنیا فلپ تک محدود تھی۔ وہ سب سے زیادہ لگاؤ اور محبت اس کے لیے محسوس کرتا تھا۔

دوسری جانب فلپ کی دنیا کی واحد محبت بدر الدین سہگل تھا مگر یہ محبت ایک ہوس کار کی محبت تھی۔ وہ چھوٹی آنکھوں والا گدھ تھا جو مردار کھاتا ہے۔ اس نے پہلے بدر کو اپنی محبت اور توجہ کی موت سلایا اور پھر اسے روز کی بنیاد پر نوچنے کا کام کیا۔

بدر کے دل میں فلپ کی محبت کل سرمایہ تھی۔ وہ حیران ہوا رویا' تڑپا' ڈر گیا مگر اس نے قصداً" ایسا کوئی قدم نہ اٹھایا جو اس سرمائے کو کم کردیتا۔۔۔۔

نیچے والے کمرے میں والدین موجود تھے۔

گیٹ پر دو چوکیدار' گلی کے کونے پر سیکورٹی وین کا پہرہ بھی۔

اور اندر نقب زن نے وہ کارستانی دکھائی تھی کہ دیوار تک کو خبر نہ ہوئی کہ چھید ہوا کہاں۔

یہ جسمانی تشدد تھا۔ مگر ذہن پر پڑنے والا اثر زیادہ خوفناک نتائج کا حامل تھا۔ ایک بے دین شخص کے زیر سایہ جو معاشرے کی حدود و قیود سے عاجز۔ ایک مادر پدر آزاد معاشرے کو پسند کرنے والا۔۔۔۔ جس کی پہلی اور آخری خواہش شخصی آزادی تھی۔

فلپ کسی دین کا پیروکار نہیں تھا۔ اس لیے اس پر کسی قسم کی کوئی حد نافذ نہیں ہوتی تھی۔

کوئی برائی۔۔۔ برائی نہیں تھی۔

کوئی اچھائی تقلید کے لیے نہیں تھی۔

گھر میں فلپ اور باہر مشنری اسکول۔

وہ دن بدن تباہی کے گڑھے میں گرتا جارہا تھا۔

عقیلہ اور محی الدین بہت خوش تھے اور خوش نصیب بھی کہ انہیں بیٹے کے لیے اتنا اچھا مددگار مل گیا۔ جو دوست کی طرف ساتھ کھیلتا۔ ٹیچر کی طرح پڑھاتا۔ باپ جیسی شفقت دیتا اور اور بہت کچھ۔۔۔۔

وہ بھی ایک قابل فخر دن تھا جب اس نے محض سترہ برس کی عمر میں باہر جاکر مزید پڑھائی کی خواہش ظاہر کی۔

اور عقیلہ اور محی الدین کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں تھا۔ وہ آخر اتنا کماتے کس کے لیے تھے اور اب فلپ بھی اپنے ملک لوٹ جانے کی خواہش رکھتا تھا۔

اس روز بھی فلپ کی آنکھیں جھکی اور ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں اس کے ممنون تھے اور اظہار کررہے تھے۔

وہ بھی ممنون تھا۔ مگر اظہار کا تکلف کیوں۔۔۔۔

عقیلہ صبح ہی اسے گڈبائے کہہ چکی تھیں اسے اپنے لیے تمام شاپنگ اب لندن ہی سے کرنا تھی۔ وہ اسے فلپ کے ہمراہ بازار بھیج کر اپنا فرض پورا کرچکی تھیں۔

اسے رات دس بجے گھر سے نکلنا تھا۔

عقیلہ شام کے وقت کسی میٹنگ کے سلسلے میں جانے والی تھیں۔

یونہی دھیان آنے پر یا ممتا کے ہاتھوں وہ نکلتے نکلتے بدر کے کمرے کی جانب مڑ گئیں۔ وہ پہلی بار اتنے لمبے عرصے کے لیے دور جا رہا تھا۔ اب ملنا تو ایک عرصے بعد ہی ہوتا اور وہ بڑا خاموش طبع گم صم بچہ تھا۔

بے حد خوب صورت' تندرست ذہن... وہ ایک بیٹی کی ماں بن چکی تھیں۔ بیٹی سے ان دونوں کا لگاؤ فطرتاً" زیادہ تھا اور پھر بدر کے پاس فلپ تھا نا' وہ قیمتی دوپٹا سنبھالے' پرس کو سینے سے چپکائے' دبیز قالین پر دھیرے دھیرے چلتے بدر کے کمرے کی طرف آگئیں۔

ادھ کھلی کھڑکی سے وہ نظر آ رہا تھا۔ بیگ کو بند کرتا۔ وہ دراز قد تھا اور بے پناہ خوب صورت' اس کے چہرے پر سترہ برس کی عمر میں بھی بچوں جیسی معصومیت اور دلکش آنکھوں میں حیرانی تیرتی تھی۔

ان کے دل میں جذبات کی طغیانی آگئی۔ وہ سب کچھ بھول کر اسے دیکھنے لگیں۔

"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔" فلپ کی آواز ابھری۔ (عقیلہ بھی یہی کہنے آئی تھیں۔)

"میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اب ہمارے بیچ کوئی نہیں ہوگا۔" فلپ کی نگاہیں اٹی ہوئی تھیں۔ وہ نثار ہوتی نگاہوں سے بدر کو یوں دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کے نقش پی رہا ہو۔ اس نے بدر کو گلے لگا لیا۔

عقیلہ بھی گلے لگانے آئی تھیں' مگر گلے لگانے کا یہ انداز... وہ بیٹے کا الوداعی بوسہ لینا چاہتی تھیں۔ مگر جس طرح فلپ اس کا بوسہ لے رہا تھا۔ یہ... اس... طرح سے...

بدر کی آنکھوں میں حیرانی' بے چارگی' بے بسی اور جبری مسکراہٹ تھی۔ یہ لبرل ازم کے نام پر کھلی ڈلی باتیں اور ٹاپک ڈسکس کرنے کا زمانہ نہیں تھا۔ برائیاں موجود تھیں۔ مگر کھلے بندوں نہیں۔

پھر بھی عقیلہ جو سمجھ رہی تھیں۔ آیا وہ سچ تھا... کیا واقعی وہ پکارنا چاہتی تھیں... روکنا... یا... ان کا سیکرٹری انہیں ڈھونڈتا کوریڈور میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ بالکل غائب دماغی کے عالم میں دبے قدموں مڑ گئیں۔

اور پھر میٹنگ' لیگ' گفتگو' وہ سب میں مگن ہو گئیں' ہاں دماغ پر مسلسل ایک دستک بے آواز تھی۔ مگر آنکھوں دیکھی کو اپنا وہم قرار دے کر وہ پرسکون ہو گئی تھیں۔ یا پھر بے پناہ مصروفیت نے گہرائی جانچنے کا موقع ہی نہ دیا۔

ان کی جگہ کوئی دور بین' حساس گداز ماں ہوتی تو لمحے کے اندر کڑیاں جوڑ لیتی۔ انہیں بیٹے کا فلپ کے ساتھ جڑا رہنا یاد رہا۔ کبھی آنکھوں میں جھانکا ہوتا تو اس ہراس کو بھی دیکھ لیتیں جو ساری زندگی اس کے چہرے پر نقش بن کر نمایاں رہا اور تین ماہ بعد اپنے ذہن سے وہ معمولی سی گرہ' ذرا سی الجھن' تھوڑا سا وہم بھی جھٹک چکیں۔

جب ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں فلپ اینڈرسن موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا۔

بدر الدین دھاڑیں مار مار کے رو رہا تھا۔ اس کے پاس کوئی کندھا نہیں بچا تھا۔ اس کا کوئی دوست نہیں تھا۔ اس کے پاس جھوٹا سچا کوئی رشتہ نہیں تھا۔

عقیلہ اور محی الدین کو اس کے مرنے کا بے حد افسوس تھا' بے پناہ' بہت زیادہ... آپس میں دو منٹ کی خاموشی اور بیچ بیچ کے بعد وہ پھر زندگی میں مگن ہو گئے۔ ایک تنخواہ دار ملازم کے لیے وہ اور کیا کر سکتے تھے۔

وہ پانچ سال بعد پھر تنہا تھا۔ بارہ برس کا بچہ اور سترہ برس کا بچہ یا نوجوان... اور سترہ برس میں آپ فاتح بھی قرار پا سکتے ہیں۔ آپ مفتوح بھی ہو سکتے ہیں۔

وہ بینچ پر پیر اوپر کر کے منہ چھپائے تنہا بیٹھا تھا۔ وہ رو رہا تھا۔ اتنی شدید سردی تھی کہ آنسو شاید نکلتے ہی جم جاتے تھے۔

"کیوں رو رہے ہو؟" اس کے گرد سریلی حیران آواز گونجی۔ "تنہا ہو... بھوکے؟"

"اوہ... سردی لگ رہی ہے۔"

"تو یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ تمہارا گھر نہیں ہے؟" اس نے جیسے جواب پا لیا۔

"میرے پاس گھر ہے۔" اس کی آواز بوجھل تھی۔

"دین دائے ایسے کیوں یہاں بیٹھے ہو گھر جاؤ۔"
اچنبھے میں تمسخر آگیا۔ وہ گرنے کے انداز میں اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔
"گھر میں کوئی۔۔ نہیں ہے۔" اس کا دل جیسے پھٹ گیا۔
"تو اس میں کیا ہے۔۔ میرے گھر میں بھی کوئی نہیں ہے میں یوں نہیں روتی۔" بچوں کی طرح اس نے اپنے ہاتھ ہوا میں بلند کیے۔
"ہمیشہ سے اکیلے رہتے ہو؟" اس کے جملے سے اس کے رونے میں شدت پیدا ہوئی تو وہ چند پل خاموش رہنے کے بعد اس کے چہرے کے سامنے جھک کر نرمی سے پوچھنے لگی۔ اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔
"تمہارے ممی اینڈ ڈیڈی۔۔۔؟ سب لوگ کہاں گئے؟" وہ اتنے بڑے لڑکے کا یوں بچوں والا رویہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔
"فل۔۔۔ فل۔۔۔ فلپ مر گیا۔ میں اکیلا۔۔۔" اس کے حلق میں گولے پھنس رہے تھے۔ یہ جملہ کہنا اس کے لیے موت کے مترادف تھا۔
"فلپ کون؟" تمہارا باپ۔۔۔ یا۔۔۔ فرینڈ؟" وہ قیاس کرنے لگی۔
"میں نہیں جانتا' وہ میرا۔۔۔ کون تھا۔۔۔ لیکن۔۔۔ اب میرا کوئی نہیں۔" وہ پھر شروع ہو گیا۔
"او نو۔۔۔ روؤ مت۔۔۔" "لو پیو۔۔۔ تم بہت دکھی ہو۔۔۔ میرا بھی کوئی نہیں۔ یہ تمہارے لیے۔" اس نے ایک بوتل اپنے لانگ کوٹ سے برآمد کی۔
"اور یہ میرے لیے۔۔۔" اس نے گردن پیچھے گرا کر ایک بہت بڑا گھونٹ لیا۔ وہ حیرت سے کبھی اسے اور کبھی بوتل کو دیکھ رہا تھا۔
"پیو۔۔۔ پیو۔۔۔ جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کے لیے یہ ہے۔" اپنے سنہری ارشاد کے بعد اس نے ایک اور گھونٹ چڑھایا۔ اس کا اعتماد اور بے فکری بدر کے لیے سہارا بنی۔ اس کے ہاتھ میکانیکی انداز میں آگے بڑھے۔

یہ اسکارلٹ سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔
اور محی الدین سہگل سوچتے تھے۔ ایک بری عورت مرد کی زندگی کو۔۔۔
اور وہ تو اس رات خودکشی کے بارے میں سوچتے بدر کو از راہ ہمدردی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔
دن چڑھنے پر جب اس نے اسے دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ اس نے بہت محدود زندگی گزاری تھی۔ پہلے بچپن میں نانی' پھر میڈ۔۔۔ اور بعد میں فلپ۔۔۔
اسکارلٹ جیسی لڑکی۔۔۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا دن تھا شاید۔۔۔
وہ حسین تھی۔ دنیا کی ہر شے سے زیادہ۔
اگر خوب صورتی کا انت ہوتا تو اس کے نام پر۔۔۔
وہ شاعر ہوتا تو دیوان کہہ دیتا۔
مصور ہوتا تو انگلیاں چبا ڈالتا مگر ایسی تصویر۔۔۔
بدر کچی مٹی کا ڈھیر تھا۔
موسیقار کے ہاتھ لگتا تو بانسری بن جاتا۔۔۔ قلم کار کے ہاتھ تو ایک لازوال تحریر بن کر ابھرتا۔
معمار اسے پاتا تو فلک بوس عمارت کھڑی ہو جاتی۔
وہ اسکارلٹ کے ساتھ لگ گیا تھا۔
وہ کچھ بھی بنانے کے ہنر سے ناواقف تھی۔
اس کی نازک انگلیاں جام بنانا جانتی تھیں۔ اس نے باقی کی ساری زندگی بدر الدین کے ہاتھوں سے پیمانے کا کام لیا۔

☼ ☼ ☼
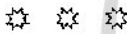
محی الدین سہگل' ہوٹل کے وی آئی پی لاؤنج میں اپنے کچھ غیر ملکی پرانے دوستوں سے ملنے آئے تھے۔ بے فکری اور خوش دلی کے ساتھ گزرتا یہ وقت بہت طمانیت بھرا تھا کہ ان کی نگاہ سمیع الدین پر پڑی۔ وہ دو مردوں اور دو عورتوں کے ہمراہ تھا۔ وہ ایک کارنر کی گئی صوفہ ارینج منٹ پر بہت بے فکری اور فرصت سے بیٹھے تھے اور ان کے درمیان تپائی پر نازک بڑے منہ اور نیلی گردنوں والے گلاس تھے۔ بے حد خوب صورت بوتلیں۔۔۔ شیشے کی چھوٹی سی بالٹی میں برف

کے چوکور ٹکڑے تھے۔

وہ سمیع کی مشاقی دیکھ کر اردگرد کو بھول گئے۔ وہ چھوٹی سی چمٹی سے خالی گلاس میں برف کے ٹکڑے بھرتا' پھر ہچکیاں لیتی بوتل کو گلاس پر جھکا دیتا۔

وہ برف اور مشروب کے توازن سے آگاہ تھا۔ دونوں ٹانگیں سیدھی لمبی تھیں اور وہ صوفے پر نیم دراز تھا۔ چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرتا وہ دوستوں کے ساتھ بے حد خوش تھا۔ ان کے عین سامنے بیٹھی لڑکی نے بلو جینز کے اوپر سفید بنیان نما شرٹ زیب تن کر رکھی تھی۔ سمیع نے جب جب اپنے لیے گلاس تیار کیا تھا تو اسے بھی دیا تھا۔

محی الدین ساری شگفتگی بھول گئے۔ دوستوں کو ہوں ہاں میں جواب دے کر وہ اپنی پلیٹ پر یوں جھک گئے جیسے اب توجہ سے کھانا چاہتے ہوں۔

مگر نہیں' وہ ذرا سا ترچھا ہو کر کن اکھیوں سے مسلسل کونے میں دیکھ رہے تھے۔ وہ سب جا رہے تھے۔ سمیع کے قدم متوازن تھے۔ وہ جس لڑکی کو سہارا دے کر برقی زینے سے اتارنے لگا تھا۔ وہ اسے پہچان گئے تھے۔ دوسری نوعمر لڑکی کا چہرہ بھی جانا پہچانا تھا اور مردوں میں سے ایک' دو تین بار گھر بھی آیا تھا۔

ان کا سر نفی میں ہل رہا تھا۔ ان کے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی کہ وہ سمیع کو اس کے ساتھ جاتے نہ دیکھیں۔

اور ان کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے' جب وہ چاروں ایک بڑی گاڑی میں بیٹھے اور سمیع نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔

کیا۔۔۔ کیوں۔۔۔ کیسے اور کب تک ایسی کھلی دعوت سے معذرت کی جا سکے گی۔

اور اسکارسٹ کے بعد وہ ایک اور شرابی عورت کو اپنی نسل کو برباد کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے' نہیں قطعی نہیں۔

کبھی نہیں۔۔۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔ وہ گردوپیش سے بے گانہ جبڑے بھینچے' آنکھیں سکیڑے اندھیرے کو کھوج رہے تھے۔

وہ خالی الذہنی کے عالم میں اب سر نفی میں ہلا رہے تھے۔

مگر کوئی انجان شخص بھی ان کے چہرے پر سرسری نگاہ ڈالتا تو سمجھ جاتا کہ وہ تناؤ کی کس کیفیت کا شکار ہیں۔

لیکن وہ خود ہی چونکے۔ ایسے ہی ایک بار وہ بدر الدین کے پاس بھی تو گئے تھے۔ قوی ارادوں کے ساتھ۔

☆ ☆ ☆

"میں بیس سال کا ہوں' آپ مجھے مار نہیں سکتے۔ میں پولیس کو کال کروں گا۔" وہ حلق کے بل چلایا۔

محی الدین کے ہاتھ نیچے گر گئے۔ ابھی تو انہوں نے صرف شانے سے پکڑ جھنجھوڑا تھا اور ایک تھپڑ مارا تھا' صرف ایک۔۔۔

"لیکن نہیں۔۔۔ نو۔۔۔ آپ مجھے ماریں۔۔۔ جتنا مرضی مار لیں۔۔۔ ہاتھوں سے۔۔۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکے سے چھوڑا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ منہ میں جھاگ' وہ اچھل رہا تھا۔ اس پر جیسے جنون سوار ہو چکا تھا۔

"آپ اگر میرے چھوٹے چھوٹے پیسز بھی کر دیں' میں تب بھی اسکارلٹ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ میرے لیے پوری دنیا ہے' میرا اور کوئی نہیں۔۔۔ میری لائف میری اسکارلٹ ہے۔ میں ممی کے بغیر رہا۔ میرا کوئی ڈیڈی نہیں۔۔۔ اور۔۔۔ اور میرا فلیپ۔۔۔" وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر کے رونے لگا۔

"آئی ہیٹ یو ڈیڈ۔۔۔ چلے جاؤ میرے کمرے سے۔" وہ چیخا' پھر اکیلے پن ہچکیوں سے رونے لگا۔

اپنے کھلے کف سے آنکھیں اور ناک رگڑتا' وہ قابل رحم لگ رہا تھا۔

محی الدین گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھے۔

"جب آپ کے بیڈ روم کے اوپر والے بیڈ روم میں وہ۔۔۔ مجھے۔۔۔ تب آپ مجھے بچانے کیوں نہیں آئے تھے۔ تب میں چیخا بھی تھا۔۔۔ اور میں نے آپ کو پکارا تھا۔ ڈیڈی۔۔۔ ڈیڈی۔۔۔ ممی۔۔۔ ممی۔۔۔ اب نہیں'

میں تب برباد ہو رہا تھا۔

آج جب میں ڈرنک کر کے گرتا پڑتا آیا ہوں تو آپ مجھے شرم کرنے کا کہتے ہیں اور خود بھی شرمسار ہوتے ہیں۔ اس وقت کیوں نہیں دیکھا جب میں اکثر تکلیف کے مارے لڑکھڑاتا آتا تھا۔ اسکارلٹ مجھے برباد نہیں کرے گی۔ میں آل ریڈی برباد ہوں۔"

اس نے میز پر مکا برسایا۔ اور بری طرح ہچکیوں سے رو پڑا" اور آپ کو خوشی ہوگی کہ میں آپ سے نفرت کرتا ہوں اور فلپ سے نفرت نہیں کرتا۔ آئی لو یو فلپ۔۔۔ آئی مس یو۔۔۔ آئی ریئلی مس یو۔۔۔ ویئر آر یو۔۔۔ کم اینڈ سی۔۔۔ ڈیڈ نے مجھے مارا۔۔۔ تم نے میرے ساتھ برا کیا' لیکن میں تم سے نفرت نہیں کرتا۔۔۔ یو آر مائی فرینڈ۔۔۔ مائی ٹیچر۔۔۔ آئی لو یو فلپ۔۔۔"

وہ اونچی آواز میں روتے ہوئے فلپ کو پکار رہا تھا۔

"وہ میری بات سنتا تھا۔ آپ جانتے ہیں' میرا فیورٹ فوڈ کیا ہے' فیورٹ کلر۔۔۔ مجھے سردی پسند ہے۔ میں میٹھا پسند نہیں کرتا۔۔۔ میرا فیورٹ گیم کون سا ہے؟ بتائیے' میں گوشت نہیں کھاتا' ام' دلی فش۔۔۔

وہ میرے ساتھ کھیلتا تھا۔ باتیں کرتا تھا۔ ہم بکس پڑھتے تھے اور فلم دیکھتے تھے۔ وہ میری ہر بات مانتا تھا۔ ایک بار میرا ہاتھ جل گیا تھا۔ ڈیڈ یاد کریں۔ بے دھیانی میں گرم ٹونٹی سے۔۔۔ اور آپ۔۔۔ "سویٹ۔۔۔ ہوش میں رہا کرو' اب لگاؤ برنال وغیرہ۔۔۔" کہہ کر چلے گئے۔ فلپ جاگا تھا۔ ساری رات میرے ساتھ۔۔۔ وہ پھونکیں مارتا تھا۔ وہ برف جیسا ٹھنڈا پانی ڈالتا تھا۔ مجھ سے زیادہ تڑپ رہا تھا۔ وہ رو رہا تھا۔ اتنی محبت کے جواب میں۔۔۔ (ہچکی) اگر۔۔۔ اس نے تھوڑا۔۔۔ ہچکی۔۔۔ کوئی بات نہیں۔ اس نے محبت دی اور بدلے میں مجھ سے مجھے لے لیا۔

آپ نے نفرت کے سوا کچھ نہیں دیا اور میں آپ کو اپنی محبت نہیں لینے دوں گا۔ مجھے بھیج دیا تھا اس کے ساتھ۔۔۔ پھر وہ مر گیا۔ وہ میرا کینسر زدہ ہاتھ تھا۔ درد تکلیف اپنی جگہ' مگر میں اسے گنوانے کا سوچ نہیں سکتا تھا۔"

وہ اب چیخ نہیں رہا تھا۔ جیسے خود سے ہم کلام تھا۔

"ٹھنڈی رات تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ تم کیوں رو رہے ہو۔ اس نے مجھے کھانا کھلایا۔ اور پانی پلایا اور۔۔۔ اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیوں دکھی ہوں۔ یہاں لوگ پالتو کتے کے مرنے پر افسوس کرنے آتے ہیں۔ میرا تو باپ مر گیا تھا۔"

محی الدین کے جسم کا رواں رواں اکڑ گیا۔

"میں اسکارلٹ کے بغیر ایک پل نہیں جی سکتا۔ آپ چلے جائیں۔ میں جا رہا ہوں اس کے پیچھے۔ وہ اتنی رات کو کہاں جائے گی۔" اسے ایک دم یاد آیا تو بے چینی کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔

"میں۔۔۔ میں جاتا۔۔۔ ہوں۔۔۔" وہ دائیں بائیں کچھ دیکھتے ہوئے نکلنے لگا۔

"رکو۔۔۔ رکو۔۔۔ بدر۔۔۔" محی الدین اس کے پیچھے لپکے' راستے کی تپائی اور گری چیزوں نے لڑکھڑا دیا۔

"اس کا باپ عیسائی تھا۔ اور اس کا مذہب کوئی نہیں بدر! تم برباد۔۔۔"

"مذہب۔۔۔ مذہب کون سا مذہب؟ میرا مذہب کون سا ہے۔۔۔ مجھے کبھی بتایا آپ نے۔۔۔ اور فلپ کہتا تھا۔۔۔ مذہب کچھ نہیں' محبت ہونی چاہیے اور اسکارلٹ کہتی ہے۔ انسانیت ہونی چاہیے اور آپ کیا کہتے ہیں۔ آپ نے کبھی بتایا؟" اس نے انہیں لاجواب کر دیا۔

"اور بورڈنگ میں سسٹر فلویا نے کہا تھا اور۔۔۔ گرینڈ مدر نے مجھے وہ کلمہ یاد کروایا تھا۔ جب مرنے لگوں گا تو۔۔۔ لیکن ابھی میں جا رہا ہوں۔۔۔ اسکار۔۔۔ کہاں ہوگی۔" وہ سب بھول کر باہر لپکا اور کھلے دروازے سے ٹھنڈ سے بوجھل ہوا' محی الدین سہگل کے چہرے سے ٹکرانے لگی۔

پہلے غلط قدم کے پیچھے بدر الدین کی بے خبری تھی۔ مگر دوسرے غلط قدم کو اس نے خود اٹھایا۔ مگر وہ خوش تھا اور اسکارلٹ خوش تھی۔ اور خوشی کے لیے اس کا قول تھا۔ "بس خوش رہنا چاہیے' خوشی ہو' خواہ

کسی بھی راستے سے ملے۔

اور اسکارلٹ نے ہر طریقے سے خواہ صحیح تھا یا غلط خوشی سمیٹی اور بدر اس کے ساتھ جڑ گیا تھا۔

اسکارلٹ بدر کے وجود پر لباس بن کر چھا گئی تھی۔

کالا دھواں بن کر آنکھوں میں بھر گئی تھی۔

وہ اندھیرے میں سرپٹ بھاگنے میں ماہر تھی اور بدر کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔

محی الدین کچھ نہ کرسکے۔ ناکام 'نامراد لوٹ آئے۔

انکشافات میں بم دھماکے جتنی شدت تھی۔ ان کے وجود کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ عقیلہ کو بتایا تو برسوں پہلے کی ایک رات اپنی جزئیات کے ساتھ روشن ہو گئی۔

الجھن سلجھ گئی۔ مگر اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ گاڑی گزر چکی تھی' پٹڑی چمک رہی تھی۔

ان دونوں کے نزدیک بدر برباد ہو چکا تھا اور اب کوئی راہ نہیں۔

بدر نے بھی اپنی بربادی کو آبادی سمجھ لیا تھا۔ مگر احساس نہیں تبدیلی آئی۔

جب.....

سمیع الدین اس کی گود میں آیا۔

☼ ☼ ☼

کیلاش کو پورا یقین تھا۔ وہ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ اسے ڈھونڈنے میں جتا ہوا تھا اور اتنے لوگ اسے ڈھونڈنے نکلے تھے کہ بھوسے کی سوئی ہوتی تو بھی ہاتھ آجاتی۔۔۔ مگر مقام حیرت تھا کہ اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ وہ کہاں چلا گیا تھا؟ یہ سوال' جواب کی طلب میں سر پر ہتھوڑے کی طرح ضرب لگاتا تھا۔

کیلاش کے اعتماد کی منزل ڈھے گئی' جب گھڑی دس بجے سے آگے سرک گئی۔ ایڈورڈ نے اس کی طرف توجہ دلائی۔ اس کے پاسپورٹ کی مدت آج شام تک کی ہے۔ اس کے بے حد منع کرنے کے باوجود ایڈورڈ نے شام کے پھیلتے سایوں میں یہ خبر سفارت خانے تک پہنچائی۔

اور متعلقہ تھانے میں رپورٹ کرائی کہ کس طرح وہ اچانک غائب ہو گیا۔ اب ایک پولیس پارٹی بھی اسے ڈھونڈنے کو تیار تھی۔

کیلاش سر پکڑے بیٹھا تھا۔ وہ کہاں چلا گیا۔ وہ زندہ تو ہے نا... اگر... اگر نہیں... تو کم از کم باڈی تو ملے اور اسے دنیا کو کیسے کیسے جواب دینے ہوں گے اور وہ کن کن مصیبتوں میں پھنس سکتا ہے۔

مصیبتیں مسئلہ نہیں' مگر اسے عزیز دوست کی بے حد چنتا تھی۔ وہ کہاں ہو گا۔ کس حال میں ہو گا۔ اس نے کچھ کھایا پیا ہو گا... وہ... وہ... زندہ تو... ہو گا نا۔

وہ زندہ تھا اور جو کچھ تھا' کھا چکا تھا اور سب کچھ پی چکا تھا۔ اس کی حالت غیر تھی۔ وہ ریت میں اٹا بھوت دکھتا تھا۔

اس کے سر میں شدید درد تھا۔ رات کی ہلکی ٹھنڈک میں اس نے دن نکلنے کی خواہش کی تھی اور یہ دن اس کی زندگی کا سب سے خراب دن تھا۔ اس نے عرب کے صحرا میں بھی شاید ایسی دھوپ نہیں دیکھی تھی۔

وہ قطعا" پریشانی کا شکار نہیں تھا۔ اس حوالے سے کہ اسے ڈھونڈا نہیں جا رہا ہو گا۔ اسے کیلاش کی دوستی پر فخر تھا' یقین تھا۔ لیکن اس نے اب تک اسے ڈھونڈا کیوں نہیں' وہ اس تک پہنچا کیوں نہیں' وہ کہاں تھا؟ وہ کیا کر رہا تھا؟ اور ایڈورڈ... اور سورج... اور کین... وہ وہیں ہوں گے' مجھے جیپ ہی میں رہنا چاہیے... وہ مجھے ڈھونڈ لیں گے۔ یہ ان کا علاقہ ہے۔ مجھے فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔

یہ عجیب صورت حال تھی۔ سورج اپنی حدت کو پیتا ہوا واپس جا رہا تھا۔

دن بھر کی شدید گرمی کے بعد ٹھنڈک رگ و پے میں سرور دینے لگی تھی۔

پر ایک تاریک رات... دوسری تاریک رات اس نے بے حد ضبط کرنے کے بعد پانی کے تین بڑے گھونٹ بھر لیے تھے۔ وہ سیراب ہونا چاہتا تھا۔ مگر

اتنا تو وہ محسوس کر چکا تھا۔

اسے یہ رات بھی یہاں جیپ میں گزارنی ہے اور جیپ میں پیٹرول تھا، مگر وہ شام ہوتے ہی چلنے سے انکاری ہو گئی تھی۔ پتا نہیں کیوں۔

جیپ میں بیٹھے بیٹھے اس کے پیر اور کمر اکڑ گئی تھی۔ مگر وہ اترنا نہیں چاہتا تھا۔ عجیب و غریب کیڑے، چھپکلیاں اور بالشت بھر کا سانپ اور مٹی جیسے رنگ کے سانپ۔۔۔

یہاں اس کے علاوہ حشرات الارض بھی تھے۔

وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ اسے اپنا بستر یاد آرہا تھا۔ جہاں وہ ٹانگیں سیدھی کر سکے۔

وہ ایک بے حد خوب صورت چہرہ۔۔ اور کسی دوسرے کی بے حد چہکتی آواز، چمکیلی آنکھیں، دل موہ لینے والی مسکراہٹ۔۔۔

اور محبتوں اور حسرتوں سے عبارت دو اور آنکھیں جو طلب اور مایوسی کے اندھیرے میں ڈبڈبا جاتی تھیں۔

ان آنکھوں میں حسرت تھی۔۔ ناکامی اور مایوسی۔۔ پچھتاوے تھے۔۔ اور وہ انہیں تو جھیل کر انگلینڈ سے یہاں آیا تھا۔

وہ اس تاریک رات کو تنہائی کو ڈر، خوف، بھوک، پیاس سب کو بھول گیا۔ اس نے کبھی زندگی میں سوچا نہیں تھا۔ کچھ چیزیں اس کے دماغ میں واضح نہیں تھیں اور اسے ان کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنی تھی۔

وہ اپنی رائے اور فیصلوں میں آزاد تھا، مطمئن تھا۔

مگر آج کی رات اگر کسی کے بارے میں خوب سوچ لیا جاتا، کچھ جملوں کو یاد کر لیتا۔ یونہی خواہ مخواہ۔۔ رائے بدلنے کو کون کہہ رہا تھا۔

چلو یہ کام ہی کر لیا جائے تو کیسا؟

☆ ☆ ☆

اس کے کام کا وقت ختم ہو گیا تھا۔ صبح آکر وہ گویا ساری درازیں خالی کر کے اپنی میز پر ڈال لیتی تھی۔ کتابیں، کاغذ، اخبار، ڈائریز، سی ڈیز۔۔ اور نہ جانے کون کون سی الا بلا سب چیزیں واپس ان کی جگہ پر پہنچا کر وہ تسلی سے اپنی گھومنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

جیک نے اس سے آف کرنے کا پوچھا تھا۔ اس نے کچھ دیر کا کہہ کر اسے ٹالا۔ اسے واقعی کچھ وقت درکار تھا۔ اب وہ لیپ ٹاپ پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔

اور کاش اتنا ہی آسان ہوتا اسے ڈھونڈنا۔۔ ایک ٹچ کی دیر تھی اور اس کا چہرہ اسکرین پر روشن ہو گیا تھا۔ بے پناہ وجیہہ چہرہ۔ یہ کوئی تازہ تصویر تھی۔ وقت نے اسے ڈھالا نہیں تھا۔

وہ کل بھی قیامت تھا۔ اور آج بھی دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر سکتا تھا، کر رہا تھا بھئی۔۔

اور نہ جانے وہ کس حال میں ہو گا۔ اس نے کہنی میز پر رکھی اور گال ہاتھ پر ٹکائے ہوئے اسکرین کے نزدیک ہو گئی۔

مذکورہ پوز میں وہ کیمرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔ بغور دیکھنے پر لگتا۔ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا ہے۔ وہ طویل سانس بھرتی پیچھے کو ہو گئی۔

تو وہ جو اس گمان میں تھی کہ یہ خبر غلط ہو گی۔ یا پھر یہ کہ وہ اب تک مل گیا ہو گا، سوئی تو نہیں تھا نا۔۔ ایک ذی ہوش، پورے قد کاٹھ کا انسان۔۔ مگر دونوں انداز سے درست ثابت نہ ہوئے۔

وہ ہنوز گمشدہ تھا۔

بچپن میں کبھی مسجد سے کسی بچے کی گمشدگی کا اعلان ہوتا تھا۔

"حضرات ایک ضروری اعلان سماعت فرمائیں۔ ایک بچہ جس کی عمر۔۔"

اور وہ سارے گھر والوں سے چھپ کر رضاکارانہ طور پر گلی میں نکل آتی۔

سارا علاقہ چھان مارتی۔۔ یہاں تک کہ حدود سے باہر نکل جاتی۔

ایک دن ممی، ڈیڈی نے پکڑ لیا۔ "ایسے تو تم خود گم جاؤ گی۔"

"نہیں۔۔" وہ بے پروائی سے نفی میں سر ہلا دیتی۔ "مجھے اپنے گھر کا راستہ آتا ہے اور ڈیڈی کے آفس کا ایڈریس، اپنے اسکول کا ایڈریس اور فون نمبرز بھی یاد

ہیں۔ میں نہیں گم سکتی۔" اسے خود پر بھروسا ہوتا۔ ڈیڈی فخر سے مسکراتے، البتہ ممی۔۔۔

"تو خرکار بوری میں بند کرکے لے جاتے ہیں بے وقوف۔ ہاتھ پیر توڑ کر بھیک منگواتے ہیں۔"

"ارے واہ کیوں۔۔۔ کسی میں ہمت ہے جو مجھے بوری میں بند کرے۔ میں خود خرکار کو بوری بند کرکے سمندر میں پھینک آؤں۔"

اور وہ ایسا کر بھی سکتی تھی۔ اعلان والے گمشدہ بچے کو بھی ڈھونڈ لاتی۔

جو کہیں کھیل میں مگن ہوتا۔ بچہ اپنے باپ سے پٹتا اور اسے انعام سے نوازا جاتا۔ تو کیا وہ آج بھی اٹھے اور خود۔۔۔ سے جاکر ڈھونڈنا شروع کردے اور اگر وہ جائے گی تو ڈھونڈ لے گی، یہ تو طے تھا۔ مگر۔۔۔۔

جو گم ہوجاتے ہیں وہ زیادہ تکلیف میں ہوتے ہیں یا وہ جو پیچھے رہ کر راہ تکتے ہیں، دمہ۔۔۔ اور اس کے پیچھے والے بھی تو ایسی ہی اذیت میں ہوں گے۔ جیسے وہ تھی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔۔۔۔

تو یہ بھی ایک سوال ہے، جس پر تحقیق کی جاسکتی ہے۔

اور وہ تحقیق سے پہلے ایک کام اور بھی تو کرسکتی ہے۔ گمشدہ کے گھر فون کرے اور پوچھ لے کہ کن حالوں میں ہیں۔ مگر بہت سال پہلے اس نے بنا کسی سبب کے ہی رابطے توڑ ڈالے تھے۔ بعض اوقات رشتے اتنے سرسری ہوجاتے ہیں کہ ذکر سے بھی جاتے ہیں یا پھر بعض اوقات باتیں ختم ہوجاتی ہیں اور اس پر اگر ملاقاتیں بھی کم ہوجائیں؟

"تم اب تک اسی پرابلم کو لیے بیٹھی ہو؟"

"اوہ۔۔۔" وہ بری طرح چونکی۔ اسے پتا ہی نہ چلا۔ نہ جانے کب جیک دروازہ کھول اندر آگیا تھا۔

اس نے اپنے چہرے سے غم واندوہ کے تاثرات کو مٹانے کی کوشش کی۔ "پرابلم تو ہے نا جیک۔۔۔"

"مل جائے گا یار۔۔۔" وہ بالکل فکرمند نہ تھا۔

"لیکن جب تک نہیں ملتا؟" اس نے اسے لاجواب کردیا۔

"تم اتنی جلدی ہمت ہارنے والی ہو تو نہیں۔"

"ہاں۔۔۔" اس نے لیپ ٹاپ بند کردیا۔ "ہوں تو واقعی نہیں۔"

"آج گھر جانے کا موڈ نہیں ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ سارا دن جانفشانی سے کام کرتی تھی۔ مگر چھٹی۔۔۔ ہوتے ہی یوں بھاگتی تھی جیسے جیل سے چھوٹی ہو۔

"کافی چلے گی۔"

"نہیں۔۔۔" اس نے اپنا بیگ وغیرہ سمیٹنا شروع کردیا۔ "میں چلوں گی۔"

"اور گھر جاکر پھر سے پریشان ہوگی۔" اس کا اشارہ اسی گمشدگی کی طرف تھا اور وہ ایک پل کر ٹھٹک گئی۔

ہاں وہ گھر پہنچ کر اپنے نرم گرم بستر میں بیٹھ کر نئے سرے سے خوب سارا پریشان ہونا چاہتی تھی۔ سوچنا چاہتی تھی۔

"وہ مل جائے گا ڈیر۔"

"وہ بہت خطرناک علاقہ ہے جیک۔۔۔ اور بہت خطرناک ملک۔۔۔ تم اندازہ کرسکتے ہو۔ وہ کس کس طرح کی مشکل میں پھنس سکتا ہے۔ انڈین بارڈر فورسز تو کبوتر تک کو ایکسرے مشین میں ڈال دیتی ہیں۔ باقاعدہ مترجم بھرتی کرلیے ہیں انگلوں نے۔۔۔ جو اردو پڑھ کر مطلب بتائیں۔ تمہیں صورت حال کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہے۔"

اس نے خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اس کا لہجہ اور آواز دونوں بہت تیز ہوگئے، بلکہ صاف کہیں تو وہ متوحش لگنے لگی تھی۔

"میں یہ سب جانتا ہوں، مگر وہ اس کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کرسکتے، بلیو می۔" جیک نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

اس نے جیک کو دیکھا، پھر اس کی پرخلوص گرفت کو۔۔۔ ہاں اسے ایسی ہی ڈھارس کی ضرورت تھی اور اتنے ہی تیقن کی۔

"میں نے معلومات کرلی ہیں۔ کوئی بھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھا۔ عوامی فکر سے زیادہ یہ ملکی سطح پر بھی بڑا اہم ایشو بن گیا ہے۔ تم نے نیٹ پر چیک نہیں کیا۔

ہر جگہ اس کی جلد از جلد تلاش کے لیے بہت زور دیا جارہا ہے۔ انڈین آرمی کچھ نہیں کرے گی تو انٹرنیشنلی اس معاملے کو دیکھا جائے گا۔ فکر مند مت ہو۔"

"فکر تو ہوتی ہے جیک!" اس نے اس کی نیلی آنکھوں میں بغور دیکھا۔

"پلیز..." جیک نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔

"اس طرح سے میری آنکھوں میں مت جھانکو... ورنہ مجھے اپنے دل کی فکر کرنی پڑجائے گی۔"

اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"اگر اس طرح کا مزید کوئی اور جملہ کہا تو تمہیں اپنے سر کی بھی فکر کرنی پڑ سکتی ہے۔" اس نے پیپر ویٹ اٹھالیا۔

"او نہیں... پلیز... مجھے بخش دو۔" وہ فوراً "غائب ہوگیا۔ (ہربار یہی لگتا تھا۔)

وہ کھل کر مسکرائی۔ دوست واقعی نعمت ہوتے ہیں۔

اگلے ہی پل اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی...

دوست...

وہ کس حال میں ہوگی؟

سمیع الدین نے اپنے لیے اپنی پسند کی زندگی چنی تھی۔ وہ ہوش مند تھا۔ کامیاب و کامران... اس نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو والدین کی حالت معاشرے کے اعتبار سے باعث شرم نہیں تھی۔ مگر ایک الجھن تو تھی نا۔

وہ اٹھارہ برس کا ہوا تو خود مختار تھا۔ اس کے پاس پیسے اور علم و عقل کی کمی نہیں تھی۔ وہ اپنے فیصلے کرنے میں آزاد تھا۔ وہ ہرگز ہرگز نیکوکار نہیں تھا۔ مگر ماں' باپ جیسی بدکاری اور بے ہوشی سے بھی دور تھا۔

اس نے اپنے دل کا حال کبھی کسی سے نہیں کہا۔ بلکہ اس نے کبھی کسی کو اتنا قریب آنے ہی نہ دیا کہ کوئی حد بندی سے آگے بڑھے۔

اور محی الدین سہگل اس وقت اسی حد بندی کو پھلانگنے کے لیے اس کے کمرے میں کمپیوٹر کے سامنے رکھی گھومنے والی کرسی پر بیٹھے تھے۔

نتیجہ جانے کیا ہو' لیکن ایک سوال ایک ہمت ایک کوشش' ایک خواہش... سمیع الدین ان کے بولنے کا منتظر تھا۔ وہ اسے خفا نہیں نہیں کرنا چاہتے تھے' بھڑکانا بھی نہیں۔ انہیں عندیہ لینا تھا۔ قائل کرنے کی بھرپور کوشش۔

"ہم دونوں یعنی میں اور عقیلہ یہ جانتے ہیں کہ ہم نے تمہاری زندگی میں ایسا کوئی کردار ادا نہیں کیا کہ ہم حق جتائیں' یا فیصلہ سنائیں۔ بلکہ الٹا ہم تمہارے ممنون ہیں کہ عمر کے ان آخری دنوں میں تم یہاں ہمارے پاس آکر رہ رہے ہو۔ ہماری آنکھوں کو سکون دینے کے لیے۔" ان کی آواز گھٹ گئی۔

"نہیں گرینڈپا! آپ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں' کوئی شکایت؟" وہ بہت نرمی' مگر استعجاب سے پوچھ رہا تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہ کر ہمت مجتمع کرتے رہے۔

"ہمارے پاس شکایت اور خواہش دونوں کا حق نہیں ہے' مگر... لیکن ایک منٹ اگر..." وہ بات ادھوری چھوڑ کر یک دم خوف زدہ ہوگئے۔

"دیکھو... دیکھو..." وہ عجلت سے بولنے لگے۔

"اگر میری بات بری لگے یا تم ماننا نہ چاہو تو تم ہمیں چھوڑ تو نہ جاؤ گے۔" ان کی آنکھوں سے ہراس جھلکنے لگا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا' آپ کہیے' مجھے آپ ہی کے پاس رہنا ہے۔" وہ بے حد ملائمت سے بولا اور اپنی کرسی ان کی کرسی کے نزدیک اور عین سامنے کرلی۔

"تمہاری ماں... نہیں تمہارا باپ..." اس کے چہرے پر سرد تاثر آ ٹھہرا۔ "میرا مطلب ہے وہ دونوں... جیسی زندگی انہوں نے گزاری یا گزار رہے ہیں' وہ کبھی بھی صحیح نہیں تھی... بدر کے برباد ہونے میں' یقیناً" میرا ہاتھ رہا ہوگا اور... اور تمہاری ماں کے بھی پیچھے وجوہات ہوں گی۔ ان کی تمام زندگی تمہارے سامنے ہے' ہر بات... لیکن..."

وہ رک گئے اور ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے بے بسی سے درودیوار کو گھورنے لگے۔

"میں ان کے بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا' لیکن۔۔۔ میں نے۔۔۔ تمہیں پہلے بھی مگر اس روز۔۔۔ وہاں ہوٹل میں فرینڈز کے ساتھ دیکھا تھا۔"

سمیع کی چڑھی بھنوئیں ڈھلک گئیں۔ اس نے پرسکون ہو کر اپنے بازو سینے سے لپیٹ لیے۔

"وہ دوستوں کی گیدرنگ تھی۔ وہاں ان کے حساب سے۔۔۔ میں اس حد تک نہیں جاتا کہ کھایا پیا سر پر چڑھ جائے۔"

اس نے ٹھوس لہجے میں بات ہی ختم کر دی۔ محی الدین سہگل لاجواب ہو گئے' کمرے میں خاموشی ٹھہر گئی۔

"شکایت آپ کر چکے۔ اب خواہش بتائیے۔" اس نے اپنی دلنشین مسکراہٹ سے ان کا حوصلہ بڑھایا۔

"نہیں۔۔۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ۔۔۔ نہیں یہ نہیں کہنا۔" ان کے پاس مناسب الفاظ کا فقدان ہو گیا۔

"دراصل تم جن لڑکیوں کے ساتھ تھے۔ میں نے بہت جگہ تمہارا نام ان کے ساتھ جڑا دیکھا ہے۔ میں۔۔۔ ہم نہیں چاہتے کہ تم اس کیٹگری کی کسی عورت کو اپنی زندگی میں شامل کرو۔ خاص طور پر وہ جو بالکل مدہوش تمہارے کندھے سے لگی تھی۔ وہ۔۔۔ تو۔۔۔ اور کوئی اور بھی۔۔۔ میں تمہارے لیے ایک الگ سرکل کی لڑکی لانا چاہتا ہوں۔ جو نسلوں کی امین ہو' جو خاندان کو بنائے۔ ایک صحیح انتخاب۔۔۔"

سمیع نے ہاتھ اٹھا کر ان کی بات کاٹی۔

"میں ان میں سے کسی کو بھی اپنی زندگی میں اس حد تک شامل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

وہ قطعیت سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ شیشے کی دیوار کے پار غیر مرئی نقطوں کو تکنے لگا۔ اس کی خوب صورت آنکھیں سکڑی ہوئی تھیں۔ ماتھے پر سوچ کی گہری لکیریں' ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ جیسے خود کلامی کر رہا تھا۔

"میرے دماغ میں لائف پارٹنر کا خاکہ کلیئر ہے' میں الگ الگ کر کے خصوصیات نہیں گنوا سکتا' مگر۔۔۔" اس نے اپنے ہونٹ کو اتنی سختی سے کچلا کہ زبان پر نمک کا احساس ابھر آیا۔

اس کے چہرے پر موت جیسی مردنی آ رکی تھی۔

"مگر۔ وہ۔۔۔ وہ ہر اعتبار سے عام کا الٹ ہونی چاہیے۔ مجھے تو اب تک نہیں ملی' اگر آپ کو ملے تو۔۔۔ لے آئیے۔" وہ رکا۔

"اور میرے ساتھ نظر آنے والی عورتیں۔۔۔؟" اس کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ محی الدین کا سارا وجود کان بن کر متوجہ ہو گیا۔

"ایک غیر انجان مرد کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والی عورتیں کون سا سکون پاتی ہیں' کس چیز کی تسکین ملتی ہے۔ کیا حاصل ہوتا ہے۔ کیوں خود کو بے مایہ کرتی ہیں۔ اس وقت بھول جاتی ہیں' ہر چیز۔۔۔ اور انہیں روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ کہاں ہوتے ہیں سب لوگ۔۔۔ یہ عورتیں۔۔۔"

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر سر جھکا' جیسے حاضر ہوا۔

"آپ میرے لیے خالص' نکھری ستھری سچی لڑکی لائیے گا۔ جو۔۔۔ جسم و دل سے' دماغ سے' ہر پہلو سے پاکیزہ ہو۔ آپ میرے لیے۔"

وہ دور افق پر جیسے شبیہہ کھوج رہا تھا۔

محی الدین سہگل ہواؤں میں اڑ رہے تھے' ہلکے پھلکے وہ جھوم رہے تھے۔ اک فتح کے نشے سے' ایک کامیابی۔۔۔ واہ۔۔۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Watch Us On
YouTube

چہرے کے فالتو بالوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

چہرے کی جھُریوں کا
بہت ہی آسان علاج
YouTube
Health Care Club

"اف۔۔۔!" کامن روم میں داخل ہوتے ہی سامنے صوفے پر امبر کے ساتھ رحمہ کو باتوں میں مشغول پایا تو ناگواری سے میری تیوریاں چڑھ گئیں۔

"یہ ہر روز یہاں ہی پائی جانے لگی ہے۔"

"حذر کچھ چاہیے۔۔۔؟" باتوں کا سلسلہ منقطع کر کے امبر نے مجھے پوچھا۔

"ایک باؤل اسپگٹھی تو میرے روم میں بھیجو۔" میں نے ناگواری سے ہی رحمہ کو دیکھتے ہوئے اپنے آنے کی وجہ بیان کی۔

"کم آن حذر۔۔۔! اتنے اسپگٹھی کے باؤلز نہ چڑھایا کرو مجھے ڈر ہے کہ تمہاری باڈی بھی باؤل ہی نہ بن جائے۔" امبر کے چھیڑنے پر میں ہلکے سے مسکرایا اور جانے کے لیے پلٹا۔

"یہ کام وہ خود بھی کر سکتا ہے۔ اس کے کمرے کے پاس ہی کچن ہے اور اتنا اول جلول حلیہ۔۔۔ یار یہ تمہارا بھائی کچھ عجیب سا نہیں۔" رحمہ کی جھنجلائی ہوئی آواز نے میری مسکراہٹ اور قدموں کو روک دیا۔ میرے شانوں تک کٹے سلکی بال۔۔۔ بائیں کان میں بالی، گردن میں دو تین موٹی موٹی گولڈ کی زنجیریں، نیلی جینز پر سرخ کرتا جو میں اور جاذب کل شام ہی مارکیٹ سے خرید کر لائے تھے۔ کم از کم میرے ! میری فیملی کے نزدیک تو یہ حلیہ عجیب و غریب نہیں کیوں کہ ہمارے حلقۂ احباب میں اول جلول تر حلیے والے بھی شامل تھے۔

"مائنڈ اٹ محترمہ۔۔۔ میں نے آپ کو نہیں اپنی بہن کو کہا ہے اور میری ذات میں انوالو ہونے کی ضرورت نہیں سو پلیز۔۔۔" میں نے حتی المقدور اپنے لہجے کو کھردرا بنایا اور وہاں سے نکل گیا۔ میری بات پر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھیلتی رہیں مجھے کیا، کسی کی باتوں میں ٹانگ سوری زبان تھوڑی نا اڑاتے ہیں۔۔۔ ہاں جی۔۔۔ وہ بھی بلا وجہ۔۔۔

☼ ☼ ☼

یاد رہے امبر میری تیسرے نمبر والی بہن ہے۔ پہلے نمبر پر عائشہ عرف عاشی۔۔۔ فیشن کی دلدادہ اس کی باتیں فیشن سے شروع ہو کر فیشن پر ختم۔۔۔ دوسرے نمبر والی زون ہے۔ زون کے معنی "چاند جیسی خوب صورت" اور زون بی بی خوب صورت تو واقعی چاند جیسی بلکہ چاند بھی اس کے آگے پانی بھرے۔۔۔ لیکن صرف اور صرف شکل و صورت میں۔ ہر دوسرا خوب صورت بندہ اس کے سامنے ثانی کا کردار ادا کر سکتا ہے، لیکن خود کو خوب صورت ثابت نہیں کر سکتا۔ میں نے

کہانا۔۔۔ کہ وہ صرف شکل و صورت کی خوب صورت ہے تہذیب اور اخلاقیات اسے چھو کر گزرنا تو دور۔۔۔ سمجھ لینا بھی دور از کار نہیں۔۔۔ طنز اور بحث اس کی شخصیت کا خاصا ہے۔ بد سیرتی میں وہ ہٹلر کی جانشین ہے۔

اگر آپ میری بہنوں کی تعارفی برائیاں سن کر بور ہو رہے ہیں تو بہت بری بات ہے۔ اس طرح ایمان داری سے آج کل کام کون لیتا ہے بھلا۔۔۔؟ ہاں جی۔۔۔ ہیں جی۔۔۔ یہ کون کہہ رہا ہے جھوٹ موٹ۔۔۔ یعنی آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ قاری۔۔۔ (میری آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔۔۔ بلکہ پھٹ رہی ہیں) یعنی سچی میری کشتی وہاں ڈوبی جہاں پانی کم تھا۔۔۔ مطلب آپ سے یہ امید نہیں تھی۔ چلو جی اگر آپ بھی غیروں والی حرکت پر آہی گئیں۔۔۔ تو میری مام سے پوچھ لیں۔۔۔ پر یاد رہے وہ ہیں اولاد پرست۔۔۔ کیا خبر آپ کی خبر لے ڈالیں۔۔۔ یہ اب کون کہہ رہا ہے۔۔۔ کہ میری مام سے ڈر لگتا ہے۔۔۔ چلو جی۔۔۔ آپ قاری خواتین۔۔۔ (لڑکیاں متوجہ ہوں۔۔۔ یعنی آپ کو بھی خواتین کہہ کر غصہ ٹھنڈا کیا جا رہا ہے) ہاں تو آپ قاری خواتین۔۔۔ مجھ سے کچھ دیر پہلے کہا جا رہا تھا کہ میں جھوٹ موٹ۔۔۔ سنا رہا ہوں۔۔۔ اس کو کہتے ہیں کھوتا بھوں چوں کے بوجھ تلے۔۔۔ نا بھئی نا۔۔۔ میں تو نہیں دیکھا تا نخرے۔۔۔ وہ کیا ہے نا کھوتا بھوں چوں۔۔۔ (آپ خود بھی سمجھ دار ہیں) تو ہم کہاں تھے۔۔۔ عائشہ عرف عاشی کا فیشن۔۔۔ زون کی خوب صورتی پلس بدتہذیبی بیان ہو گئی۔ ہاں امبر۔۔۔ میری لاڈلی ' پیاری بے وقوف سی بہن۔۔۔ نام کا مطلب دیکھا جائے تو آسماں اور آسمان کی طرف دیکھا جائے تو سوائے بلندی کے ذہن میں کوئی لفظ آتا ہے اور نہ ہی سمجھ میں کوئی بات۔۔۔ اب میں امبر لی بی کو آسمان کی بلندی پر تو چڑھا نہیں سکتا۔۔۔ اسی لیے آسمان کی بلندی کے بجائے اولین میں امبر لی بی کو دیکھا جا سکتا ہے ' لیکن یہاں معاملہ الٹ ہی نکلا۔۔۔ کیوں کہ امبر لی بی اولین میں سے نہیں آخری نمبر پر ہیں۔۔۔ عاشی اور زون چاہے فیشن خوب صورتی اور زبان دانی کے گر سکھا دیں نتیجہ وہی نکلے گا یعنی صفر۔

اب آپ یہ ضرور سوچ رہی ہوں گی۔ عائشہ ' زون اور امبر اگر میری بہنیں ہو گئیں (خبردار لڑکے کہنے کی ضرورت نہیں) تو رحمہ کون ہے۔۔۔؟ بھئی یہ محترمہ میری تیسرے نمبر والی خالہ مسکین کی بیٹی ہیں۔ اکلوتی اولاد۔۔۔ فیصل آباد کے کسی پسماندہ گاؤں کی پیداوار۔۔۔ جہاں میرا جانا تو درکنار کسی دوسرے کو جاتا دیکھ کر میں الجھن کا شکار ہو جاتا ہوں۔ اس کے سراپے پر نظر ڈالی جائے تو عام پینڈو وں جیسا۔۔۔ پانچ فٹ ساڑھے پانچ انچ قد۔۔۔ سادہ کپڑے۔۔۔ (کنجوس مکھی چوس باپ کی بیٹی جو ہوئی) ہمیشہ بڑا سا دوپٹا نماز کے انداز میں لپیٹے۔۔۔ بقول زون وہ یہ ٹینٹ سنبھال کیسے لیتی ہے۔۔۔ ناک مناسب ہی ہے۔۔۔ پر ٹھوڑی پر ابھرتا بھورا تل جو گاؤں کی گرد اور دھوپ سے سانولا کر ملیالا سا ہو جاتا لاہور شہر اس کی رنگت کو کافی نکھار دیتا۔

میں حذر کریم الٰہی ملک کے مشہور صنعت کار کریم الٰہی چوہان کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ بقول جاذب حد سے بڑھ کر مغرور ' اکھڑ مزاج ' بدمزاج کسی کی پروانہ کرنے والا ' خوب صورتی کا مان دولت کا نشہ جو ہر وقت مجھ پر چھایا رہتا ہے اور یہ واحد چیزیں ہیں جو مجھ پر چھائی رہتی ہیں ورنہ سب پر چھانا میرا کام ہے۔ اور شاید یہ چیزیں میرے لیے ترجمان کا کام بھی دیتی ہیں ورنہ شاید تو کسی کو بہت عزیز رکھنا میرے لیے مشکل ترین کام ہے۔

ہاں جی۔۔۔ اب پتا چلا میرا۔۔۔ ایسے ہی کیا کیا سوچ لیا تھا میرے بارے میں۔۔۔ آئندہ خبردار (انگلی اٹھا کر) کچھ غلط سوچا میرے بارے۔۔۔ اگر اب آپ ناراض بھی ہو جائیں گی تو خیر ہے۔ بقیہ تعارف تو میں مکمل کر کے ہی دم لوں گا۔۔۔ نام میرا رکھا میرے والد نے۔۔۔ اور یقیناً "دیکھ کر سوچ سمجھ کر ہی رکھا ہو گا۔۔۔ اور معانی بھی خوب رہے پرہیز ' انکار ' احتیاط یعنی اجتناب۔۔۔

☆ ☆ ☆

"وجی۔۔۔ میں کہہ رہی ہوں۔۔۔ سنا جی حذر کے ابا۔۔۔" امی کا یہ فقرہ مجھے کھانے کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سنائی دیا۔۔۔ میری تینوں بہنیں عائشہ' زون اور امبر بھی ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھیں۔۔۔ یعنی ناشتے کی گہما گہمی عروج پر تھی۔۔۔ کسی کو فریش جوس چاہیے۔ کسی کو قیمہ بھرا پراٹھا آملیٹ اور اچار کے ساتھ۔۔۔ کوئی چائے کے انتظار میں تھا۔۔۔ تو کوئی دہی منگوا رہا تھا۔۔۔ میں جلدی سے کرسی دھکیل کر بیٹھ گیا۔۔۔ زون اور میری اک ہی یونی تھی۔۔۔ عائشہ اور امبر ایک ہی رستے میں پڑنے والی دو مختلف یونیورسٹیز میں ڈرائیور کے ساتھ جاتی تھیں۔ زون اور میں اکٹھے نکلتے۔۔۔ اب بھی لیٹ اٹھنے کی وجہ سے تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر پہنچا تو ملازمین مستعدی سے کام کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ پاپا نے ناشتے سے فراغت حاصل کرلی تھی اس لیے اپنی فائلز رجو کے حوالے کر کے پیچھے آنے کا کہہ کر اپنے آفس کے لیے تیار کھڑے تھے۔ کہ "امی حذر کے ابا حذر کے ابا کہہ کر پیچھے لپکیں۔۔۔ (ایک تو یہ حذر کے ابا کہنا ضروری ہے امبر' زون' عائشہ' پاپا امی نے کیا کسی سے مستعار لے رکھی ہیں) اب پاپا اس بات کے منتظر تھے کہ امی ان سے وہ بات کریں جس کے لیے حذر کے ابا کی گردان کی گئی ہے۔۔۔

"وہ جی میں کہہ رہی تھی شام میں ارشاد کی بہن کا پتا کر آتے۔۔۔ سنا ہے بہت بیمار ہے۔" ہم بہن بھائی جو۔۔۔ کان لگائے کسی اہم خبر کے منتظر تھے خالو ارشاد کا نام آتے ہی ڈھیلے ڈھالے انداز میں اپنے اپنے ناشتے کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"یہ ساتھ ہی تو جانا ہے۔۔۔ حذر۔۔۔! اپنی ماں کے ساتھ ہو آنا۔" میرے حلق میں پاپا کی بات پر نرم و ملائم ڈبل روٹی کا ٹکڑا پھنس گیا۔

"ہم۔۔۔ میں۔۔۔ میں تو شاید آج شام کو ہی واپس آؤں۔۔۔" میں نے بہانا گھڑا۔۔۔ "تھکن کی وجہ سے نہ جاپاؤں۔"

"رات کو ہو آنا۔۔۔ تھکن کی وجہ سے آج نہ جاسکو۔۔۔ تو کل شام تک چلے جانا۔۔۔ اگر کل شام۔۔۔"

"پاپا میں چلا جاؤں گا۔۔۔" پاپا کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی میں بول اٹھا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ مجھے اور بھی بہت کام ہے۔" پاپا کی بات پر میں سرہلا کر رہ گیا۔ وہ رجو کو پیچھے آنے کا اشارہ کر کے یہ جا وہ جا۔۔۔ اور میں اور امی کلس کر رہ گئے۔۔۔ یعنی امی پاپا کے ساتھ جانا چاہتی تھیں۔۔۔ نمبر بنانے کے لیے۔۔۔ اور پھنسا میں۔۔۔ میں وہاں جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔۔۔ ان دنوں تو بالکل بھی نہیں۔۔۔ اس کی وجہ رحمہ۔۔۔ جو لاہور تشریف فرما تھی۔۔۔ ہمارے بنگلے کے عقب میں خالو ارشاد کی بہن یعنی رحمہ کی پھپھو کا گھر ہے۔ خالو صاحب کو بہن کی وجہ سے بیٹی کا لاہور آکر رہنا بالکل نہیں کھٹکتا ورنہ عادت کے مطابق وہ ہزارہا اعتراضات کا پہاڑ بنا ڈالتے۔۔۔ مجھے ان سے ملنے کا اتفاق تو کم ہی ہوا تھا۔۔۔ لیکن میری امی اپنی بہن کی وجہ سے خالو صاحب کا کلفی سے زیادہ خاص خیال رکھتیں۔۔۔ اور رپورٹرز کی طرح عوام تک (دوسری بہنیں) ہر وقت خالو صاحب کی نیوز کاسٹ کرنے کے لیے تیار رہتی ہیں۔۔۔ اسی لیے اہم اہم خبروں کا خلاصہ آتے جاتے سن لیا کرتیں امی سے ہمارے کانوں میں بھی پڑتا رہتا ہے۔ سو۔۔۔ سوری۔۔۔ میں بھی یہ کیا رحمہ نامہ لے بیٹھا۔۔۔ اور بات کدھر سے کدھر نکل گئی۔۔۔ ہاں تو میں بتا رہا تھا۔۔۔ کہ میں خالو ارشاد کی بہن کے گھر دو وجوہات کی بنا پر نہیں جانا چاہتا تھا۔۔۔ نمبر ون۔۔۔ رحمہ کا لاہور میں ہونا۔۔۔ نمبر ٹو۔۔۔ رحمہ کی چھلاوا کی طرح کی کزن انیقہ۔۔۔ وہ مجھے دیکھ کر جس طرح کھل اٹھتی۔۔۔ ادائیں دکھاتی اور باچھیں کانوں تک چیرلیتی۔۔۔ مجھے ذرا اچھی نہ لگتی وہ کیا ہے نا۔۔۔؟ دل توڑنا مجھے نہیں آتا اس لیے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرلیتا ہوں ورنہ تو۔۔۔

"حذر۔۔۔! تم ابھی تک ادھر ہی بیٹھے ہو۔۔۔ ناشتا

بھی نہیں کیا۔ ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔۔۔" ارشاد خالو کی بہن کے گھر جانے کے غم میں تمیں اتنا غرق تھا۔۔۔ کہ ڈائننگ ٹیبل کے خالی ہونے کا بھی پتا ہی نہ چلا۔۔۔ وہ تو جب زون نے تند خوئی سے کہتے مجھے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بھنویں اچکائے تو میں ہوش کی دنیا میں واپس پلٹا۔۔۔ یہ زون اگر میری یونی میں داخلہ ہی نہ لیتی تو آج میں بابا کے آفس چلے جانے کے بعد ناشتے کے لیے آتا پھر مجھے امی کے ساتھ نہ جانا پڑتا۔۔۔ بابا کے ساتھ جاکر امی کے نمبر بھی بن جاتے۔۔۔ کاش۔۔۔ کاش۔۔۔

☼ ☼ ☼

طبیعت کی ناسازی اور آخری پیریڈ فری ہونے کے باعث میں جلدی گھر آگیا۔۔۔ تو معلوم ہوا کہ ہام ساتھ والی آنٹی راشدہ کے ساتھ ہی رحمہ کی پھپھو کی عیادت کے لیے جاچکی ہیں۔ تھینک گاڈ۔۔۔ جان بچی پانچ چھ کروڑ پاؤ (فی الحال صحیح محاورے سے معذرت)

"آپ کو کچھ چاہیے صاحب۔۔۔؟" گھر ملازمین سے بھرا پڑا تھا۔ گھر کا کوئی فرد موجود نہ تھا۔۔۔ کچن میں مصروف گلو نے دبے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں دلیہ بنا کر میرے روم میں بھیج دینا۔۔۔" میں نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے جواب دیا۔۔۔ اور اب دلیے کے بن کر آنے تک میں بالکل فارغ ہوں۔۔۔

دلیہ مجھے بہت پسند ہے۔۔۔ میٹھا ہو یا نمکین۔۔۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔ ناشتا تو میرا ہوتا ہی دلیے سے مکمل ہے۔۔۔ بندہ بے شک میں اشائلش ہوں پر ہوں سادہ خوراک۔۔۔ کیونکہ مجھے اپنے معدے سے کوئی بیر نہیں۔۔۔ اس لیے تیز مسالا جات سے اسی فٹ دور ہی رہتا ہوں۔۔۔ فرینڈز یار تیز باربی کیو کرنا ہوٹلنگ کرنا بس میرے شوق ہیں۔ خیر۔۔۔! میں بتا رہا تھا تپے کی بات مجھے یاد ہے زیادہ پرانی بات نہیں زیادہ سے زیادہ دو یا تین سال پرانی۔۔۔ مجھے امی کے ساتھ رحمہ کی دادی کی عیادت کو جانا پڑا۔۔۔ بالکل اس صورت حال میں ہی جیسے صبح ہوئی تھی یعنی ابو کے پاس وقت کی کمی۔۔۔ اور کام کی زیادتی۔۔۔ لمبے طعنے۔۔۔

"میں اس کی کون سی ضرورت پوری نہیں کرتا۔۔۔ مہنگی کار دلوائی۔۔۔ موبائلز سب سے اچھی یونی میں ایڈمیشن۔۔۔ جو چاہتا ہے پہنتا ہے۔۔۔ پیسے کی کمی نہیں جو چاہے کرتا ہے۔ کام کا زور نہیں پھر یہ اتنا بھی نہیں کر سکتا۔۔۔ میں اکیلا بندہ کیا کیا کروں 'کاروبار سنبھالوں' فیکٹری اور زمینوں کے معاملات و حساب کرتا پھروں وغیرہ وغیرہ۔" جانے سے پہلے میں نے امی سے وعدہ لیا تھا کہ واپسی آج ہی ہوگی۔۔۔ لیکن امی اپنی بہن سے مل کر اپنا وعدہ بھول گئیں اور ہمیں وہاں رات گزارنا پڑی۔۔۔ خالو ارشاد مجھے ڈیرے پر ہی لے گئے۔۔۔ اور میرا بستر وہیں لگوا دیا۔۔۔ موسم میں بڑھتی خنکی نے شہروں میں اثر دکھایا تھا۔۔۔ یہ تو پھر گاؤں کھیتوں میں بنا ڈیرہ۔۔۔ کبھی گائے کی بھیں بھیں کبھی کتے بھوں بھوں۔۔۔ مختلف جانوروں کے بولنے کی آوازیں۔۔۔ رات بھر میں بے چین رہا۔۔۔ صبح صبح جو آنکھ لگی۔۔۔ جانوروں کے دودھ دھونے کے برتن ملازمین کے بولنے کی آوازیں اور تیز روشنیاں سورج بھی طلوع ہوا ہی چاہتا تھا۔۔۔ میں اکیلا ہی گھر کی طرف چل پڑا۔۔۔ ارادہ لمبی تان کر سونے کا تھا۔۔۔ میرا پہلا ٹکراؤ ہی رحمہ کی دادی سے ہوا۔۔۔ لمبے برآمدے میں بستر میں بیٹھی وہ مالٹے کھانے میں مشغول تھیں۔۔۔ بیمار تو کہیں سے لگ ہی نہیں رہی تھیں۔ میں ازراہ ہمدردی پاس بیٹھ گیا۔۔۔ وہ مجھے باتوں سے کافی دلچسپ خاتون معلوم ہو رہی تھیں۔ اتوار کا دن کانپے بوڑھے ٹھنڈ سے بچنے کے لیے بستروں میں دبکے پڑے تھے بس رحمہ ایک کمرے سے دوسرے اور کبھی کچن سے صحن میں چکراتی پھر رہی تھی۔

"آپ کی طبیعت خراب تھی تو آپ کو مالٹے نہیں کھانے چاہیے تھے اس طرح تو مزید بیماری بڑھ جائے گی۔۔۔" میں نے باتوں کے دوران کہا۔

"میرا بخار نا۔۔۔ بڑا عجیب ہے۔۔۔ دوا دارو سے زیادہ

فائدہ ہی نہیں ہوتا۔۔۔ اس وقت تک جان ہی نہیں چھوڑتا جب تک وہ چیز رج کر نہ کھالوں جو مجھے پسند ہو۔۔۔ اس لیے صبح صبح رحمہ سے مالٹے منگوا لیے۔" ان کی بات سن کر اس وقت تو میں خوب ہنسا تھا۔

"نیم حکیم۔۔۔ خطرۂ جان۔۔۔" لوٹ پوٹ ہوتے میں نے اپنے رائے پیش کی تھی۔ رحمہ نے بمشکل وہاں سے ہٹایا تھا۔۔۔ ورنہ میرا اس دلچسپ خاتون سے مزید باتیں کرنے کا ارادہ تھا۔۔۔ وہ غصہ کیے بغیر میری ہنسی میں میرا ساتھ دے رہی تھیں۔۔۔ یہ رحمہ۔۔۔ کڑوا بادام۔۔۔ پھر کچھ عرصے بعد ہی چڑھتے اترتے بخار نے کچھ اس طرح میری رگ رگ کو توڑا۔۔۔ کہ مذاق مذاق میں میں نے نیم حکیم خطرہ جاں کے مشورے پر عمل کر ڈالا۔۔۔ اور اتفاقاً "ٹھیک بھی ہو گیا۔۔۔ لیکن میں حیران ہوئے بغیر اس بات پر یقین رکھے ہوئے تھا کہ یہ ان ادویات کا کمال ہے، جو مہنگے ترین ڈاکٹرز کی تجویز کردہ تھی۔۔۔ لیکن میرا یقین جلد ہی خاک ہو گیا۔۔۔ جب بدلتے موسم کے موسمی بخار نے مجھے ناکوں چنے چبوائے۔۔۔ اور حیران کن صورت حال مجھے ایک بار پھر مجھے رحمہ کی دادی کے مشورے پر عمل کرنا پڑا۔۔۔ اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔۔۔ اس لیے تو ملازمہ سے دلیہ بنانے کو کہا۔۔۔ کہ دلیہ مجھے پسند ہے، جو دوسروں پر ہنستے ہیں دوسرے اس پر ہنستے ہیں۔۔۔ جاذب ہر بار مجھے یہ کہہ کر چڑاتا ہے۔۔۔ اس لیے ہی میں نے آپ کو کہا ہے ہنسنا منع ہے، کچھ چیزیں گلے بلاوجہ پڑ جاتی ہیں۔ اور پھر ڈھول کی طرح بجانا پڑتی ہیں۔

☼ ☼ ☼

"تا۔۔۔ میں کہتی ہوں، تمہیں اس خاندان کے لیے اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔؟" اتوار کا دن چونکہ گہما گہمی سے پاک۔۔۔ ناشتے کی تیزی، نہ یونی پہنچنے کی جلدی۔۔۔ میری آنکھ بھی تیز چنگھاڑتے موبائل کی آواز سے دو بجے کے قریب کھلی۔۔۔ دوسری طرف جاذب تھا۔ وہ ایئرپورٹ اپنے دادا صاحب کو لینے جانے والا تھا۔ جو کراچی بڑے بیٹے سے مل کر واپس لوٹے تھے۔۔۔ لیکن اس کی امی کی واش روم میں پھسل کر دائیں گھٹنے کی ہڈی تڑوا بیٹھیں بہانہ تو کافی گھسا پٹا سا تھا۔۔۔ اصل میں وہ چاہتی ہی نہیں تھیں کہ جاذب دادا صاحب کو لینے جائے، وجہ بھی کوئی خاص نہیں تھی۔ وہی عام روایتی کہ جاذب کی چچی نے اپنے بچوں کو منع کر دیا تھا۔۔۔ ڈنکے کی چوٹ پہ۔۔۔ جاذب کی ماما شوہر کے ڈر سے ڈنکے کی چوٹ پر نہ سہی گھٹنے کی چوٹ پر خوب کامیاب رہی تھیں۔ بہرحال جو بھی تھا میری نیند خراب ہوئی تھی میں تلملایا تو بہت۔۔۔ لیکن پھر گلے پڑا ڈھول بجاتے میرا مطلب دادا صاحب کو لینے ایئرپورٹ چلا گیا۔ آفٹر آل میں جاذب کو انکار نہیں کر سکتا تھا وہ میرا جگری یار تھا۔ لیکن چونکہ میں کچھ نہیں کرتا اس لیے کمال کرتا ہوں۔ پھر سارے راستے ایئرپورٹ پہنچنے تک۔۔۔ میں نے جو باتیں جاذب کی ماما کے خلاف سوچی تھیں وہ دادا صاحب کو ایئرپورٹ سے جاذب کے گھر چھوڑنے تک ساری من و عن بتادیں۔۔۔ پھر گھر پہنچ کر دادا صاحب نے جو جاذب کی ماما کے لتے لیے۔۔۔ میرے سامنے ہی میں اپنے گھر پہنچنے تک شانت ہی رہا۔

"کیا ضرورت تھی یہاں بیٹھ کر نیر بہانے کی، بیٹھی رہتیں پھپھو کے بغل میں سر دیے۔ تیمارداری کرنے کے لیے اور جتاتی رہتیں محبت۔"

امی کے بعد اب امی کے عقب میں کھڑی زون رحمہ کے سسکنے سے چڑ گئی تھی۔۔۔ چونکہ میں اس سنگین صورت حال سے انجان تھا اس لیے لاپروائی سے امی کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"گھر کی بھی خیر خبر رکھ لیا کرو صاحبزادے! جب دیکھو آوارہ گردی کے لیے نکلے رہتے ہو، سارے سیاپے میری جان کو کسی کو پروا نہیں، کوئی کرے بھی تو کیوں؟ میں ہوں نا سب کی پروا کرنے کے لیے۔" امی نے مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے رحمہ کو چھوڑ کر مجھ پر ہی چڑھائی کر دی۔ لیکن چونکہ میں رحمہ کی طرح چپ

حجاب بے عزتی کروانے والا نہیں تھا اس لیے غصے میں ہی آگیا۔

"کوئی مجھے کھانے پینے کا بھی پوچھے گا یا بس انوسٹی گیشن کا ہی پلان بنا رکھا ہے۔"

"جہاں گئے تھے وہاں سے ہی کھا پی آتے۔" زون نے مجھے گھور کر کہا۔

"میرے منہ تم تو نہ ہی لگو۔۔۔ تو بہتر ہے۔" میں پہلے ہی بے زار سا بیٹھا تھا۔

"ہونہہ۔" زون نے منہ بنایا "مجھے ضرورت بھی نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" میں نے بھی منہ بنایا۔۔۔ کچھ ہی پل بعد رحمہ کی موجودگی یا میرے غصے کو مد نظر رکھتے ہوئے امی نے زینت کو بلا کر میرے کھانے پینے کا انتظام کر دیا۔ جبکہ رحمہ میز سے اپنا موبائل اٹھا کر امی کو اپنے جانے کی اطلاع دیتے ہوئے تیزی سے لاؤنج سے نکل گئی۔۔۔ میں بلا ٹل جانے پر خوش تو ہوا لیکن اس کی بھیگی بھیگی آنکھیں بار بار میری نظروں کے سامنے گھوم جاتیں۔۔۔ محترمہ کے رونے کی وجہ بھی کھانے کے دوران امی سے بن پوچھے ہی معلوم ہو گئی۔۔۔ اس کی پھپھو کو بلڈ کینسر تھا اور بقول ڈاکٹرز بچنے کے چانسز بہت کم تھے۔۔۔

☼ ☼ ☼

ایک ہفتہ پہلے رحمہ کی پھپھو کی وفات پر ان کے گھر تعزیت کے لیے آنے والے مہمانوں کا سلسلہ اب قدرے تھم چکا تھا لیکن کوئی ایک آدھ ابھی بھی ادھر آنکلتا۔۔۔ جیسے ابھی بھی ہال میں تیز تیز بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں شاور لینے کے بعد باہر نکلا سب سے پہلے ہال میں موجود تین خواتین میں سے میری نظر رحمہ پر پڑی۔۔۔ اس کی چھلاوا کزن بھی موجود تھی۔ البتہ تیسری خاتون کو میں نہیں جانتا تھا۔۔۔ وہ امی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں جبکہ امبر اور زون انیقہ سے باتوں میں مصروف۔۔۔ عادت کے مطابق عائشہ خاموش بیٹھی تھی۔۔۔ البتہ رحمہ منہ لٹکائے خاموش افسردہ سی لگ رہی تھی۔۔۔ جیسے پھپھو کے مرنے کا سارا دکھ اس کی ہی جان پر ٹوٹا ہو۔۔۔ جب بیٹی باتیں کر سکتی تھی تو اسے اپنا منہ لٹکانے کی کیا ضرورت ہے مجھے سخت چڑ محسوس ہوئی۔۔۔ دوسروں کے غم میں بلاوجہ گھلنے والوں سے مجھے اسی طرح چڑ محسوس ہوتی تھی۔۔۔ اپنا خون جلاؤ حاصل وصول کچھ ہوتا نہیں امی کی تنبیہہ کرتی نگاہوں کا پیغام پڑھتے ہوئے میں انہیں نظر انداز کر کے کچن کی جانب بڑھ گیا اب ہر بار رحمہ بی بی سے ٹکراؤ کے بعد مجھے بلاوجہ غصہ آنے لگا تھا۔ کیوں؟ وجہ میری سمجھ سے بالاتر تھی۔

☼ ☼ ☼

برا محسوس ہوتا ہے
تیرا محسوس نہ کرنا

اپنے بستر پر نیم دراز میں کب نیند کی وادی میں اترا مجھے کچھ خبر نہ ہوئی۔ لیکن تکیے کے نیچے دبے موبائل کی میسج کی گھنٹی کی آواز نے جتنی جلدی میں نیند کی وادی میں اترا تھا اتنی جلدی ہی واپس کھینچ لیا۔ نیم وا آنکھوں سے تکیے کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر موبائل نکالا۔۔۔ لیکن ان بکس میں ان ریڈ میسج کھولتے ہی میری آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں۔۔۔ رحمہ کا نمبر میں نے ایک بار فیصل آباد سے لاہور آتے امی کی نصیحت پر محفوظ کیا تھا۔۔۔ اور اب اس نمبر سے میسج وہ بھی شعر۔۔۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا عجیب سی الجھن نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور اگلی شام اس الجھن میں مزید اس وقت اضافہ ہوا جب میں ویج ہوٹل میں جازب اور کچھ دوسرے فرینڈز کے ساتھ ایک چھوٹی سی ضیافت میں شامل تھا۔

کاش تم میرے ہوتے
یا یہ احساس تمہیں ہوتا

ایک نیا شعر موبائل اسکرین پر رحمہ کے نمبر سے جگمگا کر میری الجھن کو مزید بڑھا گیا۔۔۔

☼ ☼ ☼

اور پھر جلد ہی موقع بھی میسر آگیا۔۔۔ رحمہ کی طبیعت صاف کرنے کا۔۔۔ چلچلاتی دھوپ اور حبس سمیٹے جولائی کا گرم ترین دن تھا۔۔۔ میں جاذب کے ساتھ نوٹس بنانے کے لیے مختلف موضوع پر بات کررہا تھا۔ ویک سگنلز کی وجہ ٹیرس پر آنا پڑا۔۔۔ اے سی کی ٹھنڈک سے نکل کر دوپہر کے وقت دھوپ میں کھڑے ہو کر بات کرنے میں مجھے کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑرہا تھا۔ نوٹس بنانا بہت اہم تھا ورنہ سر لطیف جو بے عزتی کرتے تھے۔۔۔ وہ مہینوں شرمندہ کیے رکھتی۔۔۔ بستیار میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا پر نوٹس پر لعنت بھیجنے کا سوچتے ہی سر لطیف یاد آجاتے۔۔۔ فولڈنگ چیئر پر براجمان میں پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔۔۔ اور بائیں طرف رکھے گملوں سے کافی گلابوں کی پتیوں کو توڑ توڑ کر میں نے بے دھیانی میں بکھیر دیا تھا۔ کہ اچانک مجھے گیٹ پر رحمہ نظر آئی۔

"تم۔۔۔؟" میرے یک دم چلانے سے جاذب پریشان ہوا تھا۔۔۔

"واٹس اپ پرابلم۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"اوہ۔۔۔ ناٹ ایٹ آل۔۔۔" میری نظر سامنے گیٹ پر موجود چوکیدار سے دائیں ہاتھ سے اندر کی طرف بار بار اشارہ کرتی رحمہ پر تھی۔

"تمہارا دھیان کدھر ہے۔۔۔؟" جاذب میری خاموشی سے جھنجلایا تھا۔

"میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔۔۔" اس کی بات کا جواب دیے بغیر میں نے کال کاٹ دی۔۔۔ اور جلدی سے گیٹ کی طرف بھاگا۔۔۔

"کیا بات ہے۔۔۔؟ کس سے ملنا تھا۔۔۔؟" تیز تیز چلنے کی وجہ سے میرا سانس پھول گیا تھا۔۔۔ وہ جو میرے وہاں پہنچنے تک ذرا فاصلے پر چلی گئی تھی مسکرا کر واپس پلٹی۔

"آپ سے۔۔۔" وہ مسکرا کر پلٹی۔۔۔ بائیں ہاتھ میں پکڑی بلیو فائل کو اس نے سورج کی گرم شعاعوں سے بچنے کے لیے چہرے پر رکھا تھا۔

"میں اندر جا رہا تھا سوچا پوچھ لوں کہ کس سے ملنا ہے۔۔۔؟" میرے بولنے پر وہ پھر مسکرائی بلاوجہ۔۔۔ اور بلاوجہ کے ہر کام پر مجھے سخت تاؤ چڑھتا ہے۔۔۔ شاید جانتی نہیں تھی۔۔۔ میری بات پر اس نے حیرانی سے چاروں طرف نظر دوڑائی۔۔۔

"تم اپنے کمرے سے ڈرائیو وے تک بمشکل پیدل آتے ہو۔۔۔ ورنہ تو میں نے تمہیں کبھی تمہاری مرسیڈیز کے علاوہ کبھی ان آؤٹ ہوتے نہیں دیکھا۔۔۔ تو کیا آج دنیا کو حیران کرنے کا ارادہ تھا یا پھر مرسیڈیز داغ مفارقت دے گئی۔۔۔" طبیعت میں اس کی صاف کرنے نکلا تھا اور طبیعت صاف میری اس نے کردی تھی۔۔۔ اور پھر میں نے خاموشی سے وہاں سے کھسکنے میں ہی بہتری سمجھی۔۔۔ اور کندھے اچکا کر واپسی کے لیے مڑ گیا۔۔۔

"بھاڑ میں جائے انویسٹی گیشن۔۔۔"

"کچھ دیر پہلے تم اپنے کمرے کے ٹیرس پر تھے۔۔۔ تو تصحیح کرلو۔۔۔ تم کہیں سے آ نہیں رہے بلکہ جا رہے تھے۔۔۔" آج پہلی بار وہ مجھ سے اس طرح بات کررہی تھی' ورنہ تو مجھے دیکھتے ہی میدان چھوڑ جاتی۔ میرا دل سر پیٹنے کے لیے مچلا۔۔۔ اپنا جھوٹ پکڑے جانے پر نہیں۔۔۔ بلکہ اتنا اہم کام چھوڑ کر گیٹ تک محترمہ کے پاس آنے کی غلطی کرنے پر۔۔۔ وہ بھی اتنی دھوپ میں۔۔۔ خیر اب آہی گیا تھا۔۔۔ جس مقصد کے لیے آیا وہ پوچھ لینے میں حرج ہی کیا۔

"تمہاری پوئٹری کلیکشن کافی اچھی ہے۔۔۔ تم نے دو میسج مجھے کیے' مجھے کافی پسند آئے۔" میں نے اپنی طرف سے بڑا پوائنٹ مارا تھا لیکن یہ کیا۔۔۔؟ اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔۔۔ میں حیران رہ گیا۔۔۔ حد ہے بھئی حد ہے۔۔۔ ڈھٹائی کی۔۔۔

"اگر اس ہفتے کی بات کررہے ہو۔۔۔ تو واقعی ٹھیک کہہ رہے ہو۔۔۔ پوئٹری کلیکشن اچھی ہی ہوگی۔۔۔ کیونکہ انیقہ اور پوئٹری یک جان دو قالب ہیں۔۔۔ اور میرا سیل پچھلے ہفتے سے وہ یوز کررہی ہے۔۔۔ سم سمیت۔۔۔ ان فیکٹ یور آر رائٹ۔۔۔" اس کی مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔۔۔

اور کچھ پل کے لیے تو میری نظر اس کے مسکراتے چہرے پر جم ہی گئی۔۔۔ یعنی حد ہے۔ بے وقوفی کی۔۔۔ میری۔۔۔

"مجھے یہ فارم جمع کروانے تھے۔ پھپھو کے پاس رہنے کے لیے بھی میں اسی وجہ سے آئی تھی کہ ایڈمیشن ہو جائے۔۔۔ اب پھپھو کے بعد۔۔۔(وہ اٹکی) ابو نہیں مان رہے میرے ادھر رہنے کے لیے۔۔۔" وہ پلٹی۔

"تو تم پڑھنا چاہ رہی ہو۔۔۔؟" میں اسے واپس پلٹتا دیکھ چکا تھا۔ بلا ارادہ ہی پوچھ بیٹھا۔۔۔ گاؤں کی ہر دوسری لڑکی طرح میٹرک پاس ہی ہوگی۔۔۔ اس کے ہاتھ سے فائل لینے سے پہلے تک میرا یہی خیال تھا۔ فائل لے کر ڈاکومنٹس دیکھنے پر۔۔۔ دو سو چالیس والٹ کا جھٹکا مجھے لگا۔

"ایم فل۔۔۔" اس نے ایم فل بھی فرسٹ پوزیشن کے ساتھ پاس کیا ہوا تھا۔

"ہاں جی ایم فل۔۔۔ اپنے ابو کی فرمائش پر ادھر لاہور ہوسٹل میں رہ کر ریگولر کیا ہے۔۔۔ کوئی شک۔۔۔؟" وہ ہلکے پھلکے انداز میں پوچھ کر مجھے سخت شرمندہ کر گئی۔۔۔ یہ لو جی ہو گئی طبیعت صاف۔۔۔ اس کی نہیں۔۔۔ میری۔۔۔

☼ ☼ ☼
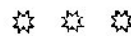
"یہ رحمہ ہے کون۔۔۔؟" مجھ سے باتوں باتوں میں جازب نے پوچھا۔

"میری خالہ کی بیٹی۔۔۔ کیوں؟" میں حیران ہوا۔۔۔ وہ مجھ سے ملنے آیا ہوا تھا اور میرے کمرے میں صوفے پر بیٹھا تھا۔ میرے بتانے پر وہ شعر گنگنانے لگا۔

محبت ہونے کے بہت ہی قریب ہے شاید
دل کو کچھ کچھ علم ہے' تب ہی بے چین بہت ہے

"تمہاری باتوں میں اس کا ذکر بار بار آرہا ہے۔۔۔ محبت وحبت تو نہیں ہو گئی؟" میرے دل میں یک دم ہلچل پیدا ہوئی۔۔۔ یعنی دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

"او چل۔۔۔ بکواس بند کر۔۔۔" میں نے بلاوجہ ٹیبل پر رکھے پانی کے گلاس کو غٹاغٹ چڑھا لیا۔

"وہ اور لڑکیوں سے ذرا مختلف تھی۔ اب بندہ ذرا سا کسی سے متاثر ہو جائے اس کا یہ مطلب نہیں محبت ہی ہو گئی۔ رحمہ سے محبت۔۔۔ ہونہہ۔۔۔" جازب کے الفاظ کو جھٹلاتے ہوئے میں بے وقوفوں کا سرخیل ہی لگ رہا تھا۔

"کیوں۔۔۔ رحمہ سے محبت کیوں نہیں ہو سکتی۔۔۔؟ وہ انسان نہیں۔۔۔؟ چلو یہ بھی مان لیا کہ۔۔۔ صرف تم ذرا سا متاثر ہوئے ہو۔۔۔ لیکن ذرا سا متاثر ہونا یہ ہوتا ہے کہ وقتی طور پر وہ بندہ یاد آجائے' تین دن ہوئے اسے لاہور گئے ہوئے اور تم نے مجھ سے فیس ٹو فیس اور موبائل پر تین ہزار باتیں تو ہوں گی جو مجھے سنائی ہیں۔۔۔ جو خود سوچی ہوں گی وہ تو لاتعداد۔۔۔ اور تمہاری حالت ایسی کیوں ہے۔" کسی کا بھی دوست جازب جتنا کائیاں اور بات کی تہہ تک پہنچنے والا نہیں ہوتا ہوگا۔۔۔ بہرحال جازب کا اندازہ صحیح تھا یا غلط۔۔۔ لیکن مجھے رحمہ سے محبت ہو کس طرح سکتی ہے۔۔۔ آپ اندازہ تو لگا ہی سکتے ہیں۔۔۔ کہ میں اس کا ذکر کس قدر تنفر سے کرتا رہا ہوں۔۔۔ لیکن وہ میری باتوں میں ذکر بن کر کیوں آرہی ہے۔۔۔ سچی بات ہلکی ہلکی یاد بھی۔۔۔ واقعی میں مجھے اس سے محبت تو نہیں ہو گئی۔۔۔ میں حیران ہوں بھئی۔۔۔ اس اچانک پڑجانے والی۔۔۔ مصیبت پر۔۔۔

"ایسا ہو جاتا ہے۔۔۔" مجھے خیالوں سے باہر جازب کے دھماکے جیسے الفاظ نے نکالا۔۔۔

"ایسا ہوا ہی کیوں۔۔۔؟" میرے سوال پر جازب نے برا سا منہ بنایا "کیونکہ تم ہوائی مخلوق نہیں انسان ہو اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔۔۔ میں ہی پاگل ہوں جو تمہیں سمجھانے بیٹھا۔۔۔"

اس نے صرف گدھا کہنے سے پرہیز کیا تھا لیکن مطلب اس کا یہی تھا۔۔۔

"یعنی مجھ جیسے گدھے۔۔۔"

"پوری بات میرے منہ سے ہی کہلوانا ضروری ہے کیا' اگر تم خود کو ہی بے عقل کہہ رہے ہو تو میں کیا

کرسکتا ہوں....'' اس نے ذرا فاصلہ بڑھا کر کشن کے پیچھے منہ چھپا کر کہا۔

''بھاڑ میں جاؤ....'' وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔ ''آئندہ مجھ سے بات نہ کرنا.... میرے نوٹس مجھے واپس کرو اور اپنی نت نئی پرابلمز اپنے پاس سنبھال کر رکھا کرو' آنکھیں اندر کرو اور جو کہہ رہا ہوں وہ کرو....'' وہ غصے سے مجھے گھورتے ہوئے میری حیرت سے پھیلی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کمپیوٹر ٹیبل سے نوٹس اٹھانے کو پلٹا۔

''اوہ نہیں یار.... سچی بس اس میں (رحمہ) کافی چینج آیا اور اس کی کوالیفکیشن دیکھ کر.... تم سے شیئر کرلیا.... ورنہ مجھے لگ رہا ہے ایسا کوئی چکر نہیں میرا۔'' اس کے ہاتھ میں کیمسٹری کے نوٹس دیکھ کر (میرے ہوش تو پہلے ہی کھو گئے) حواس بھی اڑ گئے۔

''پھر بھی بھاڑ میں جا....'' نوٹس تو واپس رکھ دیے.... لیکن منہ غبارہ ہی بنا رہا.... ''میں اپنے بے عزتی کرنے والے کو دوبارہ منہ نہیں لگاتا.... بس تو اپنا جگری یار ہے.... اس لیے برداشت کر جاتا ہوں....'' وہ منہ میں بڑبڑاتا باہر کی طرف نکل گیا اور میں اس کی محبت کے سمندر کی گہرائی کو ماپتے ہوئے منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

میں لاؤنج میں صوفے پر لیٹا بے دھیانی میں چینل بدلنے میں مصروف تھا.... میں نے پوچھا تو نہیں تھا' لیکن صبح امی پاپا سے رحمہ کے گاؤں جانے کا ذکر کررہی تھیں.... میرے وہاں ہونے کے باوجود پاپا نے میرا نام نہیں لیا تھا بلکہ ڈرائیور کو ساتھ جانے کا حکم دے دیا تھا۔ امبر اور زون بھی ساتھ جارہی تھیں۔ عائشہ میری اور پاپا کی وجہ سے گھر پر رک گئی تھی۔ وہاں جانے کا پروگرام شام سے پہلے کا بنایا گیا اور اب اس سلسلے میں ہی جانے کی تیاری کررہی تھی۔ میرے سامنے میز پر امبر کا موبائل رکھا تھا۔ موبائل پر میسج کی آواز بار بار گونجنا شروع ہوجاتی جو میرے اعصاب پر بہت گراں گزر رہی تھی۔

''کب تک نکلنا ہے۔'' بلا ارادہ ہی موبائل اٹھا کر میں ان بکس چیک کرنے لگا۔ رحمہ کے ایک ہی طرز کی دو تین میسج تھے۔

''کب تک پہنچنا چاہیے۔'' ٹائپ کرتے ہوئے میرے ہاتھوں میں واضح لرزش تھی اور دل کی دھڑکن معمول سے تیز....

''فنکشن شام کے بعد ہے۔ ان لوگوں سے پہلے آنا ہے۔''

''کون سا فنکشن.... ؟ کن لوگوں کی بات کررہی ہو.... ؟'' خطرے کا الارم میرے بہت قریب بجا تھا۔

''واٹس رانگ.... عین ٹائم پر پوچھ رہی ہو.... کون سا فنکشن.... میری منگنی کا.... اور وہ لوگ میرے سسرالی....'' کچھ ہی پل بعد اس کا ایک قدرے جھنجلائے ہوئے آئی کون کے ساتھ ریپلائی موجود تھا۔ ڈھڑڈھڑاڈھرم مختصر الفاظ میرے وجود کو برف کر گئے اور میں منجمد ہو کر رہ گیا۔

''یار تو اشارے کنایوں میں آنٹی سے بات تو کر....'' جاذب نے آخر مجھ سے رحمہ سے میری محبت کا راز اگلوا ہی لیا تھا۔

''ابھی میں پڑھ رہا ہوں.... اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ وقت آنے پر بات بھی کرلوں گا۔''

''تمہیں تو جلدی نہیں.... اس کے باپ کو شاید بہت جلدی ہو.... آنٹی سے بات تو کر.... وہ تمہاری خالہ کے کان میں یہ بات ڈال دیں گی۔ وہ شاید تمہارے پروپوزل پر غور کریں۔'' جاذب نے تین ماہ تک مجھے قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

''تو پچھتائے گا حذر کریم الہیٰ.... میری بات مان لے۔'' وہ مجھے کہتا رہتا اور میں لاپروائی سے کندھے جھٹک دیتا کہ ابھی بڑا وقت پڑا ہے.... آج مجھے پتا چلا تھا.... میں لڑکا تھا.... اس لیے یہ بات کرتا تھا.... بیٹی والوں کو تو بیٹیاں بیاہنے کی جلدی ہوتی ہے.... موبائل میرے ہاتھ سے پھسلا تھا اور میں جیسے ہوش کی دنیا میں پلٹ آیا۔

"میں اور عائشہ بھی ساتھ چلتے ہیں۔ آپ کے۔۔۔ ہم ادھر رہ کر کیا کریں گے۔" تیزی سے سیڑھیاں پھلانگ کر میں ای کے کمرے میں آیا جہاں ان کی تیاری آخری مراحل میں تھی۔۔۔ ان سب کو خبر تھی میں ہی انجان تھا۔۔۔ میری بات پر وہ سب حیرت سے میری شکل تک رہی تھیں کیوں کہ وہ رحمہ کے گاؤں سے میری چڑ سے واقف تھیں' لیکن میرے پاس ان کی حیرت دور کرنے کا وقت نہیں تھا کیوں کہ ابھی جازب کو بھی منانا تھا۔ وہ مختلف طریقوں سے قائل کرنے کے بعد میری مسلسل لاپروائی پر مجھ پر لعنت بھیج کر مجھے بھاڑ میں جھونک گیا تھا۔

میلوں دور رحمہ بی بی منگنی کے فنکشن کی تیاریوں میں مصروف بالکل نہیں جانتی تھیں کہ کوئی ان کے عشق میں پور پور ڈوبا کس طرح جان جوکھوں میں ڈالے ہوئے ہے۔

☼ ☼ ☼

سامنے اسٹیج پر رحمہ اپنے دلہنوں والے لباس میں اپنے ہونے والے منگیتر کے ساتھ براجمان تھی۔ فنکشن چونکہ چھوٹے پیمانے پر تھا اسی لیے خالو ارشاد نے اپنے لان میں ہی کر رکھا تھا۔

"اب کیا دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہو اس وقت تو میری کسی بات پر کان نہ دھرا؟" ایک تو مسکراتی رحمہ مجھے زہر لگ رہی تھی جو اس ٹنڈو آصف کے ساتھ بیٹھی تھی اور وہ تو اس طرح رحمہ کو دیکھ کر بچھا جا رہا تھا۔ جیسے قالین۔ "مائی فٹ" میں نے زور سے قالین پر پیر مارا جیسے قالین ٹنڈو آصف ہی تو ہو اور وقفے وقفے سے جازب کی باتوں نے میرا دماغ گھما کر رکھ دیا تھا۔

"تو خاموش نہیں ہو سکتا پہلے ہی میرا دماغ کام نہیں کر رہا ایسا کیا کروں جو اس ٹنڈو کو غائب کر کے میں وہاں جا بیٹھوں۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"ماشاءاللہ آج پہلی بار جیسے دماغ نے کام کرنا چھوڑا ہو؟ کہہ تو ایسے رہے ہو' بھائی میرے' دماغ پہلے بھی کام کم ہی کرتا ہے۔" جازب نے طنزاً مجھ پر وار کیا۔

میرے یک ٹک دیکھنے سے رحمہ نے نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے مجھے پرجوش انداز میں ہاتھ ہلایا۔ جواباً" میں نے بھی اسے اسی کے انداز میں ہاتھ ہلا کر دوسری طرف نظریں گھمالیں۔ یہی وہ لمحہ تھا جب جازب میرے سامنے پھیل کر کھڑا ہو گیا اور زور زور سے ہاتھ ہلانے لگا۔ میں اس کے پیچھے بالکل چھپ سا گیا تھا۔ آصف ٹنڈو نے جو رحمہ کو جازب اور جازب کو رحمہ کی طرف زور زور سے ہاتھ ہلاتے دیکھ لیا تو اس کے ماتھے پر ناگواری سے ان گنت بل پڑ گئے۔

"یار وہ دیکھ رہے ہو نا۔۔۔ وہ سامنے بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس لڑکا۔۔۔ وہ مجھے آصف کا بھائی معلوم ہوتا ہے۔" (آصف کے ساتھ "ٹنڈو" تو لگایا ہی نہیں۔۔۔ جازب بدتمیز نے) اس نے میرا رخ سامنے لگے ٹیبل پر بیٹھے بائیس تئیس سال کے لڑکے کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔ جو شکل سے ہی آصف ٹنڈو کا بھائی معلوم ہوتا تھا۔

"کچھ دیر پہلے کی تمہاری گھٹیا حرکت (رحمہ کو جو میں نے ہاتھ ہلا کر وش کیا تھا۔) کی زد میں جو میں آیا تھا۔۔۔ اس سے مجھے معلوم تو ہو گیا ہے کہ وہ شک کا مریض ہے۔۔۔ میرا دماغ چونکہ کام کرنا نہیں چھوڑتا تو مجھے معلوم ہوتا ہے۔۔۔ کہ آصف سے بڑا شکی ہے میرا مطلب ہے رج کے شکی۔" اب میری سمجھ میں آیا جازب میرے سامنے پھیل کر کیوں کھڑا ہو گیا تھا اصل میں وہ مجھے اس کی نظروں سے بچانا چاہتا تھا۔۔۔ چلو مان لیا۔۔۔ پریشانی میں میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں جازب مجھے طعنے ہی مارتا رہے۔۔۔ بھئی دماغ کے کام نہ کرنے کے۔۔۔ مجھے شدید غصہ آیا۔۔۔ لیکن کیا کروں مجبوری ہے۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہاں وہی گدھے کو باپ۔۔۔

"اب منہ لٹکا کر اسے مت گھورو' آصف کے بھائی نے تمہاری پرابلم حل نہیں کرنی۔۔۔ یہاں سے اس کمرے میں جاؤ۔۔۔ جہاں ہمیں ٹھہرایا گیا ہے وہاں میرے بیگ سے نیلا سوٹ نکال کر پہن لینا۔۔۔ اور باقی جو سامان میں اپنے دماغ کی سوچ کے (اف۔۔۔ف

۔۔۔ف) مطابق لایا ہوں اس کا استعمال ذرا اچھے سے کرلینا اور پھر اس لڑکے کے پاس جانا۔۔۔ ذرا ہنس کر دو چار باتیں مارنا۔۔۔" (خود اپنے منہ پر تو ہدایت کرتے ہوئے۔۔۔ کلاک کے پورے ہندسے بجے ہوئے ہیں۔۔۔ آیا بڑا۔۔۔ ہنس کے دو چار باتیں مارلینا۔۔۔ سڑو۔۔۔ میرے دل نے کہا اسے سناؤں' لیکن چونکہ مجھے صبر سے کام لینا تھا اس لیے گدھے کو باپ۔۔۔

"اور پھر اس سے ہنس کر کہنا یار تمہارا بھائی جس لڑکی سے منگنی کررہا ہے۔۔۔ اس کی ریپوٹیشن کچھ ٹھیک۔۔۔ نہیں سوری یار یہ اخلاقی لحاظ سے کچھ اچھا نہیں' لیکن محبت میں سب جائز ہوتا ہے تم میں اتنی عقل نہیں ورنہ بہت پہلے میرا کہا مان لیتے' آنکھیں دکھانے کی ضرورت نہیں۔۔۔ سو اب تم جاؤ۔" اس نے دھیمے لہجے میں میری توجہ ایک بار پھر اس لڑکے کی طرف کروائی اور میں رحمہ سمیت سارے مہمانوں پر ایک نظر ڈالتا۔۔۔ وہاں سے کھسک لیا۔۔۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں پہنچنے کے بعد جازب کا بیگ کھول کر بیڈ پر الٹا تو حیرت زدہ رہ گیا کیوں کہ سوٹ کے ساتھ نقلی مونچھیں داڑھی وغیرہ رکھے تھے۔

باتھ روم میں ایک نوجوان لڑکا گیا تھا اور جب واپس آیا پینتیس چھتیس کا تو لگ ہی رہا تھا۔ جازب کی لائی چیزوں نے مجھے بدل دیا تھا۔۔۔ میں خود کو بھی نہ پہچان پایا۔۔۔ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ میں دھیمے قدموں سے چلتا اس میز پر آکر بیٹھ گیا جہاں مجھے جازب نے بھیجا تھا۔۔۔ دل چونکہ مونچھ داڑھی کے گرنے کے ڈر کی وجہ سے زور زور سے دھڑک رہا تھا اس لیے کافی لمحات تک میں کچھ بول ہی نہ پایا۔

"یہاں بیٹھ کر وقت ضائع مت کرو۔۔۔ کھانے کے فوراً بعد رحمہ بھابھی کو انگوٹھی پہنا کر آصف کا کردیا جائے گا۔۔۔ پھر دیکھتے رہنا۔۔۔" جازب کے میسج نے مجھے ڈرایا۔

"ہے۔۔۔" میرے مخاطب کرنے پر شکی صاحب نے مجھے حیران نظروں سے دیکھا۔

"ہیلو۔۔۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔۔۔" وہ حیران ہونے کے بعد مجھے گھور کر بولا۔۔۔

"پہچان ہی تو کروانا چاہتا ہوں آفٹر آل۔۔۔ میں تمہاری ہونے والی بھابھی کا ایکس فرینڈ ہوں۔۔۔" یہ بات کہہ کر اس کے کان اور میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ کیوں کہ اس نے مجھے گھورتے ہوئے جلدی سے ٹیبل سے اپنا قیمتی موبائل اٹھا کر نمبر دبانا شروع کردیے تھے۔

"یہاں سے کھسک لے اب۔۔۔ یہاں بیٹھ کر اب کیا کررہا ہے بے وقوف۔۔۔" جازب کے اگلے میسج نے اور شکی صاحب کی بے توجہی نے مجھے موقع فراہم کیا اور میں نے جازب کو بعد میں میٹ کرنے کا سوچ کر (جو بار بار مجھے یہ احساس دلا رہا تھا کہ جو بھی ہورہا ہے اس کے بیدار مغز کی کامیاب تکنیک ہے) آؤ دیکھا نہ تاؤ وہاں سے جو بھاگا تو اس کمرے میں ہی آکر دم لیا جہاں سے تیار ہو کر نکلا تھا۔ داڑھی مونچھیں واپس جازب کے بیگ میں ڈال کر کپڑے تبدیل کرکے واپس جازب کے پاس جا پہنچا اس سارے عرصے میں پانچ سے سات منٹ لگائے ہوں گے' لیکن جازب کے ڈھیر سارے میسج نے ناک میں دم کردیا تھا۔ (خیر میں نے کون سا پڑھے تھے) اصل میں اس کا مقصد میں جانتا تھا کہ وہ میری غیر موجودگی کو سب کی نظروں کا نوٹس نہیں بنانا چاہتا تھا۔

"ہمیں یہ منگنی نہیں کرنی۔۔۔ بھئی جس لڑکی کے پہلے ہی بے شمار (استغفراللہ) فرینڈ ہوں ہم نے اس کا اچار ڈالنا ہے۔" وہاں پہنچتے ہی لڑکے کے باپ کی آواز جو غصے کی زیادتی سے پھٹی ہوئی لگ رہی تھی۔

"الحمد اللہ۔۔۔" اس گمبھیر صورت حال میں بھی میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔۔۔ "واہ شہزادے واہ کمال کردیا۔۔۔ کمال۔۔۔" ابھی میں سارا کریڈٹ خود سمیٹنے کے خواب ہی دیکھ رہا تھا کہ جازب کی زوردار کہنی نے میری کمر سینک دی۔۔۔ گویا زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں کا احساس دلایا گیا۔۔۔ سچی بات ہے۔۔۔ انسان کو

کسی کا احسان نہیں لینا چاہیے....

"انکل مسئلے مل بیٹھ کر حل کیے جاتے ہیں ایسے کاموں میں جذباتی پن سے کام نہیں چلتا۔" جازب نے کسی بڑے بوڑھے کا کردار ادا کیا۔ میں متاثر ہوا... کیسے اس نے بڑوں کی بات میں حصہ لیا۔ (واقعی بیدار مغز تھا) اس کا دماغ ایسے کاموں میں دس گنا زیادہ ہی کام کرتا ہے۔

"تم" آصف ٹنڈو کو جازب کا بولنا پسند نہیں آیا تھا اس لیے اسے گھور کر دیکھا۔ "تم کسی خوشی میں ایسے ہاتھ ہلا ہلا کر دش کر رہے تھے... کیا رشتہ ہے تمہارا اس (رحمہ) سے ہیں... بتاؤ ذرا مجھے..."

"بہن ہے وہ میری... ان فیکٹ اس کے بعد کسی شک کی ضرورت نہیں رہتی۔" آصف کے چمک کر کہنے پر جازب بھی اپنی جون میں آگیا۔

"اور انکل آپ یہ کن لوگوں میں میری بہن کو پھنسا رہے تھے... آپ نے ابھی کے ابھی ان کے منہ پر جواب دے مارنا ہے... بس مجھے اور کچھ نہیں پتا..." جازب کی بات پر وہاں موجود سب لوگوں کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو گئیں... خالو صاحب ان کے منہ پر جواب تو کیا مارتے... جازب کے منہ پر "تھپڑ" ضرور مارتے اگر جو شکی صاحب یک دم چلانہ پڑتے۔

"اس... اس جیسا تھا یار اس کی مونچھیں اور داڑھی تھی عمر بھی اس سے زیادہ تھی شاید... تیس یا چھتیس سال..." اس کے کہنے پر آسمان میرے سر سے مزید اوپر اچھلا اور گویا زمین میرے قدموں سے چھین لی گئی... اور میں جو اسٹیج پر بیٹھی رحمہ کو دیکھنے میں مشغول تھا یک دم ہکلا سا گیا۔

"م... میں... میرا مطلب میرے جیسا... کیسی باتیں کرتے ہو... بندہ کسی پر الزام لگاتے وقت کچھ تو شرم کرے..."

"لعنت ہو، کچھ تو شرم کر لے..." جازب نے میرے گڑبڑانے پر مجھ پر لعنت بھیجتے ہوئے میرے آخری لفظوں کو دانتوں تلے پیستے ہوئے میری نقل اتاری... کچھ جازب کے جذباتی پن اور کچھ میری ماں کے اولاد پرست ہونے کی وجہ سے جو خالو کو جوش چڑھا تو خالو کا سکتہ بھی ٹوٹ گیا اور پھر کچھ ہی پل میں لڑکے والے گیٹ سے باہر تھے۔ بکتے جھکتے دھمکیوں سے نوازتے...

ان کے جانے سے ہر سو خاموشی چھا گئی ماسوائے خالہ کی سسکیوں کے۔ "اچھوں کے اچھے ہی کام آتے ہیں... موقعے سے فائدہ اٹھائیں... مم... میرا مطلب آپ کی بھانجی آپ کے پاس رہ کر آئی ہے تو آپ تو رحمہ کو جانتی ہیں۔ آپ کو تو اس کے کردار پر شک نہیں..." جازب نے میری امی سے دھیمے پن سے کہا اور میری سدا کی جلد بازی کا مظاہرہ کرنے والی سادہ مزاج ماں...

"بھئی مسکین! اتنا رونے اور ہائے ہائے کرنے کی کیا ضرورت...؟ سمجھ لو وہ بد فطرت کمینہ انسان ہماری بیٹی کے لائق ہی نہ تھا... مجھے تو رحمہ شروع سے بہت پسند تھی اور حذر کو اپنا ہی بیٹا سمجھو... اب چلو اسٹیج پر رحمہ بھی پریشان ہو رہی ہے لوگ بھی ایک دوسرے کے کانوں میں کھسر پھسر کیے جا رہے ہیں چلو آؤ... ان کے منہ تو بند کریں..." امی کے کہنے پر خالہ کے چہرے پر خوشی کی جو لہر دوڑی... میرا پاؤ خون بڑھ گیا اور سچی بتاؤں خالو صاحب بھی جب بغیر اعتراض کیے خوشی کے اس موقع پر خاموشی سے بلکہ امی کو ممنون نظروں سے دیکھتے ہوئے اسٹیج کی طرف چل دیے... آدھ پاؤ میرا اور خون بڑھا۔

ایک بار پھر رحمہ کے پہلو میں اس کے ہونے والے منگیتر کو بٹھایا گیا... لیکن اب کی بار آصف ٹنڈو کی جگہ حذر کریم الٰہی تھا... بس خالہ کو جو میں نے پوز مارنے کے لیے بے زار سی شکل بنائی ہوئی تھی اس سے پھول جھڑ رہے تھے... وہ امی سے بار بار کہے جا رہی تھیں "حذر سے تو پوچھ لو... حذر سے تو پوچھ لیں..."

"اتنا سب کرنے کی کیا ضرورت تھی..." انگوٹھی پہنانے کے بعد میں جو لوگوں کی نظروں میں قربانی کا بکرا اور خالہ خالو پر احسان عظیم کیے دل میں خوش، آرام

سے بیٹھا تھا رحمہ کی کاٹ دار آواز پر چونکا... سب مہمان آج کی تازہ بات یعنی آصف کی فیملی کا لڑ جھگڑ کر جانا اور میرے ساتھ رحمہ کی منگنی ہونا کو دبی دبی آوازوں میں کرنے میں مصروف تھے... بس میری بہنیں اپنے اپنے موبائل سے رحمہ اور آصف ٹنڈو کی تصویریں ڈیلیٹ کرکے ایک بار پھر پُرجوش انداز میں میری اور رحمہ کی تصویریں اتارنے میں مصروف تھیں...

"ہیں کیا مطلب...؟" میں نے حیرانی سے استفسار کیا۔

"میں نے کہا... آصف کا بھائی کچھ جھوٹ بھی نہیں بول رہا تھا تمہاری ہر حرکت پر میری نظر تھی، لیکن اتنا سب کرکے مجھے بدنام کرنے کی کیا ضرورت تھی... اگر زیادہ ہی میری محبت سرچڑھ کو بولنا شروع ہوگئی تھی تو پہلے ہی خالہ خالو کو بھیج دیتے۔ اگر میں سب کے سامنے سچ کہہ دیتی کہ وہ واقعی تم تھے تو..." وہ بول تو غصے سے رہی تھی، لیکن بولتے بولتے آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور میں جو سب کے ساتھ اسے بھی اپنا ممنون دیکھ کر خیالوں میں جھوم رہا تھا اس کی بات پر ساکت ہی ہوگیا۔

"جب سب معلوم تھا... جانتی تھیں کہ مجھے تم سے محبت ہے... غلطی سے ہی لیکن ہوگئی... تو پھر مجھے اتنا ذلیل کیوں کیا اور وہاں بتا دیتیں سب کو بتایا کیوں نہیں... اس ٹنڈو (آصف) کے ساتھ تو بڑی خوشی خوشی منگنی کروا رہی تھیں اور میں جو تڑپ تڑپ کر آدھا ہوا پڑا ہوں وہ نظر نہیں آیا... بتایا کیوں نہیں سب کو کہ یہ سب میں نے کیا ہے... ہیں..." مجھے غصے ہی آگیا تھا اور میں اسی کے انداز میں دانت پیس کر بولتا ہوا اسٹیج سے نیچے جانے کے لیے اترا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر میرا ہاتھ تھام لیا، میری تو گویا دل کی کلی کھل گئی... یعنی اتنا خوب صورت لمحہ جس کو بس میں خیالوں میں سوچ رہا تھا وہ تن موجود ہوا... یعنی واقعی میں رحمہ نے میرے ہاتھ کو تھام رکھا ہے، میں خوشی سے دوبارہ بیٹھ گیا... سارا غصہ ختم ہوگیا...

"مم... میرا مطلب میں نے جان بوجھ کر نہیں بتایا... وہ... وہ میں کیوں بتاتی کہ مجھے بھی..."

"کیا مجھے بھی... ہیں... کیا...؟" میں نے بوتھا سجا کر اس کے اوپر مزید رعب ڈالا۔

"تمہیں بھی تو پتا چلانا کیسے کسی کو پینڈو پروڈکشن سمجھ کر کس طرح کم حیثیت اور کم تر سمجھا جاتا ہے۔" میں جو اس کے منہ سے اپنے لیے "مجھے بھی تو تم سے محبت تھی... جیسا فقرہ سننے کے چکروں میں تھا۔ اس کی بات سن کر سچ میں بوتھا سجا کر جازب سے باتیں کرنے لگا۔ جس کی زبان میری منگنی پر خوب پھلجڑیاں چھوڑ رہی تھی۔ میرا موڈ منٹوں میں بحال ہوا اور میں نے سب بھول بھال کر من پسند ہم سفر اور خود سے جوڑے رشتوں کو دل کی گہرائیوں سے محبت کا پیمانہ تھماتے ہوئے رحمہ کو محبت کی آنچ دیتی نگاہوں سے آخر گھور ہی رہا تھا..."

☆

شائستہ بیگم کا ہاتھ تیزی سے چل رہا تھا۔ خستہ خستہ پراٹھے اترتے جارہے تھے اور پاس بیٹھے ان کے تینوں بیٹے ہاتھ صاف کرتے جارہے تھے۔ توے پر سے ایک کے بعد ایک پراٹھا اتر رہا تھا' اوپر سے عاشر' حاشر اور حاد کے پاس پڑی ہانڈی میں سے ایک کے بعد ایک پکوڑا غائب ہوتا جارہا تھا۔ اچانک خیال آنے پر وہ مڑکر ہانڈی دیکھنے پر مجبور ہوئی تھیں۔

"شرم نہیں آئی ماں کے لیے خالی کڑھی چھوڑتے ہوئے۔ مجھے ایک بھی پکوڑا۔"

"اوہ مما جی۔" تینوں بیک زبان بولے۔ "کڑھی پکوڑا اور پراٹھے آپ کے ہاتھ کے ہوں تو چھوڑتا کون ہے۔"

"ارے نہیں یار! میری مما تو کچھ بھی پکائیں' کمال کردیتی ہیں۔" عاشر مکھن لگا رہا تھا۔ شائستہ بیگم کا موڈ بحال ہوا۔ یہ حقیقت تھی کہ ان کے میکے سے لے کر سسرال تک ان کے طریقے سلیقے اور کھانے پکانے کا معترف تھا۔

"مما جی! نانو کی مس کال آگئی ہے۔" حاد فون پکڑے کھڑا تھا۔ انہوں نے نمبر ملا کر ہینڈ فری لگا لیا تھا۔ یہ روزانہ کا مشغلہ تھا' اس وقت فون کرنا۔ آج اتوار کی وجہ سے وہ لیٹ ہوئی تھیں تو اماں نے مس کال دے دی تھی۔

"تو جی اماں' کیا ہوگیا ہے۔ آپ جیسی نرم دل ساس تو میں نے دیکھی نہیں' آج میں بچوں کو لے کر آپ کی طرف آرہی تھی اور آپ کی بہو نے گھر چھوڑنے کی تیاری بھی کرلی۔ چلو اچھا جانے دیں۔ میں آرہی ہوں آپ کی طرف خیال رکھیے۔"

"بہو بیٹے کو سنا کر بھیجنا کہ بیٹیوں کی وجہ سے کھانا بن جاتا ہے ورنہ تم لوگ تو بھوکا ماردو۔"

شائستہ بیگم کا مسالا راؤنڈ شروع ہوچکا تھا۔ وہ ڈکٹیشن دے رہی تھیں۔ ان کی اماں کے ساتھ ساتھ پاس بیٹھے تینوں بیٹے بھی سن رہے تھے اور سر بھی دھن رہے تھے۔ بچپن سے لے کر آج تک وہ یہ سب دیکھ کر سن کر جوان ہوئے تھے۔ اب تو خیر دو کی جاب بھی ہوگئی تھی۔ حاد یونیورسٹی میں تھا۔

جوانی میں بیوہ ہو کر جس طرح سے مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرکے انہوں نے بچوں کو قابل بنایا تھا۔ وہ قابل تعریف تھا۔ اس بات کو سراہنے والوں کی کمی بھی نہ تھی لیکن اس مشقت سے جو کمی و کجی ان کے اندر پیدا ہوئی تھی وہ اس سے بے خبر تھیں یا پھر رہنا چاہتی تھیں۔

عاشر! گاڑی نکالو۔ ہم لوگ نانو کی طرف جارہے ہیں۔"

بیٹوں نے معنی خیزی سے سرہلا دیے تھے۔ وہ بچپن سے ماں کے اچانک پروگرام دیکھتے آرہے تھے اور ایسے میں نانو کے گھر کے جاکر انجوائے بھی کرتے تھے۔

☼ ☼ ☼

نصرت بیگم تینوں بیٹیوں اور دو بیٹوں کے حصار میں نڈھال سی لیٹی ہوئی تھیں۔ تیسرا بیٹا اپنی نئی نویلی دلہن کو میکے چھوڑنے گیا ہوا تھا۔ بڑی دونوں بہوئیں کچن میں جتی ہوئی تھیں جبکہ ان کے بچے پھپھیوں کے بے دام کے غلام بنے خدمت کررہے تھے اور پھپھیوں کے بچے ماؤں اور ماموؤں کی گفتگو سننے میں مگن تھے۔

"ارے بس احمد! میں بھی اگر تمہاری بیویوں جیسی

ہوتی تو کہاں کچھ بچتا تھا۔ نہ بیٹے لائق فائق ہوتے نہ گھر بار کا کچھ بچتا۔ یہ تو مجھے پتا ہے کہ عاشر کے پاپا کے بعد کیسی زندگی گزاری ہے۔"

وہ ترپ کا پتا پھینک کر رونے میں مصروف ہوئیں باقی دونوں بہنوں نے اور ماں نے پورا پورا ساتھ دیا۔ نتیجتاً" بھائی دائیں بائیں بیٹھ کر دلاسے دینے لگے تھے۔ تیسرا آکر پیچھے سے گردن میں بازو ڈال کر کھڑا ہو گیا۔

"اسجد! تم تو سسرال گئے تھے؟" بیک وقت استفسار ہوا۔

"وہ باجی! مجھے اماں نے بتا دیا تھا۔ آپ لوگ آرہے ہو تو ندا کو اندر بھیج کر دروازے سے لوٹ آیا۔"

☆ ☆ ☆

"ڈائنیں ہیں پوری' اپنے علاوہ کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتیں' اپنے بھائیوں کو بھی نہیں۔ سوچا تھا کیا پتا اسجد اور ندا کو ہمارے والے حالات کا سامنا کرنا پڑے مگر دیکھا وہی چالیں شروع ہو گئیں ماں بیٹیوں کی۔" وہ دیورانی' جٹھانی کچن میں دعوتی کھانا بناتے ہوئے جلے دل کے پھپھولے بھی پھوڑ رہی تھیں۔

"بھابھی! سچ میں' میں تو اماں پر حیران ہوں۔ اچھی بھلی ہوتی ہیں کھاتی پیتی' خوش باش' تن درست جیسے ہی بیٹیاں آتی ہیں' نڈھال سی کمزور کمزور دکھنے لگتی ہیں۔"

"مجھے تو پندرہ سال ہو گئے ان کے یہی ڈرامے دیکھتے ہوئے' ویسے بھی حنا تم نے سنا ہو گا انسان جیسا سنتا اور سوچتا ہو' ویسا ہی محسوس ہونے لگتا ہے۔ اماں بھی بیٹیوں کے آنے پر ان کے منہ سے یہی کچھ سن کر خود کو کمزور محسوس کرنے لگتی ہیں۔"

"حق ہاہ!... بھابھی' ویسے اماں تو بہت اچھی ہیں لیکن یہ باجی شائستہ ان کو نیگیٹو لی پالش کرتی رہتی ہیں تو ایسا ہی ہو کر جاتی ہیں کہ بہوؤں کا خیال نہیں رکھتیں۔

آپ نے کبھی نوٹ کیا جب دو دن بھی باجی کا فون نہ آئے تو وہ کتنا خوش ہوتی ہیں ہمارے ساتھ۔"

"ہوں!۔ یہ تو ہے۔ بہت الٹ پلٹ ہماری نندیں سکھاتی ہیں ان کو' نہ اپنی عاقبت کی فکر ہے نہ ماں کی' ان کا بڑھاپا اور آخرت دونوں داؤ پر لگائے ہوئے ہیں۔ بڑھاپے میں انسان تو بچہ بن جاتا ہے۔ قصور ان کا ہے جوان کو اور بھائیوں کو سکھاتی ہیں۔"

"سچ بھابھی! ہماری نندوں کی خوش قسمتی میں تو کوئی شک نہیں۔ بھائی بھی اتنا پیار کرتے ہیں۔ اسجد کو دیکھو' سسرال کی پہلی دعوت چھوڑ آیا مگر ان کو پھر بھی قدر نہیں۔ اس کو بھی ندا کے خلاف بھڑکا رہی ہیں۔"

حنا کچن کی کھڑکی میں سے ڈرائنگ روم میں تانکا جھانکی کر رہی تھی۔ "سب سے زیادہ شائستہ باجی ہی اسجد کو لپٹا لپٹا کر رو رہی ہیں۔"

"ہنہ۔۔۔! بوگی کو ڈھال بنا رکھا ہے اس عورت نے' جب دیکھو اسی بات کو کیش کرا کرا کے ہمارے گھر کا سکون برباد کیے رکھتی ہیں۔ شوہر کے مرنے کے بعد اپنے گھر کی بھی حکمران اور دوسروں کے گھروں میں بھی حکومت۔۔۔"

"جی بھابھی' ان کو حکمرانی کی ایسی لت لگی ہے کہ ہر جگہ عقل کل بنی رہتی ہیں اس سے تو بہتر تھا کہ شادی ہی کر لیتیں۔"

"بڑی خالہ! مما! چلو چلیں۔ ہم آج کے بعد کبھی نانو کے گھر نہیں آئیں گے۔" جویریہ ایسے چیخ چیخ کر رو رہی تھی کہ اب جان نکلی کہ تب۔

"بیٹا' ہوا کیا ہے؟" نانو' ماموں سب لوگ جاننے کے لیے تڑپ رہے تھے۔

"گھنٹہ بھر سے بڑی ممانی اور چھوٹی ممانی کچن میں۔۔۔" وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

پھر تو ان دیورانی جٹھانی کے چڑیاں توتے سب اڑ گئے۔

سب سے پہلے تو وہ نندوں کے سامنے ہی گڑگڑائیں کہ کہیں گھر سے ہی نہ نکلوا دیں۔ شوہروں اور ساس کو تو بعد میں منایا جا سکتا تھا وہ کیوں کہ وہ مزاجاً نندوں سے کافی سے زیادہ ہی بہتر تھے۔

☼ ☼ ☼

"عاشر بیٹا! تم سے ایک بات کرنا تھی۔"

"جی مما جی! ہزار باتیں کریں آپ۔"

ابھی مہینے پہلے تو اس کی شادی ہوئی تھی جویریہ کے ساتھ' ماں کی پسند سے۔

"بیٹا! جویریہ کا ہاتھ بڑا کھلا ہے۔ تم خود اسے تھوڑی اونچ نیچ بتا دیا کرو۔ میں کہوں گی تو برا نہ مان جائے' کل آٹھ ہزار کا سوٹ ایک بار کا پہنا ہوا' اٹھا کے ماسی کو دے دیا۔"

"بس مما جی! بالکل بس "نو مور پالیٹکس۔" وہ ایک دم کھڑا ہوا تھا۔

"ساری زندگی آپ ماموں لوگوں کے ساتھ گیم کھیلتی رہی ہیں۔ ہم آپ کی خاطر ممانیوں کی جاسوسیاں کرتے رہے اور اب آپ نے گھر میں بھی وہی کھیل کھیلنا شروع کر دیا ہے۔ جویریہ کو بھی یہی ڈر تھا کہ ہماری ماں دوسروں کے گھروں میں اجارہ داری قائم رکھنے والی ہیں۔ ہمیں کہاں چین سے رہنے دیں گی' وہی کچھ آپ نے شروع کر دیا۔ آج کے بعد آپ کبھی جویریہ کی کوئی بات نہیں کریں گی۔ بس چینج کریں خود کو' خدا کے لیے مما جی' پلیز" وہ دھاڑ دھاڑ پاؤں مارتا باہر نکل گیا۔ وہ نڈھال ہو کر صوفے پر گر گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

شائستہ کو میکے سے سسرال تک ہمیشہ سے سراہا گیا تھا۔ شادی سے پہلے والدین ان کی سوجھ بوجھ کے معترف تھے۔ شادی کے بعد شوہر بھی معترف تھا کہ طریقہ سلیقہ اور گھریلو شعور شائستہ پر ختم ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا واقعی کوئی خاص کرم تھا جو ہر جگہ پذیرائی ملتی تھی۔ شادی کے آٹھ سال بعد بیوہ ہو جانا بلاشبہ بہت بڑا سانحہ تھا مگر اس سانحہ کے بعد جس طرح انہوں نے بیٹوں کو پروان چڑھایا اور گھر سنبھالا تھا۔ اس پر ان کی

پہلے سے کئی گنا بڑھ کر مدح سرائی ہوئی تھی جس سے ان میں عجیب رعونت کے ساتھ ساتھ عدم تحفظ کا احساس بھی بڑھا تھا کہ کہیں یہ مقام' یہ تعریف مجھ سے چھن نہ جاتے' بیوگی میں اپنے گھر کے تمام فیصلے وہ خود کرتی تھیں۔ مکمل آزادی' اور ہر طرف اپنی حکمرانی نے ان میں "میں عقل کل ہوں" کا احساس بہت بڑھا دیا تھا۔

ماں' بھائیوں اور بہنوں کو اپنوں نے ہمیشہ یہ کہہ کر زیر بار رکھا تھا کہ مجھے باپ کے گھر سے بہت محبت ہے۔ اس لیے مشورے دیتی رہتی ہوں حالانکہ وہ فیصلے سنایا کرتی تھیں۔ اپنے گھر کے علاوہ بھابیوں کے گھر میں حکم چلانے کا نشہ ایسا تھا کہ انہوں نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا بیٹے کہ پاس بیٹھے ہوا کرتے وہ فون پر ڈکٹیشن دیا کرتیں' بھابھیاں اکٹھی باتیں کرتی ہوتیں تو وہ کسی نہ کسی بیٹے کو باتیں سننے بھیج دیا کرتیں' اب پتا چلا تھا اپنے ہاتھ سے اپنی فصل تباہ کرلی تھی۔ وہ خداداد صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ اپنی قابلیت کو مثبت انداز میں استعمال نہ کرتیں تو بیٹوں سمیت بھابیوں اور بہوؤں کے لیے بھی قابل تقلید نمونہ ہوتیں مگر یہ کیا ہو گیا۔ ان کے اپنے بچے وہ سبق بھی پڑھا گئے تھے جو انہوں نے پڑھایا ہی نہیں تھا۔ وہ باب بھی یاد کر گئے تھے جو انہوں نے کبھی کھولا ہی نہیں تھا۔

وہ بت بنی بیٹھی تھیں' آنسو سفید براق دوپٹے میں مدغم ہو رہے تھے۔

"آہ عاشر! تمہیں کیسے بتاؤں جویریہ مجھے تم تینوں سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ میں نے تو بات برائے بات کی تھی لیکن مجھے پتا چل گیا ہے کہ میں اب اپنے گھر میں اپنے بیٹوں کے ساتھ ان کی عائلی زندگی بھول کر بھی ڈسکس نہیں کر سکتی' کوئی مشورہ نہیں دے سکتی' نہ اچھا نہ برا۔

جرم بڑا تھا تو سزا تو بڑی ہی ہونی تھی پھر سے اعتماد بنانے میں وقت لگتا ہے۔

☆

عبیر ایک کم رو لڑکی ہے۔ جس کی ماں مرچکی ہے۔ اس کا باپ سلطان اور سوتیلی ماں فارہ۔ دونوں بے حد حسین ہیں، جس کی وجہ سے وہ احساس کم تری کا شکار ہے۔ فارہ بظاہر بہت اچھی ہے، لیکن اس نے اپنے رویے سے عبیر کی شخصیت کو کچل دیا ہے۔

سلطان پر پندرہ کروڑ غبن کا جھوٹا الزام لگ جاتا ہے۔ وہ نوکری چھوڑ کر کینیڈا جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔

عبیر کی دوست رکزی اس کی ہمدرد ہے۔ ایک روز عبیر اور رکزی کی باتیں، نبیل، جو عبیر کا کزن ہے، سن لیتا ہے۔ نبیل اس کو احساس کمتری سے نکالنا چاہتا ہے۔

چوہدری راحت اکبر نے اپنی بیوہ بھابھی پروین اور بھتیجے حذیفہ کو اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ جہاں ان کی حیثیت ملازمین سے بدتر ہے۔ راحت اکبر کی بیٹی نیلم ایک بگڑے مزاج کی خود سر لڑکی ہے۔ جسے اس کی ماں چاندنی بیگم کی شہ حاصل ہے۔ نیلم کا دوست ٹیپو ایک روز اس سے خفیہ طور پر ملنے آتا ہے۔ لیکن حذیفہ اسے دیکھ لیتا ہے۔

حذیفہ کی بات پر یقین کرنے کے بجائے نیلم اور اس کی ماں اسے ہی موردِ الزام ٹھہراتی ہیں۔ چوہدری راحت، حذیفہ سے خطرہ محسوس کرتے ہیں، کیونکہ اس کے باپ کی جائیداد پر انہوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔

زویا وقار اپنے آفس کولیگ ہینڈسم کو پسند کرتی ہے۔ مگر ہینڈسم راہ و رسم کے علاوہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

دُوسری قسط

مصباح نوشین

عشقِ مجذوب

مُکمل ناوِل

"سنو پروین! یہ میں تمہارے لیے لائی تھی۔"

چاندنی بیگم نے شاپر ان کی جانب بڑھاتے ہوئے ایسے انداز سے کہا جیسے بہت بڑا احسان کر رہی ہوں اور وہ پروین کو کچھ دے کے اس پہ احسان ہی تو کیا کرتی تھیں۔

"یہ کیا ہے؟" پروین دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ان کے پاس آ بیٹھیں۔ چاندنی بیگم نے ناگواری سے پہلو بدلا۔ نوکروں اور پروین بیگم میں واحد بس ایک یہی فرق تھا کہ وہ زمین پہ نہیں بلکہ گھر کی مالکن کے ساتھ بیٹھا کرتی تھیں۔

"تمہارے لیے کپڑے منگوائے ہیں دیکھ لو۔ جو پسند آئیں رکھ لو۔ باقی کے شریفاں اور گھر کے باقی ملازمین میں بانٹ دو۔"

"جی بہتر۔" انہوں نے کپڑوں کا شاپر ایک جانب رکھ دیا تھا۔

"بھائی صاحب نہیں آئے ابھی تک؟" پروین نے ایسے ہی بات کرنے کی غرض سے پوچھا تھا۔

"نہیں' دیر سے آئیں گے۔ تم بتاؤ' تمہارا بیٹا کن ہواؤں میں ہے۔" پروین نے چونک کے چاندنی بیگم کو دیکھا۔ نہ جانے اب حذیفہ نے کیا کر ڈالا تھا جو ان کا مزاج اس قدر برہم تھا۔

"کیا کوئی بات ہوئی ہے؟"

"نہیں... ملکانی بتا رہی تھی کہ حذیفہ نے اس کے بیٹے کو بتایا ہے کہ اس نے چوہدری صاحب سے الیکشن میں کھڑا ہونے کی فرمائش کی ہے اور اب گاؤں بھر میں لوگوں میں کہتا پھرتا ہے کہ کونسلر کا الیکشن وہ لڑے گا... مجھے تو سن کے بڑی ہی حیرت ہوئی ہے۔ آگ لینے کے لیے گھر میں داخل ہونے والا اسی گھر کا مالک نہیں بن جاتا۔ اپنے بیٹے کو سمجھاؤ کہ اپنی حد میں رہے۔" چاندنی بیگم نے بے حد روکھے پن سے پروین سے کہا تھا۔

پروین کی آنکھوں میں وقت کی ستم ظریفی نے مرچیں بھر دیں۔ ان کا بیٹا حق دار تھا' لیکن نوکروں جیسی زندگی گزار رہا تھا اور اس پہ بھی اس گھر کے مکینوں کو اعتراض تھا۔

"جی میں کہہ دوں گی۔" پروین کی آواز اور بھی مدہم ہو گئی۔

"پہلے ہی چودھری صاحب نے اتنی مشکل سے بات برداشت کی ہے' اب کوئی ایسی بات ہوئی تو وہ ہرگز معاف نہیں کریں گے۔"

"جی..." پروین مزید کچھ نہیں کہہ سکیں' اسی وقت کمرے میں نیلم آئی تھی۔

"ارے چچی جان... اس شاپر میں کیا ہے؟" نیلم ندیدوں کی مانند اس شاپر پہ جھپٹی تو چاندنی بیگم نے ٹوک دیا۔

"الیکشن آنے والا ہے تو تمہاری چچی کے لیے کپڑے منگائے تھے تاکہ مبارک باد دینے والے یہ نہ کہیں کہ ہم نے انہیں بہت دکھی رکھا ہوا ہے' اسی لیے میں نے ان کے لیے شاپنگ کروائی ہے' تم ادھر بیٹھو آکے۔"

"اچھا میں بھی تو دیکھوں چچی جان کے کیسے کپڑے ہیں۔" وہ اشتیاق سے شاپر اٹھا کے ماں کے پاس آ بیٹھی۔ پروین اٹھ کے جانے لگیں' جانتی تھیں کہ اب نیلم ان کپڑوں کو دیکھ کے کیا کہے گی۔

"کیا ضرورت ہے نیلی... ہر چیز میں دخل اندازی ضروری نہیں ہوا کرتی۔" انہوں نے غصے سے کہا تھا۔

"کیا ہو گیا ماما... میری چچی جان ہیں وہ... اگر میں ان کی شاپنگ دیکھ لوں گی تو کیا ہو جائے گا۔ کوئی ان سے لے تھوڑی نہ لوں گی میں؟"

"اللہ نہ کرے کہ تم ایسے کپڑے پہنو۔ یہ تو تمہارے معیار کے کہیں سے بھی نہیں ہیں۔" چاندنی بیگم کے منہ سے بے اختیار پھسلا تھا۔

ایک تلخ مسکراہٹ نے پروین بیگم کے چہرے کا احاطہ کیا۔

"تو پھر یہ چچی جان کیوں پہنیں گی۔" پروین بیگم کو امید نہیں تھی کہ نیلی ایسی بات کرے گی' وہ تو اس معاملے میں اپنی ماں کا پرتو تھی' اس نے یہ سب کیوں کہا تھا۔

"نیلی... کہا نا تم گھریلو معاملات میں دخل اندازی مت کیا کرو۔" چاندنی بیگم کو سبکی کے احساس نے غصہ دلا دیا تھا' ورنہ تو وہ نیلی پہ کبھی غصہ ہوتی ہی نہ تھیں' شاید آج معجزات کا دن تھا۔

"کیوں نہ بولوں ماما... آخر یہ چچی ہیں میری۔ ان کو بھی اچھا پہننے' اوڑھنے کا حق ہے۔ میں اور آپ ان سے یہ حق چھین نہیں سکتے۔" نیلی کی آواز اونچی ہو گئی تھی اور پروین بیگم تو حیرت سے بس بے ہوش ہو جانے کے قریب تھیں۔

"کوئی حق نہیں چھین رہا ان سے۔ پورے گھر پہ حکمرانی کرتی ہیں۔ ہم بھی ان سے ہی لے کے کھاتے

ہیں۔ ہماری بڑی ہیں یہ۔" چاندنی بیگم دھیمی پڑی تھیں۔

"لیکن میں اس بار اپنی چچی جان کو خود شاپنگ پہ لے جاؤں گی۔" نیلی کے اس مطالبے پہ چاندنی بیگم نے انہیں حیرت سے دیکھا تھا۔

"چچی جان آپ چلیں گی نا میرے ساتھ؟" نیلی نے مسکرا کے پروین کی جانب دیکھا، جواباً" وہ مسکرا بھی نہ سکیں۔

"رہنے دو گھر پہ بہت کام ہوتا ہے اور پھر ابھی تو بہت سے کپڑے ہیں میرے پاس۔" پروین بیگم نے اس کے ملیح چہرے کو پرے چھو کے انکار کیا۔ چاندنی بیگم تو بس کھول کے رہ گئی تھیں۔

"چند گھنٹوں سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آپ بس کل ہی میرے ساتھ چلیے، دو تین گھنٹوں میں واپس آجائیں گے۔ میں بابا جان سے بات کروں گی۔" ماں سے مشورہ کرنا تو دور، ان کی طرف دیکھے بغیر ہی نیلم نے پروین بیگم کے ساتھ جانے کا پروگرام بنا لیا۔ چاندنی بیگم اس اچانک چڑھتے محبت کے بخار پہ حیران تھیں۔

"کل دیکھیں گے۔" پروین بیگم یہ کہہ کے پلٹ گئی تھیں۔

"ہونہہ۔۔۔ نخرہ دیکھا ہے تم نے۔۔۔ ابھی اتنی اہمیت نہیں تو یہ حال ہے اور اگر ایسی ہی فیاضی تم اور دکھاتی رہیں نا تو وہ دن دور نہیں جب یہ ہمیں نچا چبا جائیں گی۔" ان کے جانے کے بعد چاندنی بیگم نیلی سے بولی تھیں، نیلی مسکرا کے پلٹ گئی تھی۔ ویسے بھی جو وہ چاہتی تھی وہ تو ہو ہی چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن شام کو وہ اس کے گھر پہ تھی، فارہ کا موڈ ٹھیک ہوتا تو وہ اسی وقت چلی جاتی، لیکن فارہ کو دو دن بخار رہا تھا اور بخار میں وہ بہت چڑچڑی ہو گئی تھی، سلطان کو بھی گھر سے نکلنے نہ دیتی تھی۔ وہ اگر باہر جانے کا نام بھی لیتے تو ایسے رونے لگتی جیسے جانے کیا ہو جائے گا، وہ صحیح معنوں میں سلطان کی دیوانی تھی، جسے یہ ڈر لاحق ہو گیا تھا کہ اب وہ اور سلطان جدا ہونے والے ہیں۔ ساری ساری رات اسے چین نہیں آتا تھا۔ ان کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ سلطان احمد کوئی چھوٹا سا ہی سہی کاروبار کر سکیں، نہ ہی سلطان احمد کو ابھی تک کسی اور جگہ جاب ملی تھی۔ پریشان تو وہ بھی تھے، لیکن اپنی پریشانی چھپائے ہوئے وہ تو شکر تھا کہ سر پہ کوئی قرض نہیں تھا ورنہ تو اور بھی مصیبت ہو جاتی۔ فارہ کے بیچے گئے زیور اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف ثابت ہوئے تھے، فارہ کو ان کا غم بھولتا ہی نہ تھا۔

"آخر تم نے بھی میری کم مائیگی کا مذاق بنا ہی لیا رکزی۔۔۔" اگلی شام وہ اس کے گھر پہ تھی، دھواں دھواں چہرہ لیے آنکھیں بس برس جانے کو بے تاب ہو رہی تھیں۔

"ہائے اللہ۔۔۔ میں مر نہ جاؤں، ایسا سوچنے سے بھی پہلے۔۔۔ کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"کیوں نہ کروں ایسی باتیں۔۔۔ تم نے تو کہا تھا کہ وہ کریم مجھے گورا کر دے گی، لیکن یہ دیکھو۔۔۔ ایک فیصد بھی فرق نہیں پڑا۔" اس نے اپنی سوکھی چمرخ انگلیاں اس کے سامنے کیں تو رکزی کو بے ساختہ ہنسی آگئی، اسے اپنی صفائی دینے کی بجائے ہنستا دیکھ کے عبیر اور بھی چڑ گئی۔

"اب ہنس کیوں رہی ہو تم؟" وہ شاکی ہی نہیں خائف بھی ہو گئی۔

"تو اور کیا کروں۔ کتنی بھولی ہو تم عبیر۔۔۔ بھلا ایک دن میں فرق کیسے پڑے گا، پندرہ دن تو لگاؤ کم از کم۔"

"پندرہ دن۔۔۔" عبیر کی آنکھیں ابلنے کو بے تاب ہو گئیں، وہ کم از کم پندرہ دن انتظار نہیں کر سکتی تھی۔

"ہاں تو پندرہ بیس دن میں ہی فرق پڑے گا، کوئی جادو تھوڑی ہے پگلی۔۔۔ ساتھ میں اپنی ڈائٹ کا خیال رکھو، تم فروٹس اور دودھ کا کثرت سے استعمال کرو گی تو جلدی فائدہ ہو گا۔"

"لیکن فارہ باجی تو جو بھی ٹوٹکا لگاتی ہیں انہیں منٹ

بعد ہی چمکنے لگتی ہیں' میں نے تو تین ہفتے یہ کریم لگائی تھی کوئی فرق تو پڑا نا۔"

"فارہ کی خوراک بھی تو دیکھو' کتنا فروٹس کھاتی ہیں۔ انسان اندر سے صحت مند ہوگا تو چہرے پہ بھی رونق آئے گی کہ نہیں؟"

"ہاں' کہتی تو تم ٹھیک ہو۔" وہ مان گئی۔

"بے فکر رہو اور کریمیں بھی لادوں گی۔ تمہیں فارہ سے بھی زیادہ خوب صورت بنانا میری خواہش ہے۔" رکزی نے دعوا نہیں بڑھک ماری۔

"نہیں' نہیں' میرا فارہ باجی کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں ہے۔" عبیر فوراً" ہی انکاری ہوگئی۔

"ہونے لگے گا' بس اس کریم کا اثر تو ہوجانے دو۔" اس نے جیسے چیلنج کیا۔

"سنو رکزی۔ میرا مقصد صرف اچھے لڑکے سے شادی کرنا ہے اور بس... میں بس جلد از جلد اپنے پاپا کو اس مشکل سے نکال لینا چاہتی ہوں' وہ بہت پریشان ہیں۔"

"تمہیں کس نے کہہ دیا کہ ان کی پریشانی کی وجہ تم ہو؟" اچانک ہی نبیل ___ کمرے کے دروازے میں آ کھڑا ہوا تھا۔ اسے اس لڑکی پہ ترس آیا تھا۔ زندگی کی اتنی ڈھیروں خوشیاں بس وہ اپنی کم مائیگی کے احساس کی بدولت خود پہ حرام سمجھتی تھی۔

"یہ کون ہیں رکزی؟" عبیر نے بے ساختہ اسے دیکھا' اس نے یہ چہرہ پہلے نہیں دیکھا تھا۔

"یہ نبیل بھائی ہیں۔ میرے کزن' یہاں سی ایس ایس کے پیپر دینے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ تم بیٹھو' میں چائے لاتی ہوں۔" یہ کہہ کے وہ اٹھنے لگی کہ عبیر بول پڑی۔

"نہیں' میں چلتی ہوں' میں کیوں ان کے ساتھ بیٹھنے لگی۔" عبیر نے غصے سے نبیل کی جانب دیکھا جو چھپ کے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

"کیوں میری شکل کیا اتنی بری ہے یا میں شکل سے چور اچکا لگتا ہوں؟" نبیل کو اس سے اس قدر بے مروتی کی امید نہیں تھی۔

"ویسے تو آپ اتنے پڑھے لکھے ہیں' کیا اتنا نہیں جانتے کہ کسی کی چھپ چھپ کے باتیں سننا کتنی بری بات ہے۔" اس بار نبیل مسکرایا۔

"میں چھپ کے تمہاری باتیں نہیں سن رہا تھا اچھی لڑکی!"

عبیر بے ساختہ لفظ اچھی لڑکی پہ چونکی۔

"بلکہ میں تو ساتھ والے کمرے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا جس وقت تم بھاگتی ہوئی آئی تھیں اور تمہاری آواز اتنی اونچی تھی کہ کوئی بھی بہ آسانی سن لیتا۔" نبیل نے اس کی چہرے پہ پھیلی حیرت کو دیکھ کر وضاحت کی۔

"ہاں تو مجھے کیا پتا کہ آپ یہاں موجود ہوں گے' ورنہ آہستہ آواز میں بات کرتی۔" وہ سادہ انداز میں تیزی سے بولی۔

"ایک بات پوچھوں تم سے؟" نبیل مسکراتے ہوئے آگے بڑھا۔

"جی نہیں... میں اجنبیوں سے بات نہیں کیا کرتی۔" وہ بدک کے پیچھے ہٹ گئی۔

"اجنبی کہاں رہ گیا اب۔ رکزی نے تعارف کروادیا نا۔"

"ہاں' لیکن آپ رکزی کے کزن ہیں' میرے تو کچھ نہیں لگتے؟" عبیر نے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے نگاہ جھکائی۔

"تو رکزی تمہاری دوست بھی ہے اور میری بھی' اس طرح ہم تو دوست بن جاتے ہیں' لیکن چلو تم دوست نہیں تو شناسا سمجھ لو مجھے' ٹھیک ہے؟" نبیل نے مسکراتے ہوئے کہا تو عبیر کی آنکھیں کھلیں۔ کس قدر چالاک شخص تھا۔

"اف اللہ جی... کتنے چالاک ہیں آپ؟" عبیر نے منہ بنا کے اسے دیکھا۔ "خود ہی سارے جوڑ توڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ مجھ سے تو پوچھ لیں کہ میں کوئی رشتہ چاہتی بھی ہوں کہ نہیں۔"

نبیل اس بار کھل کے مسکرایا' وہ اس کے جواب سے متاثر ہوا تھا۔

"اچھا تو تم ہی بتادو' رشتے کیسے بنتے ہیں؟"

"دیکھیں' میں بتاتی ہوں۔" وہ جو اس کے پاس بیٹھنے کی روادار نہیں تھی' اب اسے بیٹھنے کو کہہ رہی تھی' نبیل چہرے پہ معصومیت سجائے اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"دیکھیں پہلے ہم کسی شخص سے ملتے ہیں' وہ اگر ہمیں اچھا لگے تو ہم اس سے شناسائی پیدا کرتے ہیں' اگر اس کے بعد وہ ہمیں اور بھی اچھا لگے تو دوستی کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ اس رشتے کو مضبوط کیا جاتا ہے۔" عبیر نے اسے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

"اور اگر وہ اس سے بھی زیادہ اچھا لگے تو؟" نبیل نے شرارتاً اس کی جانب دیکھا تو عبیر نے اسے گھور کے دیکھا۔

"تو اسے نفنگا کہتے ہیں۔" عبیر نے دانت کچکچائے۔

"ارے اوہ... تم تو بہت ذہین لڑکی ہو۔" وہ حقیقتاً متاثر ہوا۔

"تو اور کیا... ہمیشہ ٹاپ کیا ہے اسکول اور کالج میں۔" عبیر کے لہجے میں فخر سمٹ آیا' ویسے بھی رکزی کے گھر اسے ایک انسان سمجھا جاتا تھا۔ یہاں اسے محبت اور عزت ملتی تھی۔ یہاں وہ ایک بدصورت لڑکی نہیں سمجھی جاتی تھی کہ جو اپنے خول میں سمٹنے پہ مجبور رہے' یہاں آکے وہ خوب بولتی تھی۔ زندگی سے خوشی کشید کرتی تھی۔

"کیا بات ہے۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ مجھے اس قدر ذہین لڑکی سے ملنے کا موقع ملے گا۔ ارے رکزی! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ عبیر اتنی ذہین ہے۔" نبیل اٹھ کے کچن کی جانب بڑھا تھا جہاں رکزی ان دونوں کے لیے چائے بنا رہی تھی۔ عبیر کو پہلی بار اپنی تعریف سن کے بے حد اچھا لگا۔

"ارے ابھی تو آپ نے اس کے ساتھ زیادہ بات چیت نہیں کی' کوئی بھی ٹاپک اٹھالیں' اس کی معلومات پہ رشک کریں گے آپ..." رکزی نے مسکراتے ہوئے عبیر کی جانب دیکھ کے نبیل کو بتایا تھا۔

"ارے واہ... پھر تو یہ میرے کافی کام آسکتی ہے۔" نبیل عبیر کی جانب پلٹا۔

"کیسا کام؟" عبیر چونکی۔

"میں سی ایس ایس کی تیاری کررہا ہوں۔ تم میرے لیے جنرل نالج کے سوالات تیار کردوگی؟"

"میں!!" عبیر اتنے مشکل ٹاسک پہ حیران رہ گئی تھی۔

"ہاں تم... اتنی ذہین لڑکی ہو میرا اتنا سا بھی کام نہیں کرسکتیں۔" نبیل نے منہ بنایا۔

"مگر میں تو جانتی تک نہیں کہ کیسے سوالات تیار کرتے ہیں؟" عبیر رکزی کے اشارے پہ ہامی تو بھر رہی تھی' لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ کرنا کیا ہے۔

"تمہیں میں بتادوں گا... بہت آسان ہے۔" نبیل نے مزے سے چائے کا گھونٹ بھرتے عبیر کو دیکھ کے کہا تھا۔

"میں کوشش کروں گی۔" عبیر نے ہامی بھری۔

"ارے نہیں' کوشش نہیں' تم ضرور کروگی۔ ذہین اور قابل لوگ کوشش نہیں بلکہ کرکے دکھاتے ہیں۔" اس کی اس بات پہ عبیر نے اسے ہچکچا کے دیکھا تھا۔ یہ منطق اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

"دیکھو... جنہیں خود پہ بھروسا ہوتا ہے وہ کبھی بھی اپنی ناکامی کے بارے میں نہیں سوچتے' وہ ہمیشہ اپنی کامیابی کے متعلق پُریقین ہوتے ہیں' کیونکہ انہیں خود پہ یقین ہوتا ہے کہ وہ کرسکتے ہیں' وہ کسی سے کم نہیں ہیں اور مجھے تم پہ یقین ہے کہ تم ضرور کر دکھاؤ گی۔"

نبیل نے کچھ اس انداز سے کہا کہ عبیر رضامند ہوگئی' نہ صرف رضامند بلکہ اس کے ذہن میں اسی وقت کئی سوالات جنم لینے لگے' جو کہ اسے پیپر میں نبیل کے لیے تیار کرنے تھے۔ اگلے آدھے گھنٹے میں عبیر نے کئی ایک سوال اس سے کر بھی ڈالے جن میں کئی سوالوں کے جواب نبیل نہیں دے سکا۔ اب اس نے ایسا جان بوجھ کے کیا یا واقعی اسے نہیں معلوم تھا

لیکن عبیر کو وہاں مزا بہت آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"زندگی میں آپ خوب صورتی سے نہیں ذہانت سے آگے بڑھتے ہیں۔ آپ دنیا میں کہیں بھی چلے جائیں' وہاں آپ اپنی ذہانت اور تعلیمی قابلیت سے ہی پہچانے جائیں گے' خوب صورتی ایک اضافی خوبی سہی' لیکن یہ اس سے زیادہ آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتی کہ یہ بس ایک بار لوگوں کو رک کے آپ کو دیکھنے پہ مجبور کردے۔"

"عملی زندگی میں خوب صورتی کی کتنے فیصد اہمیت ہے۔" رکزی کے اس سوال کے جواب میں نبیل نے لاپروائی سے کہا تھا۔ عبیر اس کے سوال کا جواب سن کے چونکی تھی' یہ سوال نامہ رکزی نے نبیل کے کہنے پہ ترتیب دیا تھا۔

"لیکن لوگ سب سے پہلا جائزہ تو شخصیت کا ہی لیتے ہیں۔" عبیر نے سلگتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔

"ہاں میں مانتا ہوں کہ پہلی نگاہ چہرے پہ ہی ڈالی جاتی ہے' لیکن جب گفتگو کا آغاز ہوتا ہے تو دھیان صرف اس بات پہ ہوتا ہے کہ وہ شخص کیا بول رہا ہے اور کیسا بول رہا ہے۔ اگر کوئی شخص بہت خوب صورت ہے' لیکن اس کے بولنے کا انداز غیر مہذب یا ان کلچرڈ ہے تو وہیں پہ اس کی پرسنالٹی کے مارکس زیرو ہوجاتے ہیں' وہاں خوب صورتی کسی کام نہیں آتی۔" اس نے ایک بار پھر مفصل جواب دیا تھا۔

"یہ تو ہوگئی آپ کی سوچ.... لیکن رکئے عامہ پہ بات ہوجائے تو یہ بھی اچھا ہوجائے گا۔" عبیر نے مزید سوال کیا تھا۔

"آج کل دنیا گلوبل ویلیج بن چکی ہے' لوگ آگے بڑھنے کا سوچتے ہیں۔ ان کی سوچ اور جینے کا انداز بدل چکا ہے۔ جن کا نہیں بدلا وہ بھی کوشش میں لگے ہیں کہ زمانے کی دوڑ میں ان کے قدم بہ قدم چل سکیں۔ دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں قابلیت کے بجائے ذہانت سے کوئی جاب ملی ہو' اس کی ایک نہیں کئی ہزار مثالیں میں پیش کرسکتا ہوں۔" نبیل نے عبیر کی ذہین آنکھوں کو دیکھ کے کہا تھا' وہ خاموش ہوگئی۔ نبیل اور رکزی کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ ان کی باتیں سن رہی ہے۔

"اور جو لوگ کم صورت لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کا کیا؟" کچھ دیر بعد عبیر نے سلگتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا' کچھ تھا جو اس کی آنکھوں میں مرچیں بھر رہا تھا۔

"ایسے لوگوں کو علاج کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور ایسے لوگوں کو بس نظرانداز کرکے اپنی زندگی کے گول پہ فوکس سیٹ کرلینے میں آپ کا فائدہ ہوتا ہے۔" نبیل نے اس بار بھی ناصحانہ انداز میں ایسے جواب دیا تھا جیسے وہ کسی ٹاک شو میں بیٹھا ہو۔

"غلط بالکل غلط۔ یہ سب کہنے میں جس قدر آسان ہے' کرنا اتنا ہی مشکل۔ آپ بھی شادی کسی حسین لڑکی سے ہی کریں گے نا۔" عبیر کو نہ چاہتے ہوئے بھی غصہ آگیا تھا۔

"میں صرف اس بات کو اہمیت دوں گا کہ اس لڑکی سے میری ذہنی ہم آہنگی کتنی ہے اور سیٹ کیے گئے لائف گولز کو اچیو کرنے میں میری کتنی مدد کرسکتی ہے۔ ایک ذہین' معاملہ فہم بیوی حالات یا زندگی کو جس ڈھب سے گزار سکتی ہے' وہ ایک کم پڑھی لکھی خوب صورت لڑکی نہیں کرسکتی' جو سارا دن فیس بک پہ اپنا اسٹیٹس اپ لوڈ کرے یا مشہور ڈیزائنرز کے پیج لائیک کرتی رہے۔" نبیل نے اس بار بھی مسکرا کے کہا تھا۔

عبیر نے پہلی بار غور سے نبیل کی جانب دیکھا تھا' وہ کوئی بہت ہینڈسم لڑکا نہیں تھا۔ کچھ تھا جو اس کے چہرے پہ بھلا معلوم ہوتا تھا۔ شاید وہ اس کا اعتماد تھا جو اسے منفرد بناتا تھا۔

"ٹھیک ہے' میں آپ کی بیوی ضرور دیکھوں گی کہ آپ اس بات پہ عمل بھی کرتے ہیں یا نہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں تمہیں اپنی شادی پہ انوائیٹ کروں گا۔ دیکھ لینا کہ میں نے زندگی میں کس چیز کو اہمیت دی ہے۔" نبیل بھی اٹھ کھڑا تھا۔

"رکزی! دروازہ بند کرلو۔ میں جارہی ہوں۔" عبیر نے اس کے سوال کا جواب دیے بنا رکزی سے کہا تھا۔

"سنو۔۔۔" وہ جانے لگی تو نبیل نے پکارا تھا۔

"جی۔۔۔" وہ مڑے بغیر بولی تھی۔

"کل ایک گیم کھیلیں گے۔ تم اور رکزی دونوں اپنی اپنی وش لسٹ بنا کے لانا۔ ٹھیک ہے۔" عبیر نے چند لمحے کچھ سوچا اور پھر سر ہلاتی آگے بڑھ گئی تھی۔

"یہ آج کل تمہارے رکزی کے گھر کے چکر کچھ زیادہ ہی نہیں بڑھ گئے؟؟"

وہ جیسے ہی گھر کے اندر داخل ہوئی فارہ نے اسے دیکھ کے طنز کیا۔ عبیر نے پہلی بار محسوس کیا کہ فارہ کا لہجہ کس قدر روکھا اور کھردرا تھا' حالانکہ وہ روز ہی کی طرح سجی سنوری اور خوب صورت لگ رہی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ گھر میں بور ہو جاتی ہوں تو اسی لیے چلی جاتی ہوں۔"

اس نے دھیمے لہجے میں کہہ کے سبزی کی وہ ٹوکری اٹھالی جو فارہ نے اس کے پاس لا کے پٹخ دی تھی۔

"تم جھٹلا رہی ہو۔ کیا میں دیکھ نہیں رہی' اندھی ہوں نہ ہی پاگل' جو دیکھ نہ سکوں کہ کن ہواؤں میں اڑنے لگی ہو تم؟" فارہ آج کلاس لینے کے موڈ میں تھی۔ لہٰذا وہ خاموش ہو گئی۔

"اور یہ کیا تم روز روز اپنے باپ سے فرمائش کی فرمائش کرنے لگی ہو۔ دیکھ بھی رہی ہو کہ وہ پریشان ہے اور اس کی جاب بھی ختم ہو گئی ہے' بجائے اس کا ساتھ دینے کے تم تو۔۔۔"

فارہ نے غصے میں آکے بات ادھوری چھوڑ دی' شاید عبیر کے سیاہ پڑتے چہرے نے اسے اپنے لہجے کی تلخی کا احساس دلا دیا تھا۔

"تمہارا باپ کہہ رہا ہے کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔ اب دعا کرو کہ کوئی عقل کا اندھا ٹکرا جائے اور ہماری ٹینشن ختم ہو سکے۔" فارہ کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی بے زاری عود کے آئی تھی۔

"ان شاء اللہ مل جائے گا۔" عبیر نے آہستگی سے کہہ کے تسلی دی۔

"کل کچھ لوگ آرہے ہیں۔ میرا کوئی جوڑا نکال کے پہن لینا۔ ڈھنگ کا کوئی ایک جوڑا بھی نہیں تمہارے پاس۔"

"جی بہتر۔" اس نے سر جھکالیا' وہ یہ نہیں کہہ سکی کہ آپ نے مجھے کبھی اچھا پہنایا ہی نہیں ورنہ آج میرے پاس بھی اچھے کپڑوں کا ڈھیر ہوتا۔

"اچھا ٹھیک ہے' جلدی ہانڈی بناؤ' سلطان آنے والے ہوں گے۔ میں ذرا ناصرہ سے فون کرکے مہمانوں کا پوچھ لوں' کہ کل کس وقت آئیں گے۔" یہ کہہ کے وہ اندر بڑھ گئی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد عبیر نے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو ٹٹولا۔ جو بالکل خالی تھیں' اس کے دل کی طرح۔۔۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟؟" زویا نے ایک دم اس کے سامنے آکے پوچھا تو اس نے بس ایک نظر اٹھا کے دیکھنے کے بعد سر جھکالیا تھا۔

"بتاؤ نا۔۔۔ کیسی لگ رہی ہوں؟؟" بے چاری زویا کا منہ بن گیا۔

"اچھی۔" اس نے ایک لفظ پہ ہی اکتفا کیا۔

"بس۔ ہو گئی تمہاری تعریف مکمل۔" اس کا دل چاہا کہ آج تو اس کا سر پھاڑ ہی دے کم از کم۔

"تم نے تعریف کے لیے تھوڑی کہا تھا' بس پوچھا تھا میں نے بتا دیا۔" ہینڈسم نے سادگی سے کہا تھا۔

"تم کتنے کھڑوس ہو ہینڈسم۔" بابا کی لاڈلی بے چارگی سے بولی۔ اسے کافی صدمہ ہوا تھا۔

"ہاہاہا۔۔۔ کافی جلدی پہچان گئیں تم مجھے؟؟" وہ ہنسا تھا۔

"پتا نہیں میں ہر دفعہ یہاں کیوں آجاتی ہوں۔" اب اسے ایک نیا دکھ ستا رہا تھا۔

"کافی پینے کے لیے۔" ہینڈسم نے بڑی سنجیدگی

سے اس کے علم میں اضافہ کیا تھا۔

"بھول ہے تمہاری' دنیا میں سب سے اچھی کافی زویا کے ہاتھ سے بنتی ہے۔" وہ منہ پھلا کے اٹھ کھڑی ہوئی تو ہینڈسم کو لگا کہ اب بس ہو گیا۔

"اچھا بابا... پلیز بیٹھ جاؤ۔" زویا احسان عظیم کرتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"بابا چلے گئے تمہارے؟" زویا نے اس بار اسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا۔

"بابا کو گئے ایک ہفتہ ہو چکا ہے اور یہ بات میں تمہیں دوبار بتا چکی ہوں۔" اس نے زویا کے جواب پہ سر تھاما۔

"تمہیں میری پروا ہوتی تو تمہیں مجھ سے متعلق باتیں یاد رہتیں۔" اس نے شکوہ کیا' ہینڈسم شرمندہ ہوا۔

"ایسی بات نہیں ہے؟ تم غلط سمجھ رہی ہو زویا۔" مگر وہ سننے کے موڈ میں نہیں تھی آج۔

"تو پھر اور کیا بات ہے' بابا سے تم نہیں ملے' خود سے تم مجھے نہ کال کرتے ہو' نہ میسج... میں چاہے کتنے ہی دن نہ آؤں' تمہیں میری کمی محسوس تک نہیں ہوتی' اس بات کا اعتراف تو دور کی بات' ایک بار کہہ کیوں نہیں دیتے کہ میں یہاں نہ آیا کروں۔ آئی پرامس میں نہیں آیا کروں گی۔" وہ اس کی بے اعتنائی سہتے سہتے تھک گئی تھی' اس لیے آج پھٹ پڑی تھی۔ ہینڈسم کو پہلی بار اپنی غلطی کا احساس ہوا مگر وہ اس بات کا اعتراف نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس پوزیشن میں ہی نہیں تھا۔

"زویا... جسٹ ریلیکس یار... کیا ہو گیا ہے آج تمہیں۔" وہ اٹھ کے جانے لگی تو ہینڈسم نے بے ساختہ اسے پکڑ کے بٹھا دیا۔

"پاگل ہو گئی ہوں میں ایک پتھر سے سر پھوڑتے پھوڑتے۔" اس نے غصے سے ہینڈسم کی طرف دیکھ کے کہا تو وہ مسکرایا۔

"پتھر سے سر پھوڑنا تو بے وقوفی ہوتی ہے۔" اس نے جان بوجھ کے اسے کہہ کے تپایا۔

"ہاں تو خمیازہ بھگت تو رہی ہوں۔" وہ اور بھی تپ گئی۔

"چلو کہیں باہر چلتے ہیں' آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو' اسی خوشی میں لنچ میری طرف سے۔" کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس آفر پہ خوشی سے مرجاتی' لیکن آج اس کا موڈ اس قدر برہم تھا کہ اس کا جواب دینے کو بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔ انسان محبت کرتے کرتے بھی تھک جایا کرتا ہے۔ وہ بھی اب تھکنے لگی تھی اور ہینڈسم کو اس بات کا احساس تک نہیں تھا کہ کوئی اپنی ہستی اس کی محبت میں فنا کیے خاک ہوئے جا رہا ہے۔

"مجھے واپس جانا ہے' تم کام کرو اپنا۔" یہ کہہ کے وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی اور اس کے روکنے پہ بھی نہیں رکی تھی' اس کے جانے کے بعد ہینڈسم پہلی بار دوبارہ کام میں مصروف نہیں ہو سکا۔

☆ ☆ ☆

"نیلم کہاں ہے؟" راحت اکبر ناشتا کرنے کے لیے بیٹھے تو چاندنی بیگم سے سوال کیا اور انہیں تو جیسے موقع چاہیے تھا' وہ تو اپنی بیٹی کی اس حرکت پہ پہلے ہی خائف تھیں۔

"پروین کو شاپنگ کروانے کے لیے لے گئی ہے' اچھے خاصے کپڑے خرید کے لائی تھی میں' لیکن آپ کی بیٹی کو فوراً ہی ان کپڑوں میں ایسے کیڑے نظر آئے کہ میرے روکنے کے باوجود وہ اسے لاہور لے گئی۔" وہ اچھی خاصی برہم تھیں۔

"ہاں مجھے بتایا تھا اس نے... میں نے ہی اسے پیسے دیے تھے۔" راحت اکبر نے لاپروائی سے کہتے چاندنی بیگم کو حیران کیا تھا۔

"اوہ... تو یہ آپ کی ہی شہ کا نتیجہ ہے۔ کیا ضرورت تھی اسے اتنے پیسے دینے کی؟"

"کوئی بات نہیں چاندنی بیگم! اللہ نے ہمیں اتنا نواز رکھا ہے کہ ہم اگر اس میں سے یہ چند ہزار خرچ کر بھی دیں تو کوئی کمی نہیں ہو جائے گی۔"

انہیں جیسے کوئی فکر نہیں تھی۔

"اتنی فضول خرچی بھی اچھی نہیں ہوتی' پہلے ہی کوئی کم خرچ نہیں ہو رہا آپ کا' اوپر سے آپ نے حذیفہ کو نئی گاڑی لے کے دے دی۔ بانٹ دیں' سب بانٹ دیں' ان ہی ماں بیٹے میں۔ اپنے لیے کچھ نہ سوچیے گا۔" چاندنی بیگم نے غصے میں پہلو بدلا تھا۔

"یہ سب کرنا مجبوری ہے میری۔ شوق سے نہیں لٹاتا۔"

"تو کیا ہے آپ کی مجبوری۔ مجھے بھی تو پتا چلے۔" وہ اونچی آواز میں بولیں تو وہ مسکرائے۔

"ارے چاندنی بیگم تم بھی تا بڑی ہی بھولی ہو۔ میں یہ سب حذیفہ کا منہ بند رکھنے کو کرتا ہوں' یہ بھی نہ کروں تو وہ جائیداد میں سے اپنا حصہ مانگ لے گا۔ ارے بھول گئیں' کیسے میں نے مرے ہوئے جاوید بھائی کے ہاتھ کے انگوٹھے لگوائے تھے۔ ایسے ہی اتنی بڑی جائیداد کی مالکن نہیں بن گئیں تم۔" اندر آتا حذیفہ اپنے نام پہ چونکا تھا' وہ بے ساختہ رکنے پہ مجبور ہو گیا۔ حالانکہ اسے عادت نہیں تھی چھپ کے باتیں سننے کی۔

"ہاں لیکن اسے اس ساری بات کا کیسے پتا۔ وہ تو بہت چھوٹا تھا اس وقت۔" چاندنی بیگم اس بار بے ساختہ دھیمی پڑیں۔

"وہ چھوٹا تھا۔ لیکن اس کی ماں تو نہیں۔ اگر میں نے پروین کو حذیفہ کو قتل کرنے کی دھمکی دے کے چپ نہیں کروایا ہوتا تو آج وہ لڑکا ہمیں فٹ پاتھ پہ بٹھا دیتا۔"

"ارے ہاں میں یہ بات کیسے بھول گئی۔ لیکن یہ حذیفہ مجھے کبھی بھی اچھا نہیں لگا بڑا ہی بدلحاظ لڑکا ہے۔" چاندنی بیگم نے منہ بنایا۔

"کوئی بات نہیں' بس تھوڑا سا عرصہ ہے اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔" وہ اس بار بھی مبہم سا مسکرائے تھے۔

"کیا کریں گے آپ؟" وہ رازدارانہ انداز میں ان کے اور بھی قریب ہوئی تھیں۔

"اوہ... تو یہاں یہ سب چل رہا ہے۔" فارہ نے جیسے ہی دروازہ کھولا سامنے کا منظر کچھ اس طرح سے تھا کہ نبیل' عبیر کے قریب کھڑا اپنے ہاتھوں میں پکڑی کتابیں اس کے ہاتھوں میں منتقل کر رہا تھا۔ فارہ کو دیکھتے ہی عبیر کی جان نکل گئی تھی' اسی لیے اس نے وہ کتابیں لینے سے انکار کر دیا تھا۔ چونکہ وہ کتابیں پیک تھیں' اسی لیے فارہ سمجھ نہیں سکی کہ پیکنگ میں کیا تھا لیکن اس نے انہیں دیکھ کے اپنے ہی انداز میں مطلب لیا تھا۔

"کب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ... بولو ناں۔ اب خاموش کیوں ہو گئی ہو؟" فارہ نے سختی سے پوچھا تھا۔

"دیکھیں آپ..." نبیل نے کچھ کہنا چاہا' اسے یک لخت کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔

"تم چپ رہو اور مجھے جھٹلانے کی کوشش تو بالکل بھی مت کرنا... اندھی نہیں جو دیکھ نہ سکوں کہ کیسے تحائف کا تبادلہ ہو رہا ہے۔"

فارہ نبیل کی جانب دیکھ کر غرائی' وہ خاموش ہو رہا۔ اسے اس خاتون کی بات پہ حیرت ہوئی تھی کہ وہ کس قدر ذہنی گراوٹ کا شکار تھی۔

"فارہ باجی! یہ رکزی کے کزن ہیں اور ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" عبیر کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا لگ گیا۔

"تو پھر کیا کرنے لگی تھیں' یہ تحائف کے تبادلے کس لیے ہو رہے تھے؟" ہرزہ سرائی کی حد تھی۔

"دیکھیے خاتون! آپ انتہائی فضول الزام لگا رہی ہیں مجھ پر... میرا ایسا کوئی تعلق نہیں آپ کی بیٹی کے ساتھ ہم صرف اچھے دوست ہیں۔"

نبیل نے عبیر کا دھواں دھواں ہوتا سیاہ چہرہ دیکھا تو اسے غصہ آ گیا۔ لیکن فارہ نے دوست لفظ کو بھی غلط مطلب میں لیا۔

"اوہو' دوست... اچھا تو کب سے ہے تم لوگوں کی دوستی..."

فارہ دروازے میں اکڑ کے جم کے کھڑی ہو گئی تو عبیر نے نبیل کی جانب دیکھا جو اس بے وقت کی مصیبت میں خواہ مخواہ ہی پھنس گیا تھا۔

"آپ جائیں نبیل۔" عبیر نے مڑ کر نبیل کو جانے کے لیے کہا۔

"اب تو تم اپنے یار کو بھگاؤ گی ہی ناں... باپ کی عزت مٹی میں رولتے ہوئے تو تجھے شرم نہ آئی... بڑا آیا دوست کہنے والا۔ ارے سب دوست کہہ کے ہی تو جان چھڑاتے ہیں... لیکن میں تمہیں ایسے جان نہیں چھڑانے دوں گی ہاں!"

نبیل نے فارہ کے یہ الفاظ سنے مگر وہ رکا نہیں اندر بڑھ گیا لیکن عبیر کتنی ہی دیر دروازے پہ کھڑی رہی۔ فارہ کی جلی کٹی باتوں اور بے بنیاد الزام کے بعد وہ اس قابل نہیں رہی تھی کہ اپنے پیروں پہ چل کے اندر چلی جاتی۔ اس کا دل ڈوب کے ابھر رہا تھا۔ بس ایک ہی کسر رہ گئی تھی۔

"اب یہیں کھڑی رہ کر اپنے یار کا سوگ مناتی رہو گی یا اندر بھی آؤ گی۔" عبیر نے گہری سانس بھر کے رکزی کے گھر کے بند گیٹ کی جانب دیکھا اور مردہ قدموں سے اندر بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

اپنے کمرے میں آ کر عبیر نے چادر اتار کے ایک طرف رکھی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی کنپٹی کو مسلا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا' کیا سوچتا ہو گا نبیل؟

فارہ اپنی کسی سہیلی کے ساتھ باتوں میں مگن ہو گئی تھی۔ گھنٹہ بھر پیکج والی کال ختم ہوئی تو وہ باہر آئی تھی۔

"ویسے یہ لڑکا تمہارے ساتھ سنجیدہ بھی ہے یا محض ٹائم پاس کر رہا ہے...؟" عبیر نے گہری سانس لی۔ اگر وہ یہ سوچ رہی تھی کہ فارہ اس واقعے کو ہلکا لے رہی ہے یا فراموش کر گئی ہے تو وہ یقیناً غلط تھی۔

"فارہ باجی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" عبیر دن بھر کی تھکی ہونے کے باعث اپنے لہجے میں زور نہیں پیدا کر سکی۔

"لگتا تو مجھے بھی نہیں... لیکن اگر اس نے تمہیں

منہ لگیا ہے تو کچھ تو اچھا لگ ہی گیا ہوگا اسے۔ کیا دے رہا تھا وہ تمہیں؟"

فارہ کو اب وہ پیکٹ یاد آرہا تھا جو عبیر نے تھامنے سے انکار کر دیا تھا۔

"کتابیں تھیں۔" عبیر کا لہجہ اور بھی ہلکا ہو گیا۔

"اوہ... کیسی کتابیں؟ کیا خوب صورت اور گورے ہونے کے نسخے سکھانے کے لیے تھیں۔" فارہ نے بات مکمل کر کے خود ہی قہقہہ لگایا۔ "ویسے اس نے تمہیں یہ کریمیں دی تھیں ناں۔"

عبیر اس بار کچھ نہیں بولی اور چائے کا کپ اٹھا کے اپنے کمرے میں آگئی۔ فارہ کے سر پہ لگی اور تلووں پہ جا بجھی تھی۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ فارہ کوئی بات کر رہی ہو اور عبیر اسے سنے بغیر اندر چلی جائے لیکن آج اس نے یہ جرات کی تھی... فارہ یہ نہیں سمجھ سکی کہ اس کی باتیں بلکہ اس کے لگائے گئے بہتان عبیر کو تکلیف دے رہے ہیں' اسے لگا کہ وہ کسی کی شہ پہ ایسا کر رہی ہے ورنہ عبیر کی ایسی جرات...

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا...؟" فارہ اس کے پیچھے ہی اس کے کمرے میں آگئی تھی۔

"آپ کا جو دل چاہے سمجھ لیں' میرے پاس آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں ہے۔"

عبیر تھک چکی تھی اور اب لیٹ جانا چاہتی تھی۔

"نوکری ملی کہ نہیں...؟" فارہ نے گہری سانس بھر کے اگلا سوال کیا۔

"ایک ایک گھر کے دروازے پہ جا کے نوکری بھک منگوں کی طرح مانگی لیکن عبیر سلطان کو تو کوئی بھیک بھی نہیں دیتا۔" عبیر نے اسی انداز میں کہتے ہوئے بیڈ پہ لیٹ کے آنکھیں موند لی تھیں۔

"تو پھر گھر واپس آنے کی کیا ضرورت تھی تمہیں چلی جاتیں اسی ہوتے سوتے کے ساتھ' اس کے انداز سے تو ایسا نہیں لگتا کہ وہ بھیک دے رہا ہو..."

فارہ ایک دم ہی بھڑکی تھی۔

"فارہ باجی!" اس کی آواز بھرا گئی تھی "پلیز یہاں سے چلی جائیں۔ میں بہت تھکی ہوئی ہوں اور اب سونا چاہتی ہوں۔"

"تم نے کچھ زیادہ ہی پر پرزے نہیں نکال لیے... آج کل۔"

فارہ نے اس بار بالکل ہی ایک الگ بات کی تھی۔ عبیر کا جی چاہا کہ فارہ باجی کا ہاتھ پکڑ کے انہیں باہر نکال دے۔ پہلی بار اس کی ایسی بد تمیزی کا جی چاہا اور وہ بھی شدت کے ساتھ...

☼ ☼ ☼

نیلم نے بے حد حیرت سے پہلے اپنی ماں کو دیکھا اور پھر باپ کو اور اس کے بعد اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں تازہ تازہ پہنائی ڈھائی لاکھ کی ہیرے کی انگوٹھی کو' اسے اپنے والدین سے اس دھوکے کی توقع نہیں تھی... نیلم کی آنکھوں میں مرچیں بھرنے لگیں۔ اسے امید نہیں تھی کہ اس بار نزہت خالہ اس کا رشتہ پکا کر کے ہی جائیں گی۔ وہ تو یہ سمجھ رہی تھی کہ خالہ خالو' بابا کے الیکشن جیت جانے کی خوشی میں مبارک باد دینے کے لیے آئے ہیں۔

نیلم نے آصف کو دیکھا جو کہ مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نیلم کو وہ آج سے پہلے کبھی بھی اتنا برا نہیں لگا تھا نیلم نے اس وقت گہرے نیلے رنگ کا جارجٹ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ کانوں میں سفید بندے تھے۔ آج وہ بہت دل لگا کے تیار ہوئی تھی' صرف اس لیے کیونکہ آج حویلی میں راحت اکبر نے جشن رکھا ہوا تھا... اب نیلم کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ وہ جشن اس کا رشتہ طے ہو جانے کے لیے رکھا گیا تھا یا واقعی جیت کی خوشی میں... اسے تو بس آج اپنی موت نظر آرہی تھی۔

لیکن اس سارے ماحول میں کوئی تھا جو بہت ہی پرسکون تھا اور مسکراتی' جتلاتی ہوئی نگاہوں سے نیلم کو دیکھ رہا تھا۔ نیلم کو اس کی آنکھوں میں اپنے لیے تمسخر نظر آیا... جبکہ ایسا نہیں تھا۔ ان آنکھوں میں خوشی تھی' وہ بھی اس بات کی کہ اب وہ وقت زیادہ دور نہیں

تھا جب وہ اپنے حق کے لیے آواز بلند کرسکے گا۔

"بھائی صاحب! آپ نے نیلم کو میری بیٹی بنا کے مجھے سارے جہان کی دولت دے دی ہے... میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔" نزہت خالہ نے راحت اکبر کی جانب دیکھ کے محبت و تشکر سے کہا تھا۔ وہ سب اس وقت لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"یہ تو نیلی کی خوش نصیبی ہے کہ تمہاری بہو بن کے جا رہی ہے۔ تم پیار بھی تو بہت کرتی ہو اس سے... اور مجھے پورا یقین ہے کہ ہتھیلی کا چھالا بنا کے رکھو گی اسے۔" چاندنی بیگم کھلی جا رہی تھیں ان کی بیٹی کا اتنے بڑے گھر میں رشتہ طے ہو چکا تھا۔ یہ کوئی عام بات تو نہ تھی۔ ان کے خواب سچ ہونے جا رہے تھے۔

نزہت خالہ نے آگے بڑھ کے نیلم کا ماتھا چوما اور ہزار ہزار کے کئی نوٹ اس کے سر سے وار کے پروین کو تھما دیے۔

"یہ ملازماؤں میں بانٹ دینا... اور ہاں سنو... میں تمہارے لیے بھی کچھ لائی ہوں۔ آخر تم اس گھر کی بڑی بہو ہو۔"

نزہت خالہ خدا ترس خاتون تھیں اسی لیے جب بھی آیا کرتیں۔ پروین سے بے حد عزت سے ملا کرتیں۔ ان کے لیے بھی ویسے ہی تحائف لایا کرتیں جیسے چاندنی بیگم کے لیے اور حذیفہ کے لیے وہی سب جو وہ اپنے اکلوتے بہنوئی راحت اکبر کے لیے تحفے کے طور پہ لایا کرتی تھیں۔

کھانے کا دور چلا تو نیلم اٹھ کے اندر آگئی حالانکہ آصف کی پیغام دیتی نگاہیں اسے واضح طور پہ اشارہ دے رہی تھیں کہ وہ اکیلے میں کچھ وقت اس کے ساتھ بتانا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اسے نظر انداز کر کے تیزی سے وہاں سے اٹھ آئی تھی اور اندر سے کمرے کو مقفل کر لیا تھا... اور رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔

اس نے جلدی سے ٹیپو کو کال کی تھی اور اسے ساری بات بتا دی تھی۔ وہ ٹیپو کے مزاج سے واقف تھی۔ وہ بہت جلدی بدگمان ہو جایا کرتا تھا اسی لیے اس نے بھی بات کی گہرائی میں جانے کی بجائے سارا قصور نیلم کے کھاتے میں ڈال دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ منگنی زبردستی نہیں بلکہ نیلم کی رضامندی سے کی گئی ہے۔ نیلم کو اگلا ایک گھنٹہ اسے اپنی محبت کا یقین دلانا پڑا تھا۔ ورنہ تو وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ نیلم اس کے ساتھ محض ٹائم پاس کر رہی تھی۔

"میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ ان کے سامنے مت جاؤ تو تم کیوں گئیں؟" اس کا غصہ کچھ کم ہوا تو اس نے شکوہ کیا۔

"مجھے اگر پتا ہوتا کہ آج انہوں نے یہ سب پلان کیا ہوا ہے تو میں وہاں جاتی ہی کیوں لیکن خالہ کل سے آئی ہوئی تھیں۔ میں تمہارے کہنے میں آکے ان سے ملنے بھی نہیں گئی۔ وہ خود مجھ سے ملنے میرے کمرے میں آئی تھیں..."

نیلی نے پریشان سے انداز میں کہتے ہوئے اسے ایک بار پھر یقین دلایا۔

"تو کیا تمہارا وہ امیر کزن بھی آیا تھا؟ اس نے تمہیں دیکھا ہو گا ناں؟" ٹیپو نے اس بار آصف کا براہ راست نام نہیں لیا تھا۔

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے ٹیپو۔ خدا کے لیے یہ سوچو کہ اب ہمارا کیا ہو گا۔"

نیلی نے بات کاٹی تو وہ بھی نارمل ہوا ورنہ تو اس کا خون اسی بات پہ کھولے جا رہا تھا کہ آصف نے اسے دیکھا بھی ہو گا یا وہ اس کے کمرے میں بھی آیا ہو گا۔

"تم نے اپنے والدین سے بات کی یا نہیں؟" نیلی نے ایک بار پھر پوچھا تھا۔

"کی تھی... لیکن۔" ٹیپو پھر خاموش ہو گیا لیکن نیلم بے تاب ہو گئی۔

"پھر کیا کہا انہوں نے... بتاؤ ناں؟"

"وہ راضی نہیں ہوئے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تک مجھے جاب نہیں مل جاتی وہ میری شادی کر سکتے ہیں نہ ہی رشتہ مانگ سکتے ہیں اور ویسے بھی وہ پہلے میری بہنوں کا فرض ادا کریں گے۔"

ٹیپو نے اپنے والدین کے ساتھ ہوتی ساری گفتگو اسے من و عن سنا دی تھی۔ نیلم کا سانس حلق میں

اٹک گیا تھا۔ وہ کتنی آسانی سے اسے وہ سب بتا رہا تھا۔ نیلم نے اپنے اردگرد اندھیرا پھیلتا محسوس کیا تھا۔ کتنے ہی لمحے وہ کچھ بول نہیں پائی تھی۔

"ہیلو۔۔۔ نیلی جان! تم سن رہی ہو ناں۔" اس کے اندر اتنے سناٹے گونجے کہ ٹیپو کو لگا کہ کال کٹ چکی ہے۔ تب ہی وہ بے تابی سے بولا تھا۔

"کیا بولوں میں اب۔۔۔ کیا تم نے مجھے اس قابل چھوڑا ہے؟"

"تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔ تم نے وہ سنا جو میرے والدین نے کہا ہے لیکن وہ نہیں جو میرا فیصلہ ہے۔" ٹیپو نے لہجے کو دھیما کیا۔

"اچھا' تو کیا ہے تمہارا فیصلہ؟" نیلم کے لہجے میں آپ ہی آپ طنز در آیا۔ وہ اسے بے وفا لگ رہا تھا۔

"میں صرف تم سے شادی کروں گا اور اپنے والدین کو تمہارے گھر لے کے آؤں گا لیکن۔"

ٹیپو اس بار پھر خاموش ہوا۔ نیلم کو زندگی میں خاموشی کبھی اتنی بری نہیں لگی تھی جتنی آج لگ رہی تھی۔

"دیکھو نیلی۔۔۔ تم جانتی ہو کہ ہمارا ایک ہو جانا اتنا آسان نہیں ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ ایسا کرو کہ تمہارے والدین ہماری شادی کے لیے راضی ہو جائیں اور تمہاری خالہ بھی تمہارا رشتہ بہ آسانی ختم کردیں۔"

ٹیپو نے نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ کے ایک دم ہی دھماکا کیا تھا۔

"کیا مطلب' کیا کہہ رہے ہو ٹیپو؟" نیلی کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"میں سمجھاتا ہوں۔۔۔" ٹیپو نے بے حد آہستگی سے کہنا شروع کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے' آپ اتنی جلدی واپس آ گئے۔ کیا اس نے چائے بھی نہیں پلائی؟"

رکزی نے نبیل کو فوراً" ہی الٹے قدموں واپس آتے دیکھا تو طنز کیے بنا رہ نہیں سکی۔ ویسے بھی اسے اچھا نہیں لگا تھا کہ نبیل' عبیر کے لیے کتابیں لایا تھا اور وہ اس کی سگی چچا زاد کزن تھی۔ اس کے لیے کچھ بھی نہیں لایا تھا۔

"میں اس کے گھر نہیں گیا۔" نبیل نے اپنی استری شدہ شرٹ اٹھا کے الماری میں رکھی۔۔۔ جو ابھی رکزی نے لا کے اس کے کمرے میں بیڈ پہ رکھی تھی۔

"اچھا۔۔۔ فارہ سے بھی نہیں ملے کیا؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں اس کے گھر نہیں گیا۔"

نبیل نے اسے ابھی کچھ دیر پہلے ہونے والی بدمزگی کے بارے میں نہ بتانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ رکزی نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ "چائے لے گی؟"

نبیل فریش ہو کے آیا تو اس کے ہاتھ میں کتاب تھی وہ شاید پڑھنے کے لیے اوپر چھت پہ جا رہا تھا۔

"جی میں بنا دیتی ہوں۔" رکزی نے اس کی چال میں کوئی غیر معمولی سا احساس پاتے ہوئے کہا تھا۔

"چچی جان کہاں ہے؟"

"وہ بازار گئی ہیں' راشن ختم ہو گیا تھا۔" رکزی نے آہستگی سے بتایا۔

"تو مجھ سے کہہ دیا ہوتا۔ میں لے جاتا نہیں۔"

"اب تو وہ آنے والی ہوں گی۔" نبیل سر ہلا کے آگے بڑھ گیا تھا۔ اس نے جلدی سے چائے بنائی اور چھت پہ لے گئی۔۔۔ اور پھر اسے اتنا زچ کیا کہ نبیل اسے ساری بات بتانے پہ مجبور ہو گیا۔

"آپ نے غلط کیا' آپ کو نہیں جانا چاہیے تھا۔" رکزی نے ساری بات سننے کے بعد اس سے کہا۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ اس کی والدہ اس قسم کی گری ہوئی بات بھی کر سکتی ہیں۔۔۔ میں تو حیران ہوں کہ عبیر کیسے رہ لیتی ہے ان کے ساتھ۔" وہ متاسف انداز میں بولا تو رکزی کو اپنی کچھ دیر پہلے والی سوچ پہ افسوس ہوا۔ وہ کس قدر گھٹیا بات سوچ رہی تھی عبیر کے متعلق۔

"آپ نے اسے دیکھا تو ہے کہ وہ کتنی نیگیٹو ہو گئی ہے۔" رکزی نے افسوس سے اسی طرح کے کئی

ایک واقعات دہرا دیے۔

"جب ہی تو وہ خود کو بوجھ سمجھنے لگی ہے۔ اسے یہ لگتا ہے کہ اگر اس کی شادی ہو جائے تو اس کے والدین کے سارے مسائل ختم ہو سکتے ہیں یا اگر وہ جاب میں ان کی مدد کرے تب بھی۔۔۔ اور یہ سب اسے فارہ کہتی ہے حالانکہ سلطان بھائی اتنا اچھا نہ سہی تو بہت برا بھی نہیں کمار ہے۔"

"مجھے تو بہت ہی دکھ ہوتا ہے اس کی حالت دیکھ کے۔" ساری بات سننے کے بعد نبیل کو مزید دکھ ہوا تھا۔ رکزی نے اس کی جانب دیکھ کے بات بدل دی۔

"کل آخری پیپر ہے ناں آپ کا؟"

"ہاں۔۔۔ کل لاسٹ ہے دعا کرو کہ کامیاب ہو جاؤں۔"

"ہو جائیں گے مجھے یقین ہے۔ امتحان میں تو سب ہی پاس ہو جایا کرتے ہیں اصل بات تو انٹرویو کی ہوتی ہے۔" رکزی شرارت سے مسکرائی تھی۔

"یہ پاس کر گیا تو وہ بھی کر جاؤں گا۔۔۔ دیکھ لینا۔" نبیل اس کی شرارت سمجھ گیا تھا۔

"نبیل بھائی! کل آپ وہ کتابیں مجھے دے جائیے گا۔ میں عبیر تک پہنچا دوں گی۔" کچھ دیر بعد اس نے بہت سوچ کے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں بس یہ چاہتا ہوں کہ وہ اچھی اچھی کتابیں پڑھے۔ ہم لوگ کتاب سے بہت دور ہو گئے ہیں جبکہ یہ تنہائی کی بہترین ساتھی ہیں' یہ جینے کا ڈھنگ سکھاتی ہیں' مایوسی سے بچاتی ہیں اور عبیر جیسی لڑکیوں کے لیے تو یہ اور بھی ضروری ہے۔"

اسی شام رکزی کسی کام کے بہانے عبیر کے گھر جا کے اسے وہ کتابیں دے آئی تھی۔ فارہ' سلطان کے پاس بیٹھی تھی اور اس کے ہاتھ میں تھاما ہوا پیکٹ سلطان اور فارہ دونوں نے ہی دیکھ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ساری رات نیلم سو نہیں سکی۔ وہ ٹیپو کی بات پہ غور کرتی رہی تھی کہ سے ٹیپو کے علاوہ کسی کے ساتھ بھی شادی نہیں کرنی تھی' یہ تو طے تھا اور اس سے ٹیپو نے اس بات کا وعدہ بھی لیا تھا کہ چاہے جو بھی حالات ہوں وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گی ورنہ وہ جان دے دے گا' وہ بھی اس کے گھر کے سامنے آ کر۔ اور نیلم جانتی تھی کہ وہ کوئی جھوٹ نہیں بول رہا۔ جو لڑکا رات کے تین بجے اسے صرف دیکھنے کے لیے اتنا سفر کر کے' بے خوف ہو کے اس کی کھڑکی پھلانگ کے آ سکتا ہے۔ وہ اس کے گھر کے دروازے پہ جان بھی دے سکتا ہے۔

"مجھے تمہاری جان نہیں تمہارا ساتھ چاہیے۔" نیلم نے روتے ہوئے ٹیپو سے کہا تھا۔

"مجھے صرف ایک چیز بچا سکتی ہے۔"

"کیا؟"

"تمہارا ساتھ' تمہاری محبت' تمہارا اعتماد' اگر تم میرا ساتھ دو گی۔ ہمیشہ میری رہو گی تو میں کبھی بھی تم سے دور نہیں جاؤں گا نہ ہی ہمیں کوئی جدا کر پائے گا۔"

"اور اس سب کے لیے مجھے کیا کرنا ہو گا۔" اس نے پوچھا تھا۔

"بس ذرا سی قربانی۔" ٹیپو نے اس سے کہا تھا' نیلم اس کی محبت میں اندھی ہو چکی تھی کہ اسی لیے وہ اس کی ہر بات بلا چوں چرا مان رہی تھی۔

نیلم کچن میں آئی تو پروین بیگم مہمانوں کے لیے ناشتہ بنا رہی تھیں۔ نیلم کے سر میں درد تھا۔ وہ فریج کھول کے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے بغور پروین بیگم کو دیکھتی رہی یہاں تک کہ پروین بیگم نے اس کا ارتکاز محسوس کر لیا تھا۔

"کچھ چاہیے کیا نیلی؟"

"جی چچی جان۔۔۔ چائے پینے آئی تھی۔" نیلم نے ان کی جانب مسکرا کے کہتے ہوئے بتایا تھا۔ پروین بیگم بھی جواباً" مسکرائی تھیں۔

"اچھا میں ابھی بنا دیتی ہوں۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" انہوں نے پراٹھا پلٹتے ہوئے اس سے کہا تو نیلی نے انکار کر دیا۔

"نہیں چچی جان۔۔۔ میں یہاں آپ کے پاس ہی

بیٹھوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے اگلے ہی لمحے کرسی گھسیٹ کر کھانے کی میز کے سامنے بیٹھ گئی۔ پروین بیگم کے چہرے پر حیرت پھیلی تھی۔ نیلم نے ان سے دوبارہ خود ہی بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو میرا یہاں بیٹھنا برا لگ رہا ہے کیا چچی جان؟"

"نہیں بیٹا' برا کیوں لگے گا۔ تمہارا اپنا گھر ہے' جہاں جی کرے وہیں بیٹھو۔" وہ ہکلا سی گئی تھیں۔ وہ نیلی کے پل میں تولہ پل میں ماشہ جیسی فطرت سے آگاہ تھیں اسی لیے ڈرتی تھیں۔

"میں نے ہمیشہ آپ کے ساتھ بہت بدتمیزی کی ہے چچی جان... پلیز مجھے معاف کردیں۔" نجانے کیا ہوا تھا' نیلم ایک دم ہی ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہہ گئی تھی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو نیلی؟" پروین بیگم تو اس اچانک... کایا پلٹ پہ حیران رہ گئی تھیں۔ فوراً" اس کے جڑے ہاتھوں کو کھولتے ہوئے بولی تھیں۔

"نہیں چچی جان! میں جانتی ہوں' میں نے ہمیشہ آپ کا اور حذیفہ کا بہت دل دکھایا ہے مگر مجھے کسی نے روکا بھی نہیں تھا۔ مجھے احساس ہی نہیں ہوسکا کہ آپ لوگ جو میرے اتنے اپنے ہیں' میں ان کے ساتھ کتنی زیادتی کر رہی ہوں۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور پروین بیگم نہال ہوتے ہوئے اس کے آنسو صاف کر رہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں' میں نے کبھی تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانا۔ سب بھول جاؤ تم۔" انہوں نے اسے چمکارتے ہوئے کہا۔

"آپ کتنی اچھی ہیں ناں چچی... میں اس گھر سے جانے کے بعد ہمیشہ آپ کو یاد رکھوں گی۔" وہ ان کے گلے لگی کہہ رہی تھی۔

"جیتی رہو' سدا سہاگن رہو۔" پروین بیگم نے اسے دعا دی۔

"شکریہ چچی جان... آپ نے مجھے معاف کردیا ناں؟" وہ ایک بار پھر پوچھ رہی تھی۔

"مائیں بھی کبھی اپنے بچوں سے ناراض ہوتی ہیں پگلی... میں تجھ سے ناراض نہیں ہوئی کبھی... اب جاؤ میں چائے بھجواتی ہوں۔"

انہوں نے لاڈ سے اسے چمکارتے ہوئے کہا تھا۔

اندر داخل ہوتی شریفاں نے بڑی ہی حیرت سے یہ منظر دیکھا تھا۔

"ناشتہ بنانے میں آپ کی ہیلپ کروں چچی جان؟؟" نیلی نے لاڈ سے پوچھا تو شریفاں بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ نیلم بی بی اور کچن میں وہ بھی پروین بیگم کے ساتھ اتنے اچھے انداز میں۔ اسے لگا جیسے وہ خواب دیکھ رہی ہے کیونکہ ایسا حقیقت میں تو ہونا ممکن دکھائی نہیں دیتا تھا۔

"رہنے دو۔ میں بنالوں گی۔ تمہارے ہاتھ خراب ہوجائیں گے۔" انہوں نے اسے نرمی سے ٹوکا۔

"بنانے دیں ناں انہیں' اب نیلم بی بی کو اگلے گھر جا کے بھی تو کام کرنا ہی ہوگا' اچھا ہے کچھ سیکھ لیں گی۔" شریفاں کی زبان میں کھجلی ہوئی تو وہ کہے بغیر رہ نہیں سکی تھی۔ پروین بیگم نے اسے گھور کے دیکھا۔

"شریفاں ٹھیک کہہ رہی ہے چچی جان... ! مجھے واقعی میں اب یہ سب سکھادیں کیونکہ سسرال میں جا کے مجھے یہ سب کرنا ہی ہوگا۔" نیلی بغیر برا منائے بولی تھی۔ حالانکہ اگر پرانے حالات ہوتے تو وہ یہ بات کبھی نہ کرتی بلکہ شاید اب تک طوفان اٹھا چکی ہوتی۔

"ارے بیٹا! اتنے تو نوکر ہوں گے تمہارے گھر۔" پروین بیگم نے کہا تو نیلی نے جواب دیا۔

"جتنے بھی ہوں' جب مجھے طریقہ نہیں آئے گا تو انہیں گائیڈ کیسے کروں گی؟" نیلم نے محبت سے کہا تھا پھر وہ کچھ دیر ان ہی کے ساتھ کھڑی رہی۔ بعد میں وہاں سے چاندنی بیگم کے بلانے پہ چلی گئی۔

"یہ نیلی بی بی کو کیا ہوگیا ہے بھلا... ایک دم سے اتنی اچھی کیسے ہوگئیں۔" نیلی کے جانے کے بعد شریفاں نے پروین سے کہا تھا جو خود بھی اس کایا پلٹ پہ حیران تھیں۔

"شاید اس گھر سے جانے والی ہے اس لیے...

بٹیاں واقعی بہت پیاری ہوتی ہیں پھولوں جیسی۔"
پروین بیگم محبت و نرمی سے کہہ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"لاؤ میں پریس کر دیتی ہوں۔" نیلم نے حذیفہ کو اپنے کپڑے خود پریس کرتے دیکھا تو کہے بنا رہ نہیں سکی۔
"شکریہ۔۔۔ مجھے آپ کا احسان نہیں چاہیے۔" اس نے صاف منع کیا۔
"احسان کی کیا بات ہے۔ ہم آپس میں کزن بھی تو ہیں۔" نیلم نے کہا تو حذیفہ نے رک کے اسے دیکھا۔
"یہ بات تمہیں اب یاد آئی ہے کیا؟" اس نے استری کا پلگ لگاتے ہوئے طنز کیا۔
"آگہی کے لیے تو ایک لمحہ بھی کافی ہوتا ہے حذیفہ! لیکن اچھی بات یہ ہے کہ انسان اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے اپنی تصحیح کر لے۔"
"بڑے فلسفے جھاڑ رہی ہو۔" حذیفہ نے ایک نظر دیکھا۔
"زندگی کا تجربہ بتا رہی ہوں تمہیں۔ انسان غلطی کیے جاتا ہے لیکن اسے خود بھی پتا نہیں ہوتا کہ کون سا لمحہ اس کی زندگی پلٹ سکتا ہے اور کون سا پچھتاوا اسے سبق دے سکتا ہے۔" نیلی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا لیکن حذیفہ کے ذہن پہ اس کی تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔
"مجھے مت سناؤ اور پلیز جاؤ یہاں سے.... مجھے دیر ہو رہی ہے۔ اپنا یہ فلسفہ اور ناکام محبت کی داستان جا کے اپنے لندن پلٹ تازہ منگیتر کو سناؤ۔" یہ کہہ کے وہ پلٹ گیا تھا۔ نیلم اپنی جگہ کلس کے رہ گئی تھی۔
"یہاں کیوں کھڑی ہو۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ اپنی خالہ اور آصف کے پاس ہی رہو۔" چاندنی بیگم نے زیور کے ڈبے اٹھا کے اپنے کمرے میں لے جاتے ہوئے کہا۔ نیلی نے گہری سانس بھری اور اس مخملی ڈبیا کو دیکھا جو ان بڑے ڈبوں کے اوپر رکھی تھی۔ نیلی جانتی تھی اس میں وہ انگوٹھی تھی جو کل شام شگن کے بعد پروین بیگم کو نیلی کی بڑی چچی ہونے کے ناتے تحفے کے طور پہ دی تھی اور چاندنی بیگم نے وہ انگوٹھی پروین بیگم سے لے لی تھی۔ بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتی تھیں کہ ان کے پاس اتنی قیمتی چیز رہے۔
"جا رہی ہوں۔ بس یہ حذیفہ کی شرٹ پریس کر رہی تھی۔" نیلم نے مسکرا کے ماں سے جھوٹ بولا۔ نجانے کیوں اس کا دل چاہا تھا کہ وہ ان کے مزاج کے خلاف بات کر کے انہیں تپا دے اور خود ہنستی رہے۔
"تم پاگل ہو گئی ہو کیا۔۔۔ اس کے کپڑے تم کیوں کرو گی پریس.... رکھو فوراً" اور جاؤ خالہ کے پاس۔۔۔" انہوں نے اسے گھرکا تھا۔
"ماما! حذیفہ میرا کزن ہے اور اس کا کام کرنا مجھے خوشی تو دے سکتا ہے لیکن میری توہین نہیں ہو سکتی۔" نیلم نے آگے بڑھ کے پیار سے ان کے گلے میں بازو حمائل کر دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

"یہ نبیل بھائی نے تمہارے لیے دیا تھا۔" رکزی نے پیکٹ عبیر کی گود میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔
"تمہیں یہ یہاں نہیں لانا چاہیے تھا رکزی۔" عبیر نے کچھ دیر کی خاموشی بعد اس سے کہا۔
"لیکن کیوں۔۔۔ کیا فارہ کی وجہ سے میں تمہیں اتنے اچھے اور بہترین تحفے سے محروم کر دیتی جبکہ میں جانتی بھی ہوں کہ تمہیں ان کی کتنی ضرورت ہے۔ دیکھو اس میں فارم بھی ہے۔" رکزی کے لہجے میں حیرت تھی۔
"فارہ باجی نے نبیل بھائی کو آج ہمارے دروازے پہ دیکھ لیا تھا۔" عبیر نے سرسراتے ہوئے لہجے میں بتایا۔
"ہاں تو.... " رکزی نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔ "اب کیا فارہ کی گھٹیا سوچ کی وجہ سے تم ہم سے بھی کنارا کر لو گی۔ پہلے کیا کم بیڑا غرق کیا ہے انہوں نے تمہاری شخصیت کا جو تم اب بھی.... خدا کے لیے عبیر! اپنی حالت پہ رحم کرو پہچانو خود کو.... تم

خود کو بس ضائع کر رہی ہو غصے سے رکزی بات بھی مکمل نہیں کر پائی۔

"تو کیا کروں میں بولو۔ کہاں جاؤں؟" عبیر کا لہجہ بھر آگیا تھا۔ یہ سچ تھا کہ جب سے وہ نبیل سے ملی تھی اس کی سوچ میں واضح تبدیلی آئی تھی' اسے اپنا آپ نظر آنے لگا تھا۔ وہ اب خود کو اتنا ناکارہ نہیں سمجھتی تھی جتنا پہلے سمجھا کرتی تھی لیکن وہ ابھی کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔

"تم اپنا ماسٹرز کمپلیٹ کرو اور اس کے بعد سی ایس ایس کر لینا۔" رکزی نے چٹکی بجاتے حل پیش کیا۔

"سی ایس ایس... اور میں؟" عبیر نے بے ساختہ اپنی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں اور مجھے یقین ہے کہ تم کر لو گی۔ باقی نبیل بھائی تمہاری ہیلپ کر دیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ یہیں پہ شفٹ ہو جائیں۔" رکزی نے کچھ سوچ کے مسکراتے ہوئے عبیر کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن فارہ باجی نہیں مانیں گی اور شاید بابا بھی۔" عبیر ایک دم ہی مایوس ہوئی تھی۔ فارہ تو پہلے ہی اسے اخراجات کم کرنے کی تلقین کیا کرتی تھی۔ پڑھائی کا خرچا کیسے کرنے دیتی۔

"تم اپنے بابا سے بات تو کر کے دیکھو۔ ایک بار۔ مجھے یقین ہے' وہ مان جائیں گے۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ بابا مانیں گے اور پھر ایڈمیشن فیس بھی تو بہت زیادہ ہے' بابا اتنا افورڈ نہیں کر سکیں گے۔" وہ مایوس ہوئی۔

"اس کی تم فکر نہیں کرو۔ ایڈمیشن کے پیسے ملا تمہیں دے دیں گی یا میں بابا سے منگوا لوں گی لیکن تم بس آگے ایڈمیشن لو۔"

"لیکن پھر بھی رکزی! باقی کے اخراجات؟"

"تو جاب کر لینا ناں... پہلے بھی تو فارہ نے تمہیں اپنا خرچا خود اٹھانے کو کہا ہے ناں۔"

رکزی نے اس رات اس کی آنکھوں میں بڑے سہانے خواب سجائے تھے جو جگنوؤں کی مانند چمکتے تھے' لیکن وقت کی بے رحم ہوا نے وہی خواب' وہی جگنو بڑی بے دردی سے اس کی آنکھوں سے نوچے تھے کہ عبیر اندھی ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"سنو! میرا ایک کام کرو گے؟"

وہ جو پورچ میں کھڑا اپنی لینڈ کروزر کا بونٹ کھولے کھڑا تھا' نیلم کے اچانک کہنے پہ چونکا۔

"کیسا کام...؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے ساتھ والے گاؤں جانا ہے۔ میری دوست کی شادی ہے۔" نیلی کے لہجے میں لجاجت تھی۔

"رحیم دین سے بول دو' مجھے چچا جان کے ساتھ جانا ہے۔" حذیفہ نے اسے دیکھتے ہی انکار کیا تھا۔

"تو تم نہیں جا رہے..." نیلی نے منہ بنایا اسے غصہ تو آیا تھا۔ مگر وہ اب یہ حق کھو چکی تھی۔

"نہیں... مجھے چچا جان کے ساتھ اسمبلی میں جانا ہے۔" نیلی کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ یعنی وہ لاہور جا رہا تھا۔

"تو کیا تم رات کو آجاؤ گے؟" نیلی نے حساب لگاتے ہوئے کہا۔ حذیفہ نے اسے ایک نظر دیکھا۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں ایسے لگتا تھا جیسے وہ کئی راتوں سے سوئی نہیں تھی۔

"تمہارا منہ کیوں اترا ہوا ہے؟" حذیفہ نے جانے کس موڈ میں ہونے کے تحت پوچھا۔

"تم جو نہیں لے کے جا رہے..." نیلی نے منہ پُھلا کر کہا۔

"اچھا!! مجھے لگا شاید آصف کے ساتھ منگنی ہو جانے کا دکھ ہے۔" وہ طنز نہیں کر رہا تھا لیکن نیلی کو وہ طنز کی طرح چبھا تھا۔

"مذاق تو مت اڑاؤ میرا حذیفہ... محبت نہ ملنے کا دکھ تم نہیں جان سکتے۔" نیلی کا لہجہ آزردہ ہو گیا۔

"ایسی محبت جو والدین کی عزت کو خاک میں ملا دے' ایسی محبتیں نہ ملیں تو ہی بہتر ہے ورنہ ہم والدین کو کیا' کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔" حذیفہ نے گاڑی کا بونٹ بند کرتے ہوئے سرسری سے

لہجے میں کھری بات کر دی تھی۔

"محبت اعزاز ہوتی ہے' رسوائی نہیں۔۔۔ اور اسے اعزاز کی طرح ہی لیا جاتا ہے مگر تم نہیں سمجھو گے۔" نیلی کو برا لگا تھا۔

"جو محبتیں اعزاز کی طرح ملتی ہیں' ان کے لیے نہ چھپ چھپ کے ملنا پڑتا ہے نہ ہی راتوں کو جاگ جاگ کے ماں باپ کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ضرورت ہوتی ہے۔" نیلی کا اس بات پہ سانس رک گیا۔ تو کیا وہ سب جانتا تھا؟

"تت۔۔۔ تم سے کس نے کہا کہ میں رات بھر جاگ کے اس سے باتیں کرتی ہوں؟" وہ ہکلا گئی۔

"میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کتنی ہی بار تمہارے کمرے میں بھی آچکا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے' اس رات جب وہ تمہارے کمرے میں آیا تھا تو کیا مجھے پتا نہیں چل سکا تھا۔" وہ ایک قدم اس کے قریب آیا۔ نیلم وہیں جمی رہ گئی۔

"میں اس وقت بھی جانتا تھا کہ وہ تمہارے کمرے میں کیوں آیا ہے۔ مجھے تو بہت عرصے سے تم پہ شک تھا۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کے نیلی کی اڑتی رنگت دیکھی۔

"لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ تمہارے بابا جیسے لالچی شخص تمہاری شادی اس کے ساتھ کبھی نہیں ہونے دیں گے۔ بہتر ہے کہ تم آصف کے ساتھ ہی شادی کر لو۔" حذیفہ نے اپنے تئیں اسے مشورہ دیا۔

"تم نے بابا کو تمہیں بتائی یہ بات۔۔۔؟" نیلی نے سراسیمہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"اتنی عقل ہے مجھ میں کہ کیچڑ سے اپنا دامن بچا کے چلوں۔" اس نے لاپروائی سے لیکن جتلاتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

تم میں ہمت ہے تو دنیا سے بغاوت کر دو
ورنہ ماں باپ جہاں کہتے ہیں شادی کر لو

حذیفہ نے بڑی ترنگ سے اور بڑا ہی لہک کے یہ شعر اسے سنایا تھا بلکہ جلایا تھا۔

"اپنے مشورے اپنے پاس ہی رکھو تم۔" نیلی کو ایک دم ہی غصہ آگیا تھا۔ حذیفہ کاندھے اچکا کے رہ گیا تھا۔۔۔ جب صیاد خود ہی دام میں آنے کو تیار تھا تو پھر اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ اسے خبردار کرتا۔

"نیلم! تم یہاں پہ کیا کر رہی ہو؟" اسی وقت دروازہ کھلا اور اندر سے چاندنی بیگم باہر آئی تھیں نیلی نے انہیں دیکھ کے ایک کھا جانے والی نظر سے حذیفہ کو دیکھا اور پھر چاندنی بیگم کو' ایک تو وہ ہروقت بس اس کی ٹوہ میں لگی رہتی تھیں۔

"مجھے ماریہ کی شادی میں جانا تھا۔ اسی لیے اس سے کہہ رہی تھی کہ یہ چھوڑ آئے لیکن یہ مان ہی نہیں رہا۔" نیلی نے ماں کی جانب بڑھتے ہوئے بتایا۔

"تو رہنے دو' میں تمہیں بھجوا دیتی ہوں۔ تمہیں کیا ضرورت ہے اس کے منہ لگنے کی۔ ویسے بھی اب تم ایسے چھوٹے لوگوں کے منہ مت لگا کرو۔ تمہارا معیار اب پہلے سے بہت بلند ہو گیا ہے۔" چاندنی بیگم کے لہجے میں تفاخر تھا۔

"ماما پلیز' ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ سب انسان برابر ہیں۔ کوئی چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا اور حذیفہ میرا کزن ہے۔ میرے چاچو کا بیٹا۔"

نیلم ایک دم ہی چڑ گئی تھی۔ اسے آج کل اپنی ماں کی ایسی باتیں کچھ زیادہ ہی چبھنے لگی تھیں۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ جانتی تھی کہ ٹیپو کا معیار بھی ان کے جتنا نہیں ہے۔

"اچھا چھوڑو یہ سب۔۔۔ میں تمہارے بابا سے کہتی ہوں کہ وہ تمہیں بھجوا دیں۔" وہ یہ کہہ کے اندر بڑھ گئی تھیں نیلی بھی ان کی تقلید میں بڑھنے ہی لگی تھی کہ حذیفہ کی آواز نے اسے رک جانے پہ مجبور کر دیا۔

"سن لیا' ابھی میں نے کیا کہا تھا تم سے۔ تمہارے والدین اسٹیٹس کو بہت اہمیت دیتے ہیں' اس لیے آصف سے بہتر کوئی نہیں تمہارے لیے۔" وہ ہونٹوں پہ مسکراہٹ سجائے شرارت سے کہہ رہا تھا۔

"اللہ کرے کہ تم مر جاؤ منحوس انسان۔۔۔!" نیلی کلس کے بے اختیار بولی تھی۔

"دعا کرو' لاہور جا رہا ہوں' واپس نہ آؤں لیکن اتنا

یقین رکھو کہ تمہاری محبت کے درمیان میں دیوار نہیں بنوں گا۔" وہ ہنسا۔

نیلی اسے غصے سے دیکھ کے اندر بڑھ گئی تھی لیکن اس دن حذیفہ لاہور نہیں جا سکا بلکہ اسے نیلی کو واپس لانا پڑا تھا۔ اس شام بہت زور کی بارش ہوئی تھی اور چاندنی بیگم نیلی کے حوالے سے بہت پریشان تھیں جبکہ نیلم نے انہیں کہا بھی تھا کہ وہ اپنی دوست کے گھر رک جائے گی لیکن وہ اس معاملے میں حد سے زیادہ محتاط تھیں۔

وہ نیلم کو گھر سے باہر رات رکنے کی اجازت نہیں دیا کرتی تھیں بلکہ وہ تو اسے اکیلا بھیجنے پر بھی تیار نہیں تھیں لیکن نیلم نے وہاں پہنچ کے اپنے ساتھ آئی ہوئی ملازمہ کو ڈرائیور کے ساتھ واپس بھجوا دیا تھا۔۔۔ لیکن جب شام کو بارش ہونے لگی تو انہیں مجبوراً" ہی چھوٹے لوگوں سے رابطہ کرنا پڑ گیا تھا۔ حذیفہ اپنے کمرے میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا جس وقت ملازمہ چاندنی بیگم کا پیغام لے کے آئی تھیں کہ جا کے نیلم کو لے آئے۔ حذیفہ نے صاف منع کر دیا تھا لیکن پروین بیگم کے کہنے پہ اسے جانا پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا دے کے گئی ہے رکزی۔۔۔ وہی تحفہ ناں جو میری وجہ سے اس وقت تم نے اس سے نہیں لیا تھا۔" اگلی صبح فارہ نے پوچھا تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ فارہ اس طرح کی بات بھی کر سکتی ہے۔ عبیر سن ہو گئی۔

"اب خاموش کیوں ہو گئی ہو، جواب دو۔" فارہ نے اسے طنزیہ مگر سرد نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ برآمدے میں ناشتہ کرتے ہوئے سلطان احمد بھی چونک سے گئے۔

"فارہ باجی۔۔۔ بابا کے جانے کے بعد بات کروں گی۔"

"تمہارے باپ کو بھی تو پتا چلنا چاہیے کہ کل تم کیا کارنامہ سرانجام دینے لگی تھیں۔" فارہ بپھری۔ عبیر کو لگا وہ پتھر کا بت بن گئی ہے۔

"پوچھیں ناں اپنی لاڈلی سے سلطان! اب گونگے کا گڑ کیوں کھا لیا ہے آپ نے۔۔۔ اپنی حیرت سے باہر نکلیں۔" فارہ پلٹ کے سلطان احمد پہ چلائی۔

"پوچھیں اس سے۔۔۔ یہ کیا چھپا رہی ہے ہم سے؟ کب سے چل رہا ہے اس کا چکر۔ بہتیرا میں نے اسے رکزی کے گھر جانے سے منع کیا لیکن اس نے میرا کہنا نہیں مانا۔۔۔ وہ لڑکا اسے طرح طرح کے تحائف دیتا رہا' اس کی الماری کھول کے دیکھیں اور اب رات ہی اسے رکزی کوئی پیغام یا تحفہ دے کے گئی ہے۔ سن لیں سلطان! یہ لڑکی کوئی گل کھلائے گی اور میرے اور آپ کے سر میں خاک ڈالے گی۔" فارہ ایک ہی سانس میں کہتی چلی گئی۔ سلطان احمد حیرت سے اٹھ کے عبیر کے پاس آئے اور عبیر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح سے فارہ کا منہ بند کرے' وہ کیوں اس طرح اس کے باپ کے سامنے باتیں کر رہی تھی جب کہ وہ جانتی بھی ہے کہ عبیر ایسی لڑکی ہے نہ ہی ایسی کوئی حرکت کر سکتی ہے۔ نہ ہی کل اس کی گھر واپسی پہ ایسی کوئی بات ہوئی ہے۔

"سلطان! آپ خاموش کیوں ہیں۔ آخر اپنی بیٹی سے کوئی سوال کیوں نہیں کرتے؟؟"

فارہ نے حیرت سے سن کھڑے سلطان کو جھنجھوڑ دیا تھا۔

"اگر وہ لڑکا اس میں انٹرسٹڈ ہے تو اپنے والدین کو بھیجے۔ ہمارا تو سب کچھ پہلے ہی لٹ چکا ہے۔ ایک عزت تو رہنے دے ہمارے پاس۔"

فارہ اونچا اونچا چلاتے ہوئے سلطان کے بجائے عبیر کو دیکھتے کہتی رہی۔ عبیر کا دل چاہا کہ وہ آگے بڑھ کے فارہ کے منہ پہ ہاتھ رکھ دے۔ لیکن اس نے خود میں اتنی سکت بھی نہیں پائی کہ وہ اسے روک دے یا اس کی کہی باتوں کی نفی کر سکے۔ وہ تو ابھی تک کھڑی فارہ کے ڈرامے کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"عبیرہ! تمہاری ماں جو کہہ رہی ہے کیا وہ سچ ہے؟" بہت دیر گزر جانے کے بعد سلطان سنبھلے تو پوچھ

بیٹھے۔

"تو کیا میں جھوٹ کہوں گی آپ سے... میں ثابت کر سکتی ہوں۔" اگلے ہی لمحے فارہ اندر سے جا کے وہ تحفہ سامنے کرتے ہوئے جتلاتے ہوئے بولی۔ عبیر کے سر پہ برآمدے کی چھت آن گری۔ وہ کھڑے قد سے گری لیکن اس نے اپنی تمام ہمت مجتمع کرتے ہوئے بولنے کی سعی کی۔ اسے سب ختم ہونے سے پہلے بولنا تھا۔

"بس کر دیں فارہ باجی... بابا! یہ سچ نہیں ہے 'یہ جھوٹ بول رہی ہیں۔" عبیر روتے ہوئے باپ کے پاس آئی۔ سلطان احمد نے خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ عبیر کو ان آنکھ میں شکوہ نظر آیا۔

"کیا نام ہے اس لڑکے کا؟" سلطان احمد نے اپنی خالی خالی نگاہیں عبیر کے چہرے پہ جمائیں۔

"نبیل ہے۔ مجھ سے پوچھیں... رکزی کا کزن ہے۔ فیصل آباد سے یہاں آیا ہوا ہے سی ایس ایس کے پیپر دینے۔ پچھلے ایک مہینے سے یہیں پہ ہے۔ وہیں سے چکر چلا آپ کی بیٹی کا۔" جواب عبیر کے بجائے فارہ نے دیا۔ عبیر بس پھٹی پھٹی نگاہوں سے سلطان اور پھر فارہ کی فراٹے بھرتی زبان کو دیکھتی رہی۔ وہ کس روانی سے جھوٹ بول رہی تھی۔

"اسے بلا کے لاؤ عبیر... مجھے اس سے بات کرنی ہے۔" سلطان نے اچانک ہی عبیر سے کہا تھا۔ عبیر کتنے ہی لمحے سمجھ نہیں سکی 'سلطان احمد اس سے کیا کہہ رہے تھے 'اس بات کا کیا مقصد تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہیں باپ کے چہرے پہ جمائے انہیں دیکھتی رہی۔

"میں نے کہا عبیر! اس لڑکے کو بلا کے لاؤ۔" سلطان احمد اسے اپنی جگہ پہ جما دیکھ کے ہلکا سا چلائے تھے۔

"بابا وہ..." عبیر ہکلا گئی۔

وہ کیسے اپنے باپ کو بتاتی کہ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے جو ماں باپ کی نگاہوں میں دھول جھونکے۔ وہ ایسی لڑکی بھی نہیں ہے کہ اپنے بابا کو دکھی کر دے لیکن الفاظ نجانے کہاں گم ہو گئے تھے 'جو حلق سے آواز آتا ہی بند ہو گئی تھی۔

"اسے بلا کے لاؤ عبیر... ابھی ورنہ۔"

سلطان احمد گرجے فارہ نے فاتحانہ انداز میں عبیر کی جانب دیکھا۔ اسے اپنی منزل قریب نظر آئی۔ سلطان احمد کو اپنی بیٹی کی محبت کا بخار کچھ زیادہ ہی چڑھنے لگا تھا پھر ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ فارہ کوئی روانہ کرتی۔

"جاؤ!" سلطان احمد اب کی بار اس قدر زور سے گرجے کہ عبیر الٹے قدموں گیٹ کی جانب بھاگی۔ اسے یکلخت اپنے باپ سے خوف آیا۔ اس نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس کی... سلطان احمد کو اتنا غصہ آج سے پہلے نہیں آیا تھا۔

فارہ دو قدم آگے بڑھی۔ سلطان کو تھام کے بٹھا دیا۔ سلطان کسی مزاحمت کے بغیر بیٹھ گئے۔

☼ ☼ ☼

عبیر حواس باختہ سی رکزی کے گھر میں کھڑی تھی۔

"نبیل بھائی کہاں ہیں؟" عبیر کے لہجے میں اضطراب اور ایسی تڑپ تھی کہ رکزی چونک گئی۔

"بتاؤ ناں رکزی... نبیل بھائی کدھر ہیں۔"

"کیا بات ہے عبیر! اتنی تڑپ کیوں رہی ہو۔" رکزی کو اس کی بے چینی بری طرح سے کھلی تھی۔

"بعد میں بتاؤں گی 'پہلے مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں پہ ہیں مجھے انہیں بابا سے ملوانا ہے۔"

عبیر نے روتے ہوئے رکزی کو بتایا تو ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں رکزی بات کی تہہ تک پہنچی تھی۔ تو فارہ نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔ رکزی کو افسوس ہوا۔

"تم خاموش کیوں ہو رکزی... مجھے بتاؤ وہ کہاں ہیں۔ وہ بابا کو بتا دیں گے کہ سچائی کیا ہے۔ میں بری لڑکی نہیں ہوں۔ میں گھر سے بھاگ نہیں رہی تھی میرا نبیل بھائی کے ساتھ ایسا کوئی تعلق نہیں تھا جو میری باپ کی عزت مٹی میں رول دے یا ان کا سر جھکا دے..." عبیر تڑپ تڑپ کے روتی ہوئی رکزی کو

ساری بات جتا گئی۔

"کہاں ہیں نبیل بھائی؟" عبیر نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے ہچکی لے کے کہا۔

"وہ تو چلے گئے۔" رکزی نے افسوس سے عبیر کو دیکھا جو خواہ مخواہ ہی مشکل میں پھنس گئی تھی۔

"چلے گئے....." عبیر کو لگا قیامت آچکی ہے۔ وہ اب کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔ اپنے باپ کی آنکھوں میں اپنے لیے بے اعتباری دیکھنا دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔ عبیر بے ساختہ زمین پہ بیٹھ گئی۔ اس کی آخری امید بھی دم توڑ چکی تھی۔ وہ کیسے اب اپنے بابا کو یقین دلائے گی کہ فارہ بابی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔ رکزی نے افسوس سے عبیر کو دیکھا اور اس کے پاس زمین پہ آ بیٹھی' نرمی سے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔

"عبیر' نبیل بھائی اب واپس نہیں آئیں گے۔ وہ بس چند دنوں کے لیے آئے تھے۔" رکزی نے آہستہ سے بتانا شروع کیا۔ عبیر خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی کچھ بول نہیں پائی۔

"تم بھی جاؤ اور اپنے بابا کو بتادو کہ تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ خود کو مضبوط بناؤ ورنہ زمانہ تمہیں روند دے گا۔"

"ایک بار نبیل اگر بابا جان کو بتادیں گے تو وہ میرا یقین کرلیں گے۔ پلیز رکزی! میں بابا کی نظروں میں گرنا نہیں چاہتی؟"

رکزی کو اس کی حالت پہ افسوس ہوا۔ نبیل بھائی کو اس نے کتنا منع کیا تھا کہ عبیر کے ساتھ دوستی کی بنیاد نہ رکھیں۔ فارہ کو یہ بات کبھی بھی اچھی نہیں لگتی تھی کہ عبیر سر اٹھا کے جیسے وہ خود کو پہچانے۔ اپنی صلاحیتوں کو جانچے لیکن ان کے سر پہ تو بس دھن سوار تھی کہ عبیر جیسی لڑکیوں کو خود اعتمادی دینے کی کوشش کرنی ہے۔ سب انسان مکمل ہیں۔ کوئی ادھورا نہیں ہے۔ کوئی شخص اگر ایسی کوئی غلط فہمی پالتا ہے تو نہ پالے..... تخلیق کار نے اپنی تخلیق میں کسی کو ادھورا نہیں چھوڑا۔ وہ تو خود مکمل ہے' اپنی ذات میں یکتا و کامل ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی تخلیق میں کسی سے ناانصافی کردے۔

رکزی نے دکھ سے عبیر کو دیکھا۔ کاش کہ اس وقت نبیل بھائی یہاں ہوتے۔ وہ انہیں بتا سکتی کہ زمین کے ناخدا کیسے اپنے خالق کے بنائے اصولوں سے انحراف کرتے ہوئے لوگوں کی زندگیاں خاک کر دیا کرتے ہیں..... عبیر وہاں بیٹھی رو رہی تھی۔ رکزی سوچتی رہی لیکن اسے تسلی نہ دے سکی۔

☆ ☆ ☆

سلطان عبیر کے جانے کے بعد کتنی ہی دیر افسوس کی کیفیت میں گھرے رہے۔ فارہ نے آگے بڑھ کے انہیں کرسی پہ بٹھا دیا تھا۔ وہ کسی بے جان چیز کی طرح کرسی پہ گر سے گئے۔

"سلطان! کیوں ٹینشن لے رہے ہیں۔ شکر کریں کہ مجھے بروقت پتا چل گیا ورنہ تو یہ لڑکی اپنی بے وقوفی میں نجانے کیا کر ڈالتی۔" فارہ نے جلتی پہ تیل ڈالتے ہوئے سلطان سے بظاہر ہمدردی سے کہا۔

"پہلے کون سا کم ٹینشنز میں گھرا ہوں جو یہ ایک نئی مصیبت آگئی۔" سلطان احمد بولے تو لہجے میں بے بسی تھی۔ "اسے بلا کے لاؤ فارہ! اگر وہ لڑکا عبیر کے ساتھ سنجیدہ ہے تو میں دس دن کے اندر ہی اس کی شادی کر دوں گا۔"

"عبیر کی شادی.....؟" فارہ کو لگا اس نے غلط سنا ہے۔ اس نے یہ چال عبیر کو باپ کی نظروں میں گرانے کے لیے چلی تھی۔ اس کی اتنے اچھے لڑکے کے ساتھ شادی کے لیے تو نہیں اور فارہ کو تو یہ بھی پتا تھا کہ وہ لڑکا عبیر کے ساتھ شادی نہیں کرے گا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ وہ لڑکا عبیر سے شادی کرے گا۔ ایسے لڑکے صرف دل لگی کیا کرتے ہیں۔"

"بس کردو فارہ۔ بس کردو۔ کیوں میرے زخموں پہ مزید نمک چھڑک رہی ہو۔" سلطان احمد بے بسی سے کہہ کے چلائے تو فارہ کی زبان کو چپ لگ گئی۔

"اچھا ٹھیک ہے' آپ فکر نہیں کریں۔ میں جلد

ہی اس کے لیے کسی نہ کسی کو راضی کرلوں گی۔" فارہ نے ایسے بات کی جیسے احسان کر رہی ہو۔

"عبیر واپس کیوں نہیں آئی ابھی تک...؟" سلطان احمد کی سوئی عبیر کی جانب ہی اٹکی ہوئی تھی۔ نجانے ان کی تربیت اور محبت میں کہاں کمی رہی تھی کہ عبیر ایسی کسی لغزش کا شکار ہو گئی تھی مگر ایسے میں وہ یہ بھول گئے تھے کہ انہوں نے اسے خصوصی توجہ دی ہی کب تھی۔

"آجائے گی۔ آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔" فارہ نے ان کی غیر ہوتی حالت دیکھ کے انہیں پانی کا گلاس پکڑاتے ہوئے کہا۔

"عبیر نے ایسا کیوں کیا؟" سلطان نے پانی کا گلاس ایک ہی سانس میں ختم کرتے ہوئے کہا تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا سلطان... گئی تو ہے وہ اسے بلانے کے لیے۔" فارہ اب اس سارے قصے سے بے زار ہونے لگی تھی۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور وحشت زدہ سی عبیر اندر داخل ہوئی۔ وہ اکیلی تھی سلطان احمد جہاں کے تہاں رہ گئے تھے۔ کم از کم انہیں یہ امید نہیں تھی کہ فارہ کی کہی ہوئی یہ بات بھی سچ ثابت ہوگی۔ عبیر اپنے قدموں کو گھسیٹ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی اور سرخ ہوئی تھیں جیسے وہ بہت دیر تک روتی رہی تھی۔ فارہ نے اسے نفرت و بے زاری سے دیکھا۔ "کیا ہوا، تم اکیلی کیوں آگئیں؟" سلطان بے تابی سے اس کی جانب بڑھے تھے۔ عبیر کے الفاظ اپنے باپ کی حالت دیکھ کے ایک بار پھر گم ہو گئے۔

"بولو ناں عبیر... کیوں میری جان کی دشمن بنی ہوئی ہو۔ کہاں ہے وہ لڑکا؟ اسے اپنے ساتھ کیوں نہیں لائیں تم...؟"

"وہ... وہ..." عبیر نے تھوک نگلا۔ وہ کیسے اپنے باپ کو صفائی دے سکے گی اپنی۔

"بتاؤ عبیر!" سلطان احمد کے لہجے میں وحشت گھر کرنے لگی۔

"بابا! وہ تو چلا گیا۔" عبیر نے کہہ کے اپنی آنکھیں میچیں۔ سلطان احمد بغیر کچھ کہے اندر بڑھ گئے۔ ان کے سینے میں اچانک ہی درد اٹھا تھا۔ فارہ عبیر کو... نفرت سے دیکھ کے اندر بڑھی تھی۔ عبیر وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بابا کی لاڈلی کیا کر رہی ہے؟" وہ جو اپنے کام میں منہمک تھی اس سوال پر چونکی۔ اسے خوشگوار حیرت ہوئی پر شکر ہے کہ اس کی جان نہیں نکلی۔ ہینڈسم اس کے فلور پہ از خود چل کے آیا تھا۔

"زہے نصیب... آنے سے پہلے بتا دیتے تو میں راہوں میں پھول بچھا دیتی۔" وہ مسکرا کے کھڑے ہوتے ہوئے بولی تو ہینڈسم ہنسا۔ اس نے سرمئی دھاری کی سیاہ شرٹ کے ساتھ بلیک جینز پہن رکھی تھی۔

"اچھے لگ رہے ہو۔" بابا کی لاڈلی مسکرائی۔ اس کی آنکھیں تو ویسے بھی چمکنے لگتی تھیں اسے دیکھ کے۔

"تھینک یو، تم بھی بہت اچھی لگ رہی ہو۔" اس بات پہ وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

"ایک ہی وقت میں دو جھٹکے... ہینڈسم! مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر کے آئے ہو کیا... میں تو ابھی تک اس حیرت سے ہی نہیں نکلی کہ تم خود چل کر مجھ سے ملنے میرے آفس میں آئے ہو۔"

"اچھا اب طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا۔" وہ جھینپ گیا تھا۔ بابا کی لاڈلی کا قہقہہ ابلا۔

"تم شریر ہو ہینڈسم... اوہ ریئلی! تم ایسا بھی کر سکتے ہو۔ کتنے معصوم لگ رہے ہو تم۔" وہ حیران تھی لیکن بہت خوش تھی۔

"میں معصوم ہوں۔ سمجھیں آپ..." ہینڈسم نے منہ پھلایا۔

"اچھا مان لیا... یہ بتاؤ کافی پیو گے؟" اس نے مان تو لیا لیکن اس کے چہرے پہ صاف لکھا تھا کہ وہ اس بات

سے انکاری ہے۔ بابا کی لاڈلی نے انٹر کام کا چونگا اٹھایا لیکن اس نے منع کر دیا۔

"نہیں' کھانا کھاؤں گا لیکن باہر چل کے.... اس روز میں نے تمہیں کوئی گفٹ نہیں دیا تھا۔ آج اپنی پسند کا کچھ خرید لو جا کے۔" ہینڈسم نے فیاضی دکھائی۔

"اچھا تو کیا گفٹ کرنے والے ہو مجھے؟" اس کے ساتھ کوریڈور سے باہر نکلتے ہوئے وہ اپنے لمبے اسٹریپس والا ڈیزائنر بیگ اپنے کاندھے پہ ڈالتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"جو میری جیب اجازت دے' اسی حساب سے لے لینا۔" ہینڈسم اب اتنا بھی اچھا نہیں تھا کہ یہ کہہ دیتا کہ جو تمہارا دل چاہے۔

"جیب کی چھوڑو' اپنے دل کی بات کرو بس۔" وہ چلتے چلتے رکی تو ہینڈسم کو بھی رکنا پڑا۔ زویا نے اس کی آنکھوں میں دیکھا' اسے وہاں اپنا موہوم سا عکس نظر آیا وہ تتلی بن کے ہواؤں میں اڑنے لگی۔

"ایک سیلفی لے لوں تمہارے ساتھ....؟" اچانک اس نے فرمائش کی۔

"ہاں ضرور۔" ہینڈسم نے اپنا موبائل نکالا اور اپنی اور اس کی سیلفی لی۔ زویا کی آنکھوں میں موتی چمکے۔ وہ کتنے عرصے سے اس خواہش کی تکمیل کی منتظر تھی لیکن کچھ باتوں کے لیے وقت مقرر ہوتا ہے۔ انہیں ہم اپنی مرضی و خواہش کے لیے جتنا بھی چاہیں لیکن پورا نہیں کر سکتے۔

اس روز انہوں نے بہت اچھا سا کھانا بھی کھایا اور ڈھیروں باتیں بھی کیں۔ وہ جس ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے اس کے سامنے ہی ایک بہت بڑا شاپنگ مال تھا جہاں سے زویا شاپنگ کرتی تھی اور جو کافی مہنگا بھی تھا۔

"چلیں وہاں...؟" کھانا کھانے کے بعد زویا نے ہینڈسم کی جانب دیکھ کے بڑے جوش سے پوچھا تھا۔ وہ یہ جاننے کے لیے بہت پرجوش تھی کہ وہ اسے کیا گفٹ کرنے والا ہے۔

"پہلے کافی تو پی لو۔ مجھے تو کھانا کھانے کے فوراً بعد ہی کافی کی طلب بری طرح سے ہونے لگتی ہے۔" ہینڈسم نے سامنے سڑک کے پار کھڑے سات آٹھ سال کے بچے کو دیکھ کے جواب دیا جو کہ بار بار اپنا ہاتھ اپنی ماں کے ہاتھ سے چھڑانے کی کوشش کرتا تھا لیکن اس کی ماں اسے پھر پکڑ لیتی تھی۔ اس سڑک پہ کافی رش تھا۔

ہینڈسم نے اس منظر کو کسی حسرت زدہ بچے کی طرح ہی دیکھا۔ اچانک ہی اسے بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔

"بالکل بھی نہیں' تم ابھی چلو گے۔" زویا نہیں مانی۔

"یار! یہ زیادتی ہے۔" ہینڈسم نے کہا۔

"نہیں۔ اچھی کافی تو تمہیں اسی مال میں ملے گی۔ بس تم چلو یہاں سے۔"

"اچھا بھئی' آج کا دن آپ کے نام ہے۔ جیسے آپ کہیں۔" یہ کہہ کے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جب تک اس نے بل کی ادائیگی کی' زویا خوشی کے مارے دروازے کے پار جا چکی تھی اور وہاں سے اسے ہاتھ ہلا ہلا کے اشارے کر کے بلا رہی تھی۔ ہینڈسم کے ہونٹوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ ابھری۔ زویا کبھی کبھی بالکل بچی بن جاتی تھی۔

وہ دونوں وہاں سے پیدل ہی سڑک پار کر کے شاپنگ مال کی جانب بڑھنے ہی لگے تھے۔ سڑک پہ بہت رش تھا اور سڑک پار کرنے سے پہلے ہینڈسم نے احتیاطاً" بابا کی لاڈلی زویا بے چاری کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ زویا کو اس کی احتیاط اچھی لگی۔ وہ آنکھیں بند کیے اس کے ساتھ بس کہیں بھی جانے کو تیار تھی۔ جس وقت وہ لوگ سڑک پار کر رہے تھے اسی وقت وہ ماں بیٹا بھی سڑک پار کرنے لگے تھے۔ یہ لوگ شاپنگ مال کی جانب جا رہے تھے اور وہ ماں بیٹا شاپنگ مال سے نکلنے کے بعد اس کیفے کی جانب آ رہے تھے جہاں ابھی کچھ دیر پہلے ان دونوں نے بیٹھ کے کھانا کھایا تھا۔

اس بچے کی والدہ کے ہاتھ میں کافی سارے شاپنگ بیگز تھے جب ہی سڑک پار کرتے ہوئے وہ بچہ سامنے سے آنے والی گاڑی دیکھ نہیں پایا اور اچانک ہی کسی

گاڑی کے آگے آ کے کچلا گیا تھا۔ بچے کی ماں کی چیخیں سنائی دینے سے پہلے ہی ہینڈسم بھاگ کے اس بچے تک پہنچا تھا۔ بچے کو روند کے جانے والا بھاگ گیا تھا۔ ہینڈسم نے تڑپ کے اس سارے منظر کو دیکھا۔ وہ رہ نہیں سکا۔ اس سے پہلے کہ لوگ اس بچے تک پہنچتے وہ بھاگ کے اس تک پہنچا تھا۔

گاڑی اس بچے کے اوپر سے گزر گئی تھی جس کی وجہ سے اس کا سینہ بری طرح کچلا گیا تھا۔ بچہ خون میں لت پت تھا اور وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ زویا بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ وہاں لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا اور اس بچے کی ماں تڑپ تڑپ کے رو رہی تھی۔ ہینڈسم نے بے ہوش بچے کو جلدی سے اپنی گود میں اٹھا کے قدرے چلا کے زویا کو گاڑی اسٹارٹ کرنے کو کہا تھا۔ بچے کا کافی خون بہہ چکا تھا جو ہینڈسم کی شرٹ میں جذب ہو رہا تھا۔ وہ اور زویا جلدی سے اپنی گاڑی میں اس کی والدہ کو بٹھا کے اسپتال میں لے گئے تھے۔

ایمرجنسی میں داخل کروانے کے بعد وہ دونوں اس عورت کے پاس آئے تھے جو اس وقت خوف سے پیلی پڑ چکی تھیں۔ وہ اس عورت کا اکلوتا بچہ تھا جو شادی کے دس سال کے بعد اتنی منتوں مرادوں سے ملا تھا۔ وہ عورت اس شام اپنے بچے کو اس کی پسند کی شرٹ دلوانے کے لیے اسے وہاں سے لائی تھی۔ اس بچے کا باپ آج کل ملک سے باہر تھا اور اتفاق سے اس عورت کے پرس میں اب اتنے پیسے تھے نہ ہی اسے اپنا اے ٹی ایم کا پاس ورڈ یاد رہا کہ وہ اپنے بیٹے کے آپریشن کے لیے رقم دے سکتی۔

زویا اس خاتون کے پاس آئی تھی اور اس نے ان سے پوچھا تھا لیکن وہ اتنی گھبرائی ہوئی تھیں کہ انہیں یاد نہیں آ رہا تھا۔ لیکن زویا کو پتا تو اس وقت چلا جب ہینڈسم آپریشن کے لیے رقم جمع کروا کے اس کی رسید اس خاتون کو تھما رہا تھا۔ زویا کو پہلی بار اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ اس نے جس سے محبت کی ہے' وہ کوئی عام شخص نہیں ہے۔ وہ عام ہو ہی نہیں سکتا جو اپنی جیب سے اتنی بڑی رقم کسی ایسے بچے کے لیے دے دے جسے وہ جانتا ہے نہ ہی کوئی شناسائی کا رشتہ رکھتا ہے۔ اس شخص کا دل بھی کتنا پیارا ہو گا۔

اس بچے کے آپریشن تک وہ لوگ وہیں رہے تھے حالانکہ ہینڈسم نے زویا سے کہا بھی تھا کہ وہ اگر جانا چاہے تو واپس جا سکتی ہے لیکن ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اسے چھوڑ کے وہاں سے چلی جاتی جو اپنا سب کام چھوڑ چھاڑ کے اس اجنبی بچے کے لیے متفکر و پریشان ہو رہا تھا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں اور میں یہیں رہوں گی تمہارے پاس۔" زویا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"چلو' اچھی بات ہے' اس وقت خاتون کو تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔" یہ کہہ کے وہ ان خاتون سے نمبر لے کے ان کے خاندان والوں کو اطلاع دینے کے لیے فون کرنے لگا تھا۔

زویا جتنی دیر وہاں بیٹھی رہی بس اسے ہی دیکھتی رہی۔ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں تھا۔

بچے کا آپریشن ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اطمینان دلایا تو وہ لوگ واپس آ گئے تھے۔ لیکن اس سے اگلے دن بھی ہینڈسم آفس نہیں گیا بلکہ سیدھا اس بچے کے پاس ہاسپٹل پہنچا تھا۔

☼ ☼ ☼

شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا لیکن وہ اسی جگہ پہ زمین پہ بیٹھی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور بہت زیادہ گریہ زاری کرنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں اب اتنی زیادہ سوج چکی تھیں کہ عبیر کو اب انہیں کھولنے میں بھی دشواری پیش آ رہی تھی۔ سلطان احمد کی طبیعت خراب تھی اور فارہ ان کے ساتھ ہی لگی ہوئی تھی... عبیر کی ہمت ہی نہیں ہوئی دوبارہ ان کے سامنے جانے کی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا اس کے پاس کوئی سلیمانی ٹوپی ہو جسے وہ پہن کے غائب ہو جائے یا کوئی جادوئی چراغ جس سے وہ نبیل بھائی کو لا کے اپنے باپ کے سامنے کھڑا کر دے۔ لیکن اس کے بابا اس کے ساتھ

پہلے جیسے ہو جائیں۔ وہ بس ایک بار اس کا اعتبار کر لیں کہ عبیر اچھی لڑکی ہے۔ اس نے اپنے بابا کو دھوکا نہیں دیا وہ ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔

اسے رہ رہ کے سلطان احمد کی نگاہیں یاد آ رہی تھیں جن میں حیرت سے زیادہ صدمہ تھا اور صدمے سے بھی زیادہ بے یقینی تھی۔ عبیر کا دل کوئی چیز بڑی بے دردی سے چیر رہی تھی۔ شام کو رکزی اس کے پاس آئی تھی۔ وہ دروازے میں زمین پہ ہی بیٹھی تھی۔ وہ اس قدر لٹی پٹی نظر آ رہی تھی کہ رکزی کو ایک لمحے کو اسے دیکھ کے خوف آیا۔ اس کے چہرے پہ موت جیسی ویرانی تھی۔

"عبیر!" رکزی کو اس کی حالت نے ازحد دکھی کر دیا تھا۔ "کب سے بیٹھی ہو یہاں... کتنی دھول میں بیٹھی ہو' اٹھو یہاں سے۔" زمین پہ بیٹھنے کی وجہ سے اس کے سر اور چہرے پہ گرد تھی۔

"جو بیٹیاں اپنے والدین کی نظروں سے گر جائیں' وہ ایسے ہی دھول ہو جایا کرتی ہیں' جیسے میں ہو گئی ہوں۔" عبیر کی آنکھ سے آنسو گر کے بے مول ہو گیا۔ وہ کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہ جمائے کھوئی کھوئی بیٹھی رہی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا عبیر' حقیقت سامنے آ کے رہتی ہے۔" رکزی نے اسے تسلی دی۔

"کچھ ٹھیک نہیں ہوتا' کچھ ٹھیک نہیں ہو گا اب میری زندگی میں... میں اتنی خوش نصیب ہوتی تو میری ماں مجھے پیدا کر کے نہ مرتی۔" وہ درد کی انتہائی منزل پہ کھڑی تھی۔ اس وقت اسے کچھ سمجھانا بے کار تھا۔

"بابا نے میرا یقین نہیں کیا... انہیں اپنے خون پہ اعتبار کیوں نہیں رہا؟" عبیر کے سوالوں کا جواب رکزی کے پاس تھا نہ ہی اس کے دیے جواب عبیر کو مطمئن کر سکتے تھے۔ وہ بس اسے دیکھ کے رہ گئی۔

"کچھ کھایا تم نے؟"

"نہیں...!" عبیر نے اسی انداز میں کہہ کے سر ہلایا۔

"جو ہو چکا اس کے بعد کسی چیز کی گنجائش کہاں رہتی ہے۔" رکزی کا جی چاہا وہ وہاں سے اٹھ کے بھاگ جائے۔ وہ عبیر کی اتنی باتیں سننے کی ہمت خود میں نہیں رکھتی تھی۔

"عبیر! اٹھ جاؤ شام کے وقت زمین پہ نہیں بیٹھا کرتے۔" اس نے اسے اٹھانا چاہا۔ عبیر نے اپنے ہاتھ کھینچ لیا۔

"مگر ماتم تو ایسے ہی کیا جاتا ہے ناں۔ میرا آج سب کچھ چھن گیا۔ میرا باپ روٹھ گیا مجھ سے۔" عبیر کی حالت اچھی نہیں تھی۔ اسی وقت فارہ باہر نکلی تھی۔

"اوہ تو تم آئی ہو۔ کیا کوئی نیا پیغام دینے کے لیے۔ آخر کیا چاہتے ہو تم اور تمہارا آکزن۔ ہماری عزت خاک میں رولنے چلے تھے ناں... لیکن یاد رکھو' جب تک اللہ نہ چاہے تم لوگ ایسا نہیں کر سکتے۔" فارہ رکزی کو دیکھ کے چلائی تھی۔

"اللہ تو یقیناً" ایسا نہیں چاہے گا کہ اس کے بندے دکھی ہوں۔ یہ بس آپ جیسے لوگ ہی ہوتے ہیں جو اپنوں کو ایذا پہنچا کے سکون محسوس کرتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کا انجام بھی بہت بھیانک ہوتا ہے... یہ مت بھولیے گا۔" رکزی نے ٹھنڈے لہجے میں افسوس سے کہا تھا۔

"تمہاری وجہ سے آج ہماری بیٹی اس مقام تک پہنچی ہے کیا بتانے چلی تھیں۔ تم آخر اسے؟" فارہ کا سچ کا سامنا کرنے میں متامل ہونا فطری سی بات تھی۔ اسی لیے وہ رکزی پہ چلائی تھی اور اس لیے بھی کہ اندر لیٹے سلطان سن لیں اور اس لیے بھی کہ وہ آئندہ عبیر سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔

"میں اسے جو بتانا چاہتی تھی کاش اگر آپ اپنا ظرف بڑا کر کے بتا دیتیں تو شاید آج ایسے حالات نہ ہوتے..." یہ کہہ کے رکزی عبیر کو ایک نظر دیکھ کے وہاں سے چلی گئی تھی... فارہ اس کے جانے کے بعد سر جھٹک کے عبیر پہ برکی۔

"اسی لیے یہ لڑکی مجھے زہر لگتی تھی۔ اس کی دس گز لمبی زبان کی وجہ سے... دیکھ لیا اس سے دوستی کا انجام..." وہ عبیر پہ برسی۔ عبیر نے فارہ کی جانب

ایسی نظروں سے دیکھا کہ چند لمحوں کے لیے فارہ بھی گڑبڑا گئی۔

"اٹھو۔۔۔ اندر جا کے حلیہ درست کرو اپنا۔ بیٹھے بٹھائے مصیبت کھڑی کر دی تم نے ہمارے لیے اٹھ بھی جاؤ اب۔ شام کے وقت کیا نحوست پھیلا رہی ہو۔" فارہ بکتی جھکتی اندر بڑھ گئی تھی۔

عبیر اپنی ناتمام حسرتوں اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ماتم کرتی وہیں بیٹھی رہی۔

☆ ☆ ☆

"بابا!" دوسری صبح وہ ان کے کمرے میں ان کے سامنے کھڑی تھی۔ فارہ اس وقت سلطان کے لیے ناشتہ بنا کے لائی تھی۔ اس نے عبیر کو اس وقت ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔ وہ بے وقت کی مصیبت بن کے وہاں پہنچ گئی تھی۔

"اسے کہو' یہ یہاں سے چلی جائے فارہ!" سلطان احمد نے منہ موڑ لیا۔ عبیر تڑپ گئی' وہ اپنے باپ کی بے رخی سہ نہیں پا رہی تھی۔

"میری بات تو سن لیں بابا۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔" اس نے اپنی بات کہنے کی کوشش کی۔

"تو کیا ابھی کرنے کی کسر رہ گئی تھی۔" فارہ تنک کے بولی تھی۔

"میں بابا کو ہرٹ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔۔۔ بابا پلیز' ایک بار میرا یقین کر لیں۔" وہ روتے ہوئے ان کے قدموں کے پاس آ بیٹھی لیکن سلطان احمد نے اپنے پاؤں پیچھے کھینچ لیے۔

"یہاں سے چلی جاؤ عبیر۔۔۔ میں ابھی تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔" سلطان احمد نے اچانک بہت سختی اور درشتی سے اسے دیکھے بغیر کہا تھا' وہ کچھ کہے بغیر روتی ہوئی باہر آ گئی۔

اس نے ناشتہ نہیں کیا تھا نہ ہی فارہ نے اسے پوچھا تھا اور فارہ کے ہوتے ہوئے وہ کچن میں گئی ہی نہیں تھی' دوپہر تک ڈھیر سارا رو چکنے کے بعد اس نے کچن میں جا کے اپنے لیے ڈبل روٹی نکال کے انڈہ تل کے کھانا شروع کیا تھا جب ہی فارہ وہاں آ گئی تھی۔

"ویسے ڈوب کے مر جانے کا مقام ہوتا ہے عزت داروں کے لیے' باپ شرم سے مر رہا ہے کہ بیٹی بھاگ جاتی تو کیا ہوتا اور بیٹی صاحبہ یہاں بیٹھی انڈہ بریڈ انجوائے کر رہی ہیں۔" فارہ نے طنز کیا۔

"کیوں کیا آپ نے یہ سب میرے ساتھ فارہ باجی؟" عبیر نے اس سے سوال کیا تو فارہ سینے پہ ہاتھ باندھ کے مسکرائی۔

"کیونکہ تمہاری وجہ سے میری زندگی عذاب ہو چکی ہے۔ ہم تمہاری وجہ سے ان حالات کا شکار ہو کے رہ گئے ہیں' صرف تمہاری نحوست کی وجہ سے سلطان کوئی کاروبار شروع کر پا رہے ہیں نہ ہی کینیڈا جا پا رہے ہیں۔ اب کسی طریقے تم سے جان تو چھوٹ جائے گی۔" فارہ بغیر ڈرے جھجکے اسے بتا گئی تھی۔ اسے ڈر نہیں تھا کہ عبیر سلطان کے سامنے پول کھول دے گی کیونکہ سلطان کی نظروں میں تو وہ اسے پہلے ہی گرا چکی تھی۔

"مجھے جان سے مار دیا ہوتا فارہ باجی! اتنی تذلیل کیوں کی ہمیں تو ویسے ہی آپ کا کہا ماننا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔"

"بھئی' اب مجھے کسی کے خون سے ہاتھ رنگنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" اس نے کروفر سے کہتے ہوئے ہاتھ جھاڑے۔

"اگر بابا ساری سچائی جان جائیں تو سوچیں کہ آپ کا کیا ہوگا۔" عبیر نے ایک نظر اس کے حسین چہرے کی جانب دیکھ کے سوچا۔ ایک عرصہ وہ اس عورت کے حسن سے متاثر رہی تھی' اس نے اپنی نمازوں میں اس جیسا بننے کی خواہش کی تھی۔ وہ عورت اس کا آئیڈیل' اس کی پہلی محبت تھی اور اس نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا اور اس کا باطن کتنا سیاہ تھا۔۔۔ عبیر سوچ نہیں پا رہی تھی۔

"سنو۔" وہ جاتے جاتے پلٹی۔ "اب اپنی منحوس شکل لے کے بار بار اپنے باپ کے سامنے مت آنا۔ وہ ڈسٹرب ہوتا ہے۔ اسے آرام کی ضرورت ہے۔" یہ

کہہ کے وہ وہاں سے چلی گئی اور لیکن عبیر خون کے گھونٹ پیتی وہیں کھڑی رہی۔

☼ ☼ ☼

عبیر نے خود کو آئینے میں نہیں دیکھا۔ اس نے آئینے سے اپنی نظریں چرالی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کے ساتھ یہ سب کیوں ہوا تھا؟ فارہ کو اچانک کیا ہوا تھا کہ وہ اس حد تک پہنچ گئی تھی۔

لیکن پہلی بار اس نے صرف رونے پہ اکتفا نہیں کیا تھا۔ کردار پہ بات آجائے تو باقی باتیں ختم ہو جایا کرتی ہیں۔ اس نے بھی سب ختم کر دیا تھا۔ اسے اپنے بابا کو اپنی بے گناہی ثابت کرکے دکھانی تھی اور اس کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتی تھی۔

اس دن سلطان احمد بہت دنوں کے بعد گھر سے نکلے تھے' جاتے ہوئے انہوں نے فارہ سے نجانے کیا کہا تھا۔ وہ کچن میں کھڑی تھی اور سلطان احمد یہ بات جانتے تھے۔ وہ جب بھی گھر سے باہر نکلتے تھے۔ اس سے مل کے جاتے تھے۔ یہ ان کی محبت کا مخصوص انداز تھا لیکن اس دن وہ اس کے پاس نہیں آئے تھے۔ وہ جان بوجھ کے فارہ کو اسی وقت چائے دینے کے لیے باہر نکلی تھی جس وقت سلطان احمد فارہ کے ہاتھ سے کوٹ پہن رہے تھے۔ ایسا اس نے صرف اسی لیے کیا تھا کہ شاید اسے دیکھ کے وہ اس سے کوئی بات کرلیں گے اور نہیں تو ایک شفقت بھری نگاہ ہی سہی۔ ایسی نگاہ جس میں محبت کے ساتھ یقین اور اعتبار بھی ہوتا لیکن عبیر کو یہ دیکھ کے شدید صدمہ ہوا تھا' جب انہوں نے اس پر نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

عبیر دھواں دھواں ہوتے چہرے کو لیے ان کے پاس کھڑی رہی جب فارہ سیلفی لے رہی تھی۔ فارہ کی یہ معمول کی عادت تھی جس دن اسے سلطان احمد بہت ہینڈسم لگتے' وہ آفس جانے سے پہلے ان کے ساتھ ایک سیلفی ضرور لیتی۔ سیلفی لیتے ہوئے ہمیشہ سلطان احمد عبیر کو آواز دیتے تھے۔ وہ جہاں بھی ہوتے تھے وہ اس کا انتظار کرتے تھے۔ جب وہ ان کے پاس آتی پھر وہ فارہ سے سیلفی لینے کے لیے کہا کرتے تھے لیکن آج انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ عبیر آنسو پیتی واپس پلٹ گئی۔

باپ کی نظروں میں گرنا اس کے لیے مرجانے کا مقام تھا اور کاش کے وہ مرہی جاتی۔ اس نے ہوش سنبھالتے ہوئے نجانے کتنی ہی بار اپنی موت کی دعا کی تھی اور آج ایک بار پھر بڑی شدت کے ساتھ کررہی تھی۔

کچن میں آکے وہ پھوٹ پھوٹ کے رودی۔ وہ کیسے اپنے بابا کو یقین دلائے اپنا کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ وہ اپنے باپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتی۔ اس کے سامنے پڑا ناشتہ اس کے لیے زہر بن گیا۔ سلطان احمد کا ایک ہی تقاضا تھا کہ نبیل سے کہو کہ اپنے گھر والوں کو لائے۔ عبیر اس سلسلے میں کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔

وہ کیسے نبیل سے کہتی یہ سب.... ان کے درمیان ایسا تعلق تو کیا دوستی بھی نہیں تھی جس کی بنا پہ وہ اسے یہ کہہ پاتی۔ اس کی تو شناسائی بھی ڈھنگ سے نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو بس چند ایک بار ہی اس سے ملی تھی۔ جب وہ رکزی کے گھر میں تھا.... یہ سچ تھا کہ وہ ایک اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا تھا جو ذہانت اور مزاج کو اولیت دیتا تھا' خوب صورتی جس کے لیے ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ اس سے بہت سی باتوں پہ متاثر ہوتا نظر آتا تھا لیکن یہ کوئی ایسی بڑی باتیں نہیں تھیں کہ وہ اسے خود سے شادی کا پیغام دینے لگتی۔

"تم ایک خاص لڑکی ہو۔ خود کو ضائع مت کرو۔"

وہ اسے یہ جملہ کافی بار کہہ چکا تھا لیکن عبیر اس جملے کے مفہوم سے واقف تھی۔

اس دن جب اس کے رشتے کے لیے لوگ آئے تھے اور اس کے منہ پہ ہی انکار کرکے چلے گئے تھے۔ اسی شام رکزی کے پاس وہ روتے ہوئے اس زندگی سے اپنی اکتاہٹ بیان کررہی تھی۔ وہ رکزی سے اپنے سارے دکھ کہہ دینے کی عادی تھی لیکن اس کے دکھوں کو بن کہے ہی نبیل سمجھنے لگا تھا۔ اسی لیے وہ

عبیر کے پاس آیا تھا تاکہ وہ اسے یہ سب کہہ سکے۔۔۔ لیکن یہ بھی کوئی ایسی بڑی بات نہیں تھی کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اس کے لیے کوئی خاص جذبات رکھتا ہے۔

وہ جانتا تھا کہ وہ بہت ذہین ہے۔ اس نے اسے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بارے میں اکسایا تھا۔ رکزی کے بہت بار سمجھانے پر بھی وہ فارہ یا سلطان سے ضد نہیں کر سکی لیکن وہ نہیں جانتی کہ نبیل کے کہنے پہ اس نے آگے پڑھنے کا فیصلہ دوبارہ کیسے کر لیا تھا۔ نبیل نے اس سے کہا تھا کہ وہ اس سلسلے میں اس کی مدد کرے گا۔ وہ اس کے نصاب کی کتابیں اور کسی بھی اچھے کالج کے پراسپیکٹس کے ساتھ فارم لا کے دے دے گا۔ وہ اسے بھر کے نبیل کو دے دے گی تو وہ انہیں جمع بھی کروا دے گا۔

عبیر نے فارہ سے بات کی تھی لیکن اس نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اگلے کتنے ہی دن اس نے اسے مزید شرمندہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ سلطان کے حالات اچھے نہیں ہیں اور تمہیں چونچلے سوجھ رہے ہیں۔ ہم تمہیں جتنا پڑھا سکتے تھے ہم نے پڑھا دیا لیکن اب مزید کچھ نہیں کر سکتے بلکہ تمہیں چاہیے کہ تم جاب کر کے باپ کا ہاتھ بٹاؤ اور نہیں تو کم از کم اپنا خرچا تو خود اٹھاؤ۔" اور رکزی کے منع کرنے کے باوجود بھی اس نے جاب کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس نے یہی سوچا تھا کہ وہ اپنے لیے کچھ پیسے جمع کر لے گی تاکہ وہ ایڈمیشن لے سکے اور اپنی دوسری ضروریات پوری کر سکے۔ فارہ اس کی شادی کرنا چاہتی تھی۔ عبیر کو پہلے اعتراض نہیں تھا لیکن پے در پے رد کیے جانے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا جو کہ بہت مستحکم تھا لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

☆ ☆ ☆

نبیل اس واقعے کے دوسرے ہی روز واپس فیصل آباد چلا گیا تھا اور عبیر کو یقین تھا کہ وہ عبیر کے اس مشکل میں ہونے سے واقف نہیں تھا ورنہ وہ کبھی واپس نہ جاتا یا ایک بار تو رک کے اس کی پوزیشن واضح کر ہی جاتا۔ یہ اس کی بے وقوفی کی انتہا تھی کہ وہ ایسا سوچ رہی تھی۔ سلطان احمد کو بیٹی کی بات پہ یقین نہیں تھا تو ایک غیر لڑکے کی بات پر کیسے یقین کرتے۔

رکزی اس رات اسے وہی کتابیں دینے کے لیے آئی تھی۔ ساتھ ہی نبیل کا یہ پیغام بھی کہ اگلے پانچ سال بعد میں سی ایس ایس آفیسر بن جانے کے جب یہاں پہ تعینات ہوں تو اسسٹنٹ ڈپٹی کے طور پہ مجھے تم ملو گی۔۔۔ اس نے اسے سی ایس ایس کرنے کو کہا تھا اور عبیر نے بھی سوچ لیا تھا کہ وہ یہی کرے گی۔ اس طرح وہ کم از کم اپنے بابا اور فارہ کے درمیان دیوار بنے گی نہ ہی وہ لوگ اسے بوجھ سمجھ کے سر سے اتارنے کی جلدی مچائیں گے۔ لیکن اس سے بھی پہلے فارہ نے بہت جلد بازی دکھائی تھی۔ وہ عبیر کے وجود سے اب بے زار ہونے لگی تھی۔

سلطان احمد کا یہاں کام نہیں جم پا رہا تھا اور فارہ بضد تھی کہ سب چھوڑ چھاڑ کینیڈا چلتے ہیں لیکن سلطان احمد اس کا فرض ادا کر دینا چاہتے تھے۔ فارہ کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ عبیر کو گلی میں سے گزرتے کسی راہ گیر کے ساتھ ہی چلتا کر دے تاکہ وہ سلطان کو اس کی فکر سے آزاد کر سکے۔

مگر قسمت اگر عبیر کا ساتھ نہیں دے رہی تھی تو فارہ کا بھی نہیں دے رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

شام کو عبیر چھت پہ گئی تھی۔ فارہ کے کوئی مہمان آئے تھے۔ وہ ان کے پاس بیٹھی تھی۔ حیرت کی بات تھی۔ فارہ نے آج انہیں اس سے نہیں ملوایا تھا نہ ہی ان کے آنے پہ فارہ نے کوئی اہتمام کیا تھا۔ فارہ نے اسے ان مہمانوں سے ملنے کے لیے بھی نہیں کہا تھا اور عبیر نے اس بات پر شکر ادا کیا تھا۔ فارہ کو ان کے ساتھ مصروف دیکھ کے وہ چھت چلی آئی تھی۔ وہ جانتی تھی رکزی اس وقت چھت پہ پڑھنے کے لیے آتی

ہے۔ اسے رکزی سے ملنا تھا تاکہ نبیل بھائی سے بات کر سکے۔

رکزی چھت پہ منڈیر کی اوٹ میں کرسی ڈالے بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ عبیر نے اسے آہستہ آواز میں پکارا۔ وہ چونکی اور پھر مسکرا کے اٹھتے ہوئے اس کے پاس آئی تھی۔

"کیسی ہو عبیر...؟" رکزی نے اس کے چہرے پہ نگاہ جماتے سوال کیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" عبیر نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکی۔ آنکھوں میں بلاوجہ ہی نمی تیرنے لگی تھی۔

"مگر مجھے تو نہیں لگ رہیں۔" رکزی نے کتاب بند کرتے ہوئے سینے پہ بازو لپیٹتے ہوئے کہا۔

"رکزی! مجھے تمہاری مدد چاہیے۔" عبیر نے اس کی بات کی تردید نہیں کی تھی۔

"بتاؤ۔" رکزی نے اس کی جانب دیکھا تھا جو اپنے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مروڑ رہی تھی۔

"میری ایک بار نبیل بھائی سے بات کروا دو پلیز... بس ایک بار۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"کیا کہو گی ان سے...؟" رکزی بے حد سنجیدہ ہوئی۔

"میں انہیں ایک بار یہاں بلانا چاہتی ہوں۔"

"کوئی فائدہ نہیں۔ وہ نہیں آئیں گے۔" رکزی نے سادہ سے لہجے میں کہا تھا۔

"میں ان سے درخواست کروں گی تو وہ ضرور آئیں گے۔" عبیر کے لہجے میں یقین تھا۔ "تم میری ان سے بات کروا دو پلیز... میں انہیں منا لوں گی۔ بس ایک بار وہ آ کے بابا سے بات کر لیں گے تو بابا مجھ سے اپنی ساری ناراضی ختم کر لیں گے۔ پلیز رکزی...!"

رکزی نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے اپنا سیل نکال کے اس نے نبیل بھائی کا نمبر ملا کے عبیر کو پکڑا دیا تھا۔ پہلی ہی گھنٹی پہ نبیل نے فون اٹھا لیا تھا... وہ اس وقت بائیک پہ تھے۔

"ہاں رکزی بولو...؟" انہوں نے بائیک کو آہستہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ عبیر نے تھوک نگل کے حلق تر کیا۔

"میں ہوں عبیر!" چلتی بائیک ایک دم جھٹکے سے رکی تھی۔ یہی جھٹکا نبیل کو عبیر کی آواز سن کے لگا تھا۔

"عبیر! تم کیسی ہو؟" نبیل رکزی کی زبانی اس کے ساتھ ہوئے سارے حادثے کو جان چکا تھا۔ "مجھے بہت افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں اتنی پرابلم کا سامنا کرنا پڑا... کاش میں ہی جلد بازی نہ دکھاتا... مگر مجھے واپس آنا تھا۔" عبیر اس ساری وضاحت کو بے دلی سے سنتی رہی۔ ان کے خاموش ہونے پہ وہ فوری بولی تھی۔

"مجھے آپ کی مدد چاہیے۔" عبیر نے سادگی سے کہنا شروع کیا۔

"ہاں بولو کیسی مدد...؟"

"آپ میرے بابا کو آ کے یہ یقین دلا دیں کہ میں میرا آپ سے ایسا کوئی تعلق نہیں جو ان کے لیے باعث شرمندگی ہو... میں بری لڑکی نہیں ہوں۔"

"کیا میری گواہی سے وہ یہ مان لیں گے عبیر!" نبیل بھائی نے فضا میں اڑتے پرندوں کو دیکھتے ہوئے اس سے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔ "میں ان کا کیا لگتا ہوں؟ انہیں تو اپنی بیٹی کا ہی یقین نہیں ہے۔"

"ہاں نہیں ہے... میں جانتی ہوں اپنے بابا کو اگر آپ انہیں بتائیں گے تو وہ مان جائیں گے۔ پھر وہ مجھ سے ناراض نہیں ہوں گے۔ پہلے کی طرح مجھ سے بات کریں گے۔ مجھ سے نگاہ چرا کے نہیں گزریں گے۔" عبیر نے جذباتی ہوتے ہوئے ایک دم کہا تھا لیکن نبیل جذباتی نہیں تھا۔ وہ اس سارے واقعے کو کسی اور تناظر میں دیکھ رہا تھا۔

"اگر انہوں نے میری بات کا یقین نہیں کیا اور مجھ پر زور ڈالا کہ میں تم سے شادی کر لوں تو۔" نبیل نے اس کے سامنے اپنا خدشہ رکھا۔

"تو آپ مجھ سے شادی کر لیں... بس کچھ عرصے کے لیے۔ اس کے بعد آپ مجھے چھوڑ دیجئے گا۔" اس بار

نبیل بائیک سے گرتے گرتے بچا تھا اور ساتھ ہی رکزی بھی ۔۔۔ رکزی کو پہلی بار عبیر پہ ترس نہیں بلکہ اس کی بے وقوفی پہ غصہ آیا۔

"تم پاگل ہو گئی ہو عبیر ۔۔۔ میں بھلا تم سے شادی کیسے کر سکتا ہوں۔"

"کیوں نہیں کر سکتے' میں اپنے بابا پہ بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ میں آپ پہ بھی بوجھ نہیں بنوں گی لیکن کچھ عرصے کے لیے تو آپ مجھے اپنی بیوی کے طور پہ رکھ ہی سکتے ہیں۔ بعد میں جب میں اپنے پیروں پہ کھڑی ہو جاؤں گی تو آپ مجھے چھوڑ دیجیے گا۔" عبیر نے کہا تو نبیل کو غصہ آگیا تھا۔ اس نے بے ساختہ ہی اس کی بات کاٹی تھی۔

"تم نے خود ہی سب کچھ طے کر لیا عبیر ۔۔۔ مجھ سے تو پوچھو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔"

"میں آپ کی ہر بات مانوں گی نبیل بھائی ۔۔۔! آپ کو کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی یا تو آکے بابا کو سچ بتا دیں یا پھر مجھ سے شادی کر لیں' آپ کو جو بھی کام آسان لگے' وہ کر لیں۔" عبیر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"عبیر ۔۔۔ میں یہ دونوں کام نہیں کر سکتا۔" نبیل نے یکدم ہی کہہ کے عبیر کو سُن کر دیا تھا۔

"کیوں ۔۔۔؟" اس کا لہجہ کانپ گیا۔

"اس لیے کیونکہ میں ابھی کسی بھی مشکل میں نہیں پھنس سکتا۔ تم میری لگتی ہی کیا ہو کہ میں تمہارے کردار کی صفائیاں تمہارے باپ کو پیش کرنے آؤں اور میں خود ابھی اپنے پیروں پہ کھڑا نہیں ہو سکا۔ تمہیں کس لیے بوجھ کی طرح اپنے کاندھے پہ لاد لوں۔ تم اپنے باپ کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہو تو مر کیوں نہیں جاتیں' میرے پیچھے کیوں پڑنا چاہتی ہو۔ تم سے دو چار دن بات کیا کر لی' تمہاری ذہانت کی تعریف کیا کر دی' تم تو سر پہ سوار ہونے لگی ہو۔" عبیر کو لگا وہ باپ کی بے اعتنائی سے نہیں مری تھی لیکن اب مر رہی تھی۔

"میری بات سنیے نبیل بھا ۔۔۔!" لیکن اس نے اس کی بات نہیں سنی تھی' وہ پہلے ہی اس کی بہت سن چکا تھا۔

"بس ۔۔۔ ایک لفظ نہیں' تم اچھی لڑکی ہو عبیر ۔۔۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں تم سے شادی کر لوں گا۔ میری چار بہنیں ابھی کنواری ہیں ۔۔۔ مجھے ان کی شادیاں کرنی ہیں۔ اس کے بعد جا کے کہیں میری باری آئے گی۔ میں ابھی محنت کر رہا ہوں تاکہ کوئی مقام حاصل کر سکوں۔ اپنے والدین کو ایک چھت مہیا کر سکوں۔ اپنی بہنوں کا جہیز اکٹھا کر کے انہیں رخصت کر سکوں ۔۔۔ میں ابھی نہ تمہاری مدد کر سکتا ہوں نہ ہی تمہارا بوجھ بانٹ سکتا ہوں۔"

شاید نبیل کو اپنے سنگین جملوں کا اندازہ ہو گیا تھا' اسی لیے تھکے تھکے لہجے میں وہ اسے دوبارہ سے مجبوریوں سے آگاہ کر رہا تھا ۔۔۔ لیکن عبیر نبیل کی وہ ساری باتیں سن نہیں سکی ۔۔۔ وہ جانتی تھی کہ دل رکھنا آسان کام ہے لیکن مان رکھنا بہت مشکل ۔۔۔ لیکن نبیل تو یہ دونوں کام ہی نہیں کر سکا۔ اس نے آہستگی سے فون رکزی کی جانب بڑھا دیا تھا۔ رکزی اسی لیے اسے نبیل سے بات کرنے سے منع کر رہی تھی۔

اور وہ اسے یہ بھی نہیں بتا سکی کہ یہ سب وہ نبیل بھائی سے پہلے ہی کہہ چکی تھی' جس روز وہ عبیر کے گھر سے ہو کے آئی تھی۔ اس روز شام کو اس نے نبیل بھائی کو فون کر کے ساری بات بتائی تھی اور ساتھ ہی یہ درخواست بھی کی تھی کہ وہ ایک بار آکے سلطان احمد سے مل کے ان کی غلط فہمی دور کر دیں ۔۔۔ لیکن انہوں نے رکھائی سے جواب دے دیا تھا۔

"میں نہیں آؤں گا سلطان احمد سے ملنے۔ یہ سارا فساد ان کی بیوی کا پھیلایا ہوا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور' وہ تو عبیر سے ویسے ہی جان چھڑانا چاہتی ہے۔ وہاں اس شام میں نہ ہوتا کوئی راہ گیر ہی کیوں نہ ہوتا' وہ اس پہ الزام لگا سکتی تھی۔ دیکھو رکزی! تم جانتی ہو میری زندگی بہت سے مسائل کا شکار ہے۔ میں کسی کے لیے نیکی کی گنجائش بھی نہیں نکال سکتا۔"

یہ کہہ کے انہوں نے فون بند کر دیا تھا لیکن وہ بہت مایوس ہوئی تھی۔ اسے دکھ ہوا تھا کہ نبیل بھائی بھی

وہی عام مرد ہی ثابت ہوئے تھے جن کے لیے اپنی زندگی کی ترجیحات دوسروں سے مختلف نہ تھیں۔ کسی کو تسلی دلاسے دینا اور بات ہے لیکن اس کی مدد کرنا بہت مشکل کام ہے۔ نبیل کو یہی ڈر تھا کہ سلطان اسے اپنی بیٹی سے شادی کے لیے مجبور نہ کردیں اور اب جب وہی بات عبیر نے اپنے منہ سے کہہ دی تو وہ مشتعل ہو گیا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو عبیر؟" فون بند کرنے کے بعد رکزی نے کچھ کہے بغیر عبیر کو واپس جاتے دیکھا تو پوچھ لیا۔ عبیر کی حالت اچھی نہیں تھی۔ رکزی کو خوف محسوس ہوا۔ عبیر کا آخری دروازہ بھی بند ہو گیا تھا۔ وہ ایک دم ہی کسی پاتال میں جا گری تھی۔ اس کا سانولا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا۔ وہ اپنے ارزاں وجود کے پرخچے ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

نیچے آئی تو فارہ اسے ہی ڈھونڈ رہی تھی۔ اسے چھت کی سیڑھیاں اترتے دیکھا بھی تو کوئی بات نہیں کی تھی۔ عبیر کی ذہنی حالت اس قدر مخدوش ہو چکی تھی کہ اگر فارہ اس سے کوئی بات کرتی بھی تو وہ آج ہر لحاظ بالائے طاق رکھ دیتی شاید۔ لیکن فارہ نے اس پہ کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

"کچھ مہمان تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔" اس کے سامنے آتے ہی فارہ نے خلاف معمول سادگی سے کہا تھا۔ عبیر نے خالی خالی نگاہوں سے فارہ کو دیکھا۔ وہ انکار کرنا چاہتی تھی۔

"آجاؤ۔" فارہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گئی اندر ایک لڑکا اس کی ماں اور رشتہ کروانے والی خالہ بیٹھے ہوئے تھے۔ تھکن ایک بار پھر عبیر کی رگ و پے میں اترنے لگی۔ اس نے جا کے کٹھ مار انداز میں سلام کیا اور ایک صوفے پہ بیٹھ گئی۔ اس کے ذہن میں ابھی تک نبیل کے کہے جملے گونج رہے تھے۔ اسے ان مہمانوں کی آمد کی نوعیت کا پتا تھا لیکن احساس نہیں تھا' اسی لیے وہ خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

اسے دکھ ہوا' آدمیوں کے بھرے مجمع میں اسے وہی انسان نظر آئے تھے لیکن وہ تو انسانوں سے بھی بدتر نکلے تھے۔ عبیر کو وہ منافق لگے۔ کم از کم جو لوگ ان سے پہلے عبیر سے ملتے تھے' وہ اس سے اپنے جذبات چھپاتے تو نہیں تھے۔ جو بھی بات ہوتی اس کے منہ پہ کہتے تھے لیکن نبیل نے تو اس کی کم مائیگی کا مذاق بڑے سبھاؤ سے اڑایا تھا۔ کچھ ایسے کہ عبیر کو اس بار تکلیف حد سے زیادہ ہو رہی تھی جو کہ ناقابل برداشت تھی۔

"عبیر۔ کیا کرتی ہیں آپ۔؟" اس کی ذہنی رو بھٹکی ہوئی تھی۔ لڑکے کی ماں نے کوئی تیسری مرتبہ سوال کیا تھا لیکن اسے سنائی کہاں دے رہا تھا۔ اب انہیں تشویش ہونے لگی تھی۔ وہ صرف اس گھر میں بیٹھ کے پی جانے والی چائے کے عوض اس سے رسمی سے کچھ سوال کرنا چاہتی تھیں جبکہ ان کا بیٹا تو پہلی ہی نظر میں انہیں اٹھنے کا اشارہ کر چکا تھا۔ اسے عبیر ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔

وہ جس وقت ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ رنگ کچھ زیادہ ہی کالا لگ رہا تھا۔ آنکھیں بہت موٹی ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ نمایاں تھیں اور اب تو پچھلے چار دن کی مسلسل گریہ زاری کے باعث تو اچھی خاصی سوج چکی تھیں۔ اوپر سے ان کے گرد حلقے بھی نمایاں ہو گئے تھے۔ وہ بھلا آنے والوں کو کیسے اچھی لگ سکتی تھی۔

"عبیر! وہ تم سے بات کر رہی ہیں؟" فارہ کو اس کی حالت پہلی بار تشویش ناک لگی تو اس لیے اس بار اس نے درشتی سے کہا تو عبیر چونکی۔

"ج۔ جی کیا کہا؟"

"میں نے پوچھا' کیا کرتی ہیں آپ؟" اس خاتون نے شائستہ انداز میں پوچھا تھا۔

"میں۔۔۔" عبیر سوچ میں پڑ گئی' وہ کیا بتائے کہ وہ کیا کرتی ہے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

"کیا مشکل سوال پوچھ لیا میں نے؟" اس عورت نے اس بار حیرت سے سوال کیا تھا اور فارہ کا جی چاہا کہ اٹھ کے عبیر کا چہرہ تھپڑوں سے لال کر دے تاکہ اس

کی ساری اداکاری نکل جائے۔

"میں کچھ بھی نہیں کر سکی اس زندگی میں... یہاں میرے جیسے لوگوں کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں مجھ جیسے لوگوں سے سوائے نفرت کے اور کوئی رشتہ نہیں جوڑا جا سکتا... آپ یقیناً" میری بات سے اتفاق کریں گی ناں۔"

وہ بے ربط انداز میں بات مکمل کرنے کے بعد ان کی جانب دیکھ کے کہہ رہی تھی۔ وہ عورت شاید اس سے اس جواب کی توقع نہیں کر رہی تھی اسی لیے کچھ حیرت سے اس کی جانب دیکھ کے رہ گئی۔

"عبیر ماشاء اللہ بہت ہی ذہین لڑکی ہے۔ بی اے میں بھی اپنے کالج میں ٹاپ کیا تھا اس نے۔" فارہ نے ایک دم ہی بات کا رخ بدل دیا تھا۔

"لیکن اس کے باوجود بھی میں دنیا والوں کی نظر میں کوئی مقام حاصل نہیں کر پائی۔ مجھے میری ذہانت سے نہیں، میری خوبیوں سے نہیں، میری کم صورت سے جج کیا گیا۔ یہ دنیا ہم جیسوں کو جینے نہیں دیتی۔" عبیر نے اس عورت کے بولنے سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔

"چلی جائیں یہاں سے، اس سے پہلے کہ آپ اس رشتے سے انکار کریں، میں کہے دیتی ہوں۔ میں عبیر سلطان، ایک کم صورت، کم عقل لڑکی ہوں جو رات کے اندھیرے میں نظر نہیں آتی۔ جس کا نصیب اس کی رنگت ہی کی طرح سیاہ ہے، جو بھی مجھ سے کوئی تعلق جوڑنے کی کوشش کرتا ہے، میں اپنی سیاہی اس پہ بھی مل دیتی ہوں، جیسے فارہ باجی ہر وقت اپنے نصیب کو کوستی رہتی ہیں۔ آپ کیا چاہتی ہیں کہ آپ کے گھر پہ بھی عبیر سلطان جیسی کوئی آفت آئے؟"

عبیر سلطان آج اپنے حواس میں نہیں تھی۔ فارہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اٹھ کے اس کا کسی بھی چیز سے منہ بند کر دے یا کسی بھی جادوئی چھڑی سے اسے کہیں غائب کر دے۔ یہ لڑکی واقعی میں اس کے لیے عذاب بن چکی تھی۔

آنے والی خاتون اور اس کے بیٹے میں اس معاشرے کے اور بہت سے لوگوں کی طرح سے اتنا ظرف نہیں تھا کہ وہ بات کو گہرائی سے جانچتے ہوئے عبیر کی ذہنی حالت کو سمجھتے، انہیں تو عبیر ایک پاگل اور سنکی لڑکی لگی تھی، جو کم صورت تو تھی ہی لیکن ساتھ ہی کم عقل بھی تھی۔ وہ لوگ وہیں سے واپس چلے گئے تھے۔ عبیر نے خود کو کمرے میں بند کر لیا اور فارہ کے بار بار دروازہ کھٹکھٹانے پہ بھی نہیں کھولا... یہاں تک کہ وہ اسے اس کے حال پہ چھوڑ کے پلٹ گئی۔ حالانکہ اسے بہت غصہ تھا اس کی آج کی جانے والی اس حرکت پہ۔

☼ ☼ ☼

اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی مگر حالت ایسی تشویش ناک بھی نہیں تھی مگر چاندنی بیگم حد سے زیادہ پریشان ہو رہی تھیں۔

"کیا بات ہے نیلی... صبح سے الٹیاں کیے جا رہی ہے۔ رات کیا کھا لیا تھا تو نے؟" چاندنی بیگم نے نیلی کی زرد رنگت کو دیکھ کے پریشانی سے پوچھا تھا۔ نیلی کی طبیعت رات سے ہی خراب تھی۔ جو بھی کھاتی تھی الٹ دیتی تھی۔

"کچھ نہیں کھایا تھا ماما... بس ویسے ہی پتا نہیں کیوں متلی سی ہو رہی ہے۔" نیلی نے نقاہت سے کہا تھا۔ چاندنی بیگم واری صدقے ہوتے ہوتے چونکیں۔

"کب سے ہے یہ سلسلہ...؟"

"پتا نہیں دو تین دن سے ہو رہا ہے۔ جو بھی کھاتی ہوں الٹی ہو جاتی ہے اور ہر وقت جی بھی متلاتا رہتا ہے۔" نیلی نے اسی انداز میں کہا۔

"تم ایسا کرو کہ ابھی چلو میرے ساتھ... میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہوں۔" چاندنی بیگم نے اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا تو نیلی خوف سے پیلی پڑ گئی اگر وہ ڈاکٹر کے پاس جاتی تو پھر کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔

"ن... نہیں ماما! مجھے ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا، میں ٹھیک ہوں۔" وہ ہکلا گئی لیکن چاندنی بیگم بضد تھیں کہ وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کے ضرور جائیں گی۔ اس کی

حالت اچھی نہیں تھی اور نیلی بھی جانتی تھی کہ اس کی حالت کیا اب کچھ بھی اچھا نہیں ہونے والا تھا۔

"کیوں نہیں جانا آخر ایسے کیسے طبیعت ٹھیک ہو گی تمہاری؟"

"ماما میں نے کہا ناں میں نے پروین چچی سے کہا ہے وہ مجھے قہوہ بنا کے دے رہی ہیں۔" نیلی کے کہنے پہ چاندنی بیگم نے اسے گھورا۔ کہاں تو وہ سر درد ہونے پہ ڈاکٹر کے پاس جانے کا واویلا کرنے لگتی تھی۔ کہاں اتنا زبردست فوڈ پوائزن ہونے پہ بھی وہ جانے کو تیار نہیں ہو رہی تھی۔

"پروین کے قہوے پی کے ہو گئیں تم ٹھیک پھر۔" چاندنی بیگم نے طنز کیا۔ وہ بھلا پروین بیگم کی ذات پہ طنز کا موقع کیوں جانے دیتیں۔

"ماما پلیز.... مجھے نیند آرہی ہے آپ جائیں یہاں سے۔" نیلی نے اچانک بے رخی سے کہا تو چاندنی بیگم اس کی طبیعت کا خیال کرتے ہوئے خاموش ہو گئیں۔

"لیکن تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"

"نہیں نہیں.... میں ٹھیک ہوں۔ آپ اپنے کمرے میں جا کر سو جائیں۔" اسی وقت اسے زور کی ابکائی آئی تو وہ واش روم کی جانب بھاگی۔ چاندنی بیگم کو اور بھی فکر ہوئی۔ اس نے ابھی صرف پانی ہی تو پیا تھا۔

وہ واش روم سے واپس منہ صاف کرتے ہوئے آئی تو چاندنی بیگم اسی جگہ پہ کھڑی تھیں۔ نیلی نے انہیں گھبرا کے دیکھا.... آج تو اس کی ماما اس کی جان چھوڑنے کو تیار ہی نہیں تھیں۔

"میں تو کہتی ہوں کہ تم ڈاکٹر کے پاس چلی ہی جاؤ۔ کل آصف کے ساتھ تمہیں شاپنگ کے لیے بھی جانا ہے۔ طبیعت ٹھیک نہ ہوئی تو...." چاندنی بیگم تذبذب سے کہہ رہی تھیں۔ ان کا بھانجا اور اکلوتا داماد آرہا تھا۔ منگنی کے بعد وہ پہلی بار گھر آرہا تھا۔ اس نے بڑے ہی لاڈ سے فرمائش کی تھی کہ وہ نیلم کے ساتھ کچھ وقت کے لیے کہیں باہر جانا چاہتا ہے۔ ویسے رہتے تو وہ گاؤں میں تھے اور ان کے گھر کا ماحول بھی کھلا ڈلا نہیں تھا لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ چاندنی بیگم کا بھانجا تھا۔

اس لیے یہاں ایسی باتوں کو اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ بلکہ چاندنی بیگم تو سن کے ہی اتنا خوش ہوئی تھیں کہ بس.... وہ جانتی تھیں اگر آصف نیلی سے ملنے کے لیے آرہا ہے تو یقیناً اسے شاپنگ بھی کروائے گا اور چاندنی بیگم نے تو سوچ لیا تھا کہ نیلم کو پہلے ہی سمجھا دیں گی کہ اچھی اور مہنگی چیزوں پہ ہاتھ رکھنا تاکہ آصف ابھی سے جان لے کہ تمہارا معیار کیا ہے اور یہ کہ تمہیں جیولری اور برانڈز سے کتنا عشق ہے۔

آصف کچھ عرصہ لندن میں بھی رہ کے آیا تھا۔ اس نے وہاں شادی بھی کرلی تھی لیکن اس لڑکی سے چونکہ اس کی بنی نہیں اس لیے اس نے اس لڑکی کو طلاق دے دی تھی۔ خاندان میں اس بارے میں کافی متنازعہ باتیں بھی کی گئی تھیں لیکن چاندنی بیگم کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اس معاملے میں کافی روشن خیال تھیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ آصف سے بیٹی کا بیاہ کر کے وہ کتنے فائدے میں رہ سکتی ہیں۔ ان کی بڑی بہن جب ان کے گھر دو کروڑ کی گاڑی میں بیٹھ کے آتیں تو ایک بار تو سارے ہی گاؤں میں تہلکہ مچ جاتا کہ راحت اکبر کی سالی آئی ہے۔ ایسی ہی شان و شوکت وہ اپنی نیلی کی بھی چاہتی تھیں.... وہ فطرتاً پیسے کی پجاری تھیں بلکہ دونوں میاں بیوی ہی ایسے تھے۔

"ماما! مجھے آصف کے ساتھ نہیں جانا۔" نیلی نے درد سے کراہتے ہوئے ماں سے کہا۔

"ارے پاگل ہو گئی ہو.... کیوں نہیں جانا۔ جانتی ہو ناکہ وہ صرف تمہارے لیے آرہا ہے۔"

"ماما.... مجھے اچھے نہیں لگتے وہ۔"

"پاگل ہو گیا۔ خبردار اگر ایسی بات دوبارہ اپنے منہ سے نکالی تو۔ ارے ایسے رشتے تو قسمت والوں کو ملا کرتے ہیں اور تم ناشکری کر رہی ہو۔" چاندنی بیگم نے اسے جھڑکا تھا۔ یہ خیال کیے بغیر کہ وہ بیمار تھی۔

"بس میں ان سے شادی نہیں کر سکتی۔" نیلی نے کہہ دیا۔ ویسے بھی جس بات کو کل کھلنا تھا۔ وہ آج ہی کھل جاتی تو اچھا تھی۔

"یہ کیا بکواس کر رہی ہو کیوں شادی نہیں کرنی؟"

چاندنی بیگم نے غصے سے پوچھا۔

"میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں...." اور آگے کی بات چاندنی بیگم کے تھپڑ نے پوری نہیں ہونے دی تھی۔ "خبردار جو ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو۔ بس یہیں چپ کر جاؤ" آگے ایک لفظ نہیں۔" چاندنی بیگم نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا تو نیلم دم بخود رہ گئی۔

"ماما یہ میری زندگی ہے۔ میں کوئی گائے بکری نہیں کہ کسی بھی کھونٹے سے باندھیں گی اور میں بندھ جاؤں گی۔" وہ بھی ان ہی کی بیٹی تھی اتنی جلدی ہار کیسے مان لیتی۔

"اس معاملے میں تم خود کو گائے یا بکری ہی سمجھو بلکہ ان سے بھی کم تر۔ کیونکہ اس ایک معاملے میں تمہاری ایک نہیں چلے گی۔" چاندنی بیگم نے غصے سے کہا تو نیلی رو دی۔

"مگر میں شادی کروں گی تو صرف اسی سے ورنہ کسی سے نہیں.... سن لیں آپ۔" وہ چلائی۔

"دیکھتی ہوں میں بھی کہ کیسے کرتی ہو۔ تمہارے باپ کو پتا چلا تو تمہاری بوٹیاں نچوا کے کتوں کو پھنکوا دے گا۔ سمجھیں۔"

"آپ خود کیوں نہیں گلا گھونٹ دیتیں میرا.... کم ازکم اس زندگی سے تو بہتر موت ہے۔ جس میں محبت نہ ملے۔" نیلی پہ محبت کا بھوت سوار تھا جو اس سے محبت کی حمایت کروا رہا تھا۔

"چپ کر جا کمبخت۔ کیوں میری اور اپنی جان کی دشمن بنی ہوئی ہے۔" چاندنی بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا نہ ہی ان کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ نیلم کی فراٹے بھرتی زبان پہ کیسے بند باندھیں۔

"میں چپ نہیں کروں گی اب.... میں اپنی محبت حاصل کر کے رہوں گی۔" یہ کہتے ہوئے اسے ایک بار پھر زور کی ابکائی آئی اور وہ واش روم کی جانب بھاگی تھی۔

ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نیلم کس کی زبان بول رہی ہے۔ ان کی نیلی تو بہت ہی سلجھی ہوئی اور پیاری معصوم سی لڑکی تھی۔ اس نے تو اپنی بیس سالہ زندگی میں ایک بار بھی ہاں سے ضد میں ہی کی شاید ایسا اس لیے بھی تھا کہ نیلم کے منہ سے جو نکلتا تھا وہ یقینی طور پہ پورا کیا جاتا تھا۔

"بیگم صاحبہ! ملکانی آئی ہیں۔" دروازہ کھلا اور شریفاں نے اندر آ کے اطلاع دی۔

وہ جو اس سے بات کرنے کا ٹھانے ہوئی تھیں' دل مسوس کے شریفاں سے پہلے ہی کمرے سے نکل گئیں۔ ملکانی ان کی بہت اچھی دوست جو تھی۔ نیلم واپس آئی تو اپنی ماں کو وہاں موجود نہ پا کے اللہ کا شکر ادا کیا پھر اس نے تکیے سے اپنا سیل فون نکال کے ٹیپو کا نمبر ملایا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا ہے؟" راحت اکبر نے اپنے سامنے حذیفہ کی ہتھیلی پہ رکھی چابی کو دیکھ کے پوچھا تھا۔ ان کے لہجے میں بے حد اچنبھا تھا۔ یہ دوسری مرتبہ ہوا تھا کہ حذیفہ ان کا دیا ہوا کوئی تحفہ واپس کر رہا تھا۔

"چابی ہے۔" حذیفہ نے تحمل و اختصار سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"وہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے لیکن یہ تم مجھے کیوں دے رہے ہو؟"

"کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے آپ سے کسی اور بات کا وعدہ لیا تھا۔" حذیفہ نے ویسے ہی ہاتھ پھیلائے جواب دیا۔ راحت اکبر نے چابی نہیں اٹھائی اور حذیفہ نے ہاتھ پیچھے نہیں کیا تھا۔ وہ دونوں ہی اس وقت ڈیرے میں اکیلے تھے۔ ملازمین باہر کچن میں ان کے لیے بٹیر بھون رہے تھے جو حذیفہ اپنے اور چچا جان کے لیے شکار کر کے لایا تھا۔

"کون سی بات' کیسا وعدہ....؟" انہیں یاد نہیں تھا۔ پکے سیاست دان تھے وہ' وعدہ کر کے بھول جانے والے۔ حذیفہ مسکرایا۔

"آپ کو واقعی یاد نہیں یا یاد کرنا نہیں چاہتے؟"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ میں جان بوجھ کے جھوٹ کہہ رہا ہوں کیا؟" راحت اکبر بھڑکے۔ حذیفہ کی

بدتمیزیاں ویسے ہی آج کل عروج پہ پہنچی ہوئی تھیں۔ وہ ہر بات میں ان کی مخالفت کرنے لگا تھا۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا' آپ بات کو غلط رنگ میں مت لے جائیں۔" حذیفہ نے ایک دم ہی سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"تو پھر یہ چابی کیوں واپس کر رہے ہو؟" راحت اکبر نے بھی بات بڑھانے کے بجائے دھیما لہجہ اپنایا تھا۔

"اس لیے کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے میرے پاس پہلے ہی گاڑی موجود ہے۔"

"لیکن تم نے مہران تو واپس کردی تھی۔"

راحت اکبر نے اسے یاد دلایا کہ ابھی چند ماہ پہلے انہوں نے اسے مہران گفٹ لے کے دی تو حذیفہ نے وہ واپس کردی تھی اور اپنی پسند سے کرولا گاڑی لی تھی اور اب جب انہیں گورنمنٹ سے گاڑی ملی تو انہوں نے اپنی بیچارو اسے استعمال کرنے کے لیے دے دی تھی۔ یہ اسی کی چابی تھی جو حذیفہ انہیں واپس کر رہا تھا۔ اور راحت اکبر کو اس کی یہی باتیں غصہ دلاتی تھیں کیونکہ وہ اسے خوش کرنے کی جتنی بھی کوشش کرتے تھے۔ حذیفہ خوش نہیں ہوتا تھا شاید اس کے دل سے ابھی تک وہ بات نہیں نکلی تھی۔ وہ جانتے تھے۔ ویسے بھی وہ کوئی بچہ تو نہیں تھا جو اب ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہل جاتا ___ وہ چوبیس سالہ جوان لڑکا تھا جو چچا کی ہی صحبت میں بیٹھنے سے وقت سے پہلے بڑا ہو گیا تھا اور ویسے ہی داؤ پیچ سیکھ گیا تھا۔

"چچا جان! مجھے اب گاڑیوں کا شوق نہیں رہا میں اب کچھ اور کرنا چاہتا ہوں۔" حذیفہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"میرے ہوتے ہوئے تمہیں کچھ کرنے کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے جو تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔" راحت اکبر نے اپنے تئیں اسے ایک بار پھر محبت کے لالی پاپ سے بہلانے کی کوشش کی۔

"چچا جان! میں اب بڑا ہو گیا ہوں' میں اب اپنے پیروں پہ کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ آپ کے سایہ شفقت میں رہوں گا تو جلدی اس زمانے کے چال چلن سے واقف ہو جاؤں گا۔" حذیفہ نے کہا تو راحت اکبر نے کچھ نرمی سے اسے دیکھا وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔

"کیا چاہتے ہو؟" راحت اکبر نے اس کی جانب دیکھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اب آپ میری زمین مجھے واپس کر دیں۔ میں خود اس کی دیکھ بھال کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی مجھے اپنا گھر بھی بنانا ہے تاکہ ہم اپنے گھر میں رہ سکیں۔" حذیفہ کی اس بات پہ کوئی اور ہوتا تو یقیناً" اس کی اتنی اچھی سوچ پہ خوش دلی کا مظاہرہ کرتے "فوراً" اس کا حق اس کے حوالے کر دیتا لیکن وہ راحت اکبر تھے جو اتنا حوصلہ رکھتے تھے نہ ہی اتنا ظرف کہ یتیم کو اس کا حق دے سکتے۔ انہیں تو سن کے ہی دھچکا لگا تھا۔ وہ کس دیدہ دلیری سے ان سے اپنی زمین کا مطالبہ کر رہا تھا۔

"تمہارا باپ کچھ چھوڑ کے نہیں مرا تمہارے لیے۔" راحت اکبر نے کہا بھی تو کیا۔

"میں جانتا ہوں' میرا باپ اتنا ظالم تھا نہ ہی اتنا عیاش کہ سب اڑا جائے۔ چچا جان' میں چھوٹا تھا تو آپ نے میری کفالت کی۔ اس کا احسان میں اور میری ماں کبھی نہیں اتار سکتے لیکن میں نے اور میری ماں نے ہمیشہ آپ لوگوں کے کام آنے کی کوشش کی ہے۔ ہمارا وجود آپ سب کے لیے کسی تکلیف کا باعث نہ بنے۔ ہم نے ہمیشہ اس بات کا بھی خیال رکھا ہے۔ اسی لیے اب میں چاہتا ہوں کہ ہم اچھے انداز میں الگ ہو جائیں' کیونکہ نیلم کی شادی کے بعد آپ اسے اپنا حصہ دے دیں گے تو یقیناً" ہمارا اس گھر میں رہنا ممکن نہیں رہے گا بلکہ میں خود بھی یہ نہیں چاہوں گا۔"

اس نے چچا جان کے ہاتھ تھامتے ہوئے نرمی سے کہا تھا لیکن راحت اکبر کے سینے پہ تو سانپ لوٹنے لگے تھے' کسی کے منہ سے چھین کے کھانا آسان ہوتا ہے جب کہ اپنے منہ سے نکال کے کسی اور کو دینا اتنا ہی مشکل ___ اور اس صورت میں تو اور بھی ناممکن جب سب کچھ دھوکے سے ہتھیایا گیا ہو۔

"تمہیں یہ پٹیاں کون پڑھا رہا ہے آخر ___ کوئی

دشمنی کر رہا ہے ہمارے ساتھ..... کوئی استعمال کر رہا ہے تمہیں اور تم بے وقوفوں کی طرح استعمال ہو رہے ہو۔ ہوش کے ناخن لو حذیفہ۔ میں تمہارا چچا ہوں تمہارا بھلا مجھ سے بہتر کوئی نہیں چاہ سکتا۔" انہوں نے پینترا بدلتے ہوئے سمجھایا تھا۔

"مجھے کوئی نہیں سمجھا رہا چچا جان..... میں خود عاقل و بالغ ہوں۔ میں اتنا بھی چھوٹا نہیں تھا کہ مجھے یہ یاد نہ ہو کہ میرے بابا کیسے انسان تھے۔"

"تو تم مجھے جھٹلا رہے ہو؟" راحت اکبر نے کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھا ان کا لہجہ یکدم ہی برہم ہو گیا۔

"نہیں..... لیکن مجھے لگتا ہے۔ حقیقت وہ نہیں' آپ مجھ سے کچھ چھپاتے رہے ہیں ہمیشہ۔"

آفرین تھی اس لڑکے پہ جو سب کچھ جاننے کے باوجود بھی انہیں براہ راست مورد الزام نہیں ٹھہرا رہا تھا بلکہ وہ ---- اشارے کنایوں میں اپنی بات کہنا چاہ رہا تھا اور راحت اکبر بھی کوئی بچے نہیں تھے جو سمجھ نہیں پاتے۔ وہ بھی اچھی طرح سے جانتے تھے کہ وہ کس انداز میں کیا کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ آخر وہ تیس سال سے سیاست میں تھے۔

"میں نہیں چاہتا کہ ابھی تم اس کے بارے میں سوچو۔۔۔ میرے بعد سب کچھ تمہارا ہی ہے۔ لیکن میری زندگی میں نہیں۔" راحت اکبر نے اچانک ہی کہہ دیا تھا۔

"یہ زیادتی مت کریں چچا جان۔" حذیفہ بھی اٹھ کھڑا ہوا' راحت اکبر چلتے چلتے باہر چلے آئے جہاں لان میں بٹیر بھونے جا رہے تھے شاید کچن میں گرمی ہونے کے باعث ملازمین وہاں آگئے تھے' موسم بہت خوب صورت تھا اور باورچی نے کوئی پنجابی کیسٹ بھی لگا رکھی تھی۔

"میری محبت میں تم اتنا تو کر ہی سکتے ہو کہ اپنے چچا کا مان رکھ لو اس کی خواہش سمجھ کے ہی سہی۔" راحت اکبر نے ایک بار پھر کہا۔

"آپ کی ہی تو اب تک مانتا آیا ہوں چچا جان.... لیکن کچھ باتیں ماننے والی نہیں ہوتیں۔"

"تو کیا بڑوں کی باتیں ماننے والی نہیں ہوتیں؟" راحت اکبر نے اسے اس بات پہ اچنبھے سے دیکھا۔ مقصد اسے شرمندہ کرنا تھا۔

"جی ہاں..... میں سمجھتا ہوں کہ کچھ باتوں میں ہمارے بڑے ہمارے ساتھ زیادتی کر جاتے ہیں۔" حذیفہ نے اتنے ہی آرام سے کہا تھا۔ راحت اکبر کی حیرت کی اس بار کوئی انتہا نہیں رہی تھی لیکن انہوں نے سامنے لان میں نگاہ جماتے ہوئے سادہ لہجے میں پوچھا۔

"مثلاً.....!"

"اسی بات کو دیکھ لیجیے آپ اپنی زندگی میں میرا حق مجھے نہیں دیں گے تو آپ کے مرنے کے بعد مجھے میرا حق کون دے گا یہ ساری جائیداد تو نیلم کے نام ہو جائے گی اور مجھے کیا ملے گا کیونکہ میرے پاس تو ایسا کوئی ثبوت بھی نہیں' حالانکہ آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں حق دار ہوں کیونکہ آپ نے تو میرے باپ کو دفنانے سے پہلے ساری جائیداد ان کے مردہ انگوٹھے لگوا کے اپنے نام کروائی تھی اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میرے باپ کی موت ایک حادثہ نہ ہو انہیں قتل کروایا گیا ہو۔ خیر میں اس ساری بحث میں نہیں پڑنا چاہتا بس مجھے اپنا حق چاہیے۔"

وہ ان کے سامنے کھڑا بہت ہموار لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے خوفی اور نڈر پن صاف دکھائی دے رہا تھا.... راحت اکبر کو اس جوشیلے نوجوان سے پہلی بار ڈر محسوس ہوا وہ سب کیسے جان گیا تھا۔

"تم الزام لگا رہے ہو مجھ پر۔" راحت اکبر نے ٹھنڈی چاندنی میں لان کی کرسیوں پہ بیٹھتے ہوئے آرام سے کہا۔ وہ اپنی کوئی کمزوری اس کے سامنے ظاہر کر کے اسے مزید شہ نہیں دے سکتے تھے۔ ہاں یہ الگ بات کہ وہ بری طرح پچھتا رہے تھے کہ وہ اس کی باتوں کو اتنا ہلکا کیوں لیتے رہے ہیں۔ انہیں فوری طور پہ اس کا سدباب کر لینا چاہیے تھا۔

"میں الزام لگا رہا ہوں تو آپ اس کی تردید کیوں نہیں کر دیتے؟" وہ ویسے ہی تن کے آنکھوں میں

آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں بیٹا سمجھا لیکن تم مجھے اپنا باپ نہیں بنا سکے۔ ایک بیٹا اپنے باپ سے بدگمان نہیں ہوتا۔" انہوں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اس سے عام سے انداز میں شکوہ کیا۔ وہ اس کی ان ساری باتوں کو سن کے ایسے ظاہر کر رہے تھے جیسے وہ کوئی بچکانہ باتیں کر رہا ہو جن پہ توجہ دینا بے وقوفی سے زیادہ کچھ نہ ہو۔

"آپ میرے سگے باپ ہوتے تو کبھی میری حق تلفی نہیں کرتے۔" وہ اسی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"کیا نہیں کیا میں نے تمہارے لیے۔ تمہیں اچھی تعلیم دی، اپنے گھر میں اپنے ساتھ اپنا دایاں بازو بنا کے رکھا۔ ہر سرد و گرم سے بچایا ورنہ تمہیں یہ زمانے کے گدھ نوچ کھاتے۔ اور تم احسان ہی نہیں مانتے میرا۔" راحت اکبر کے لہجے میں رگوں میں اترنے والی ٹھنڈک تھی۔

"آپ نے مجھے جان بوجھ کے اپنا محتاج رکھا تاکہ میرا شعور بیدار نہ ہو۔ میں اپنی مرضی سے تعلیم حاصل نہیں کر سکا۔ میں باہر جا کے پڑھنا چاہتا تھا، مجھے اسکالر شپ بھی ملا لیکن آپ نے مجھے منع کر دیا۔ اگر میں اس وقت اپنے پیروں پہ کھڑا ہوتا تو اچھی جاب کر سکتا تھا لیکن آپ یہ نہ سمجھ سکے کہ مجھے اپنے ساتھ رکھنے کا یہ نقصان ہوگا کہ میں جلد یا بدیر آپ سے اپنا حصہ مانگوں گا۔" راحت اکبر نے اس کی نگاہوں میں دیکھتے ہوئے خاموشی سے اس کی جانب دیکھتے کچھ سوچتے ہوئے گہری سانس لی، وہ ان سے کس قدر بدگمان تھا، وہ تو اسے بے وقوف سمجھتے تھے۔ ایک جذباتی سا لڑکا جسے وہ جیسے چاہے موڑ لیا کرتے تھے لیکن اب وہ ایسا نہیں رہا تھا۔

"میرا ایسا کوئی مقصد نہیں تھا لیکن اگر تم مجھ سے اتنے ہی بدگمان ہو تو مجھے ازالے کا موقع دو۔" راحت اکبر نے اس بار نرمی سے کہا۔

"جائیداد میں سے پورا حصہ نہ کم نہ زیادہ۔" حذیفہ نے اپنا مطالبہ دہرایا۔ "اگر میں ایسا نہ کروں تو...؟"

"تو پھر مجھے آپ اپنے دشمنوں میں سے پائیں گے۔ اپنا حق لینے کے لیے میں کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں، کیونکہ میں آپ کا ہی بھتیجا ہوں۔"

یہ کہہ کے وہ پلٹ گیا تھا، راحت اکبر نے جاتے ہوئے اس کی پشت دیکھی اور پرسوچ انداز میں سگریٹ پھونکتے رہے۔ بھتیجے کو دی جانے والی ڈھیل اب ان کے گلے کا پھندا بننے والی تھی، انہیں جلد از جلد اس کا کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا ضرورت تھی تمہیں ان سے یہ سب کہنے کی، وہ باپ کی جگہ ہیں تمہارے۔"

پروین بیگم کو جیسے ہی پتا چلا انہوں نے اپنے بیٹے کو ڈانٹا تھا۔ وہ اس کے غصے سے پہلے ہی خائف رہا کرتی تھیں اور اب تو جیسے وہ بالکل ہی آؤٹ ہو گیا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ پچھلے کچھ عرصے سے وہ اپنے چچا چچی سے خاصا بدگمان رہنے لگا تھا۔ چاندنی بیگم سے تو اس کی کبھی بنی ہی نہیں تھی لیکن راحت اکبر کے تو وہ بہت زیادہ قریب تھا لیکن اب وہ ان کے خلاف کافی باتیں کرنے لگا تھا اور ناپسندیدگی کا اظہار بھی سر عام کر جاتا۔

پروین بیگم کو ڈر لگتا، اسی لیے وہ اسے ڈانٹ دیا کرتیں۔ کبھی پیار سے سمجھا دیا کرتیں لیکن وہ اب جیسے کچھ سمجھنا ہی نہ چاہتا تھا۔

وہ کھانا کھا رہا تھا اور ایسے ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے کسی بھی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اور کبھی کبھار وہ ایسے ہی بے نیاز ہو جایا کرتا اور اجنبی بھی۔ اس کی شخصیت ٹوٹ ٹوٹ کے بنی تھی، وہ اپنے باپ کا بے حد لاڈلا تھا۔ ہتھیلی کا چھالا، پرآسائش زندگی گزارنے والا لیکن باپ کی اچانک موت نے اس پہ گہرا اثر ڈالا تھا۔ وہ بالکل ہی گم صم ہو کے رہ گیا تھا۔

راحت اکبر کے گھر آنے کے بعد بے شک اسے ساری سہولتیں میسر رہیں لیکن اسے وہ محبت نہیں مل سکی تھی جو باپ اور ماں اسے مل کے دیتے تھے، یہاں

راحت اکبر اسے بھولے بھٹکے پیار کرتے جبکہ چاندنی بیگم تو وہ بھی نہ کرتیں۔ اسے نیلم کے ساتھ کھیلنے سے منع کیا جاتا تھا۔ یوں جیسے وہ اس قابل نہیں کہ اس کے پاس بیٹھے یا اس کے کھلونوں سے کھیلے۔ چاندنی بیگم ہر وقت ہی اسے اور اس کی ماں کو کوئی نہ کوئی جلی کٹی سنائے ہی رکھتیں۔

وہ اپنی پسند کی کوئی چیز بنوا کے کھانا چاہتا تو چاندنی بیگم اس کے سامنے سے اٹھا لیتیں... یہ سب اس کے اندر وحشت بھر دیتا اور نفرت اور غصہ بھی... وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ غصہ کرنے لگتا اور توڑ پھوڑ بھی اور چاندنی بیگم کا تو جان بوجھ کے نقصان کر دیتا' پروین بیگم اسے لاڈ سے پیار سے سمجھاتیں تو وہ ان پر بھی غصہ کرتا... وہ یہاں رہنا نہیں چاہتا تھا۔ اپنی ماں کو مجبور کرتا تھا کہ وہ یہاں سے چلے لیکن اس کی ماں مجبور تھی۔

جیسے جیسے اس کا بچپن رخصت ہوا تو راحت اکبر اسے اپنے ساتھ باہر ڈیرے میں لے جانے لگے یہاں اسے اپنے چچا کے ساتھ گھلنے ملنے کا موقع ملا تو وہ ان کے قریب ہو گیا۔

انہوں نے بھی اسے مایوس نہیں کیا تھا اور ہر جگہ اسے اپنے ساتھ رکھنے لگے تھے۔ وہ ان کے ساتھ ہر جگہ ہر طرح کی محفل میں بیٹھنے لگا تھا اور کسی بھی سیاسی ڈنر میں جانے پر وہاں ہونے والی ملاقاتوں میں ہونے والی گفتگو وہ غور سے سنتا۔ وہ اپنے چچا کی فہم و فراست سے پہلے پہل بے حد متاثر ہوا تھا' جب کسی بھی بڑے سے بڑے مسئلے پہ وہ اس کا حل چٹکیوں میں نکال لیا کرتے تھے۔ کوئی مخالف پارٹی کا بندہ زیادہ ٹائیں ٹائیں کرے تو اسے چپ کیسے کروانا ہے۔ ووٹ کیسے خریدنے ہیں' کس بندے کو کس وقت اپنا بنا کے کام نکلوانا ہے یا کس وقت کس کے کام آنا ہے۔ ان سب کاموں میں راحت اکبر کو ملکہ حاصل تھا۔ ان سے جب لوگ مشورہ لیتے تو حذیفہ کو فخر محسوس ہوتا کہ اس کے چچا کتنے قابل اور سمجھ دار ہیں' وہ ان جیسا بننا چاہتا تھا لیکن شکر ہے کہ بنا نہیں' اس کی بہت جلد ہی سمجھ میں آ گیا تھا کہ ان کا اصل روپ کیا ہے۔

شاید وہ مزید کچھ عرصہ ان کے ساتھ ایسے ہی گزار دیتا اگر جو وہ ان میاں بیوی کی باتیں نہ سن لیتا... وہ جانتا تھا کہ چاندنی بیگم اسے اور اس کی ماں کو پسند نہیں کرتیں لیکن اس کے چچا اس کے ساتھ ہمیشہ ہی بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ وہ اس کا ویسے ہی خیال رکھتے تھے جیسے کہ وہ ان کا بیٹا ہو اور اکثر ہی اس کی فرمائشیں بھی پوری کرتے۔ حذیفہ اس سے پہلے خود کو بے حد خوش نصیب سمجھا کرتا تھا لیکن یہ سننے کے بعد اس کی خوش نصیبی بدقسمتی میں بدلی تھی جب اس کے چچا اپنی بیوی سے یہ کہہ رہے تھے کہ وہ یہ سب اس کا منہ بند کرنے کو کرتے ہیں تاکہ وہ اپنا حصہ نہ مانگ لے یعنی کہ وہ حصہ دار تھا۔

وہ کئی دن الجھا رہا تھا اس نے اپنی والدہ پروین بیگم سے پوچھا کہ کیا اس کا باپ اپنے مرنے سے پہلے کوئی جائیداد چھوڑ کے گیا ہے۔" اس کی ماں نے سختی سے اس بات کی تردید کی تھی لیکن اس کے بعد ساری رات ان کا تکیہ بھیگتا رہا تھا یہ بات حذیفہ کو صبح جب وہ اسے ناشتہ دینے کے لیے آئیں تو محسوس ہوئی تھی حذیفہ نے ان کا ہاتھ تھام کے اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔

"امی جان... کیا چھپا رہی ہیں مجھ سے؟" پروین بیگم نے نظریں چرائیں۔

"میں کیوں کچھ چھپاؤں گی۔ تم بھی پاگل ہی ہو' بس ناشتہ کرو۔" لیکن حذیفہ نے ناشتہ شروع نہیں کیا تھا وہ ویسے ہی ان کی جانب دیکھتا رہا تھا یہاں تک کہ پروین بیگم اس کی نگاہوں سے الجھ گئی تھیں۔

"امی جان سچ وہ نہیں ہے جو چچا چچی نے مجھے ہمیشہ بتایا۔" حذیفہ نے انہیں خاموش دیکھ کے خود ہی کہنا شروع کر دیا تھا... پروین بیگم خاموش بیٹھی سنتی رہیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

بھید

سمیرا عثمان گل

وہ آج خوش تھا‘ بے حد خوش۔ جتنا کوئی بھی دولہا اپنے نکاح کے دن ہو سکتا ہے اور پھر اس کی تو دولہن بھی اس کی من پسند تھی۔ گاؤں کی ہیر سیاں وہ لے اڑا تھا۔ دوست بیلی اس کی قسمت پر رشک کر رہے تھے۔ اسکول جاتی وہ الہڑ سی نازک کلی نظروں کو ایسی بھائی کہ دل کی دنیا ہی الٹ پلٹ ہو گئی۔ پھر شوکے کے رشتے سے بھلا کس کو انکار تھا۔ پکا کوٹھا‘ اکلوتا سپوت جس کے نہ کوئی آگے نہ پیچھے۔ آلوؤں کے چپس کی ریڑھی لگاتا تھا۔ اس پر شکل بھی اچھی تھی۔ عمر ستائیس سال‘ پری گل سے دس سال بڑا تھا تو کیا ہوا یہ تو بالکل معمولی فرق تھا۔

اور پھر بھلا پری گل کی ماں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ سات سلیں تھیں جینے پہ رکھی ہوئی‘ ایک تو بوجھ کم ہوتا‘ جھٹ ہاں کر دی۔ واویلا ایسا کہ ہفتے کے اندر نکاح کر کے رخصتی دے دی۔ میدے اور سندور جیسی رنگت‘ بڑی سیاہ آنکھوں والی پری گل کا ملکوتی حسن تو آج پریوں کو بھی مات کر رہا تھا۔ بوسکی کی قمیص‘ تلے والا کھسا‘ گلے میں اجرک ڈالے بڑی بڑی مونچھوں کو بل دیتا شوکا دوستوں کے نرغے میں فخریہ سینہ تانے بیٹھا تھا۔

”یارو‘ ویسے بھابھی ہے بڑی سوہنی۔“ ایک نے کندھے پہ ہاتھ مارتے ہوئے اپنے ہی انداز میں سراہا تو مونچھوں تلے لب جیسے کھل اٹھے۔

”لیکن اب تمہیں بہت محتاط رہنا پڑے گا۔ سوہنی کڑیاں بڑی اڑیل ہوتی ہیں۔“ یہ کوئی جلا ککڑا تھا۔

”اور بے وفا بھی۔“ تیسرا با آواز بلند بڑبڑایا۔

”میں تو کہتا ہوں پہلے ہی دن سے ذرا قابو میں رکھنا‘ ایک بار اگر سر چڑھ گئی تو ساری حیاتی اپنا سر پکڑ کر روئے گا۔“ پہلے نے مزید سمجھایا۔

”اوئے پتا ہے مجھے‘ ایسا بھی زن مرید نہیں ہوں میں۔“ شوکا بدمزا سا ہو کر وہاں سے اٹھ آیا‘ لیکن پری گل پر نظر پڑتے ہی اس کا سارا زعم بھک سے اڑ گیا‘ بھلا اس کم عمر حسینہ کو وہ کیسے اپنے قابو میں رکھ پائے گا۔

☆ ☆ ☆

نو بیاہتا دلہن کی طرح کسی نے اس کے ناز نخرے نہیں اٹھائے تھے۔ اسے اگلے ہی دن سے سارا کام کاج سنبھالنا پڑا تھا۔ ڈری سہمی سی وہ سارا دن کاموں میں الجھی رہتی۔ شوکے کا حکم تھا کہ وہ اسے کبھی بے کار بیٹھی نظر نہ آئے‘ سارا گھر شیشے کی مانند چمکتا تھا۔ شوکے کو ڈھونڈنے سے بھی کہیں کوئی دھول مٹی کا نشان نظر نہیں آتا تھا۔ خود بھی ہر وقت تک سک سے تیار رہتی۔

کچھ دنوں تک وہ اس کے معمولات کا جائزہ لیتا رہا تو

اسے اندازہ ہوا کہ وہ بہت سیدھی اور معصوم ہے۔ ڈھونڈنے سے بھی جب اس میں کوئی خامی یا نقص نظر نہیں آیا تو پھر اسے وجہ ڈھونڈنے کی ضرورت ہوئی۔ وہ اچھا کھانا بناتی تھی۔ مگر وہ خواہ مخواہ کے نقص نکالنے لگا۔

"نمک تیز ہے' کھانا بناتے ہوئے دھیان کہاں ہوتا ہے تمہارا۔" وہ اتنے رعب سے اور غصے سے پوچھتا کہ بے چاری پری گل محض منمنا کر رہ جاتی۔

کل محلے کی ایک لڑکی آئی تھی' اس نے دیکھا تو بگڑتے ہوئے بولا۔ "یہ کیوں آئی تھی۔"

"ویسے ہی ملنے آ...." وہ تھوک نگلتے ہوئے بمشکل بولی۔

"دوبارہ میں محلے میں سے کسی کو گھر میں نہ دیکھوں اور نہ تم خود کبھی گھر سے باہر نکلنا۔" یہ عجیب پابندی تھی' وہ بے چاری سارا دن بیٹھی کڑھتی رہی۔ آخر یہ شوکا اس سے کیا چاہتا تھا۔

وہ گھر میں چاٹ' سموسے' نمکو اور ڈھیروں چیزیں لے کر آتا' ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر خود مزے سے کھاتا رہتا' وہ پاس بیٹھ کر محض اس کا منہ تکا کرتی تھی۔ آخر میں بچا کھچا اسے مل جاتا۔ یہ کیسی زندگی تھی اس کی' اتنی گھٹن زدہ' حبس بھری' اس کا بولنے کو دل چاہتا تو بس خود سے ہی باتیں کیے جاتی تھی۔

ایک روز وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ "مجھے ایک توتا چاہیے' جس کو سیٹی بجانا آتا ہو اور جو باتیں بھی کرتا ہو۔" پہلی بار وہ اس سے کوئی فرمائش کر رہی تھی اور وہ بھی ایک پرندے کی' شوکے کا دماغ گھوم گیا۔

"کیا؟" وہ ابھی تک حیران تھا۔

"ہاں مجھے چاہیے بس۔" وہ ضدی پن سے بولی۔

شوکے نے گھما کے ایک جھانپڑ رسید کیا تھا۔

"دوبارہ اس لہجے میں مجھ سے بات کی تو گدی سے زبان کھینچ لوں گا۔" قہربار نظروں سے اسے گھورتے ہوئے وہ گھر سے نکل گیا تھا۔ وہ رات دیر تک بیٹھی روتی رہی۔

شوکے کی نظروں میں بار بار اس کا ردیا ردیا سا چہرہ گھومتا رہا' اس کے ذہن کو ایک ہی سوال پریشان کر رہا تھا۔

"اب اسے میرے سوا کسی اور کی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے' وہ میرے سوا کسی اور کو سوچنے لگی ہے' کیوں؟؟"

☆ ☆ ☆

وہ اس سے ڈرنے لگی تھی۔ اس کی موجودگی میں سہمی رہتی اور وہ خوش تھا کہ وہ اس پر اپنا رعب جمانے اور تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کوشش میں وہ اس سے کتنا دور جا چکی تھی' اب تو وہ اس کے سائے سے بھی کترانے لگی تھی۔

پھر ایک روز شوکے نے ایک عجیب منظر دیکھا تھا۔

وہ جوں ہی گلی کا موڑ مڑا اس نے اپنے چوبارے پر پری گل کو کھڑے دیکھا' وہ نہ صرف کھڑی تھی بلکہ ساتھ والے گھر کی منڈیر پہ جھکی اشاروں میں کچھ بات بھی کر رہی تھی۔ یہ دیکھتے ہی اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔

"تو اب وہ اس سے چوری چھپے دوستیاں بھی کرنے لگی ہے۔" وہ کچھ دیر کے لیے وہیں رک گیا اور اس کے نیچے اترنے کا انتظار کرنے لگا' جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ نیچے آ چکی ہوگی تو وہ گھر کے اندر داخل ہوا۔

کھانا کھاتے ہوئے' اس نے پری گل سے تمام دن کی روداد پوچھی تو وہ رٹو توتے کی طرح اپنے کاموں کی فہرست گنوانے لگی۔ وہ منتظر تھا کہ وہ اسے بتائے گی کہ وہ چھت پر کس کام سے گئی تھی' مگر پری گل نے اس بات کو چھپا لیا تھا۔ اسے یقین ہونے لگا کہ پری گل اتنی بھی سیدھی اور بچی نہیں ہے' جتنا وہ اسے سمجھے بیٹھا ہے۔

کچھ روز بعد اس نے رنگے ہاتھوں پری گل کو سیڑھیاں اترتے دیکھ لیا' وہ اپنے ہاتھ میں پیچھے کچھ چھپا رہی تھی اور شوکے کو اچانک سامنے دیکھ کر اس کی رنگت فق ہو گئی تھی۔

"کہاں سے آرہی ہو اور یہ کیا چھپا رکھا ہے۔" وہ گھوم کر اس کے پیچھے آیا' اس کے ہاتھوں میں ایک رسالہ تھا' شوکے نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھاڑ کر کوڑے دان میں پھینک دیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پری گل کا حشر کر ڈالے۔ مگر ضبط کیے گھر سے باہر نکل گیا۔ پری گل رات دیر تک کانپتی رہی' ہوکتی رہی۔

"آج کے بعد میری غیر موجودگی میں تم کسی سے ملیں تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔" وہ محض اسے دھمکا ہی سکا۔ اتنی کومل' نازک سی تو تھی وہ' ایک بار اس پر ہاتھ اٹھانے کا دکھ ہوا تھا اسے' اب دوبارہ وہ اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼
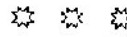
پری گل کی حرکتیں دن بہ دن ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھیں۔ محلے کی لڑکیاں اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر آنے لگی تھیں۔ وہ اس سے اتنا ڈرتی تھی' پھر بھی اس کی نافرمانی کرنے سے باز نہیں آتی تھی۔

آج بھی ایسا ہی دن تھا۔ گاؤں میں میلا لگا تھا اور ساری لڑکیوں نے مل کر اس کے گھر پہ دھاوا بول دیا تھا۔ اپنی ساری سکھیوں میں وہ اکیلی شادی شدہ تھی۔ اس کے پاس میک اپ کا سارا سامان تھا' زیورات تھے' رنگ برنگی اوڑھنیاں تھیں' بس یہی کشش ان کو بھری دوپہر میں اس کے گھر کھینچ لاتی تھی۔ وہ ساری آپس میں چہکتے ہوئے ایک دوسرے کو سجا رہی تھیں۔ کسی کے ہاتھ میں لائینر تھا تو کسی کے پاس بلش آن۔۔۔ کوئی لپ اسٹک لگا رہی تھی تو کسی کو نیل پالش کا شوق چڑھا تھا۔

"کیا بات ہے پری گل' اتنی اداس کیوں ہو رہی ہے۔" نیلما نے اس کی خاموشی کو کچھ زیادہ ہی محسوس کیا تھا۔

"اسے یہ فکر ہے' کہیں وہ سلطان راہی نہ آجائے۔" ریشماں نے قہقہہ لگایا۔

"وہ نہیں آنے والا' بھائی بتا رہا تھا اس نے شوکے کو دوستوں کے ساتھ شہر جاتے دیکھا ہے۔ تب ہی تو ہم لوگ آئے ہیں' ورنہ تمہیں مشکل میں کیوں ڈالتے۔" مریم نے جیسے اس کی تسلی کروائی تھی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں' بس میرا دل بھی میلے میں جانے کو چاہ رہا تھا۔" اس کا چہرہ اتر گیا۔

"تو اس میں کیا بات ہے' چلو ہمارے ساتھ' پھر تمہیں واپسی پہ گھر چھوڑ دیں گے۔" نیلما کے ساتھ اب باقی سب بھی اصرار کرنے لگی تھیں۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ چلو بہت مزا آئے گا۔" اور وہ جیسے سب کے اصرار پر مان گئی تھی۔ کچھ دل کو یہ تسلی بھی تھی کہ شوکا تو شہر گیا ہے' وہ ایک گھنٹے میں واپس آجائے گی۔

لیکن میلے میں گھومتے ہوئے اسے تین سے چار گھنٹے ہو چکے تھے' وہ گھر آتے ہوئے ڈر رہی تھی' لیکن سب دوستوں نے اس کی ہمت بندھائی تھی کہ تمہیں شوکے سے اتنا ڈرنے کی ضرورت نہیں' ڈٹ جانا اس کے سامنے' مقابلہ کرنا' زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا' تمہیں گھر واپس بھجوا دے گا تو بھجوا دے' ایسے ڈر ڈر کے جینے سے کیا حاصل۔ تمہاری تو سانسوں پر بھی اس نے پہرے بٹھا رکھے ہیں' تمہیں بھی کھل کر جینے کا اپنی مرضی سے رہنے کا حق حاصل ہے۔

ان کا یہ سارا لیکچر سننے کے بعد وہ گھر میں داخل ہوئی تھی۔

شوکا سامنے صحن میں ٹہلتے ہوئے اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مضبوط قدموں سے چلتی اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ آج جیسے وہ بھی ٹھان کر آئی تھی کہ وہ اس سے بالکل نہیں ڈرے گی۔

"کہاں سے آرہی ہو تم؟" سوال حسب توقع تھا۔

"میلے میں گئی تھی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بے خوفی سے بولی۔

شوکے نے حیرت سے اس کی آنکھوں میں اتری بغاوت کو دیکھا اور پھر کچھ کہنے کا ارادہ ترک کردیا' وہ جیسے خود سے ہار گیا تھا۔ ہاتھ وہ اس پر اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ اسے چھوڑ دینا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اپنا

سارا رعب، غصہ اور تسلط وہ اس کی آنکھوں میں اُتری بغاوت میں ڈھلا دیکھ رہا تھا، وہ کیا کرتا؟ وہ پہلی بار جیسے بے بس ہوا تھا۔

اور پری گل اپنی بہادری پہ خود کو داد دیتی بے حد خوش تھی۔

☆ ☆ ☆

پری گل نے دیکھا، کچھ دنوں سے وہ خاموش تھا۔ نہ ہی اس پہ خواہ مخواہ کا رعب جھاڑتا تھا۔ نہ ہی غیر ضروری کام کہتا تھا۔ ایک دوست کے ساتھ پری گل نے اسے کوئی بات کرتے سنا تھا۔ وہ آج کل اپنے کام کے حوالے سے پریشان تھا۔ اس کے آلو کے چپس نہیں بک رہے تھے، روز ریڑھی لگاتا اور شام کو خالی ہاتھ گھر لوٹ آتا تھا۔ رات کو اس کی چارپائی کی پائنتی بیٹھ کر اس کے پیر دباتے ہوئے پری گل کو اس پہ بے پناہ ترس آیا تھا۔ وہ اسے پریشان اور اداس دیکھ رہی تھی۔

"آپ فیکٹری کی جگہ بوائز کالج کے باہر ریڑھی کیوں نہیں لگا لیتے۔ وہاں بکری زیادہ ہو گی، بلکہ چپس ہی کیوں، ساتھ پکوڑے، سموسے اور چکن رول کا بھی اضافہ کرلیں۔" اس کی بات پر شوکے نے یک لخت اپنے پیر سمیٹ لیے تھے اور اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

آخر یہ خیال اتنے دنوں سے اسے کیوں نہیں آیا تھا اور جن دوستوں کو وہ اپنے مسئلے سنا رہا تھا۔ انہوں نے بھی ایسا کوئی مشورہ نہیں دیا تھا اور یہ پری گل جسے وہ کم عقل، بے وقوف سمجھ رہا تھا، اس نے کیسا کار آمد مشورہ دیا تھا۔ اصل میں اس کے کسی حریف نے فیکٹری میں اس کے کیچپ اور آلوؤں کے متعلق کوئی افواہ اڑا دی تھی اور اب کوئی اس کی ریڑھی سے چپس نہیں خرید رہا تھا۔

پری گل کے مشورے سے اس کا کام خوب چل نکلا تھا۔ وہ اس کی مددگار تھی۔ ضروری سامان گھر میں وہی تیار کردیتی تھی۔ وہ پری گل کی باتوں کو اہمیت دینے لگا تھا۔ اس کے لیے چیزیں خرید کر لانے لگا تھا اور اس نے دیکھا تھا، پری گل اب خوش رہنے لگی تھی۔ اس سے باتیں کرتی ہنستی، مسکراتی، اس کا ہر کام خوشی سے کرتی تھی۔ اس کا خیال رکھتی، اس کی پروا کرتی، اس کے لیے فکر مند ہوتی۔

یہ پری گل کچھ عرصہ قبل کی پری گل سے بالکل الگ تھی اور یہ اعتماد اسے شوکے کی محبت نے دیا تھا۔ وہ اس کی دن بہ دن کھلتی رنگت اور ہیرے جیسی چمکتی آنکھوں کو دیکھ کر اکثر سوال کرتا۔

"تم اتنا کیسے بدل گئی ہو؟ اب تمہیں نہ سہیلیوں کی ضرورت رہی ہے نہ کبھی گھر سے باہر جاتی ہو، نہ میری حکم عدولی کرتی ہو۔"

"اب تم جو میرے دوست بن گئے ہو۔" وہ اسے دیکھ کر مسکراتی۔

"پھر بھی یہ تبدیلی کیسے آئی؟ جس روز تم میلے سے واپس آئی تھیں، میں تو جیسے اس دن خود سے ہار گیا تھا، مجھے لگا تھا، میں اب کبھی تم پہ اعتبار نہیں کرسکوں گا۔"

"سچ کہوں تو پہلے کبھی تم نے مجھے اپنی محبت کا اعتبار دیا ہی نہیں تھا تو میں اس کی حفاظت کیسے کرتی، بلاوجہ کی روک ٹوک، پابندیاں انسان کو بغاوت پہ اکساتی ہیں، پھر وہ ان کے لیے چور راستوں کا انتخاب کرتا ہے، عورت کو زیر کرنے کے لیے محبت سے بڑا کوئی ہتھیار نہیں، تمہارا غصہ، روک ٹوک، سختی پابندیاں مجھے نہیں روک سکتی تھیں لیکن تمہاری محبت نے مجھے باندھ دیا ہے اور میں محبت سے بغاوت بھلا کیسے کرسکتی ہوں۔"

"اچھا! تو تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" وہ اس کی آخری بات اچک کر شوخی سے بولا۔

"نہیں تو....." وہ برملا کہتی رخ موڑ گئی، لیکن شوکے پر جو بھید کھل چکا تھا، وہ اب اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا، بادلوں نے چاند سے پہرہ ہٹایا تو ستارے بھی انہیں دیکھ کر کھلکھلانے لگے تھے۔

گھٹن زدہ محبت رہائی کا مژدہ سننے کے بعد اب سرشار سی ان کے گرد محو رقص تھی۔

☆

ام ایمان قاضی

"اے ہے جہاں آرا' چپ بھی کر جا میری بچی۔ مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں تیرا رونا دیکھ کے۔ سوچنے دے مجھے کچھ کہ کیا ایسا کروں کہ تجھے رلانے والے خود خون کے آنسو روئیں۔" عفت آرا جذباتی ہو کر گلوگیر لہجے میں بولیں۔ آخر کو بڑی اور چہیتی بیٹی تھی ان کی' اس کے کسی بھی مسئلے پر کیسے جذباتی نہ ہوتیں۔

"ارے اماں! شوہر تو چھوڑ اولاد بھی اپنی نہیں رہی اب۔ بڑی بی صبح ہی صبح اٹھ کر بیٹھ جاتی ہیں پتا نہیں کیا جنتر منتر پھونکتی رہتی ہیں دن چڑھے تک۔ میرا لاڈلا' فرمانبردار معیز کہتا ہے 'اماں! آپ کی پسند کی ہوئی لڑکی لا کر مجھے گھر کو جہنم نہیں بنانا۔ میرے لیے تو دلہن دادی ہی پسند کریں گی۔ دادی الگ صدقے واری جاتی ہیں پوتے کی باتیں سن کر۔ ارے جس نند نے ساری زندگی مجھے جلایا' تڑپایا۔ آج تک چین نہ لینے دیا۔ وہ تو اسی کی بیٹی کو سر پر لا کے بٹھائیں گے' دیکھ لینا۔"

وہ سوں سوں کر کے بولیں تو عفت آرا کو مزید جوش آگیا۔

"ارے ایسے کیسے لے کے آئے گی۔ تو اٹھ ذرا ٹیلی فون کھسکا لا اور میرے تکیے کے نیچے سے ڈائری نکال کر پیر بابا کا نمبر ملا ذرا میں دیکھتی ہوں کیسے ٹکتی ہیں تیری ساس کی مکاریاں پیر بابا کی کرامت کے آگے اور پچھلی بار تجھے جو پڑیاں بنا کے دی تھیں پیر بابا نے کہ دودھ میں گھول کر سب گھر والوں کو پلا دینا۔ وہ تو پورا کیا کہ نہیں تو نے عمل۔"

وہ فون کا ریسیور اٹھا کر رک کر جہاں آرا سے پوچھنے لگیں تو وہ منہ بنا کر رہ گئیں۔

"کیا تھا اماں! عمل پورے آٹھ دن کیا تھا۔ بیس ہزار الگ لے لیے آپ کے پیر بابا نے۔ پر اثر خاک ہونا تھا۔ الٹا ایک دن معیز کے ابا کو شک پڑ گیا جب میں دودھ میں پڑیا ڈال رہی تھی تو وہ کچن میں آگئے اچانک۔ شکر ہے زیادہ کرید نہیں کی ورنہ تو آپ کو پتا ہے ان کی عادت کا 'ایک بار جس بات کے پیچھے پڑ جائیں۔ بال کی کھال اتار ڈالتے ہیں۔" وہ خاصی ناراضی سے گویا ہوئیں۔

"اے جہاں آرا! تجھ سے یا تو عمل میں کوئی گڑبڑی ہو گئی یا یہی تیرا شک تجھے لے ڈوبا۔ یاد نہیں پیر بابا کا کہنا ہے کہ رتی بھر شک بھی میرے عمل کو بے کار کر ڈالتا ہے۔ جو کام بھی کرو' جو عمل بھی کرو' پورے ایمان سے کرو۔" انہوں نے بیٹی کو لتاڑا تو وہ شرمندہ سی نظر آنے

لگیں۔

"توبہ میرے اللہ مجھے معاف کردے' میں نے واقعی پیر بابا پر شک کیا تھا جب آٹھ دن مسلسل گزر گئے پر نہ تو معیز کی دادی پر کچھ اثر ہوا' نہ معیز پر نہ اس کے ابا پر تو میرے دل میں آگئی کہ بیس ہزار ضائع ہی نہ ہوگئے ہوں۔"

عفت آرا اب پیر بابا سے گفتگو فرما رہی تھیں۔

"میری بچی پر رحم کریں پیر بابا! اس کی جادوگرنی جیسی ساس نے سارے گھر کو اپنی مٹھی میں کیا ہوا ہے۔ جو ظلم کے پہاڑ توڑتی ہے وہ الگ ہے۔ میرے اکلوتے بیٹے کے رشتے کا بھی ذکر کیا تھا آپ سے کہ دشمن کہیں کام بننے ہی نہیں دیتے' جہاں ذرا بات بنتی ہے ایسی ایسی باتیں کرکے آجاتے ہیں کہ چار جگہ سے میرے شہزادے سے بیٹے کا لوگ خود آکر انکار کر گئے۔" لہجے میں مصنوعی رقت طاری کیے وہ اپنے مسائل پیر بابا کو بتا رہی تھیں۔

"دو کالے بکرے..... جی جی حاضر پیر صاحب۔" پچیس ہزار..... جی مجھے پتا ہے' آپ جیسے ولی کا اس دنیا اور دنیا کے پیسوں سے کیا لینا دینا' پر موکل تو نذرانہ لیں گے نا۔" نہ جی ہم جیسے لوگوں نے آپ پر شک کرکے گنہگار ہونا ہے؟؟" وہ عقیدت سے دہری ہی ہو گئیں۔ کچھ ایسے ہی تاثرات جہاں آرا کے چہرے پر بھی نمودار ہوگئے۔

"بس جی۔ اس بار کوئی عمل کوئی وظیفہ کریں بابا جی..... میری بچی بڑی پریشان ہے جی۔ تمیں ہمیں نذرانہ دینے میں خود آؤں گی جی۔ جی پیر بابا جی..... اللہ آپ کو ہزاروں سال سلامت رکھے۔" انہوں نے فون رکھ کے کہا۔

"بس تو دیکھ جہاں آرا اب کی بار کا عمل تیرے ساس تیرے پیروں میں نہ آگرے پھر کہنا۔ بکرے تو میں خود کرلوں گی۔ پچیس ہزار کا بندوبست ان دونوں میں تجھے کرنا پڑے گا۔" عفت آرا پاندان آگے کھسکا کر اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"وہی تو سوچ رہی ہوں اماں..... پچھلی دفعہ تو بیس ہزار کی کمیٹی نکلی تھی تو اس میں سے دے دیے تھے۔ اب پیسے کہاں سے لاؤں۔ معیز کے بابا تو کبھی بھی نہ دیں نہ ہی وہ ان باتوں کو مانتے ہیں۔ فرحت کب آئے گی کالج سے اس سے ادھار پکڑ لیتی ہوں۔ اگلی بیسی ڈال کے چکا دوں گی۔"

جہاں آرا کو آخر ایک راہ بہن کی صورت میں سجھائی دے ہی گئی۔

"یہ ٹیپو کب تک آتا ہے دفتر سے.....؟" پیسوں کی طرف سے مطمئن ہو کر جہاں آرا کو اب اکلوتے بھائی کا خیال آیا۔

"ٹیپو آج کل پریشان ہے۔ بتا رہا تھا کہ پروموشن ہوتی ہوتی رک گئی میرے بچے کی اس سے کئی سال جونیئر جو ابھی نیا آیا تھا اس کو ترقی دے دی باس نے۔ بندش کرا رکھی ہے دشمنوں نے' فرحت ہے تو اچھی بھلی صورت کی میری بچی۔ ہزاروں میں تنخواہ ہے سرکاری نوکری' پر رخصتی کرانے میں کیسی لیت و لعل سے کام رہے ہیں سسرال والے پر میں بھی دیکھ لوں گی ایک ایک کو۔"

اماں بڑھ بڑھ کے دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں اور جہاں آرا تائیدی انداز میں سر ہلائے جا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

سعیدہ نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرکے اپنے کمرے سے باہر آئیں تو فجر کا ٹائم نکلتا دیکھ کر الٹے پاؤں واپس ثمن کے بستر کی طرف گئیں۔

"اٹھ جاؤ ثمن جلدی سے نماز کا ٹائم نکل رہا ہے بیٹا!" انہوں نے اس کی چادر بھی کھینچ ڈالی تب ثمن آنکھیں ملتے اٹھی۔ وہ خود جلدی سے کچن کی جانب آگئیں۔ بیٹے کے بند کمرے کی جانب نگاہ گئی تو تاسف سے بس ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

عمران کو شادی کے بعد بھی آج تک ناشتا ماں ہی دیتی تھی۔ بہو بیگم دن چڑھے اٹھتیں۔ اپنی مرضی کا

ناشتا بنا کر نوش فرما کر سیدھا ماں کے گھر سدھار جاتیں اور واپسی عمران کی واپسی سے محض آدھا گھنٹہ پہلے ہوتی۔

شادی کے تین سال بعد بھی آج تک اس کا یہی دستور تھا۔ خود ایک دوبار دبے لفظوں میں بہو سے بات کیا کی گویا ایک قیامت صغریٰ کو آواز دے دی۔ بہو بیگم نے وہ سنائیں کہ وہ حق دق بس منہ تکتی رہ گئیں۔ وہ تو شکر ہے، ثمن کالج گئی ہوئی تھی ورنہ وہ اپنی ماں کے ساتھ یہ بدتمیزی برداشت نہ کرپاتی۔ بیٹے سے کچھ کہتیں تو وہ ایسی نظر سے دیکھتا کہ شرمندہ ہی ہو جاتیں۔

عمران اپنے کسی دوست کی بہن سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ پر سدا کی ہمدرد سعیدہ بیگم اپنی جٹھانی عفت آرا کا بوجھ کم کرنے کے لیے صفت آرا کو بیاہ لائیں۔

عفت آرا جب بیاہ کر آئیں تو پتا نہیں کیسا وہم لاحق ہوا کہ سارے رشتے دار ان کے پہننے اوڑھنے کے خلاف ہیں۔ ان کو خوش دیکھ کر خوش نہیں ان پر جادو ٹونا کراتے ہیں۔ عملیات کے ذریعے ان کے گھر میں پھوٹ پڑوانا چاہتے ہیں اور تنگ دستی لانا چاہتے ہیں۔ دماغ میں رینگنے والے یہ کیڑے اگر اسی وقت مناسب انداز میں جھاڑ دیے جاتے تو ٹھیک تھا پر کون کرتا یہ سب کہ نہ ساس تھی نہ نند۔ ماں الٹا شہ دینے والی' سو اب وہ کیڑے 'اژدہوں' کا روپ دھار گئے تھے۔ ان کے شک کی نوعیت بچوں کے بعد بدل گئی تھی۔ بچہ بیمار ہوا تو فلاں نے عمل کروالیا۔ فلاں بیٹی کی پوزیشن نہیں آئی فلاں رشتہ دار نے کچھ کروادیا ہوگا۔ اپنی تربیت کا یہ پہلو انہوں نے اپنی ساری اولاد میں بدرجہ اتم منتقل کردیا۔

پیروں فقیروں کے پاس ہر مسئلے کا حل ڈھونڈنے والا یہ خاندان ہزاروں روپے اسی مصرف میں جھونک آتا پر اللہ کے نام پر نہ تو ان دل میں خوف خدا تھا نہ دینے کے لیے ایک روپیہ۔ بیٹیاں جس جس گھر میں گئیں۔ اپنی بدفطرت اور اسی فضول شک کی بدولت نہ تو خود کسی خاندان کو اپنا بنا سکیں نہ ان کی ہو سکیں الٹا سسرال والوں کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دی تھی۔

گزرے سالوں میں عفت آرا بیوہ بھی ہو گئیں پر ان کی عادات و خصلت کو اس چیز سے کوئی فرق نہ پڑا تھا۔

ثمن بھی ماں کی مدد کو کچن میں آگئی۔ دونوں ماں بیٹی نے مل کر ناشتا بنایا۔ عمران ناشتا کر کے آفس چلا گیا۔ ثمن ابھی ناشتا کر کے چائے پی رہی تھی۔ آج کل پیپرز کے بعد فارغ تھی تو اس لیے اطمینان سے بیٹھی تھی ورنہ اس وقت تک وہ بھی عمران کے ساتھ ہی چلی جایا کرتی تھی۔ سعیدہ بھی بیٹی کے ساتھ ہی اپنی چائے لے کر آبیٹھیں دفعتاً ہال کا جالی والا دروازہ کھول کر بھاری بھرکم جسامت کی عفت آرا داخل ہو کر سعیدہ بیگم کا دل ہولا گئیں۔ ان کے ایمرجنسی دورے اکثر ہوتے تھے اور خاصے فساد لیے ہوتے تھے سو انہوں نے گھبراہٹ کے مارے ادھ پی چائے واپس ٹیبل پر رکھ دی اور ان کے استقبال کے لیے کھڑی ہو گئیں تاہم ثمن کی طرف سے ایسا کوئی مظاہرہ نہیں ہوا۔ اس نے صرف سلام کیا جس کا جواب دینا انہوں نے گوارا نہیں کیا۔ ثمن کے ماتھے پر ناگواری سے بل پڑ گئے۔ ان کی ہر آمد کی بے سروپا وجہ ہوتی اور اس کے پیچھے ایک فضول بحث اور اختتام ایک جھگڑے پر ہوتا جو ان ہی کی جانب سے ہی ہوتا۔ امی بیچاری تو ان کی تسلی کرانے میں ہلکان ہو جاتیں اور بالآخر دم سادھ کر چپ ہو جاتیں۔

"سعیدہ بیگم! مجھے پتا ہوتا کہ میری جس بچی کو بڑے ارمانوں سے تم بیاہنے آئی تھیں اس کے ساتھ یہ سلوک کرو گی تو ہرگز اس کو یہاں نہ بیاہتی۔ ہائے میری بدنصیب بچی' کیسے ناقدرے لوگوں کے پلے پڑ گئی۔"

ثمن کچھ بولنے لگی تھی کہ امی کی ایک گھوری اسے چپ کرا گئی۔

"بھابی بیگم! آپ بیٹھیں تو۔ تسلی سے بات کریں کیا ہوگیا ہے۔ اللہ گواہ ہے کہ میں نے صفت آرا اور اپنی ثمن میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔" سعیدہ نے لجاجت سے ان کے ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے

ہوئے کہا تو انہوں نے غصے سے ہاتھ جھٹک دیا لیکن صوفے پر بیٹھ ضرور گئیں کہ اتنے بھاری بھرکم جثے کے ساتھ کتنی دیر کھڑی رہ سکتی تھیں۔

"ارے رہنے دو بی بی۔۔۔ اگر میری بچی کو اپنی بیٹی سمجھتیں تو آج اس کی اولاد ہو گئی ہوتی۔ یہ آنگن یوں ہی سونا نہ ہوتا۔"

وجیہ سن کر سعیدہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا جبکہ ثمن کے تیوری کے بل مزید گہرے ہوگئے اور چہرے کے زاویے بھی بگڑ گئے تاہم وہ خاموش رہی۔

"بھابھی! یہ تو اللہ کا کام ہے وہ جب جسے چاہے نواز دے۔ ابھی شادی کو تھوڑا ہی تو عرصہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دے گا ان شاء اللہ اور مجھ سے بھلا زیادہ کسے خوشی ہوگی کہ میرے اکلوتے بیٹے کی نسل آگے بڑھے۔" سعیدہ نے رسان سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"رہنے دو بی بی بس کرو اپنے یہ ڈھونگ۔۔۔ پیر بابا نے خود تمہارا نام لیا ہے۔"

اور پیر بابا کا نام سن کر سعیدہ بیگم نے ایک طویل سانس لی۔

"وہ تو میں اپنے کسی اور مسئلے کے لیے گئی تو لگے ہاتھوں صفت آرا کا حساب بھی کروالیا۔ صاف کہہ دیا پیر بابا نے کہ بی بی! جب تک تیری بیٹی کی ساس زندہ ہے اس نے تیری بیٹی کے بچے نہیں ہونے دینا۔ ایسا عمل کرا رکھا ہے اس نے۔"

"اور میں کہتی ہوں کہ ہمارے گھر میں نہ تو کبھی سکون نامی شے کا عمل دخل ہو سکتا ہے نہ ہی کسی خوشی کا جب تک یہ کم بخت پیر بابا زندہ ہے۔" ثمن کے تو ماں کے متعلق ایسے الفاظ سن کر آگ ہی آگ لگ گئی۔

"دیکھا سعیدہ بیگم تمہاری بیٹی کی زبان۔۔۔ کیسے پیر بابا کی شان میں گستاخی کررہی ہے نامراد۔۔۔ جلا کر بھسم کردیں گے ان کو پتا چل گیا تو۔" عفت تڑخ کر بولیں۔

"ثمن تم جاؤ یہاں سے۔" سعیدہ بیگم نے غصے سے کہا۔

"جارہی ہوں، پر یاد رکھیے گا جس دن اس منحوس بابے کا مجھے پتا مل گیا تاں میں اس کے خلاف ایف۔ آئی آر۔ درج کراؤں گی لوگوں کے گھروں میں فساد ڈلوانے کے جرم میں۔"

وہ پاؤں پٹختی اپنی تائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتی چلی گئی جبکہ تائی کانوں کو ہاتھ لگا لگا کر استغفار کرتی رہیں۔

"دیکھئے بھابھی بیگم! میں آپ کو ایک نہیں کئی ہزار بار بتا چکی ہوں کہ زندگی میں رونما ہونے والی ہر بات، ہر عمل اور واقعہ من جانب اللہ ہوتا ہے۔ ہم تو بے بس انسان ہیں۔ میں آپ کو کن الفاظ میں یقین دلاؤں کہ میں ان تعویذوں گنڈوں اور عملیات وغیرہ پر یقین نہیں رکھتی۔"

"ہاں تو اتنی ہی اگر پاک صاف ہو تو اٹھاؤ قرآن۔" عفت آرا چیک کر بولیں۔

سعیدہ بیگم نے بے ساختہ استغفار کیا۔ "بھابھی بیگم! معاف کیجئے گا۔ قرآن پاک جیسی مقدس کتاب اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے اتاری ہے نہ کہ ہم جیسے گنہگار بندوں کے جھوٹ سچ جاننے کو۔"

"ارے اماں آپ! اتنی دیر میں صفت آرا بھی آنکھیں ملتی اٹھ آئی تو سعیدہ کو بہت کوفت ہوئی۔ کم از کم اس وقت وہ بہو بیگم کی موجودگی نہیں چاہتی تھیں۔ پتا تھا کہ ان دونوں کو اکٹھا سنبھالنا ——— دشوار ہوگا اور ہوا بھی یہی۔

عفت آرا نے اپنی بیٹی سے اپنی آمد کی وجہ بیان کی تو اس نے سر پر ہاتھ مار مار کر وہ رونا پیٹنا ڈالا کہ پہلے تو سعیدہ بیگم اسے چپ کرانے کی کوشش کرتی رہیں پھر خود ہی ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان جاہل عورتوں کو کیسے چپ کروائیں۔

یہ سب واویلا سن کر ثمن ایک بار پھر کمرے میں

آئی تو وہاں کی صورت حال پر تو اس کا خون کھول گیا۔ وہ دونوں ماں بیٹی امی کو دیکھ کر تیز تیز کچھ بول رہی تھیں اور امی آنسو بھری آنکھوں سے بولنے کی کوشش کرتیں پھر بے بسی سے چپ ہو جاتیں۔

"چپ۔۔۔ میں کہتی ہوں چپ کر جائیں آپ لوگ خدا کے لیے۔"

اس نے اتنی زور سے کہا کہ تھوڑی دیر کو تو واقعی وہ دونوں خواتین چپ ہو گئیں۔

"تائی جان! معاف کیجیے گا اگر اسی تماشے کے لیے ہی آئی ہیں آپ یہاں تو پلیز زحمت نہ کیا کریں۔ رشتہ داری کے ناتے تو آپ نے کبھی یہاں قدم نہیں رکھا۔ الزامات ہی لگانے آئیں، آپ جب بھی آئیں۔ آپ کی بیٹی صاحبہ روز اپنے درشن آپ کو کرا تو آتی ہیں۔ الفاظ، قسمیں، دلیلیں کوئی بھی چیز آپ کو مطمئن نہیں کر سکتی۔ اب میں کہتی ہوں کہ آپ جو کر سکتی ہیں، کریں بس یہاں آنے سے پرہیز کیجیے گا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ اٹھیں امی۔۔۔ آپ اپنے کمرے میں چلیں۔۔۔"

عفت آرا کا تو منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اس کے اس قدر غصیلے اور دوٹوک رویے پر، صفت آرا خونخوار نظروں سے نند کو دیکھتی رہی پھر چیخ کر بولی۔

"میرا گھر ہے یہ اور میری ماں کو یہاں آنے سے روکنے والی تو کون ہوتی ہے؟"

ثمن ایک بار پھر بولنے لگی تھی کہ سعیدہ نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

☼ ☼ ☼

ارسلان کے دفتر سے آتے ہی کرن بھابھی نے جلدی سے۔۔۔ کھانا لگا دیا۔ بچوں کو وہ اسکول سے آتے ہی کھانا دے چکی تھیں۔ اب وہ آرام کر رہے تھے۔ ابھی ارسلان ہاتھ دھو کر ٹیبل تک آئے ہی تھے کہ اطلاعی گھنٹی پر ایک بار پھر اٹھ کر دروازے تک گئے پھر ان کی پرجوش سی آواز سنائی دی۔ تھوڑی دیر بعد ٹیپو کو ساتھ لیے اندر آئے۔

"ہاں بھئی کرن! ٹیپو بھی کھانا کھائے گا تم روٹیاں اور ڈال دو۔" وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھے۔ ساتھ میں ٹیپو کو بھی ہاتھ پکڑ کر ساتھ والی کرسی پر بٹھا دیا۔

"نہیں بھائی! میں کھانا نہیں کھاؤں گا آپ تکلف مت کریں اماں کا پیغام دینے آیا تھا میں، آپ کو یاد کر رہی ہیں۔ شام کو چکر لگا لیں۔"

بھائی کا اس قدر روکھا جواب سن کر ارسلان دکھ سے بس اسے دیکھ کر رہ گئے جب کہ کرن بھابھی جو روٹیاں ڈالنے کے لیے کھڑی ہو رہی تھیں پھر سے بیٹھ گئیں۔

"اور ٹیپو سنا کیا حال ہے؟ گھر میں سب کیسے ہیں، اماں، آپا، تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟" ارسلان نے کھانا کھاتے ہوئے ٹیپو سے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں بھائی۔ جاب بھی بس ٹھیک ہی جا رہی ہے۔ دشمنوں کا بس نہیں چلتا کہ روزی روٹی بھی بند کر دیں۔ پرموشن ہوتے ہوتے رک گئی۔"

ماں کی تربیت کی جڑیں دور تک پھیلی تھیں۔ ارسلان بھائی نے ایک نظر کھانا کھاتی کرن کو دیکھا پھر کھانا ختم کرتے ہوئے رسان سے بولے۔

"دیکھو یار! تم تو پڑھے لکھے نوجوان ہو۔ تمہیں کم از کم میں ان فرسودہ خیالات کا مالک نہیں سمجھتا تھا۔ زندگی، موت، رزق، بیماری ہر کام اللہ کی طرف سے اس کی مرضی سے ہوتا ہے۔ جس دن تم لوگوں نے اس حقیقت کو قبول کر لیا یقین کرو بہت سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ میرا اماں اور تم لوگوں سے نظریاتی اختلاف یہی تو تھا جس نے مجھے اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔۔۔ اللہ بہت ناراض ہوتا ہے بدگمانی پالنے والے انسان سے۔ ناحق تہمت اور الزام لگانا بہت بڑا گناہ ہے۔" وہ اسے سمجھانے لگے۔

"بس کریں بھائی! آپ کیا ہمارا ساتھ دیں گے آپ تو خود ہی دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔ ورنہ آج یوں الگ نہ ہوتے ہم سے۔" وہ منہ بنا کر بولا تو ارسلان بھائی تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گئے۔

"اچھا چائے تو پیو گے نا؟" انہوں نے سر جھٹک کر

صلح جو۔ انداز میں پوچھا۔

"نہیں، بس اب چلتا ہوں۔ پچھلی دفعہ بھی ایک بار یہاں میٹھا کھالیا تھا تو پورا ایک ہفتہ بستر سے نہیں اٹھ سکا تھا۔"

وہ جتاتی نظر سے کرن بھابھی کو دیکھ کر بولا تو اذیت کا وہی احساس بھابھی کے اندر اتر گیا جیسے اس گھر میں رہتے ہوئے ہر بار ان کو محسوس ہوتا تھا۔ جب کہ ارسلان نے بہت مشکل سے خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا اور ٹیپو کے ساتھ چلتے ہوئے اسے بیرونی دروازے تک چھوڑ کر آئے تھے۔

ارسلان پر اپنی ماں اور بہنوں کی گہری چھاپ اس لیے نہ پڑ سکی تھی کہ میٹرک کرتے ہی اس کے چچا جو دبئی میں مقیم تھے انہوں نے اسے وہیں بلوا لیا تھا۔ چچا کا خشک میوہ جات کی برآمد کا کام کافی بڑھ گیا تھا۔ دوسرا ابا بھی اس وقت زندہ تھے سو انہوں نے ارسلان بھائی جو کہ دو بڑی بہنوں کے بعد تھا کو چچا کے پاس (جو ثمن اور عمران کے والد تھے اور آج بھی وہیں مقیم تھے) کے پاس بھجوا دیا تھا۔

اس نے چھوٹی عمر سے عملی زندگی میں قدم رکھا تھا اور زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کرنا جان گیا تھا۔ کمانے کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ چچا جیسے معاملہ فہم بندے کا ساتھ اس میں بہت سی مثبت تبدیلیاں لایا تھا۔ سات سال دیار غیر میں رہنے کے بعد جب وہ پاکستان واپس لوٹا تو اپنا کاروبار یہاں چھوٹے پیمانے پر شروع کیا جو کہ بعد میں کافی اچھا چل نکلا تو اس نے پردیس جانے کا خیال پھر دل میں نہ آنے دیا۔ چچا البتہ اب بھی وہیں تھے۔ دبئی انہیں راس آگیا تھا شاید۔ عفت آرا بہت چھان پھٹک کر کرن کو بیاہ کر لائیں، مگر وہ ایک سال میں ہی گھبرا گئی۔ کچن میں کام کے دوران عفت آرا اور جہاں آرا اچانک آکر چھاپا مارتیں۔ چلو یہ تو پھر بھی برداشت تھا مگر ان کی باتیں۔

"سالن میں کچھ ملا تو نہیں دیا کسی کے کہنے میں آکر؟" عفت آرا کے سوال پر کرن حیرت و استعجاب سے ان کو دیکھتی۔

"کیا مطلب امی؟" وہ حیرت سے سوال کرتی تو طنزیہ سی ہنسی سے مزید اس کا دل جلاتیں۔ "ایسی بھی معصوم نہ بنو۔ ذرا پہلے خود تو چکھو۔" صوم و صلوٰۃ کی پابند کرن ایک آئیڈیل بہو تھی اگر جو قدر دان لوگ ملتے تو۔ میکے سے ہی اس کی عادت تھی نماز کے اسٹائل میں دوپٹا باندھے رکھتی، ساتھ ساتھ اپنی امی کے کہنے کے مطابق درود پاک کا ورد کرتی رہتی۔

پہلی بار عفت آرا کی اس کے انداز پر نظر پڑی تو اس کے ہلتے لب انہیں ہولا گئے۔ فوراً ہی آکر اس کے ہاتھ سے سالن کا چمچہ لیا اور لگیں قسمیں اٹھوانے کہ کون سا عمل کر رہی تھی پڑھ پڑھ کر۔ ان کو مارنا چاہتی ہے یا اس گھر کی جاگیر سنبھالنا چاہتی ہے۔ وہ تو سن کر دنگ ہی رہ گئی۔

"خدا کی قسم امی۔ میری تو گھر سے ہی عادت ہے کہ کچن کا کام ہو یا سلائی کڑھائی کا۔ میں درود پاک کا ورد کرتی رہتی ہوں۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"اے رہنے دو بی بی یہ ڈرامے۔ ہم سب جانتے ہیں ان قصوں کو۔ اس گھر میں رہنا ہے تو یہ عملیات، دم درود نہیں چلیں گے۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر اسے متنبہ کیا تو وہ اپنے آنسو چھپا کر چپ ہی ہو گئی پر ارسلان سے ذکر کرنا نہ بھولی۔ رفتہ رفتہ اس کے لیے فرائض کی ادائیگی بھی اس گھر میں مشکل ہو گئی۔ اس کی نماز، قرآن کی عادت کو گھر میں کسی کی بھی بیماری یا پریشانی سے جوڑ دیا جاتا۔

"ہاں تو سارا سارا دن مصلیٰ بچھا کے جہاں وظیفے کیے جاتے ہوں، وہاں کسے سکھ کا سانس نصیب ہو گا۔"

ارسلان کا ساتھ تھا جو وہ ایسے جاہل لوگوں کو برداشت کر رہی تھی۔ تین سال کے عرصے میں دو بچے ہو گئے۔ وہ بھی جلتی کڑھتی رہی پر نہ تو خود کو ان کے مطابق ڈھال پائی نہ ان کو بدلنے میں کامیاب ہو سکی پر معاملہ تو تب خراب ہوا جب چھوٹے بچوں کو بھی وہ ان فضولیات میں ملوث کرنے لگیں۔

ان کے گھر رواج تھا کسی بھی بیماری کی صورت میں

ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ کسی عامل 'بابے ٹائپ کے لوگوں سے ضرور استفادہ کیا جاتا۔ پورے گھر کے خیال میں بیماری یا پریشانی کا تعلق اللہ سے نہیں بلکہ رشتہ دار جو ان کے دشمن تھے ان کی طرف سے کرائے گئے کسی عمل کا نتیجہ ہوتی۔ ارسلان کا بیٹا طلحہ ایک دفعہ ہیضے کا شکار ہوگیا۔ ارسلان بزنس کے سلسلے میں باہر تھا۔ عفت آرا ٹیپو کے ساتھ بابا کے پاس لے گئیں اور دم کراکے کوئی دس بارہ تعویذ گلے میں پہنا کے لے آئیں اور مرچوں کے دھوئیں' اور لال پیلی دوائیوں سے علاج شروع کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ہی دن میں بچے کی حالت اس حد تک بگڑ گئی کہ اسے اسپتال میں داخل کرنا پڑا۔ ارسلان جو اب تک صرف نظرانداز کردینے کی پالیسی اپنائے ہوئے تھا ماں اور بھائی پر خوب بگڑا۔

عفت آرا کون سا چپ رہنے والی تھیں۔ سارا الزام ہی کرن کی ماں کے سر رکھ دیا کہ بچے کو کچھ ملا کے دیا ہے بقول ان کے بابا کے اور بابا نے ہی پیش گوئی کی تھی کہ پہلے بچے کی حالت بگڑ جائے گی' لیکن ان کا عمل اسے موت کے منہ سے کھینچ لائے گا۔

ارسلان پہلی دفعہ کچھ سوچنے پر مجبور ہوا اور اس کی سوچ نے عملی قدم تب اٹھایا جب اس واقعے کے محض ہفتہ بعد اسے اپنی بیٹی جو کہ اس وقت بمشکل پانچ سال کی تھی۔ گلی کے بیچ میں ہراساں کھڑی دکھائی دی اس نے ہاتھ میں کچھ پکڑا ہوا تھا۔ ارسلان کو کرن کی لاپروائی پر شدید غصہ آیا کہ بچی کو بھلے ہی اپنا محلہ اور جان پہچان کے لوگ تھے' باہر کیوں بھیجا پر بچی سے ساری صورت حال پتا چلنے پر اس کے خون میں شرارے دوڑ گئے۔

"میں تو سو رہی تھی بابا! ماما نہانے گئی تھیں۔ دادی نے یہ گوشت دیا اور کہا ادھر ماسی کوڑا ڈال کے آتی ہے وہاں جو کالا کتا بیٹھا ہو اس کے آگے یہ گوشت ڈال کر جلدی سے بھاگ آنا۔ ماما کو مت بتانا۔ تمہارے اوپر جن کا سایا ہوگیا ہے ایسا کرنے سے وہ بھاگ جائے گا نہیں تو تمہیں کھا جائے گا۔" کہہ کر بچی اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر زور سے رو دی۔

"بابا گوشت تو ڈال دیں ورنہ جن مجھے کھا نہ جائے کہیں۔" بچی کا خوف سے برا حال تھا اور ارسلان کا غصے سے۔

وہ سارہ کو لیے سیدھا گھر آیا اور کرن کو پیکنگ کرنے کو کہا۔

"ائے ہے ایسا کیا قصور ہوگیا ہم سے کہ گھر ہی چھوڑ کے جا رہا ہے۔ تیری بیوی اور ساس نے کوئی نئی پٹی پڑھائی ہوگی۔"

بیٹے کے تیور دیکھ کر تو وہ ٹھٹک ہی گئی تھیں جب وہ بپھرے تاثرات لیے بچی کو سینے سے چمٹائے گھر میں داخل ہوا۔

"یہاں رہ کر آپ جو کچھ کرتی ہیں وہ اب میری برداشت سے باہر ہے اماں! میں آپ سے گستاخی کرنا نہیں چاہتا۔ اپنی فضول باتوں' واہموں اور وسوسوں میں آپ نے معصوم بچوں کو بھی گھسیٹ لیا ہے۔ یہ دیکھیں اس کو' رو رو کر برا حال ہے۔" وہ غصے سے پھٹ پڑا۔

"ہاں تو حساب کروایا ہے میں نے ابھی سے ہی یہ بات پتا چلی ہے ہمارے گھر پر جو عمل کئی سال پہلے دشمنوں نے کروایا تھا' وہ تعویذ پرانے ہو کر اب جنات کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ طرح طرح سے ہمیں تنگ کریں گے۔ ٹیپو میرا بچہ کب سے بے روزگار پھر رہا ہے ایسے ہی۔ طلحہ کھڑے کھڑے بیمار ہوگیا۔ فرحت کے نکاح کے بعد لڑکے والے رخصتی بھول گئے۔ تو یہ سب مسئلے ایسے آسمان سے نہیں اتر پڑے' ان سب کے پیچھے کچھ تو ہے نا آخر۔ پر تم نے میری پہلے کون سی بات مانی ہے۔ جو اب مانو گے۔"

وہ پیچھے ہٹنے والی نہیں تھیں۔ کچھ کہنا سننا بے کار تھا۔ یوں اماں کے واویلے' کرن اور اس کی ماں پر الزام کے باوجود ارسلان نے وہ گھر اسی دن چھوڑ دیا تھا پر گھر کی خبر گیری کرتا' کبھی نہیں بھولا نہ ہی اماں کو خرچ کی مد میں جو ماہانہ رقم دیا کرتا تھا' وہ دیتا۔

وہ گھر والوں کی ذہنیت بدلنے میں آج بھی اتنا ہی

ناکام تھا جتنا چار سال پہلے۔

☆ ☆ ☆

"تتلی... تتلی! میں کہتی ہوں چھوڑو یہ رسالے اور اٹھ کر جھاڑو ہی دے لے گھر میں' دیکھ تو ذرا سی ہوا کیا چلی منٹوں میں دوبارہ گند ہو گیا۔" صفائی پسند اماں سے گھر کی حالت برداشت نہ ہوئی تو رسالہ پڑھتی بیٹی کو پکار بیٹھیں۔ وہ جو ابھی محض بیس منٹ پہلے ہی جھاڑو لگا کر سارے گھر کو چمکا کر ڈائجسٹ لے کر قسط وار کہانی کے سحر میں پوری طرح سے گم تھی بھنا گئی۔

"کسی دن آپ کے یہ چہیتے درخت میرے ہاتھوں ضائع ہو جائیں گے اور یہ لاڈلی مرغیاں بھی ذبح کر کے چرغہ بنا کے کھا جاؤں گی۔ دیکھ لینا آپ!" غضب خدا کا چوبیس گھنٹوں میں چوبیس بار ان دو چیزوں کی وجہ سے مجھے گھر صاف کرنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی میں خود کو جمعدارنی تصور کرنے لگتی ہوں بلکہ وہ بھی اتنی دفعہ جھاڑو نہیں لگاتی ہو گی جتنی دفعہ میں۔" اماں کی مسلسل پکار پر اس نے رسالہ تکیے کے نیچے رکھا اور خود کمرے سے باہر آ کر ایک نظر صحن میں پڑے خشک پتوں پر اور دوسری اماں پر ڈال کر غصے سے کہا۔

"کیا ہے اماں' سارا کام کرتی ہوں۔ پھر بھی تمہیں میرے رسالے برے لگتے ہیں جن کو پڑھنے کا ٹائم ہی اتنا کم ملتا ہے مجھے۔" اس نے منہ بنا کر اماں سے کہا۔

"بیٹیوں کو سلیقہ مند ہونا چاہیے تتلی۔ ماں باپ کے گھر کا لاڈ اگلے گھر کا عیب بن جاتا ہے۔ ماں باپ کی ڈانٹ ڈپٹ میں بھی بچے کی اصلاح چھپی ہوتی ہے۔ مجھے پتا ہے کہ میری بیٹی کو ہر کام آتا ہے۔ کرتی بھی ہے پر دل لگا کر نہیں۔ مارے باندھے۔ مجھے بتا کہ سارا دن بھی گھر گندا پڑا رہے' میں تجھے یاد نہ دلاؤں تو ایسے ہی پڑا رہے۔ یہی چھوٹی چھوٹی باتیں عورت کی شخصیت بناتی اور سنوارتی ہیں۔"

وہ اماں ابا کی اکلوتی اولاد تھی۔ شادی کے پانچ سال بعد منتوں مرادوں سے پیدا ہوئی۔ نام تو در نجف تھا پر ابا اسے تتلی بلاتے تو یوں در نجف تو صرف کاغذات پر رہ گیا سب کی تو وہ تتلی تھی۔ ابا کے لاڈ پیار کی وجہ سے اس کے مزاج میں لاپروائی آ گئی تھی۔ جب کہ جس متوسط طبقے کا وہ لوگ حصہ تھے اماں کو پتا تھا کہ وہاں پہلے تو تعلیم کچھ خاص ضروری نہیں تھی۔ اس نے ابا سے ضد کر کے میٹرک تک پڑھا' پھر کالج کے لیے ضد کی تو شہر لے جا کر پڑھانا ان کے بس میں نہ تھا۔ ہاں ایف اے کی پرائیویٹ تیاری کے لیے کتابیں ضرور لا کر دے دیں۔ ابا شہر میں ایک سرکاری دفتر میں چپراسی تھے۔ اپنی بساط سے زیادہ بیٹی کو پڑھایا اور زندگی کی ہر ضرورت مہیا کرنے کی کوشش کی۔ محلے میں ایک دو لوگ اس کے رشتے کے خواہاں تھے۔ ایک پرچون فروش' ایک قاری صاحب۔ اگرچہ ان کی کلاس میں ایسے ہی رشتے مناسب تھے پر اماں کے اصرار کے باوجود ابا اپنی بیٹی کے لیے ان کو مناسب نہ سمجھتے تھے۔

اماں نے کہا بھی تھا کہ وہ ایک چپراسی کی بیٹی ہے اس کے لیے ایسے ہی رشتے آئیں گے۔ کسی منسٹر کے خواب مت دیکھیں۔"

پر ابا نے انہیں یہ کہہ کر چپ کرا دیا تھا کہ میری ایک ہی بیٹی ہے' میں خوب دیکھ بھال کر اس کا رشتہ کروں گا۔ تتلی جو مارے باندھے اماں کے کام میں لگی رہتی ابا کے خیالات جان کر بہت خوش ہوئی اور واقعی کسی شہزادے کے خواب بننے لگی۔

☆ ☆ ☆

"واہ سبحان اللہ۔" منڈیر سے جھانکنے پر اسے تائی کے گھر جو منظر نظر آیا اسے دیکھ کر اسے گدگدی ہونے لگی۔ اس نے موبائل نکالا کچھ سوچ کر مسکراہٹ دباتے ہوئے ایک نمبر پریس کیا۔

"اس وقت جو منظر میرے سامنے ہے وہ دیکھ کر اگر میں تمہیں نہ بتاتی تو شاید تمہارے ساتھ بھی زیادتی ہوتی' دوسرے اکیلے دیکھنے میں مزہ نہیں آ رہا۔" وہ کھلکھلا کر بولی تو دوسری طرف معیز تو حیرت سے بت ہی بن گیا۔

ایک تو اتنے دن بعد اس کی آواز سنی تھی دوسرے

وہ بھی اتنے خوش گوار موڈ میں تیسرے اس کا اسے خود سے فون کرنا۔

"ایسا کیا دیکھ لیا مس ثمن الٰہی نے جو مجھ ناچیز کے ساتھ شیئر کرنے کو بھی تیار ہو گئیں۔" وہ بھی مسکرا کر بولا۔

"میں ابھی کچھ دیر پہلے یہاں پڑھنے کے ارادے سے اوپر چھت پر آئی ہوں پر نیچے آپ کی نانی اماں کے گھر کا جو منظر ہے' اسے دیکھ کر میں نے کہا' ثمن ! پڑھائی تو روز کی چیز ہے' جب کہ ایسے انوکھے مناظر تو زندگی میں کبھی کبھار ہی دیکھنے کو ملتے ہیں سو اس سے مستفید ہو لیا جائے۔" ثمن کی آواز ہنوز کھنک رہی تھی جب کہ وہ نیچے دیکھتے ہوئے مسلسل بات کر رہی تھی۔

"قصہ کچھ یوں ہے کہ آپ کی نانی اماں دھوپ میں ایک شاہی بستر پر استراحت فرما رہی ہیں۔ غالباً" طبیعت کچھ ناساز ہے۔ ارد گرد ان کی ساری ہی اولاد جمع ہے' آپ کی والدہ محترمہ سمیت۔ ہاں ارسلان بھائی نظر نہیں آ رہے۔" معیز چوکنا ہو کر بغور اس کی بات سننے لگا۔ "یہ بھی اتنی خاص بات نہیں' خاص تو ہیں چنی چنی آنکھوں والے بابا جی جن کے میلے چیکٹ کپڑے عنقریب میل کا بوجھ نہ سہار کر لگتا ہے چیتھڑوں میں تبدیل ہو کر گر جائیں گے۔ گلے میں رنگ برنگی مالائیں غالباً" خود کو کوئی اعلا قسم کی روحانی بزرگ سمجھنے کی کوشش میں ڈالی گئی ہیں پر ان کو جا کر کون جتائے کہ وہ اس کوشش میں بالکل ناکام ٹھہرے ہیں۔ آپ کی نانی اماں کے بستر کے عین سامنے ایک شاہی کرسی پر براجمان' اب انہوں نے آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ یہ بھی یقیناً" تمہارے لیے معمول کی بات ہو گی۔" اس نے طنز کیا تو معیز خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔

"اب ذرا ان بابا جی کے اگرچہ بابا جی میں جس دل سے صبر کر کے کہہ رہی ہوں میرا دل جانتا ہے پر.... چھوڑو۔" وہ کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"ہاں تو بابا جی کے دائیں طرف ایک کالا بکرا تیس چالیس کے قریب گلاب کے ہار پہنے کھڑا ہے۔ آپ کی امی حضور اور میری بھابھی جان اس بکرے کے گرد گویا اس کی نگرانی پر مامور ہیں۔" وہ کھلکھلائی تو معیز بے اختیار طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اسے پتا تھا اب ثمن نے جو ریکارڈ لگانا تھا۔

"تھک تو نہیں گئے نا معیز...؟" اس نے مصنوعی لگاوٹ سے پوچھا۔

"نہیں تم بولو..." وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ہاں تو اب بابا جی نے اپنی چنی چنی آنکھیں کھول کر تائی جان کی پائنتی کی طرف بیٹھے پریشان حال ٹیپو بھائی سے کچھ کہا ہے۔ نتیجتاً" اب وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور وہ بھی بکرے کے قریب آ گئے ہیں۔ آپ کی امی حضور اور ہماری بھابھی جان نے اپنا حصار بکرے کے گرد توڑ دیا ہے اور بابا جی کی بائیں طرف آ گئی ہیں۔ او نو... لائیو کمنٹری کرتے کرتے ثمن کو ہنسی کا ایک شدید دورہ پڑا۔

"معیز! اب کی بار جو سین ہے اف میرے اللہ۔" وہ کھانسی کے دوران بولی۔ معیز بے ساختہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ یقیناً" اس صورت حال کو انجوائے کرتا۔ ثمن کی دلکش ہنسی کو اپنے اندر اتار لیتا اگر جو یہ سارا معاملہ عفت آرا یعنی اس کی نانی اماں کے گھر کا نہ ہوتا۔

"آپ کے ماموں جناب ٹیپو صاحب نے اپنا پورا زور لگا کر اس بھاری بھر کم بکرے کو گود میں بھر لیا ہے اور آپ کی نانی اماں کے شاہی بستر کا طواف ہو رہا ہے.... ایک ...دو اور ...یہ پورے سات چکر کے ساتھ عمل پورا ہوا یا جناب ٹیپو تھک گئے یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ اب آپ کی والدہ محترمہ ایک بھری ہوئی ٹرالی جو کہ اشیائے خورد و نوش پر مشتمل ہے لے کر بڑی عقیدت سے بابا جی کو بصد اصرار سرو کر رہی ہیں۔ آپ کی نانی اماں کی پوری فیملی پر احسان کرتے ہوئے بابا جی منٹوں میں ٹرالی چٹ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ تائی اماں کے علاوہ سارا گھرانا ان کو شاید گیٹ پر سی آف کرنے جا رہا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ

جاتے ہوئے وہ بلراج بھی جو بلبلایا تو اللہ حافظ کہنے گیا تھا وہ
ان کو اتنا پسند آگیا کہ وہ اسے ساتھ ہی لے گئے شاید
کیونکہ اب جو لوگ واپس پلٹ رہے ہیں تو وہ ان کے
ہمراہ نہیں ہے۔ امید ہے بیس منٹ کا یہ پروگرام جس
کی روداد میں نے آپ کو سنائی "آپ کو۔

بے حد پسند آیا ہوگا جب کہ میں یہ سب دیکھ کر اور سنا
کر تھک چکی ہوں' سو نیچے چلتی ہوں۔ ہوسکتا ہے
نیچے میری بھابھی صاحبہ میری امی کے ناکردہ ایک اور
جرم کی شکایت لے کر انہیں کو ہراساں کررہی ہوں
۔ اگر وہ وہاں نہیں ہوئیں تو اپنی والدہ محترمہ کا ویٹ
کیجیے کیونکہ امی کو نظرانداز کر بھی دیں تو تائی امی کی
بیماری کے سبب کا قرعہ فال آپ کی دادی محترمہ کے نام
نکلے گا۔ گڈ بائے۔" آخر میں ثمن کے طنزیہ لہجے میں
جو دکھ کی کاٹ تھی' وہ معیز نے اپنے دل کو کاٹتی
محسوس کی اور سر جھٹک کر دادی اماں کے کمرے کی
طرف بڑھ گیا۔

ثمن اسے کب اچھی لگنا شروع ہوئی تب سے
جب ابھی نانا ابا زندہ تھے اور وہ اپنی تائی کے اور معیز
اپنی امی کے ساتھ اپنی نانی کے گھر جایا کرتا تھا' نٹ
کھٹ اور شرارتی سی وہ لڑکی جو کبھی اس کی اچھی
دوست تھی' اس کی خالہ صفت آرا کو بھابھی بنا لینے
کے بعد تائی کے گھر سے تو کٹ ہی گئی تھی۔ معیز سے
بھی اس کا رابطہ بہت کم رہ گیا تھا اور جب معیز نے
اسے بتایا تھا کہ اس کی امی کے سوا دادی اور ابا کو اس کی
پسند کا علم ہے تو اس نے صاف لفظوں میں انکار کردیا
تھا۔

"معیز! لڑکپن کی حد تک میں تمہارے ساتھ کا
سوچ کر خوش ہوتی رہی ہوں پر شعور کی وادی میں پہلا
قدم دھرتے ہی مجھے احساس ہوا ہے کہ انسان محبت
کے بغیر تو زندہ رہ سکتا ہے' عزت کے بغیر نہیں اور میرا
شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے لیے ان کا کردار اور
سیلف رسپیکٹ اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہوتی
ہے۔
اس بات کا ادراک مجھے تب ہوا جب سے تمہاری
خالہ صاحبہ نے ہماری زندگی جہنم بنائی ہوئی ہے۔ رہی
سہی کسر ہماری تائی جان پوری کر جاتی ہیں۔ اماں کو گھر
آکر پریشان کرکے ہراساں کرکے' کئی دن کا بستر کا
مہمان بنا کر' نہ چاہتے ہوئے بھی ان چاہے رشتوں کو
نبھانا بعض دفعہ ہماری مجبوری بن جاتا ہے۔ پر چوائس
ہو تو ایسی لائف کا انتخاب ہرگز نہ کروں جس میں ایک
فرد کی محبت تو ہو پر ساتھ ہی نفرت اور الزام تراشی کے
کانٹے بھی ہوں۔ تم اس مقصد کے لیے اپنے ابا اور
دادی کو ہرگز ہمارے ہاں مت بھیجنا۔"

وہ دن اور آج کا دن اس نے دوبارہ اس سے فون
پر بات کرنا بھی پسند نہیں کیا تھا۔ تائی کے گھر آنا جانا تو
کب سے تمام ہوا تھا کہ جس گاؤں ہی نہیں جانا اس
کے کوس کیا گننا۔ وہ نمبر ملا کر تھک جاتا' اس کی
جانب سے اتنا سخت اور کٹھور رویہ معیز کو بہت غصہ
دلا دیتا تھا۔ اسے پتا تھا کہ وہ بھی اپنی طرف سے حق
بجانب تھی۔ وہ تو شکر ہے کہ اس کی تربیت میں اس کی
دادی کا ہاتھ تھا ورنہ وہ بھی اپنی ماں اور نانی کے زیر اثر
ہوتا آج۔ اس کی دادی خود سمدھن اور بہو کے رویے
کے ہاتھوں بہت تنگ تھیں' گھر کا ماحول خراب نہ ہو
اس لیے تدبر' معاملہ فہمی اور خاموشی کے چند اصولوں
سے انتشار اور بے سکونی سے بچی ہوئی تھیں۔
یہ اور بات ہے کہ معیز کی ماں جہاں آرا نے ہمیشہ
اپنی ساس کو ظالم سمجھا تھا اور چاہتی تھیں کسی طرح ان
کی راجدھانی اس گھر سے مکمل ختم ہوجائے'
صوم و صلوۃ کی پابند معیز کی دادی اماں کو تو ایسی
شرک والی باتیں پسند ہی نہیں تھیں۔ بہو کو حتی الوسع
بٹھا کر نرمی سے سمجھانے کی کوشش کرتیں۔ اٹھتے
بیٹھتے باتوں باتوں میں بھی جتا دیتیں کہ اللہ کے سوا کسی
بھی مخلوق میں اتنی طاقت نہیں کہ انسان یا کسی کی
زندگی کے کسی بھی معاملے کی نوعیت بدل سکے پر جہاں
آرا پر اپنی ماں کی سوچ اور تربیت کا رنگ اتنا گہرا تھا کہ
معیز کے والد کی بائیس سالہ رفاقت بھی اس کو ختم
کرنے میں ناکام رہی تھی۔
"میں کہتا نہیں تھا تتلی کی ماں! کہ وہ مالک بڑا بے نیاز

ہے۔ ہماری گمان کے مطابق ہی نوازتا ہے۔ جب وہ دینے والا عطا کرتے نہیں تھکتا تو ہم مانگتے ہوئے خوشی سے کہاتو وہ بھی تائید میں سرہلا کر رہ گئیں۔

غیر متوقع طور پر ان کی تتلی کے لیے ایک اونچے گھرانے سے رشتہ آہی گیا تھا۔ ان کی بیٹی کے نصیب بھی کھل گئے تھے۔ لڑکا ابا کے دفتر میں گریڈ اٹھارہ کا ملازم تھا۔ ابا سے لڑکے نے ایک دن بات کی اگلے دن اس کی ماں بہنیں آکر رشتہ پکا کرکے تتلی کے ہاتھ پر شگن کا دو ہزار رکھ گئی تھیں۔ ان لوگوں نے بہت جلدی کی تاریخ مانگی تھی۔ اتنی جلدی میں یہ سب ممکن نہیں تھا پر ان کے اصرار پر ابا کو ہاں کرتے بنی تھی۔ بیٹی کے لیے جہیز تو اپنی حیثیت کے مطابق جوڑ رکھا تھا پر ابا نے اپنی چند بیگھے زمین بھی بیچ کر ان کے شایان شان بیٹی کو رخصت کر ہی دیا تھا۔

لڑکا تین چار سال سے ان کے دفتر میں تھا۔ انتہائی شریف اور اپنے کام سے کام رکھنے والا۔ دونوں میاں بیوی کے دل جہاں بیٹی کی جدائی پر اداس تھے وہاں ایک اچھے گھر جانے کی طمانیت کا احساس بھی تھا۔

پتا نہیں کن کن مراحل سے گزار کر اسے اپنے کمرے میں پہنچایا گیا۔ انجان لوگ، اجنبی شریک سفر، اونچا خاندان کئی چیزیں تھیں جو اس کو گھبراہٹ میں مبتلا کررہی تھیں پر کامران عرف نیپو نے اسے محبت کا ایسا احساس دیا تھا کہ وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔ ساس واری صدقے جاتیں تو نندیں الگ پیار کرتے کرتے نہ تھکتیں۔ بڑی آپا جہاں آرا کا تو ہفتے میں ایک چکر لگتا۔ منجھلی آپا فرحت آرا ایک کالج میں لیکچرار تھیں۔ فرحت آرا کا نکاح ہوگیا تھا رخصتی متوقع تھی۔ چھوٹی آپا صفت آرا روز ہی چکر لگاتیں کہ ایک دیوار پار ہی تو ان کا گھر تھا۔ درمیانی دروازہ کھول کر چلی آتیں۔ کبھی کبھار تو منڈیر سے بھی جھانک کر تسلی کرادیتیں ماں کی۔ راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔ تتلی کسی تتلی کی مانند ہی اڑی پھرتی تھی۔

"ہاں بولو کیوں کال کی ہے۔" کرخت لہجے والی وہ فرحت آرا تھیں جو اس وقت فری پریڈ میں اسٹاف روم میں موجود تھیں جب جاوید کا فون آیا۔ جاوید جس سے ان کا نکاح ہوا تھا۔

"تم جانتی ہو فرحت! میں نے کیوں کال کی ہے۔ میں نے تم سے پہلے بھی کئی بار کہا آج پھر کہہ رہا ہوں کہ دولت، پیسہ اور زیور اچھی زندگی اور اچھے مستقبل کی ضمانت نہیں ہوتے۔ پلیز تم لوگ یہ فضول کی ضد چھوڑ دو۔ کتنے ہی سال تم لوگوں نے اس فضول کی ضد میں ضائع کردیے۔ میری اماں چکر لگا لگا کر تھک گئیں پر تمہاری اماں کی ایک ہی ضد ہے کہ جب تک بیس تولے سونا، دو ایکڑ اراضی اور ___ گھر تمہارے نام نہیں ہوگا، تم لوگ رخصتی نہیں دوگے۔ مجھے بتاؤ کہ میں سولہویں اسکیل کا ملازم آج کے اس دور میں اتنا سونا کہاں سے لاؤں؟ بیس مرلے کا ہمارا گھر ہے وہ بھی مشترکہ اور ابھی میرے ماں باپ حیات ہیں، میں ان سے اپنے حصے کا تقاضا کیسے کرسکتا ہوں۔ پھر جو دو ایکڑ اراضی ہے وہ ہم سب بھائیوں کی مشترکہ ہے۔ تم اتنی سمجھ دار پڑھی لکھی ہو۔ تم تو کم از کم اپنی والدہ کو سمجھا سکتی ہوں۔" وہ لجاجت سے بولا تو فرحت آرا مزید اکڑ گئیں۔

"تم لوگوں نے کہا تھا کہ ہماری ہر ڈیمانڈ پوری کروگے۔ اب کہاں گئے وہ دعوے۔ سترہ اسکیل کی لیکچرار کا رشتہ لے جانا کوئی آسان بات تھوڑی ہے؟" جاوید ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئے۔

"ہاں تو جب ہمارا نکاح ہوا تھا اس وقت آپ لوگوں کی ڈیمانڈ صرف پانچ تولے سونا اور ایک پلاٹ تمہارا نام کردینے کی تھی۔ وہ ہم لوگ تمہیں دینے کو تیار ہیں، خدا کے لیے اپنی اور میری زندگی اجیرن مت کرو۔ اب تو گھر والوں کا دباؤ مجھ پر گزشتہ ایک سال سے بہت بڑھ گیا ہے کہ تم لوگ اگر مصالحت پر راضی نہیں ہوتے تو مجھے کوئی انتہائی قدم اٹھالینا چاہیے۔" جاوید نے رک رک کر اپنی بات مکمل کی۔

"تم ابتدائی قدم اٹھاتے ہو یا انتہائی، شوق سے اٹھاؤ۔ میں اپنی شرائط سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہوں۔" فرحت آرا نے ہٹ دھرمی سے کہا اور فون بند کردیا۔

"ہونہہ کنگلے، ٹٹ پونجیے لوگ، بڈھے ماں

باپ کتنا مال دبائے بیٹھے ہیں۔ بے وقوف آدمی کو پتا ہی نہیں ہے۔" وہ بڑبڑائیں اور اگلی کلاس لینے کے لیے اسٹاف روم سے باہر نکل گئیں۔

مسز ریاض جو بظاہر سر جھکائے کلاس کے ٹیسٹ چیک کرنے میں مصروف تھیں تاسف سے انہیں جاتا دیکھ کر رہ گئیں۔ عمر کے کئی سنہری سال ان کی اور ان کی ماں کی فضول ضد میں ضائع ہو چکے تھے۔ پتا نہیں کیا لکھا تھا ان کے مقدر میں۔ وہ سوچ کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

ٹیپو اور تتلی کی آج تتلی کے اماں ابا کے گھر دعوت تھی۔ وہ دونوں وہیں گئے تھے۔ اماں کے کمرے میں محفل گرم تھی۔ آج تو آدم بیزار صفت آرا بھی وہیں موجود تھیں۔ صفت آرا صبح سے آئی ہوئی تھی جب کہ جہاں آرا ابھی کچھ دیر قبل پہنچی تھیں۔

"اماں! ذرا بہو رانی پہ بھی ہاتھ کس کے رکھیں۔ آج بھی مہارانی کچھ بھی پکائے بغیر چلی گئی۔ یہ دونوں آئی ہیں ہم لوگ ہیں کھانا کون پکائے گا۔" فرحت آرا نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں اماں یہ کیا طریقہ ہوا بھلا۔ ایک ہی ہماری بھابھی ہے اس کی ماں نے دعوت دی ہے اور جھوٹے منہ ہی سہی نہ اس کی ماں نے ہم نندوں کو ساتھ آنے کو کہا نہ اس لڑکی نے خود۔" صفت آرا ان بہنوں میں فطرتاً" شرپسند طبیعت کی مالک تھیں ایسے ایسے نکتے کی طرف توجہ دلاتی تھیں جہاں کسی کا خیال ابھی نہیں گیا جاتا تھا۔

"ہونہہ اس کے اماں ابا نے کی تو تھی ہماری دعوت' ہم کون سے دعوتوں کے بھوکے ہیں۔" عفت آرا نے ناگواری سے کہا۔

"پھر بھی اماں چھوکری کو قابو میں رکھو ورنہ بڑی (کرن) کی طرح بدک گئی تو ٹیپو کو بھی لے اڑنا ہے اس نے اور ہم نے منہ تکتے رہ جانا ہے۔" صفت آرا کو بھابھی بھائی کا اکیلے جانا بہت کھل رہا تھا۔

"اے لو ایسے ہی لے اڑے گی۔ کرن کلموہی نے ایسا کیا تو اپنا سکہ ہی کھوٹا تھا ورنہ اس کی جرات تھی جو میرے جگر کے ٹکڑے کو مجھ سے الگ کرتی۔ میں نے بھی چھان پھٹک کے غریب خاندان چنا ہی اس لیے ہے کہ ساری زندگی دبا کے رکھوں گی۔ ذرا پر نکالے تو سہی کترڈوں گی فوراً"۔" عفت آرا چمک کر بولیں۔

"اور واقعی کمبخت کو اتنی عقل نہ آئی کہ کھانا ہی پکا کے رکھ جائے خود تو اڑائے گی دعوت۔ ہم یہاں بھاڑ جھونکیں گے۔" عفت آرا کو ایک پوائنٹ بہو بیگم کے خلاف مل ہی گیا تھا آخر۔

"اچھا اماں سنو تو 'کل اس جاوید کا فون آیا تھا۔" فرحت آرا نے جاوید کے ساتھ کی ہوئی بات چیت دہرائی۔

"اے اماں کچھ سوچ ہی لو اس کا بھی ایسا نہ ہو اس کو چھوڑ کے چلتا بنے جاوید اور ہم منہ تکتے رہ جائیں 'جو کمی بیشی رہ جائے گی یہ فرحی خود ہی پوری کرالے گی بعد میں۔" معیز کی اماں بولیں تو عفت آرا نے انہیں جھاڑ کے رکھ دیا۔

"اے تم چپ ہی رہو جہاں آرا! ایک بڑھیا تو قابو ہوئی نہ تم سے 'بڑی آئیں مشورے دینے والی۔ کمبختوں کے پاس بڑا مال ہے میں نے پتا کروایا ہے بس خرچ کرتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے۔"

"ہاں لو ویسے یہ بات سوچنے کی ہے کہ اگر ان کے پاس واقعی اتنی دولت ہوتی تو وہ میرے نام کرنے میں اتنی حیل و حجت نہ کرتے اتنا تو میں جاوید کو جان ہی گئی ہوں اتنے عرصہ میں۔" فرحت آراء نے بھی کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اے ہے خبردار 'جو کوئی نرمی برتی ہو۔ کیسے بڑھیا منہ پر کہہ کے گئی تھی کہ آخری بار آئی ہوں پھر نہیں آؤں گی۔ میں دیکھتی ہوں کیسے نہیں ناک رگڑتی آتی۔" اماں کا کروفر آج بھی وہی تھا پہلے دن جیسا۔ تینوں بیٹیاں چپ رہ گئیں۔

"اے جہاں آراء! معیز نے تو آنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ شکل دیکھنے کو ترس گئی ہوں۔ یہ صیفی بھی کل یاد کررہی تھی۔" اماں نے ٹانگیں پھیلا کر صفت آرا کو

دبانے کا اشارہ کیا جو شاید اشارے کی ہی منتظر بیٹھی تھی فوراً" ہی ــــــ ہل ہل کر اماں کو دبانے لگی۔

"کیا پوچھتی ہو اماں۔۔۔ دادی نے ایسی ایسی پٹیاں پڑھائی ہیں اسے میرے تو ہاتھ سے نکل گیا میرا بیٹا۔ پہلے ایک بڑھیا نے میری جان اجیرن کر رکھی تھی اب بیٹا ناک کو آگیا۔ ایسے ایسے فتوے دے گا۔ جنت دوزخ کے ڈراوے دے گا گویا دنیا میں مسلمان صرف وہی لوگ ہیں ہم تو بڑے کافر ہیں منہ پر کہہ دیتا ہے کہ امی نانی کے کہنے میں آکر اپنی عاقبت خراب کر رہی ہیں' نماز پڑھا کریں توبہ استغفار کیا کریں۔ لو بھلا بتاؤ جوڑوں کے درد نے کسی کام کا نہ چھوڑا۔ گھر کا کام کاج بھی مارے باندھے ماسیوں کے سر پر کھڑے ہو کر کراتی ہوں۔ بڑھیا مسکراتی رہتی ہے تخت پر بیٹھ کر پوتے کی لن ترانیاں سن کر۔" جہاں آرا کے اپنے ہی رونے تھے۔

"اے تمہاری ساس تو سدا کی میری دشمن تھی سنا ہے۔ تیرے ابا کو پسند کرتی تھی۔ میری شادی یہاں ہونے پر انگاروں پہ لوٹ گئی کم بخت۔ میری شادی کے بعد بھی اس جلتی پر ڈورے ڈالنے سے باز نہ آئی۔ ایسی ایسی پرچیاں ملتیں مجھے اپنے گھر میں' لڑائی ہو' فساد ہو' نااتفاقی ہو پر میں بھی عفت آرا تھی اس کی چالوں کو اسی پر الٹا دیا کرتی تھی۔" عفت آرا افسوس سے کئی بار کی گئی ہوئی بات پھر دہرا گئیں۔ بیٹیوں نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔

"تم کو میں نے چینی اور پانی پڑھوا کے دیا تھا کہ سب کو پلاؤ۔" اماں کے خشمگیں نظروں سے دیکھنے پر جہاں آرا گڑبڑا گئیں۔

"قسم سے اماں! بڑھیا اس عمر میں بھی اتنی چاق و چوبند ہے' سارا کام منٹوں میں خود ہی کر لیتی ہے۔ سارا گھر جیسے اس کی ایکسرے کرتی نظروں کے سامنے ہوتا ہے۔ رات کو دودھ بھی خود ہی مجھے' معیز اور اس کے ابا کو لا کر دیتی ہے۔ ابھی تک مالک ہے اس گھر کی۔ میری جرات ہی نہیں ہوئی اور سچ پوچھو تو معیز تو آج کل اٹھتے بیٹھتے ایسے ایسے لیکچر دیتا ہے جیسے میں کوئی خدانخواستہ کافر یا ہندو ہوں۔ اس دن کہنے لگا نانی نے قربانی تو کبھی نہیں کی۔ کبھی ان پر قرضہ ہوتا ہے تو کبھی ہاتھ تنگ اور نقلی باباؤں کو بیس بیس ہزار کے بکرے کھڑے کھڑے پکڑا دیتی ہیں۔ ان سے کہیں ابھی بھی وقت ہے۔ صدقہ خیرات دے کر اللہ کو راضی کریں' ان چکروں میں کچھ نہیں رکھا۔" وہ شرمندہ شرمندہ سی بولیں۔

"اے ہے' یہ معیز تو بہت بگڑ گیا ہے جہاں آرا! سنبھل جاؤ۔ میں تو کہہ رہی ہوں کسی دن اسے بابا کے پاس لے چلو یا میں ہی تمہارے گھر لے آتی ہوں ان کو منتوں میں سیدھا کر دیں وہ اس کو۔" عفت آرا تڑپ کر اٹھ بیٹھیں۔

"نہیں اماں ایسا غضب نہ کرنا۔ میری ساس اور معیز کے ابا تو بہت خلاف ہیں ان باتوں کے۔ ہمارے گھر تو ویسے ہی ہر وقت ہر بات کا فتویٰ لگا رہتا ہے۔ نماز پڑھو۔ شرک نہ کرو۔ اللہ سے مانگو۔ چلتے پھرتے بڑھیا ایسی ایسی باتیں کرتی رہے گی گویا میری قبر میں بھی اس کم بخت نے جا کر حساب دینا ہو۔" جہاں آرا بہت گھبرا گئیں۔

"میں معیز کو لانے کی کوشش کروں گی۔ مجھے تو اس کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ پر مجھے نہیں لگتا کہ میری بات سن کر وہ میرے ساتھ آئے۔" وہ مایوسی سے بولیں۔

"اچھا اچھا پیر بابا کے موکل خود ہی سیدھا کر لیں گے ۔۔۔ اسے" عفت آرا بے نیازی سے بولیں تو صفت آرا بے ساختہ بولیں۔

"اماں! موکل تو بڑا سخت عمل کرتے ہیں ایک ہی تو بھانجا ہے ہمارا' خدانخواستہ بیمار نہ پڑ جائے۔" جبکہ جہاں آرا کا رنگ بھی یہ بات سن کر زرد پڑ گیا۔

"ہاں اماں صفی ٹھیک کہہ رہی ہے۔"

"تو اس کے دماغ کا خناس ایسے نہیں نکل سکتا۔ جہاں آرا تم جانو اور تمہارا بیٹا۔ اے فرحی اٹھ ذرا کچھ کھانے پینے کا ہی دیکھ لے' یہ صفت آرا ذرا دبا لے تو اسے بھی بھیجتی ہوں۔ چل میری بچی۔" عفت آرا نے

صفت آرا کو پچکار کر کہا تو نہ چاہتے ہوئے بھی بگڑے انداز میں اٹھ کر وہ کچن تک چلی آئی۔

شام کو اماں ابا سے مل کر تتلی فرحاں وشاداں جب گھر میں داخل ہوئی تو نہیں جانتی تھی کہ دائرہ حیات اس پر تنگ ہونے والا ہے اور آج سے اس کی ابتدا ہوئی ہے۔

"سنو بی بی! یہاں رہنا ہے تو شریفوں والے طور طریقے سیکھو۔ اب تم اکیلی اس گھر میں تو ہو نہیں کہ میاں کو بغل میں دابا اور جدھر کو دل کیا منہ اٹھائے چل دیں' جب دل کیا واپس آگئے۔ یہاں تمہارے علاوہ چار لوگ اور بھی بستے ہیں۔ میں سدا کی مریض' نہ اٹھنے کی نہ بیٹھنے کی۔ فرحی میری معصوم بچی سارا دن کالج میں جان مار کے آتی ہے' ایک چھٹی کا دن نصیب ہوتا ہے۔ یہ میری بچیاں ماں کی محبت میں دوڑی چلی آتی ہیں "آگے بھابھی بیگم میاں سمیت گم۔ خالی ڈھنڈار کچن۔ اب میں بوڑھی جاکر ہنڈیا روٹی کروں یا کوسوں دور سے آئی ہوئی بیمار نند یا میری تھکی ہاری بچی فرحی۔" انہوں نے غصے سے گھور کر تتلی کی سب کے سامنے وہ کلاس لی کہ اس کی آنکھوں میں بے عزتی کے احساس سے آنسو آگئے۔ پھول جھڑنے والی زبان سے انگارے برسنے کا عمل شروع ہو چکا تھا۔

"آنٹی! میں آپ کو بتا کر تو گئی تھی۔" پہلے اس نے مدد طلب نظروں سے میاں کو دیکھا تو وہ سر جھکائے ایسا بے نیاز نظر آیا جیسے کبھی آشنا تھا ہی نہیں' سو اسی کو ہمت کرنا پڑی۔

"ہاں تو بڑا احسان کیا مجھ پر۔" وہ طنزیہ بولیں تب تتلی کو اچانک یاد آیا کہ اماں نے ان کا اور فرحت آراء کا کھانا بھی باندھ کر دیا تھا۔

"آنٹی وہ... وہ اماں نے آپ لوگوں کے لیے دیا تھا کھانا میں لے کر آئی ہوں۔" اس نے جوش سے کہا جواباً "عفت آرا" کا جواب اس کا سارا جوش ٹھنڈا کر گیا۔

"رہنے دو بی بی... ہمیں کوئی بھوکا ننگا سمجھا ہے تمہاری ماں نے جو کھانے کی پوٹلی ساتھ کر دی۔ عزت دینی تھی تو گھر بلا کے کھلاتے۔ ٹیپو تو ذرا کمرے میں آمیرے فوراً۔" بھاری بھرکم جسم کو گھسیٹتی وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ فرحت آرا موجود نہیں تھیں۔ صفت آرا نے اس کو ڈانٹ پڑوا کے گھر کی راہ لی جبکہ جہاں آرا کافی پہلے واپس جا چکی تھیں۔ ٹیپو سر جھکائے ماں کے پیچھے چلا گیا تو تتلی وہیں کھڑی اپنے آنسو پیتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

عمران بھائی' سعیدہ بیگم' ثمن ناشتا کرنے میں مصروف تھے جب وہ چلا آیا۔

"السلام علیکم" اس کے سلام کا جواب سعیدہ بیگم اور عمران نے تو بڑے پرجوش انداز میں اسے خوش آمدید کہہ کر ناشتے کی دعوت دی جسے اس نے خوش دلی سے قبول کرلیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بے نیازی سے ناشتا کرتی ثمن پر نگاہ ڈالی اور اس کی بے نیازی پر زیر لب مسکرا دیا۔

"ادھر سے گزر رہا تھا سوچا خالہ سے ملتا چلوں۔" اس نے اپنے آنے کی وجہ ان سب کے گوش گزار کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو اپنی خالہ سے ملنا ہو تو اپنی تائی اماں کے گھر تشریف لے جایا کریں چونکہ چوبیس میں سے بیس گھنٹے ان کے وہیں گزرتے ہیں۔ یہاں ہمارے گھر ان کا جو ٹائم ہم پر احسان کرتے ہوئے گزرتا ہے' وہ ان کا استراحت کا ٹائم ہوتا ہے۔ اس وقت ان کو اٹھانے کی جرأت ان کی ساس اور شوہر میں نہیں تو آپ کس کھیت کی مولی ہیں۔" چائے پیتے ہوئے ثمن نے صفت آرا کے بارے میں طنزیہ انداز میں حقیقت بیان کی تو معیز شرمندہ ہو گیا جبکہ سعیدہ بیگم نے ثمن کو ٹوک دیا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! یہ لڑکی تو جو منہ میں آئے

بولے چلے جاتی ہے تم آئے اچھا کیا 'ہمیں خوشی ہوئی۔" انہوں نے بیٹی کو گھورتے ہوئے معیز کی شرمندگی ختم کرنے کی کوشش کی۔

کچھ بھی تھا۔ بچہ انہیں اپنی ماں اور نانی کے خاندان سے یکسر مختلف لگتا تھا۔ جبکہ عمران بھائی ثمن کی بات پر کوئی تبصرہ کیے بغیر معیز سے اس کی نوکری کی تفصیلات پوچھنے لگے۔ ثمن کو کالج نہیں جانا تھا سو ناشتے کے بعد اطمینان سے برتن سمیٹنے لگی۔ عمران بھائی بھی معیز سے معذرت کرکے آفس کے لیے اٹھ گئے جبکہ معیز کو واقعی میں اپنی خالہ پر بے حد غصہ آیا جو نو بج جانے کے بعد بھی ابھی تک کمرے سے باہر نہ آئی تھیں۔ خیر وہ بھی کون سا خالہ سے ملنے آیا تھا۔ مقصد تھا ثمن جاں کا دیدار۔ جو وہ کرچکا تھا۔ سو اٹھنے کے لیے پر تول ہی رہا تھا کہ خالہ بھی آنکھیں ملتی کمرے سے برآمد ہو ہی گئیں۔

"ارے معیز 'میری جان! تم کب آئے۔ مجھے جگا دیا ہوتا۔" بھانجے کو دیکھ والہانہ انداز میں آگے بڑھ کر کہا گیا۔

"کچھ کھانے پینے کو پوچھا یا ایسے ہی بٹھا رکھا ہے بچے کو۔" کرخت لہجے میں کیا گیا ——— سوال اندر آتی ثمن کو آگ ہی لگا گیا۔

"ناشتے کے ساتھ چائے بھی نوش فرما چکے ہیں محترم ...... اور کچھ۔" اس نے صفت آرا سے تند لہجے میں کہا۔

"ہونہہ کچھ کھلا پلا کر جتانے کی پرانی عادت ہے تم لوگوں کی۔ دیکھا معیز...... اور ہاں میرے لیے ناشتا بنادو۔" پہلی بات معیز سے خاصے مظلومانہ انداز میں اور دوسرا آرڈر ثمن کو دیکھ کر دیا گیا۔

"سب کا ناشتا میں بنا کر رکھ چکی ہوں گھنٹہ بھر پہلے۔ ہاں گرم کرنے کی زحمت آپ کو خود کرنا پڑے گی۔ مجھے ابھی مشین لگانی ہے اور اماں کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" وہ روکھے انداز میں کہہ کر جانے لگی جبکہ سعیدہ بیگم بہو اور بیٹی دونوں کے تیور وہ بھی مہمان کے سامنے دیکھ کر گھبرا گئیں اور خود ہی اٹھنے لگیں۔

"اچھا ثمن بتم جاؤ' مشین میں پانی ڈالو۔ بہو کو میں خود ہی ناشتا گرم کردیتی ہوں۔"

"کیوں نوکر ہیں آپ جو سارا سارا دن لگی رہتی ہیں۔" ثمن نے غصے میں ماں سے کہا تو صفت آرا معیز کو دیکھ کر رو دیں۔

"دیکھ رہے ہو معیز! آج تم نے بھی دیکھ لی میری عزت اس گھر میں۔ دو کوڑی کی بھی نہیں ہے۔"

"ثمن بیٹی تمہیں کہہ رہی ہوں ناں تم جاؤ۔" سعیدہ بیگم کا زور بس اپنی بیٹی پر ہی تھا سو زور سے اسے ہی کہا تو وہ پیر پٹختی وہاں سے واک آؤٹ کرگئی۔

"صفت بیٹا بس کرو چپ کرجاؤ۔ بچی ہے' کتنی بار کہا ہے تم بڑی ہو۔ بھابھی ہو اس کی در گزر سے کام لے لیا کرو۔ میں ابھی ناشتا لے کر آتی ہوں۔" وہ معیز کے سامنے شرمندہ شرمندہ سی تھیں۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ خالہ! میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ شادی کے بعد لڑکیوں کی کتنی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ پورے گھر کی ذمہ داری سنبھالنی پڑتی ہے اور آپ اپنی ساس کو تکلیف دیتی ہیں اس عمر میں۔ وہ تو شکر کریں کہ سسرال اچھی ملی ہے آپ کو ورنہ برا نہ مانیں تو ایسے طور طریقے پسند نہیں کیے جاتے شادی کے بعد جیسے آپ کے ہیں۔" معیز مگرمچھ کے آنسو پونچھتی صفت آرا سے ناراضی سے گویا ہوا تو مانو ان کے تو آگ ہی لگ گئی۔

"کون سے طور طریقے دیکھ لیے میرے جو تم ایسے بول رہے ہو۔ یہی دیکھ لو آدھا گھنٹہ بمشکل ہوا ہوگا تمہیں یہاں آئے ہوئے اور پتا نہیں کیا کچھ گھول کے پلا دیا کہ اپنی پیاری خالہ کو طور طریقے سکھانے لگے تم۔" وہ چمک کر بولیں۔

"انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا خالہ! میں خود کیا اندھا ہوں۔ جب بھی نانی اماں کے گھر جاؤں آپ اپنا گھر بار چھوڑ کر اکثر وہیں ملتی ہیں۔ آج ناشتے کے ٹائم آیا ہوں تو آپ سوئی ہوئی تھیں۔ اس میں بھڑکانے یا سکھانے والی تو بات ہی کوئی نہیں۔ سامنے کی باتیں

ہیں۔"

"لو بیٹا صفت آرا ناشتا کرو اور معیز بچے! چائے پیو گے۔ بناؤں۔" سعیدہ بیگم نے گرما گرم ناشتے کی پلیٹ روٹھی ہوئی صفت آرا کے سامنے لاکر رکھی اور اس کے منہ پھیر لینے کو نظر انداز کرتے ہوئے حلاوت سے معیز سے پوچھا۔

"ارے نہیں آنٹی بہت شکریہ۔ ابھی پی ہے ناں آپ سب کے ساتھ چائے۔ بس ایک کپ ہی لیتا ہوں میں ناشتے میں۔" وہ ادب سے گویا ہوا تو سعیدہ بیگم جیتے رہو کہہ کر وہاں سے چلی گئیں۔

"ہونہہ۔ مکار بڑھیا! اس کی ظاہری شکل پر مت جاؤ۔ بڑی خرانٹ ہے۔ اور بیٹی اس سے زیادہ زبان دراز اور سر پھری۔" صفت آرا نے تنفر سے سعیدہ بیگم اور ثمن کی شان میں قصیدہ پڑھا اور ٹرے آگے کھسکا کر ناشتا کرنے لگیں۔

"بس خالہ ایک بات کا جواب دیں۔ اگر چھوٹی مامی ایسا کریں نانی اماں کے ساتھ جیسے آپ کر رہی ہیں آنٹی کے ساتھ تو کیسا لگے گا آپ کو۔"

"کہنا کیا چاہ رہے ہو معیز کہ میں بری ہوں۔ اماں بری ہیں باقی سب اچھے ہیں۔ ارے تم مرد ہو' سارا دن گھر سے باہر رہنے والے۔ تمہیں کیا پتا گھروں میں کیسی کیسی سیاستیں ہوتی ہیں۔ تمہاری وہ مامی بھی بڑی چار سو بیس ہے۔" صفت آرا کی گڈ بک میں کوئی فرد بھی شامل نہیں تھا۔ معیز ان کو سمجھانے کا ارادہ ترک کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے رکو تو سہی میں ناشتا کر لوں پھر اماں کی طرف چلتے ہیں۔ اماں بیچاری تو بیماری کی وجہ سے چلنے پھرنے سے رہ گئیں تم بھی چکر نہیں لگاتے' ویسے بھی آپا کو بڑی شکایتیں ہیں تم سے۔ بہت تنگ کرنے لگے ہو انہیں اماں کو کوئی بات بھی کرنی تھی تم سے۔" صفت آراء نے معیز کو گھیرنا چاہا لیکن اس کا دل اتنا مکدر ہو چکا تھا کہ مزید ایسی کوئی صورت حال برداشت کرنے کی سکت نہیں تھی۔ کل سے اسے اپنی نوکری پر جانا تھا۔ آج فری تھا سو ثمن کو دیکھنے کی خاطر چلا آیا پر جو بد مزگی ہوئی تھی اس نے اس خوشی کو غارت کر دیا تھا۔

"آج تو خالہ' ابا کے ساتھ کہیں ضروری کام سے جانا ہے۔ میں جلد ہی چکر لگاؤں گا نانی اماں کے پاس۔ سلام کہیے گا ان کو۔" کہتے ہی وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔ باہر آنگن میں ثمن برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی بازوؤں میں خود کو سمیٹے گھٹنوں سے ٹھوڑی ٹکائے پتا نہیں کس سوچ میں گم تھی۔ وہ کھنکھارا تو وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"میں حالات کو سدھارنے کا وعدہ کروں تو کیا پھر بھی تمہاری ناں ہاں میں نہیں بدلے گی۔" کوئی آنہ جائے اس ڈر سے اس نے جلدی سے اپنا سوال پوچھ ڈالا۔ آخر وہ کوشش بھی کرے اماں کو اس کے حق میں کرنے کی تو کچھ زادِ راہ تو ہوتا اس کے پاس۔

"معجزے ہم گنہگاروں کے ساتھ نہیں ہوتے معیز۔ انسانوں کے ذہن کو بدلنا بہت مشکل بات ہے' بلکہ ناممکن۔ اگر ممکن ہوتا تو آج ہمارے گھر میں سکون ہوتا۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"میرا نانی اماں کے گھر سے کوئی لینا دینا نہیں ہے لیکن اپنے گھر کا میں یقین دلاتا ہوں کہ جب تک حالات اور ماحول کو تمہارے حق میں نہ کر لوں' تمہیں وہاں لے کر نہیں جاؤں گا۔" اس کا مضبوط لہجہ اس کی سچائی کا گواہ تھا۔ ثمن نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا تو معیز کا چہرہ کھل اٹھا۔ ایک مشکل معرکہ اس نے سر کر لیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ آگے کے حالات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لے گا۔ اس نے مسکرا کر اس کے آگے سر تسلیم خم کیا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

تحلی نے سب کو ناشتا بنا کر دیا تھا جب اس کی ساس نے حکم صادر فرمایا کہ وہ سالن بھی لے کر آئے جو وہ رات اپنی ماں کے گھر سے لائی تھی۔ وہ شکر ہے اس نے فریج میں رکھ دیا تھا جھٹ گرم کر کے لے آئی۔

"تم کہاں جارہی ہو؟ پہلے ایک پلیٹ میں ڈال کر خود کھاؤ پھر ہم چکھیں گے۔ کسی کا کیا بھروسا آج کے دور میں، جب اپنے ہی گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ غیر تو پھر غیر ہیں۔ کچھ ملا۔۔ کے دے دیا ہو کہ چلو بوڑھی ساس اور ایک نند کا ٹنٹنا ہی مکا دیں۔ بیٹی۔۔ اکیلی راج کرے۔" عفت آرا نے معمول کے مطابق ایک کہانی گھڑ کے اس میں اپنی مرضی کے رنگ بھر دیے۔

تتلی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس قدر کھلی تذلیل کچھ کہنے کے بجائے اس نے چپ چاپ پلیٹ میں تھوڑا سا سالن ڈالا۔ آہستہ آہستہ نوالا توڑا ایسے کہ دل دکھ سے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

رات کو تنہائی کے سحر میں محبت کے خزانے لٹانے والا ٹیپو دن کی روشنی میں اتنا اجنبی کیسے بن جاتا تھا۔ صفت آرا بے نیازی سے چائے پیتی تتلی کو دیکھتی رہیں۔

دوسرا نوالہ لیتے ہی اس زور کی ابکائی آئی وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اندر کی طرف بھاگی۔

"دیکھا! عفت آرا نے اپنے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے یوں ہی۔ دیکھا بڑی بی نے ایسے ہی پوٹلی باندھ کے نہیں دے دی ساتھ۔ کچھ تھا تاں ایسا جوئی ہو ایسے بھاگی ہے۔" عفت آرا نے فخریہ انداز میں اپنی اولاد کو مخاطب کیا تو اندر الٹیوں سے بے حال ہوتی تتلی سے بے خبر وہ دونوں ماں سے شدید متاثر ہوئے۔ جلد ہی ٹیپو دفتر اور فرحت آرا کالج سدھار گئیں۔ تتلی الٹیاں کر کے بے حال اپنے کمرے میں بیڈ پر جا پڑی تھی۔ معدہ خالی ہو جانے کے باوجود جیسے الٹا پڑ رہا تھا۔ وہ بے سدھ پڑی تھی جب عفت آرا اندر داخل ہوئیں۔

"اے بنو نہ کرو نہ بھرو۔ ایسے ہی نہیں بڑے بوڑھے بڑی بڑی باتیں کر گئے۔ سالن روٹی کر لینا۔ میں ذرا پیر بابا کی زیارت کر آؤں آج۔ یہ نہ ہو الٹوائی کھٹوائی لے پڑی رہو ہمارے آتے تک۔" کہتے ہی وہ دروازے سے ویسے ہی پلٹ گئیں۔ جبکہ تتلی میں اتنی سکت ہی نہیں تھی جو پلٹ کر جواب ہی دے پاتی۔

عفت آرا نے صفت آرا کے گھر میں داخل ہوتے ہی اسے ساتھ لیا اور دونوں اپنی مہم پر روانہ ہو گئیں۔ کافی دیر گزرنے کے بعد تتلی خود کو گھسیٹتے باہر آئی اور صحن میں دھوپ پر پڑے تخت پر خود کو گرا لیا۔ کپڑے ڈالنے کے لیے اوپر آئی ثمن نے علاوتاً" ہی منڈیر سے جھانکا تو سامنے دھوپ میں تخت پر نڈھال سے لیٹی وہ کانچ سی لڑکی نظر آئی جو اکثر جھانکنے پر اسے کسی نہ کسی کام میں مصروف واقعی کسی تتلی کی طرح اڑتی پھرتی دکھائی دیتی تھی۔ اسے خالی گھر سے احساس ہوا کہ گھر میں کوئی نہیں کیونکہ تائی اماں کی گھر موجودگی میں صورت میں ان کا یہ تخت آنگن میں اور گرمیوں میں برآمدے میں پڑا نظر آتا تھا جس پر وہ سارا دن براجمان رہتیں۔

"اے سنو! کیا ہوا؟" اس نے اونچی آواز میں پکارا تو کسی ذی روح کی آواز سن کر تتلی نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر اوپر دیکھا اور ایک فکر مند روشن چہرہ دیکھ کر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں پر خود میں اتنی ہمت ہرگز نہ پائی کہ آواز لگا کر اسے بلا لیتی یا اپنی غیر ہوتی طبیعت کا بتاتی۔ یکایک اسے ایک اور ابکائی آئی اور ایسا لگا جیسے اس کی آنتیں بھی باہر الٹ آئی ہیں۔ ثمن نے ایک سیکنڈ کے لیے کچھ سوچا بھاگ کر سیڑھیاں عبور کیں اور وہ درمیانی چھوٹا دروازہ کھول کر منٹ میں اس کے پاس پہنچ گئی۔ سعیدہ بیگم ارے ارے کرتی رہ گئیں۔

ثمن نے تکیہ لا کر اسے بٹھایا، کمر سہلا کر دو گھونٹ پانی پلایا۔ کچن میں سے جا کر جلدی سے چائے بنائی اور دو سلائس بھی ساتھ سینک کر لے آئی۔ وہ کھا کر چائے پی کر نڈھال پڑی تتلی میں کچھ طاقت آئی تو ایک ہمدرد کاندھا میسر آنے پر رو رو کر سارا حال کہہ سنایا۔

"بس یار! تمہارے حال پر تو اب رحم ہی کیا جا سکتا ہے۔ پتا نہیں کیا دیکھ کر تمہارے ماں باپ ان لوگوں پر ریجھ گئے اور اتنی پیاری بیٹی کو ان پاگلوں کے پلے باندھ دیا۔" ثمن نے تاسف سے کہا تو تتلی کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔" اس نے آہستہ سے پوچھا کہ زیادہ بولنے میں بھی دقت ہو رہی تھی۔ لمحوں

میں ساری طاقت جیسے نچڑ کے رہ گئی تھی۔

"مطلب یہ کہ بس تم اپنے آپ کو مضبوط بناؤ۔ صرف اس حد تک ان لوگوں کی عزت کرو جہاں تک تمہاری عزت نفس مجروح ہونے کی بات نہ آجائے۔ تم نے وہ بات تو سنی ہوگی کہ دب جانے والوں کو دنیا زیادہ دباتی ہے تو جتنا سرینڈر کروگی' یہ لوگ اتنا زیادہ سر چڑھیں گے۔ اب میں چلتی ہوں۔ میری اماں بھی تم جیسے خوفزدہ لوگوں کے قبیل سے تعلق رکھتی ہیں' ہول ہول کے برا حال کرلیا ہوگا۔ لیکن خوش قسمتی سے میں اپنے ابا پر گئی ہوں۔ مجھے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہے اور ایسے گھمنڈی اور بدگمان لوگوں کا تو ہرگز نہیں۔ میرے ابا دوبئی میں ہوتے ہیں۔" وہ اسے سب کچھ بتاتی چلی گئی۔ تتلی کو اس گھٹن زدہ ماحول میں وہ پیاری اور باتونی سی ہمدرد لڑکی بہت اچھی لگی۔

"آپ کبھی کبھار آجا کریں' مجھے اچھا لگے گا۔" تتلی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تو ثمن مسکرادی۔

"یہ بات مجھ سے تو کہہ دی ہے اپنی فیملی کے سامنے ہرگز مت کرنا۔ دفعہ لگ جائے گی تم پر اور ناکردہ گناہوں میں ایک اور کا اضافہ ہوجائے گا مجھ سے تعلقات بڑھا کر۔ تائی اماں کے مخالفین میں میں سب سے پہلے نمبر پر ہوں۔ خیر تم فکر مت کرو۔ ان لوگوں کی غیر موجودگی میں ایسی ہی کسی ہنگامی ملاقات کا بندوبست کرلیا کروں گی۔ تم اب آرام کرو۔ میں چلتی ہوں۔"

ثمن نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا اور دو منٹ میں ہی سعیدہ بیگم کے پاس پہنچ کر انہیں ساری صورت حال بتائی تو انہوں نے افسوس کا اظہار کرکے ثمن کو منع کیا کہ آئندہ ان کے کسی بھی معاملے میں دخل نہ ہی دے تو اچھا ہے کیونکہ ان کو پتا تھا کہ عفت آرا ثمن سے دبتی تھیں' سو اسے کچھ کہنے سے احتراز کرتیں کہ ثمن ان کو اور صفت آرا کو خوب کھری کھری سنا دیا کرتی تھی جبکہ ان کا سارا نزلہ سعیدہ بیگم پر گرتا تھا کیونکہ ان کی دبو اور صلح جو فطرت سے واقف تھیں۔ ثمن نے اس روز معیز کو فون کرکے ساری تفصیل بتائی۔ ساتھ ہی استدعا کی کہ کم از کم اپنے ماموں ٹیپو کو ہی سمجھائے کہ وہ بیوی کو اس کا جائز مقام تو دے گھر میں۔ معیز خود اپنی تائی کے گھر کے طور طریقوں سے نالاں تھا۔

"انسان کو اصلاح کا آغاز اپنے گھر سے کرنا چاہیے ثمن اور میں بھی سب سے پہلے یہ چاہتا ہوں کہ امی تائی کے اثر سے آزاد ہوجائیں اس سلسلے میں میں نے اور دادی نے آج کل ایک کمپین چلائی ہوئی ہے۔ دعا کرنا کہ کامیابی ہو۔ یقین کرو ثمن! میں سوچتا ہوں اگر نانا مرحوم کوشش کرکے ایک تائی کی سوچ کا رخ بدل دیتے تو آج یہ صورت حال نہ ہوتی۔ خیر کوشش میں کامیابی ہے۔ اتنا تو ہو ہی گیا ہے کہ پہلے ہماری کسی بات کے بعد اماں خوب بولتی تھیں۔ لڑ جھگڑ کر کمرہ نشین ہوجاتی تھیں۔ آج کل ماتھے پر تیوری ڈالے سنتی رہتی ہیں' ہم تو اتنی سی تبدیلی میں ہی خوش ہیں۔ اور یہ تم ۔۔۔ تمہارے پاس ہمیشہ مجھے سنانے کو دوسروں کی بات ہی کیوں ہوتی ہے۔ کبھی یہ سننے کے لیے ترس گیا ہوں کہ معیز کیسے ہو؟ آج تمہاری یاد آرہی تھی سو فون کرلیا۔" دل میں موجود بہت دن کا شکوہ اس نے کر ہی ڈالا تو ثمن نے ایک نظر سیل کو دیکھا اور مسکرا کر کہا۔

"منہ دھو کر رکھو۔" اس کی مسکراتی آواز محسوس کرکے معیز بھی مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

بہت سارے دن یوں ہی گزرتے چلے گئے۔ ایک دن ارسلان بھائی کی آمد نے ان سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ وہ بہت غصے میں تھے۔

"خدا کا خوف کریں اماں! کیوں ان شریف لوگوں کو آزمائش میں ڈالا ہوا ہے۔ چھوڑ دیں یہ بے جا ضد اور آپا کی رخصتی دے دیں۔ جاوید بے چارہ روز فون کرتا ہے کل آخر کار وہ خود آگیا کہ ان کو فائنل جواب چاہیے کہ آپ لوگ رخصتی پر تیار ہیں نہیں۔ وہ تو اتنے غصے میں تھا کہ آپ لوگوں نے تو ہمارا تماشا ہی بنا کر رکھ دیا ہے۔" عفت آرا خاموشی سے ارسلان کو

بولتا سنتی رہیں۔

"بھول چکے تم یا کچھ اور کہنا ہے؟" انہوں نے اطمینان سے پاندان بند کرکے کہا۔ نینو صفت آرا اور فرحت آرا بھی وہیں موجود تھیں۔ تتلی کچن میں تھی۔ ویسے بھی اس کو سختی سے منع کیا تھا عفت آرا نے کہ جب وہ لوگ کمرے میں جمع ہوں تو وہ اگر کوئی بہت ضروری کام ہو تو کرنے آسکتی ہے ورنہ انہیں اپنے بہت گھریلو معاملوں میں اس قسم کی دخل اندازی پسند نہیں ہے۔

"ارے میاں! ہمارا تو آج بھی وہی جواب تھا جو کل ہے۔ ہماری طرف سے جو تقاضا ہے وہ آج پورا کردے کل رخصتی کرا کے لے جائے۔" ان کا اطمینان قابل دید تھا۔

"اماں! اب ان کے پاس نہیں ہے اتنا سب کچھ تو کہاں سے لائیں؟" ارسلان بھائی نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"بھلے نہ ہو کچھ ہماری بلا سے۔ اس کی بھابھوں کو دیکھو کیسے سونے سے لدی پھرتی ہیں۔ ماں نے بڑھاپے میں تین تین دفعہ کان چھدوا کے اتنے بڑے بڑے بالے ڈال رکھے ہیں ہاتھوں میں بارہ سونے کی چوڑیاں۔ میری بیٹی کو دینے کے لیے کچھ نہیں ان کے پاس۔"

"اماں! جاوید کے بھائی دبئی میں کاروبار کرتے ہیں بہت اچھا کام چل رہا ہے ان کا۔ جبکہ جاوید سرکاری ملازم ہے۔ بھلے بھائی ہے پر معاشی حیثیت میں فرق ہے ان کی۔ اور آپ مجھ سے بہت بہتر جانتی ہیں سب کچھ پھر پتا نہیں کیوں آپ کو انجان بن کر لوگوں کو اذیت دے کر لطف آتا ہے۔ بیٹی کی ماں ہیں آپ سوچیں اگر وہ ضد پر آگئے اور کوئی ایسا ویسا قدم اٹھالیا تو نقصان تو ہمارا ہے ناں۔" غصے سے انہوں نے کہا۔

"تو اٹھائیں کوئی بھی قدم۔ ہماری بیٹی بھی ہم پر بھاری نہیں ہے۔ رشتے بہتیرے۔" ان کی بے نیازی پر ارسلان بھائی تو چپ ہی رہ گئے اور ایک نظر تماشائی بنے بیٹھے باقی اہل خانہ کی طرف دیکھا جن کی ڈور اماں کے ہاتھ میں تھی۔

"اماں! بیٹی تو ---- کسی پر بھی بھاری نہیں ہوتی۔ بھاری تو وہ بدنامی ہوتی ہے جو کسی ایسے ہٹ دھرم فیصلے کے بعد بیٹی اور اس کے گھر والوں کا نصیب بنتی ہے۔ آپ بہت غلط کررہی ہیں اور بہت پچھتائیں گی۔"

"ارے جاؤ میاں! تم نے کب خود کو اس خاندان کا حصہ سمجھا ہے۔ الٹا جب بھی آئے ماں کی دل جوئی کرنے کی بجائے دل ہی دکھایا۔" عفت آرا کی بات پر ارسلان کا منہ اتر گیا۔ وہ ست قدم اٹھاتے اس گھر سے نکل آئے تھے۔ یہاں کے لوگوں نے برسوں پہلے جو زندگی گزارنے کی غلط راہیں متعین کی تھیں برس ہا برس کے بعد بھی اسی پر قائم تھے۔

تتلی برتن دھوتے ہوئے اپنی وہ زندگی یاد کررہی تھی جب گھر میں پہلے غربت تھی اماں کی ڈانٹ ڈپٹ تھی پر دل کا سکون میسر تھا۔ اماں ابا کی محبت کی چھاؤں میں وہ کسی تتلی کی مانند اڑتی پھرتی تھی اب اسے لگتا اس تتلی کے رنگ کسی نے نوچ کر اسے ایک پنجرے میں بند کردیا تھا جہاں وہ سانس بھی بمشکل لے پاتی تھی۔ گھر کے کام کاج کے دوران ثمن کا مہربان چہرہ کبھی کبھار اوپر سے دکھائی دے جاتا پر نہ تو وہ اس سے کچھ کہہ سکتی نہ ہی ثمن کچھ کہہ پاتی۔

اچانک اسے ایک دم چکر آیا۔ اس نے سلیب کو تھامنے کی کوشش کی اور ذہن پر اندھیرا چھا جانے کے باعث دھڑام سے پکے فرش پر جاگری۔

"غضب خدا کا ایسی میسنی لڑکی پانچ ماہ ہوگئے اس کی ایسی حالت کو منہ سے نہ پھوٹ کے دی وہ تو اس کی حالت دیکھ کر میں ٹھٹک گئی اور جمیلہ دائی کو پکڑ لائی۔ اس نے تصدیق کردی کہ جی آپ کی بہو تو پانچ ماہ کی حاملہ ہے۔ یہاں تو جس کے ساتھ بھلا کرو وہی منہ پر چانٹا مار کر چلتا بنتا ہے۔ غریب سمجھ کر گھر کی عزت بنایا پیار دیا محبت دی۔ عزت دی۔ کیا صلہ دیا اس کل کی چھوکری نے۔ ہماری نسل اس کی کوکھ میں پل رہی ہے اور اس گھنی نے بتا کے نہ دیا۔" تتلی نے ہوش و حواس بحال ہوتے ہی الزامات کی بوچھاڑ وصول کی تو آنکھیں

مونڈے لیٹے رہنے میں ہی عافیت جانی۔ کن انکھیوں سے دیکھنے پر پتا چلا کہ ٹیپو کے سوا عفت آرا، صفت آرا اور آج تو جہاں آرا بھی ساس سے رشتہ تڑا کر کے یہاں موجود تھیں۔

"اے صفی ذرا پیر بابا کو فون ملا۔ اگر شام کے کھانے پر ہی تشریف لے آئیں تو دم ہی کرا دوں، دشمنوں کو خبر بھی نہ ملے اس خوشی کی خبر کی۔" صفت آرا اٹھ کر فون کرنے لگیں خوش قسمتی سے پیر بابا نے بھی آنے کی منظوری دے دی تھی۔ تتلی چادر میں لپٹی ہوئی بہت عجیب محسوس کر رہی تھی۔ سارا گھرانہ ہی ادب سے وہاں سر جھکائے موجود تھا۔

"سر اوپر اٹھاؤ بی بی۔" بابا کی رعب دار آواز پر تتلی نے چونک کر ان کو دیکھا تو عمر اور رتبے کے لحاظ سے بزرگی کا کوئی تاثر اس شخص کے چہرے پر موجود نہ تھا لیکن عجیب سی چمک اور الگ سا انداز تھا جس کو محسوس کرتے ہی وہ سمٹ کر اور زیادہ چہرے کو جھکا گئی۔

"بی بی کو مخصوص عرصے تک مسلسل علاج کرانا پڑے گا۔ ہر جمعرات کو اسے آستانے پر لے آیا کریں۔ مجھے کوئی اچھا اشارہ نہیں ملا ہے۔ اس بار کا وار بہت سخت ہے۔" کچھ دیر کے بعد آنکھیں کھول کر بابا نے سرخ سرخ آنکھوں سے سر جھکائے بیٹھی تتلی کو دیکھ کر سب حاضرین کو مطلع کیا۔

"الٰہی خیر۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی بابا آپ سے۔ کچھ خطرہ تو نہیں ہے ناں۔" عفت آرا گھبرا کر بولیں۔

"ہمارے ہوتے ہوئے فکر کیوں کرتی ہے مائی۔ دیکھنا تو جن کا وار ہے ان ہی پر الٹ دیں گے ہم۔" وہ غضب سے بولے۔ تتلی کو اس کی ساس نے وہاں سے اٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ کمرے میں آکر اس نے چادر اتاری اور خود کو اس عجیب سے ماحول اور عجیب سے شخص سے دور پا کر سکون کی سانس لی۔ ابھی وہ کمر ٹکنے پر پائی تھی کہ افتاں و خیزاں صفت آرا کمرے میں داخل ہوئیں۔

"سنو لڑکی! جو تمہاری ماں کی طرف سے سیٹ تھا گولڈ کا، وہ کہاں ہے؟ جلدی سے نکالو۔ پیر بابا کو کہیں جاتا ہے۔" وہ خود ہی اس کی الماری کی دراز میں چیک کرنے لگیں۔

"آپا۔ میرے سیٹ کا پیر بابا سے کیا تعلق ہے۔" کسی قدر ہراساں لہجے میں اس نے پوچھا۔

"کیوں بی بی! اتنی معصوم مت بنو۔ اتنی بڑی شخصیت۔ اتنی شان والے بزرگ آئے ہیں یہاں۔ ان کا احسان ماننے کے بجائے یہ کیوں کیا پوچھنے کھڑی ہو گئی ہو۔ سنا نہیں کیسی بلاؤں مصیبتوں کو تم پر سے ٹال دیں گے۔ وہ تو شکر کرو اماں کا جن کا خیال کر کے وہ اپنے منہ سے کچھ نہیں مانگتے ہم خود ہی جو کچھ دے دیتے ہیں انہوں نے کبھی اعتراض نہیں کیا ورنہ ان کے آستانے پر تو جانا ہو گا خود دیکھ لینا کیسے کیسے امیر کبیر اعلا عہدوں والے کیسے کیسے نذرانے لے کر نظر کرم کے منتظر رہتے ہیں پر جن سے پیر بابا ایک بار ناراض ہو جائیں تو وہ ناکام و نامراد ہی لوٹتا ہے۔ اب بت بن کر بعد میں کھڑی رہنا وہ زیور نکال کے دو۔" آنسو پیتے ہوئے تتلی نے زیورات والا خانہ کھول کر وہ اکلوتا سیٹ انہیں دیا جو نجانے کیا کیا جتن کر کے ابا نے اس کے لیے شہر سے بنوایا تھا۔ اس کی سسرال سے ملنے والی چار چوڑیاں اور دو سیٹ ان چھ ماہ میں پہلے ہی اس کی ساس اس سے لے چکی تھیں، وہ بھی شاید ایسے ہی کسی مصرف میں جا چکے تھے۔ پر رات کو ٹیپو کے کمرے میں آنے پر وہ چپ نہ رہ سکی۔ اس کے بھی کم و بیش اپنی بہن والے خیالات و الفاظ ہی تھے کہ وہ پیر بابا کے پاس گئی نذرانے والی چیز کے بارے میں ایسی ویسی سوچیں رکھ کر اپنا ایمان خراب کر رہی ہے۔

"میرا علم بہت محدود اور عمر بہت ہی کم ہے لیکن اتنا جانتی ہوں کہ جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے۔ انسانوں کی زندگی میں جو خوشی غمی آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ ان بابوں قسم کی مخلوق کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے، نہ ہی یہ غیب کا علم جانتے ہیں۔ اور آپ اس خیال میں بھی مت رہیں کہ اس عجیب شکل والے آدمی کے پاس ہر جمعرات کو جاؤں گی۔" آج تتلی کا ضبط جواب دے ہی گیا تھا۔

"تم گستاخ، جاہل عورت ڈربے جیسے گھر میں رہنے والی تم کیا جانتی ہو ان بزرگوں کی کرامات کو۔ تمہیں نہیں پتا کہ یہی وہ نیک لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تک ہماری دعا پہنچانے کا وسیلہ بنتے ہیں۔ ورنہ ہم تم جیسے لوگ تو اس قابل ہی نہیں کہ اتنے گناہوں کے ساتھ اس منہ سے اپنے گناہ بخشوائیں اور کوئی دعا مانگیں۔" ٹیپو غصے سے بولا تو تتلی اس کی عجیب و غریب توجیہہ پر حیرت زدہ رہ گئی۔

"آپ جیسے پڑھے لکھے لوگ! مجھے یقین نہیں آرہا کہ ایسی باتیں کر سکتے ہیں۔ معاف کیجیے گا جہاں تک میرا علم ہے میرا اللہ تو اتنا رحیم و کریم ہے ہر خاص و عام کے لیے وہ کہتا ہے کہ مانگو، وہ مانگنے والوں کو، توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ میں نے تو اس گھر میں ایک بھی فرد کو کبھی نماز کی پابندی کرتے نہیں دیکھا۔ یقین کریں نماز میں ہی سکون ہے۔ آپ..."

چٹاخ... ابھی تتلی کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ٹیپو کا زوردار تھپڑ اسے زمین چاٹنے پر مجبور کر گیا۔

"گھٹیا خاندان کی گھٹیا لڑکی! ہمیں سکھاتی ہے کہ ہم غلط ہیں۔ کافر ہیں مسلمان تو دنیا میں تم ہی ہو گویا۔ اماں سے بات کرتا ہوں صبح کہ گھر بھجوائیں تمہیں تمہارے۔ اونچے گھر میں آکر۔ اپنی اوقات ہی بھول گئی۔ تم جیسی لڑکی کو کیا پتا اونچے گھروں میں رہنے کے طور طریقے کیا ہوتے ہیں۔" ٹیپو نے اسی پر اکتفا نہیں کیا جا کر لمحوں میں اماں کو بتایا اور انہوں نے اس کے اگلے پچھلوں کو وہ سنائیں کہ تتلی کے آنسو بھی اذیت کے مارے ٹھٹھر گئے۔

"تم جیسی گستاخ اور بے ادب لڑکی کی ہمارے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے ابھی اور اسی وقت اپنی ماں کے گھر چلی جاؤ۔ ہوش ٹھکانے آئیں تو لوٹ آنا۔ ہمارے طور طریقوں کے مطابق اگر زندگی نہیں گزارنی تو ہماری طرف سے آزاد ہو۔ کاغذ بھی بھیج دیں گے۔ تمہیں شاید اونچی حیثیت راس نہیں آئی۔ چلو اٹھو۔" غصے میں عفت آرا کا سانس پھول گیا۔ خوف سے تتلی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

"مم... میں اس وقت کہاں جاؤں۔ کل... کل صبح..."

"ہرگز نہیں۔ ابھی جاؤ گی تم۔ تمہارے اماں باوا کو بھی پتا چلے کہ ایسا آخر کیا کام کیا ہے جو اس ٹائم نکال باہر کی گئی ہو... چل ٹیپو! بازو سے پکڑ کر دروازے سے باہر نکال اسے۔" انہوں نے ایک طرف بت بنے بیٹے کو حکم دیا تو وہ ہراساں کھڑی تتلی کی طرف بڑھا۔ تتلی نے ایک نظر ان ظالم چہروں کی طرف دیکھا اور اپنی طرف آتے ٹیپو کو روک دیا۔

"میں چلی جاؤں گی خود ہی..." بھرائی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔ بیڈ پر پڑی چادر اٹھا کر اوڑھی اور آہستہ آہستہ چلتی کمرے سے باہر آگئی۔

ہر طرف اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔ سامنے اندھیرے میں نظر آتے ایک روشن گھر کو دیکھ کر اسے اس ہمدرد لڑکی کا خیال آیا تو بیرونی دروازہ پار کر کے وہ گلی میں اسی طرف چلی آئی جہاں ثمن کے گھر کا بیرونی دروازہ تھا۔ اپنے پیچھے اس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرنے کی زوردار آواز سنی پر قدم روکے بغیر وہاں آکر کھڑی ہو گئی۔ دروازے کی گھنٹی پر ہاتھ رکھتے ہی گھنٹی کی تیز آواز پورے گھر میں گونجی۔ اس گھر میں اس کی ساس کا ایک روپ صفت آرا بھی موجود تھی۔ اس نے دل میں دعا کی کہ اس وقت اس کا سامنا اس سے نہ ہو۔ دفعتاً" دروازہ کھول کر عمران بھائی نے باہر جھانکا۔

"آپ کون... ارے آپ۔" پہلے اس نے حیرت سے اور پھر اس کو پہچان کر شدید حیرت سے سوال کیا۔ شادی میں ایک دفعہ اسے دیکھا تھا اس کے بعد ایک اور بار جب جہاں آرا نے پورے گھر کی دعوت کی تھی تو صفت آرا مجبور کر کے اسے بھی ساتھ لے گئی تھیں تب اس کی نظر ٹیپو کی بیوی پر پڑی تھی اب وہ دوسری نظر میں ہی سہی اسے پہچان گیا تھا۔

"وہ... وہ ثمن سے ملنا ہے۔" بے بسی کے احساس سے ایک بار پھر اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"ہاں ہاں... آئیے نا، ثمن اندر ہی ہے۔" عمران کو اس کا اس وقت آنا، روئی روئی آنکھیں بہت کچھ بتا

رہے تھے۔ وہ دروازے سے ہٹ کر اسے راستہ دیتے ہوئے بولا۔ تتلی ہچکچا گئی۔

"وہ... وہ صفت آپا کو میرا آنا شاید اچھا نہ لگے۔"

"کیوں...؟" عمران کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ "خیر آپ اندر تو آئیں۔ صفت ویسے بھی اپنے کمرے میں ہے اور صبح سے پہلے باہر نکلنے کا تکلف کم ہی کرتی ہے۔" عمران کی یہ بات سن کر تتلی اندر آ گئی۔ عمران اسے سیدھا امی اور ثمن کے کمرے کی جانب لے آیا۔ ثمن کے گلے لگ کر وہ بے ساختہ رو پڑی اور روتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان ساری بات بتائی۔

"میں اس وقت اکیلی اپنے گھر کیسے جاؤں جب کہ اس وقت وہاں سواری بھی کوئی نہیں جاتی اور میرے پاس کرائے کے لیے پیسے بھی نہیں ہیں۔" وہ شرمندگی سے سسکیوں کے درمیان بولی۔ امی تاسف سے اسے دیکھتی رہیں جب کہ ثمن کا چہرہ سرخ پڑ گیا یہ سب سن کر عمران کے ماتھے پر الگ تیوریاں تھیں۔

"خدا اگر ان کی رسی دراز کر رہا ہے تو اس میں بھی مصلحت ہے اس کی تم دیکھنا تتلی! بہت برا انجام ہونے والا ہے ان کا۔"

"ثمن جی میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ میں آپ کو اپنے ابا کا نمبر بتاتی ہوں۔ آپ انہیں فون کر دیں۔ وہ یہاں سے آ کر مجھے لے جائیں۔ آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔" اس نے روتے ہوئے کہا تو امی نے ساتھ لگا کر اسے تسلی دی۔

"تم کہتی ہو تو فون تو میں کر دیتی ہوں تتلی! پر یہ بھی تو دیکھو کہ رات کے اس ٹائم وہ لوگ پریشان نہ ہو جائیں۔ تم ایسا کرو رات تو یہاں رہ جاؤ۔ کل میں اور عمران بھائی تمہیں چھوڑ آئیں گے۔" ثمن نے تتلی کو تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

"نہیں نہیں آپ کو ان لوگوں کا پتا نہیں ہے کیسے بات کا بتنگڑ بنانے میں ماہر ہیں۔ میرے رات یہاں گزارنے کو ہی بہت بڑا مسئلہ بنا لیں گے اور میں کچھ بھی ہو جائے اپنا گھر توڑنا نہیں چاہتی۔ ثمن جی یقین کریں ان لوگوں نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا جیسے پہلے سے ہی کسی بہانے کے منتظر تھے کہ کوئی بات میری طرف سے ہو اور وہ مجھے وہی وجہ بنا کر گھر سے نکال دیں۔ میرے اماں ابا تو مر جائیں گے۔ عزت ہی تو ہوتی ہے ہم غریبوں کے پاس۔" اس نے ایک بار پھر رونا شروع کر دیا۔

"ثمن! یہ بچی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ عمران! تم ایسا کرو گاڑی نکالو میں اور تم چل کر اسے اس کے ماں باپ کے گھر چھوڑ کر آتے ہیں۔" سعیدہ بیگم نے حتمی انداز میں کہا تو تتلی نے تشکر سے ان کی طرف دیکھا جب کہ عمران سر ہلا کر باہر چلا گیا۔ پینتالیس منٹ کے بعد وہ لوگ تتلی کے گھر پر تھے۔

★ ★ ★

عفت آرا معمول کے مطابق اپنے تخت پر براجمان تھیں۔ صفت آرا بھی باہر دھوپ میں کرسی ڈالے چائے پی رہی تھیں۔ ٹیپو دفتر اور فرحت آرا کالج گئے تھے۔

"بہت اچھا فیصلہ کیا اماں آپ نے۔ اب دیکھنا کیسے سارے کس بل نکلیں گے اس تتلی بیگم کے۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ قابو میں رکھیں' آپ ہی نے زیادہ سر پر چڑھا لیا تھا۔ اب دیکھنا کیسے ناک رگڑتے ہوئے آئیں گے۔" تنفر سے کہا گیا۔ اسی اثنا میں بیرونی گھنٹی بجی تو صفت آرا نے فرش کو پوچھا لگاتی ملازمہ کو آواز دے کر کہا کہ دروازے پر دیکھے کون آیا ہے۔

"یہ ڈاکیا آیا ہے جی باہر' کہتا ہے سین (سائن) کر دیں آپ۔ جسٹری (رجسٹری) ہے۔" ملازمہ ایک کاغذ اور پین پکڑے اندر آئی اور دونوں ماں بیٹیوں نے تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اے ٹھیک سے سنا بھی تھا' ہمارے ہی گھر آیا ہے ڈاکیا۔" عفت آرا نے بھنویں اچکا کر کہا تو ملازمہ بولی۔

"ہاں جی اس نے خود ٹیپو صاحب کا اصلی نام کامران لیا کہ ان کا گھر ہے۔" کچھ نہ سمجھتے ہوئے صفت آرا نے کاغذ پر سائن کر دیے۔ چند ہی لمحوں بعد ملازمہ نے ایک خاکی لفافہ لا کر صفت آرا کے ہاتھ میں تھما دیا۔ صفت آرا نے عجلت سے لفافہ کھولا اور اندر نکلے کاغذ پر لکھے الفاظ پڑھ کر گویا ساکت ہی رہ گئی۔

"کیا ہوا۔ کیا ہے صفی؟ بت کیوں بن گئی۔۔۔ اے بتا بھی کیا ہے اس میں۔۔۔" عفت آرا اس کا انداز دیکھ کر ٹھٹک گئیں اور بے تابی سے پوچھنے لگیں۔

"طل۔۔۔ طلاق ہے۔۔۔ اماں۔۔۔ فری کو طلاق دے دی ہے جاوید نے۔" الفاظ بے ربط سے ہو کر اماں کی سماعت میں بم پھوڑ گئے۔ جاوید اور اس کے گھر والوں کے یہاں آکر ناک رگڑنے کا خواب چکنا چور ہو کر ان کے سامنے بکھرا پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تو کرنے دیتی ان کو وہ سب کچھ' کہنے دیتی وہ سب جو ان کی زبان سے نکل رہا تھا۔ میں سمجھاتی تھی تجھے تتلی کہ سسرال کا پرچا انسان کی زندگی کا سب سے مشکل پرچا ہوتا ہے۔ عورت کو اپنا من مارنا پڑتا ہے زبان بند رکھنی پڑتی ہے۔ بعض دفعہ تو عزت نفس بھی گنوانا پڑتی ہے تب جا کے عورت قدم جما پاتی ہے سسرال میں۔ کس کس کو یقین دلائیں گے کہ قصور تیرا نہیں ہے؟ سسرال سے روٹھی عورت جو میکے کی دہلیز پر آکر بیٹھے اس کے لیے ہر آنکھ میں تجسس اور ہر زبان پر سوال ہوتا ہے۔" آج اسے آئے پندرہ دن ہو گئے تھے اور اماں دن میں کوئی پندرہ بار یہ باتیں دہراتی تھیں۔ ابا نے کتنی بار دفتر میں ٹیپو سے بات کرنا چاہی تو وہ کی کترا کر ایسے نکل جاتا جیسے ان سے کوئی تعلق کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔

"میں کچھ بھی کر لیتی اماں پر انہوں نے مجھ سے کسی بھی حال میں خوش نہیں ہونا تھا۔ وجہ یہ نہ بنتی کچھ اور بنا لیتے وہ لوگ۔ جو لوگ اللہ سے مطمئن نہیں ہوتے۔ اللہ انہیں بندوں سے بھی ناخوش رکھتا ہے۔ ایک اللہ کو نہیں مانتے۔ اسی پر بھروسہ نہیں ان کو باقی سب جتن کر لیتے ہیں خوشی اور سکون حاصل کرنے کو۔ ان پانچ ماہ میں ایک فرد نے ایک بھی نماز ادا نہیں کی۔ کبھی خیرات' صدقہ کے لیے ایک روپیہ ان کی جیب ان کے گھر سے نہیں نکلا اور غیر اللہ کے لیے قرض لینے سے نہیں چوکتے 'میرا سارا زیور تعویذ' گنڈوں' پیروں' فقیروں پر خرچ کر ڈالا۔ ایک عجیب سے آدمی کو بلا رکھا تھا اور وہ اتنی گندی نظروں سے دیکھ رہا تھا مجھے پھر کہا کہ ہر جمعرات کو اس کو میرے پاس لاؤ عمل کرنے کی خاطر۔ اس پر سے بلائیں اتاروں گا۔"

وہ' وہ سب کچھ بھی بتاتی چلی گئی جو پہلے اس نے نہیں بتایا تھا۔ اماں تو گنگ رہ گئیں۔ ابا الگ دروازے میں ساکت کھڑے رہ گئے۔

"تیرے لیے اچھا بر تلاش کرنے میں مجھ سے بہت بڑی بھول ہو گئی تتلی! اپنے ابا کو معاف کر دے میری بچی۔۔۔ تو یہاں اطمینان سے رہ۔ وہ لوگ معافی مانگیں گے' تجھے لینے آئیں گے پھر بھی نہیں جانے دوں گا۔ تو نے پہلے کیوں نہیں بتایا' اتنا سب کچھ سہتی رہی۔" ابا اسے ساتھ لگا کر سسک اٹھے۔

ابھی بھی ان کے لیے پلٹنے کی راہ کھلی تھی۔ ابھی بھی کئی مواقع تھے پر جن کو اللہ خود ہدایت نہ دینا چاہے ان کے دلوں پر بھی غفلت اور گمراہی کے پردے ڈال دیتا ہے۔ عفت آرا کو اب بھی زعم تھا کہ ان کی لیکچرار بیٹی ایسے بیٹھی نہیں رہے گی۔ رشتے کرانے والی کی مٹھی گرم کر کے انہوں نے فوری اچھے رشتے کی درخواست کی تھی اور بہت پر امید تھیں۔ آج ہی ایک چکر پیر بابا کے ہاں بھی لگا تھا۔ اس نے تتلی کا حساب کر کے بتایا تھا کہ ابھی اسے یہاں سے لینے کوئی مت جائے جب تک وہ خود سیدھی نہ ہو جائے۔ صفت آرا کو اس کی گود ہری کرنے کے آزمودہ ٹوٹکے بھی بتائے تھے' ساتھ میں کچھ ایسے کام بھی جن میں کچھ خطرہ تو تھا پر اولاد پانے کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھی اصل مسئلہ اسے ثمن سے تھا۔ آج قسمت نے اسے موقع دیا تھا کہ ثمن پندرہ دن کے کالج ٹرپ پر گئی تھی شمالی علاقہ جات کی طرف۔۔۔ اس کی ساری راہیں صاف تھیں۔ کچھ الٹا سیدھا ہو جاتا تو اسے تسلی تھی کہ اس کی ساس بلڈ پریشر کی اور شوگر کی مریضہ تھیں۔ شوگر ہائی اور لو ہونے کی صورت میں کئی بار انہیں شدید دورے پڑ چکے تھے جس میں ان کی بے ہوشی بعض دفعہ طویل بھی ہو جاتی تھی۔ سو شیطان اس کی باگ تھام کر

گمراہی کی جس راہ پہ چلائے جا رہا تھا وہ بگٹٹ اسی طرف بغیر رکے بھاگ رہی تھی۔

"کیا کر رہی ہو؟" عمران کی گونج دار آواز پر اس کے ہاتھ میں موجود دودھ کا گلاس لرز گیا۔ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی؟ اس نے دل ہی دل میں سوچا وہ تو اس کے سوئے ہونے کا پورا اطمینان کر کے آئی تھی۔

"کچھ نہیں۔" اس نے اپنا لہجہ ہموار رکھنے کی پوری کوشش کی پر عمران نے کچن میں داخل ہوتے وقت اسے ادھر ادھر دیکھتے پھر اطمینان کر کے کچھ کرتے دیکھا تھا۔ وہ آگے بڑھ آیا۔

"کس کے لیے ہے یہ دودھ کا گلاس؟ اگر پینا ہے تو پیو اب کھڑی کیوں ہو؟" کھوجتی نظروں سے اس کو دیکھتے ہوئے وہ بولا تو صفت آرا کی آنکھوں کے سامنے کئی رنگ کے ستارے گھوم گئے۔

"نن۔۔ نہیں میں تو پی چکی ہوں۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ ثمن نہیں ہے تو میں نے کہا اماں کو دے آؤں۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے نظریں چرا کر کہا۔

"ہوں۔۔۔ ثمن تو گزشتہ آٹھ دن سے نہیں ہے۔ روز اپنی بیماری کے باوجود اماں ہی تمہیں اور مجھے ایک دودھ تو کیا دے کے جاتی ہیں کام بھی سارا وہی سنبھال رہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ تمہاری ہمدردی آج ہی کیوں جاگی؟" اس نے دانت پیس کر اس سے پوچھا۔

"آپ تو بات کا بتنگڑ بنانے میں ماہر ہیں۔ کام نہ کرو تب بھی مسئلہ کرو تب بھی سوال و جواب۔" صفت آرا نے بات کو سمیٹنے اور اس کا شک ختم کرنے کی خاطر اپنے مخصوص تیز لہجے میں کہا۔

"اچھا لاؤ یہ دودھ مجھے دو۔ میں پی لیتا ہوں۔۔۔ اماں کے لیے تم اور نکال کے لے جاؤ۔" عمران کی آنکھوں میں شک اور لہجے میں نرمی تھی۔ صفت کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

"نن نہیں۔" اس نے دودھ کا گلاس پیچھے کر دیا۔ تھوڑا سا دودھ چھلک کر سلیب پر گر گیا۔ عمران نے آگے بڑھ کر دھکیل کر صفت آرا کو پیچھے کیا اور خود گلاس اٹھانے لگا۔

"مت پیو عمران! اس میں زہر ہے۔" صفت آرا زور سے چیخی اور گلاس پر زور سے ہاتھ مار کر اسے گرا دیا۔ شیشے کا گلاس چھناکے سے سلیب پر گرا اور سارا دودھ پھیل گیا اور سلیب سے گر کر لکیریں بناتا فرش پر بہنے لگا۔

"میں تمہارے ہر عمل کو تمہاری بے وقوفی سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا اور یہی سوچ کر چپ رہا کہ ہماری اچھائی کبھی تو تمہیں اپنا بنا ہی لے گی پر نہیں جانتا تھا کہ نیت کے برے لوگوں پر کوئی اچھائی اثر ہی نہیں کرتی' میں عمران الٰہی بقائمی ہوش و حواس تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔۔۔"

عمران کے لبوں سے الفاظ نہیں انگارے نکلے جو صفت آرا کو تو لبوں پہ ہاتھ رکھ کر ساکت رہنے پر مجبور کر گئے پر شیشے کے گلاس کے ٹوٹنے کی آواز سن کر کچن کے دروازے میں کھڑی سعدہ سے یہ سب برداشت نہ ہو سکا تو وہ لہرا کر گرنے ہی لگی تھیں کہ عمران نے بھاگ کر ان کے کمزور وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

☆ ☆ ☆

"اماں۔۔۔" ایک تیز چیخ کی آواز پر چھری اماں کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی۔ وہ ننگے پاؤں ہی اندر کی طرف بھاگیں جہاں سے تتلی کے چیخنے کی آواز آئی تھی۔ مغرب سے پہلے کا وقت تھا۔ ابا عصر کی نماز پڑھنے گئے تھے اور اکثر ہی وہ باہر عصر کی نماز پڑھ کر چوپال پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اماں الٹے پاؤں واپس دوڑیں۔ چارپائی گھسیٹ کر دیوار کے پار جھانکا شکر ہے ہمسایوں کا بچہ گڈو موجود تھا۔ اس سے کہا کہ بھاگ کر تتلی کے ابا کو جلدی سے بلا کے آئے۔ پانچ منٹ بعد ہی ابا آ گئے۔ ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تتلی کی حالت دیکھ کر' وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ محلے میں ہی ایک ہمسایے کی ٹیکسی تھی جو دن کو شہر جا کر چلاتا تھا۔ ابا نے تتلی کو بازوؤں میں بھر کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر لٹایا۔ اماں بھی اس کا سر گود میں رکھ کر بیٹھ گئیں اور اس کا

ہاتھ پکڑ کر آیات پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگیں۔ پینتالیس منٹ کا سفر آدھے گھنٹے میں طے کرکے وہ شہر کے اسپتال پہنچے تھے۔ جہاں تلی کی حالت دیکھ کر اسے ایمرجنسی لے جایا گیا۔ ڈاکٹر نے ابا سے آکر دستخط کرائے کہ فوری آپریشن کرنا پڑے گا۔ تلی کی جان کو بہت خطرہ ہے۔ ابا نے کانپتے ہاتھوں سے سائن کردیے اور سوا گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد ڈاکٹر نے آکر ان کو تسلی دی کہ تلی کا آپریشن ہوگیا تھا، لیکن بچہ اس دنیا میں آنے کے بعد چند لمحوں تک ہی جی پایا۔ ویسے ہی وہ سات ماہ کا تھا اور بہت زیادہ پیچیدگیوں کا شکار تھا۔ اماں ابا اس کے لیے اگرچہ دکھی ہوئے پر تلی کی جان بچ گئی تھی، اس کے لیے وہ اپنے رب کا جتنا شکر ادا کرتے کم تھا۔ تلی کی طرف سے تسلی ہو جانے کے بعد ابا نے کپکپاتے ہاتھوں سے ٹیپو کا نمبر ملایا اور اسے ساری تفصیل بتائی۔

"تو مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟ میرا کیا تعلق ہے اس سے یا آپ لوگوں سے۔ بیٹی کو گھر بٹھانے کا یہ بدلہ لیا ہم سے کہ جادو ٹونہ کراکے بربادی پھیلا دی ہمارے گھر اور اب کہتے ہو کہ میں اس فتنی کو دیکھنے آؤں۔ میری طرف سے تم سب جہنم میں جاؤ۔ آزادی کا پروانہ جلد ہی بھجوا دوں گا۔" اس نے جواب دے کر فون بند کردیا۔ ابا کا فق چہرہ دیکھ کر اماں پریشان ہوگئیں۔

"کیا ہوا تلی کے ابا! کیا کہا داماد جی نے....؟" وہ پریشان ہو کر بولیں اور ان کا کندھا ہلا کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ ان کا انداز اماں کو کچھ غلط ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔ جواب میں ابا صرف خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھ کر رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

بہت دنوں بعد **معیز** نے ثمن کے نمبر پر کال کی تھی۔ درمیان کے یہ دو تین ماہ اتنے مصروف اور عجیب و غریب تھے کہ کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا تھا۔ فرحت خالہ کی طلاق۔ پھر صفت خالہ کا طلاق کے بعد گھر آجانا۔ ٹیپو ماموں کا تلی مامی کو طلاق دے دینا، دیکھا جائے تو پے درپے مصیبتوں کا پہاڑ تھا جو عفت آرا کے گھر پر ٹوٹا تھا پر ابھی بھی خدا کی طرف سے دی گئی تنبیہہ کو سمجھ نہیں پایا تھا ان کا خاندان۔ وہ لوگ اسے دشمنوں کے وار سمجھتے اور پیروں، فقیروں کے آستانے پر ان کے چکروں کی تعداد اور نذرانوں کی مقدار بڑھ گئی تھی۔

معیز جب بھی گھر میں اپنے رشتے کی بات چھیڑنا چاہتا کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ ضرور کھڑا ہو جاتا جس کے بعد اسے لگتا کہ اس کا اور ثمن کا ساتھ ناممکن ہے حالانکہ اب تو جہاں آرا اپنے میکے بہت کم جاتی تھیں۔ ابا کی طرف سے ان کو دھمکی دی گئی تھی کہ اب وہ ہفتے میں ایک بار کی بجائے مہینے میں ایک بار جائیں کیونکہ دادی اب ضعیف تھیں ان سے گھر کی ذمہ داریاں نہیں سنبھالی جاتی تھیں۔ دوسرے ابا جانتے تھے کہ جب تک جہاں آرا کا رابطہ ان کے میکے والوں سے رہے گا ان کے گھر میں سکون نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی ساس کی فطرت کو سمجھ چکے تھے سو گھر کا سکون اسی میں مضمر تھا کہ جہاں آرا کا وہاں جانا ہی کم کردیا جائے۔ ورنہ ان کا دل تو چاہتا کہ جہاں آرا کو یا تو ہمیشہ کے لیے ان کے میکے بھجوا دیں یا پھر ہمیشہ کے لیے ان کا وہاں جانا بند کردیں، لیکن ان دونوں کاموں کو کرنے پر دل آمادہ نہیں ہو پایا تھا۔ سو درمیان کی راہ نکالی تھی۔ جہاں آرا بھی شاید بہنوں کے ساتھ ہونے والے سانحوں کے زیر اثر ذرا چپ ہی تھیں۔ دادی جو کہتیں چپ چاپ سن لیتیں اور زیادہ تر خاموش ہی رہتیں۔

"یہ سب کیا ہوگیا ہے **معیز**! کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا۔ بخدا ابھی سے ہم جتنا بھی تنگ تھے یا جو کچھ بھی انہوں نے یا تائی نے ہمارے ساتھ کیا یا ہمیں کچھ کہا۔ اس انتہائی قدم کا ہم میں سے کسی نے سوچا ہی نہیں تھا۔ عمران بھائی بہت چپ ہو کر رہ گئے ہیں۔ اماں اس دن کے بعد ان سے کلام ہی نہیں کررہیں حالانکہ تین ماہ کا عرصہ گزر گیا۔" ہنستی کھلکھلاتی ثمن آج جیسے رو ہی دی تھی۔

جذبات الجھے ہوئے ریشم کی مانند سلجھنے کے بجائے

مزید الجھتے گئے تھے۔وہ خاموشی سے سنتا رہا۔جانتا تھا کہ جب تک اپنی ساری پریشانی اسے بتا نہیں دے گی چین نہیں آئے گا۔"

"اس واقعے سے اگلے دن تمہاری نانی اماں اور فرحت آپا آئی تھیں۔بہت برا بھلا کہا مجھے اور اماں کو۔ پھر کہا کہ عمران بھائی نے جھوٹ بول کر سارا ڈرامہ کیا صفت آرا کو چھوڑنے کی خاطر۔مجھے کہا کہ میں اب خوشی سے ناچوں 'گاؤں کہ جو کچھ میں چاہتی تھی وہ ہوگیا تھا۔ مجھے بتاؤ معیز!کیا کوئی ماں اور بہن چاہتی ہے کہ ان کے بھائی یا بیٹے کا ہنستا بستا گھر اجڑ جائے۔ مجھے تو اس بات کا اتنا صدمہ تھا کہ نانی کی یا فرحت آپا کی کوئی بات بری ہی نہیں لگی۔جانتی تھی کہ غصے میں انسان کے ایسے ہی حواس سلب ہوجاتے ہیں اور ان کی تو بیٹی کا گھر اجڑا تھا'کیسے نہ برا بھلا کہتی ہمیں۔" وہ رو دی تھی۔معیز اسے تسلی بھی نہ دے سکا۔

اس کا اپنا دل اتنا بوجھل تھا کہ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیسے اور کن الفاظ میں تسلی دے حالانکہ آج تک جب جب وہ پریشان ہوتا تھا تمن کی بے ساختہ باتیں اس کی ساری پریشانی منٹوں میں اڑا لے جاتیں اور آج وہ پریشان تھی تو وہ ایک لفظ بھی نہ بول پایا۔

☆ ☆ ☆

"تتلی دیکھ تو تیرے ابا تیرے لیے کتنے رسالے لے کر آئے ہیں۔" اماں نے اس کے پاس بیٹھ کر شاپر میں کئی جگمگاتے سرورق والے میگزین اس کے سامنے رکھ دیے جنہیں اس نے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

"دیکھ مجھے کچھ فرش سے اٹھتی گرد سے چڑ تھی نا' تیرے ابا نے فرش بھی پکا کرا دیا ہے۔ ہنسا کر بیٹا!بولو تو سہی کچھ۔میرا دل ہولتا ہے۔"اس کی ویران آنکھوں کو دیکھ کر اماں کو ہول آیا۔

"کیا بولوں اماں...کچھ بولنے کو رہا ہی نہیں۔"

اسپتال میں تین دن داخل رہنے کے بعد جب وہ گھر آئی تھی تو اس کے ایک ہفتہ بعد اسے ٹیپو کی طرف سے طلاق کے کاغذات اور حق مہر کی بیس ہزار کی رقم وصول ہوگئی تھی۔پانچ ماہ کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی تتلی میں وہ رنگ نہ آسکے۔جو اس کے مزاج کا حصہ تھے۔سارا دن چپ چاپ کاموں میں لگی رہتی۔ مارے باندھے کام کے لیے اٹھنے والی تتلی ڈھونڈ ڈھونڈ کر کام نکالتی رہتی۔دس بار اماں نماز کے لیے آواز لگاتی تو کبھی پڑھ لیتی کبھی نہیں۔پر اب اس کی نمازوں میں باقاعدگی آگئی تھی۔سنجیدگی مزاج کا حصہ بن گئی تھی۔کھلنڈرا پن منہ چھپا کر کہیں چلا گیا تھا۔اماں اسے دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھرتیں تو ابا نظر چرا جاتے۔

کسی گہری سوچ میں وہ گم تھا جب جہاں آرا اندر داخل ہوئیں۔اسے پتا نہ چل سکا۔وہ بیڈ پر اس کے سامنے بیٹھ گئیں تب وہ چونک کر سیدھا ہوگیا۔

"ارے اماں آپ... آپ کب آئیں..." وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

"جب تم اپنے خیالوں میں گم تھے۔" وہ آہستہ سے مسکرا کر بولیں۔

"جی اماں' کہیئے کوئی کام تھا؟" معیز نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں ایسے تمہارے پاس نہیں آسکتی کیا؟"

"ارے نہیں' میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔

"میری بھی عجیب قسمت ہے معیز! ساری زندگی ساس کو خوش نہ کر پائی۔ میاں نے بھی مجھ سے سکون نہیں پایا۔ اب بیٹا ہے تو میری وجہ سے پریشان ہے۔" ٹپ ٹپ آنسو ان کی آنکھوں سے گرنے لگے۔

"ارے... ارے اماں! کیا کہہ رہی ہیں آپ' آپ سے کس نے کہا میں پریشان ہوں اور آپ کی وجہ سے پریشان ہوں۔" وہ گھبرا گیا اور ان کے ہاتھ تھام کر بے قراری سے کہا۔

"ہاں تو نہیں ہے پریشان... کبھی کہا اپنی ماں سے کہ تو ثمن کو پسند کرتا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے تو معیز آنکھیں پھاڑے ان کو دیکھتا رہ گیا۔

"نہیں اچھی بہو نہ بنی۔ نہ ہی اچھی بیوی پر یہ افسوس تو ساری زندگی میری جان جلائے گا کہ میں اچھی ماں بھی نہیں تھی۔ میرا بیٹا میری دل آزاری نہ ہو اس خیال سے کتنا عرصہ الجھا رہا اسے اپنی ماں پر اتنا اعتماد نہیں تھا کہ ایک بار اسے بتاتا تو سہی۔" معیز کتنی دیر اپنی ماں کی طرف دیکھتا رہا یہاں تک کہ اس کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ ان کی گود میں منہ چھپا کر رو پڑا۔

"اماں... میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔" اس کی آواز بھرا گئی اور جہاں آرا کے آنسو ان کے چہرے پر تشکر کر رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

"سونی... سونی یہاں آؤ... ارے بہو چھوڑو تم ان دادا پوتی کو۔ یہاں آکر میری بات سنو۔" سعیدہ بیگم نے پیار سے اپنی بہو کو بلایا۔

"جی اماں۔" اس نے ادب سے آکر پوچھا۔

"آج ثمن اور معیز کھانے پر آرہے ہیں ذرا کچھ اہتمام کر لینا۔ کچھ چیزیں بازار سے ریڈی میڈ منگوا لینا۔" انہوں نے ہدایات دیں۔

"ارے واہ! بازار سے کیوں میں خود بناؤں گی ثمن جی کی پسند کی ساری ڈشز' کبھی کبھار تو آتی ہے یہاں اپنی ساس اور دادی ساس کو ایسی پیاری ہوئی ہے کہ شکل دیکھنے کو ترس جاتے ہیں ہم اس کی۔ عبداللہ کو بھی بہت یاد آتی ہے اور سونی بھی بہت مس کر رہی ہے آج کل اس کو۔" اس کے الفاظ میں نرمی اور پیار تھا۔

"ارے تتلی! یار کہاں ہو... میری ٹائی نہیں مل رہی۔" عمران کی آواز پر وہ جی ابھی آئی کہتی اندر بھاگی تو سعیدہ بیگم نے اپنے اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی پر ایک بار پھر شکر ادا کیا جس نے ان کے گھر کے بدنما کینوس میں رنگ برنگے خوبصورت رنگ بھر کر ایک مکمل گھر ان کی جنت انہیں دے دیا تھا۔

ثمن کی معیز سے شادی پر جہاں آرا کی ماں اور اس کی بہنوں اور نیپو نے ان کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ تین سال پہلے ثمن کی معیز سے شادی کے بعد ثمن کی ہی خواہش پر عمران شادی پر بمشکل راضی ہوا تھا اور آج تک اپنے اللہ کا شکر ادا کرتا کہ اس نے بہن کا مان رکھ کر اپنے لیے ایک جنت کا اہتمام کر لیا تھا۔ جہاں آرا جو پہلے پہل اپنے میکے والوں کی وجہ سے پریشان اور چپ چپ رہیں۔ ثمن کی پرخلوص طبیعت اور بے ساختہ انداز نے ان کو زیادہ عرصہ تک بے نیاز نہیں رہنے دیا تھا۔

آداب رستے الگ کرلیں
تمہاری اور میری کہانی کو
منطقی انجام دے دیں
تم ایک اور سمت کو چل پڑو
میں ایک اور جانب چل پڑوں
کہ
ہمارے سامنے طوفان حائل ہے
تمہیں میری کشتی سے
اپنا آدھا دھڑ نکالنا ہوگا

وہ جو اک دوسری کشتی
تمہارے آدھے دھڑ سے
غیر متوازن سی ہو کر
ڈوبنے کو ہے
اسے سنبھالنا ہوگا

محبت کے کناروں پہ
جدائی حاشیہ کرنی ہی ہوگی

ہمیں جاناں بچھڑنے کی
سعی کرنی ہی ہوگی...

جاوداں نہساں

کیا خبر کس کو کدھر جانا تھا
جانے والوں کو مگر جانا تھا

کس تعلق کی امیدیں تھیں ہمیں
ہجرتوں کو بھی ثمر جانا تھا

یہ اُجڑنا تو اک سبب سے ہے
ورنہ ہم کو بھی سنور جانا تھا

وہ تو چہرہ تھا کسی کا جس کو
شب گزیدوں نے سحر جانا تھا

ہم نے آوارہ مزاجی کو ظریف
زندگی بھر کا ہنر جانا تھا

ظریف احسن

شگفتہ شاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اتنے عمل کا بوجھ اٹھاؤ جتنے کی تم میں طاقت ہو کیونکہ بہترین عمل وہ ہے جس پر زیادہ پابندی کی جائے، اگرچہ تھوڑا ہو۔"

چار صفات،

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ مخلوق وہ ہے جس کا دل متکبر، زبان سخت، یقین کمزور اور ہاتھ بخیل ہو۔

حضرت علیؓ کا کردار،

عقل دانش اور بہادری کے لیے عمر کی قید نہیں ہے۔

ذرا اپنی آنکھیں بند کیجیے اور تصورات کی دنیا میں اب سے چودہ سو سال پہلے کی تاریخ پر نظر ڈالیے جب اسلام کو قبول کرنا اژدھے کے منہ میں ہاتھ دینے کے مترادف تھا۔

اسلام کا پیغام قریب ترین لوگوں تک پہنچانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان کو کھانے پر مدعو کرتے ہیں۔ فراغت کے بعد آپ اہل خاندان کے سامنے اللہ کا پیغام پیش کرتے ہیں۔ انہیں بت پرستی ترک کرنے اور اللہ واحد کی عبادت کی تلقین کرتے اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے اور فرماتے ہیں۔
"کون ہے جو کانٹوں بھری اس راہ میں میرا ساتھ دے گا؟"

خاندان کے تمام لوگ خاموش بیٹھے ہیں گویا انہیں سانپ سونگھ گیا ہے۔ ایک گوشے سے ایک دھیمی سی آواز سنائی دیتی ہے۔

"اگرچہ میں بیمار ہوں، میری آنکھیں آئی ہوئی ہیں۔ میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میری عمر بہت کم ہے لیکن اے رسول اللہ! میں ہر حال میں آپ کا ساتھ دوں گا۔"
یہ آواز کس کی تھی؟ کسی عمر رسیدہ کی؟ کسی جوان کی؟

نہیں! بلکہ ایک بچے کی جس کی عمر مشکل سے دس گیارہ سال تھی۔ اس بچے نے اللہ اور رسولؐ کا ساتھ دینے کا عہد اس وقت کیا جبکہ سرداران قریش بھی خاموش رہے۔
اس بچے کو اسلامی تاریخ حضرت علیؓ کے نام سے جانتی ہے جنہوں نے زندگی بھر اپنے عہد کو نبھایا۔ ہر نازک موقع پر اسلام کی خاطر اپنی جان پر کھیلے اور اسلامی ریاست کے چوتھے خلیفہ مقرر ہوئے۔

(مولانا سراج الدین ندوی)

قاضی کا جواب،

معتصم باللہ عباسی کے زمانے میں ایک بڑا ممتاز جرنیل تھا۔ بغا اس کا نام تھا۔ اس کے بیٹے موسیٰ کا مقدمہ قاضی احمد بن بدیل کے سامنے پیش ہوا۔ موسیٰ کوئی جائیداد خریدنا چاہتا تھا۔ جائیداد کے مالکوں میں ایک یتیم بھی تھا۔ موسیٰ کے کارندے نے محسوس کیا کہ قاضی احمد یتیم کی طرف جھک رہے ہیں۔ انہیں توجہ دلائی گئی کہ معاملہ موسیٰ بن بغا کا ہے۔ قاضی احمد نے بے دھڑک اور برجستہ جواب دیا۔

(ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری عزت برقرار رکھے۔ دوسرے رخ پر بھی نظر ڈالو۔ معاملہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہے)

کارندہ راوی ہے کہ اس جواب سے میری گردن نیچے جھک گئی اور میں نے موسیٰ کو یہ جواب سنایا تو موسیٰ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

(حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی)
مولانا مناظر احسن گیلانی
عزہ، اقرا۔ کراچی

سیلفی،

ماں گھبرائی ہوئی بولی۔
"بیٹا! جلدی آؤ، بہو کو فالج کا اٹیک ہوا ہے۔ منہ ٹیڑھا، آنکھیں اوپر، گردن گھوم گئی ہے۔"
بیٹا! "رہنے دیں امی! وہ سیلفی لے رہی ہے۔"
انعم ناصر۔ کراچی

بات کا نچوڑ،

☆ میرے نزدیک وہ بہادر نہیں جو دشمن پر قابو پالے بلکہ وہ بہادر ہے جو اپنی خواہش کو قابو میں رکھے۔
(ارسطو)

☆ نوجوان کو نصیحت کے لیے میرے پاس صرف تین الفاظ ہیں۔ کام، کام اور کام۔
(بسمارک)

☆ آدمی کی دس انگلیاں اس کی بہترین دوست ہیں۔
(گوئٹے)

☆ مطالعہ ذہن کے لیے وہی اہمیت رکھتا ہے جیسے ورزش جسم کے لیے۔
(جوزف ایڈیسن)

☆ ہم وقت کو تحویل کر سکتے ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے۔
(نپولین)

☆ جلدی سونا، اور جلدی نیند سے جاگنا آدمی کو صحت مند، خوش حال اور عقل مند بناتا ہے۔
(بینجمن فرینکلن)

☆ تقدیر اپنا بیشتر کام انسانوں کے اپنے فیصلے میں ہی مکمل کر لیتی ہے۔ انسان ایک راہ چلتے چلتے دوزخ تک جا پہنچتا ہے۔ وہ فیصلہ کرتے کرتے بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ بہشت یا دوزخ انسان کا مقدر ہے لیکن یہ مقدر انسان کے اپنے فیصلے کے اندر ہے۔

(واصف علی واصف)
گڑیا شاہ۔ کہروڑپکا

کلنک،

سب جانتے ہیں کہ سلطان ٹیپو کو جس شخص نے دھوکا دیا، اس کا نام میر صادق تھا۔ اس نے سلطان سے دغا اور انگریزوں سے وفا کی۔ انگریز نے انعام کے طور پر اس کی کئی پشتوں کو نوازا۔
انہیں ماہانہ وظیفہ ملا کرتا تھا مگر تب سے جب میر صادق کی اگلی نسلوں میں سے کوئی نہ کوئی شخص ہر ماہ وظیفہ وصول کرنے عدالت آتا تو چپڑاسی صدا لگاتا تھا۔
"میر صادق غدار کے ورثا حاضر ہوں۔"
نادیہ، نجمہ۔ گلستان جوہر

طریقۂ کار،

جب دو کاروں میں ٹکر ہو تو فیصلہ کس طرح کیا جائے گا کہ کون سا ڈرائیور غلطی پر تھا۔ ہمارے یہاں کے لوگوں نے اس معاملے میں چند اصول بنائے ہیں۔ ممکن ہے ان پر عمل کرنے سے دوسرے ممالک کے لوگوں کو بھی فائدہ ہو جائے۔

٭ غلطی ہمیشہ سیکنڈ ہینڈ اور کم قیمت گاڑی والے کی ہے۔
٭ غلطی ہمیشہ مرد ڈرائیور کی ہے۔ عورت ڈرائیور کی نہیں، خواہ وہ بغیر لائسنس کے ہی گاڑی چلا رہی ہو۔
٭ غلطی ہمیشہ ملازم ڈرائیور کی ہے، مالک ڈرائیور کی نہیں۔
٭ غلطی ہمیشہ معمولی لباس پہننے والے ڈرائیور کی ہے یونیفارم یا سوٹ پہننے والے کی نہیں۔
٭ غلطی ہمیشہ قومی زبانیں بولنے والے ڈرائیور کی ہے انگریزی بولنے والے کی نہیں۔

عذرا ناصر۔ کورنگی کراچی

سوا سیر،

ایک بچے کو دکانوں سے چھوٹی چھوٹی چیزیں چرانے کی عادت پڑ گئی تھی۔ اس کے والد اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے۔ تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اسے خوف زدہ کرنے کے لیے چند گھنٹوں کے لیے حوالات بھجوا دیا جائے۔

انہوں نے تھانے دار سے بات کی۔ جس نے تجویز مان لی اور بچے کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔

اس وقت حوالات میں ایک ادھیڑ عمر کا مجرم بھی بند تھا۔ اس نے لڑکے سے پوچھا۔

"تمہیں کس جرم میں یہاں لایا گیا ہے؟"

"میں دکانوں سے چھوٹی چھوٹی چیزیں چراتا ہوں۔" لڑکے نے بتایا۔

"بے وقوف! تم کوئی بینک کیوں نہیں لوٹتے؟" مجرم نے کہا۔

"کیا کروں جناب! میری اسکول سے تین بجے چھٹی ہوتی ہے۔ تب تک بینک بند ہو چکے ہوتے ہیں۔" لڑکے نے بے بسی سے جواب دیا۔

عابدہ نثار۔ لندن

اللہ کا فضل،

عرب میں ایک عورت تھی، اس کا نام ام جعفر تھا۔ انتہائی سخی تھی۔ لوگوں میں ایسے تقسیم کرتی تھی کہ دائیں کو بائیں ہاتھ کا پتا نہ چلے۔ کچھ دنوں سے وہ ایک راستے گزرنے لگی۔ اس راستے پر دو اندھے بیٹھے ہوتے۔ وہ دونوں صدائیں لگاتے۔

ایک کی صدا ہوتی "الٰہی! مجھے اپنے فضل سے عطا کر، اپنے کرم سے روزی دے۔"

دوسرا اندھا کہتا "یارب! مجھے ام جعفر کا بچا ہوا عطا کر۔"

ام جعفر ان دونوں کی صدائیں سنتی اور دونوں کی مدد کرتی۔ جو شخص اللہ کا فضل طلب کر رہا تھا، اس کو دو درہم دیتی جبکہ ام جعفر کے فضل کے طلب گار کو ایک بھنی ہوئی مرغی ملتی۔ وہ اپنی مرغی دوسرے اندھے کو دو درہم کے عوض بیچ دیتا۔ کئی دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔

ایک دن ام جعفر اس اندھے کے پاس آئی جو ام جعفر کا فضل طلب کرتا۔ ام جعفر نے پوچھا۔

"کیا تمہیں سو دینار ملے؟"

اندھے نے کہا "نہیں۔ مجھے ایک بھنی ہوئی مرغی ملتی تھی جس کو میں دو دینار میں دوسرے اندھے کو بیچ دیتا تھا۔"

ام جعفر نے کہا "اس میں، میں دس دینار روز تمہیں چھپا کر دیتی تھی۔"

اندھا سر پیٹ کر رہ گیا۔

یقیناً جو رب کے فضل کا طلب گار ہوگا، وہی کامیاب ہوگا۔

نوال افضل گھمن۔ کراچی

رشتے،

جب ناخن بڑے ہو جائیں تو ناخن ہی کاٹے جاتے ہیں انگلیاں نہیں۔ بالکل اسی طرح جب رشتے داروں میں آپس میں غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو غلط فہمیاں ختم کرنی چاہئیں نہ کہ رشتے۔

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

اعتماد،

شاخ پر بیٹھا پرندہ شاخ کی کمزوری یا اس کے جھولنے سے نہیں ڈرتا کیونکہ اس کو شاخ پر نہیں اپنے پروں پر اعتماد ہوتا ہے۔

ہانیہ عمران۔ گجرات

اوصاف حمیدہ،

حکیم لقمان کے بیٹے نے اس سے پوچھا۔

"اے بابا! کون سی ایک خصلت ہے جو انسان میں ہونی چاہیے؟"

آپ نے فرمایا "دین دار ہونا اور دین پر مکمل عمل پیرا ہونا سب سے اچھی بات ہے۔"

بیٹے نے کہا "اگر انسان دو رموز اختیار کرنا چاہے تو کون سے دو کام بہتر ہیں؟"

آپ نے فرمایا "دین اور مال۔ یعنی انسان دین دار رہے اور کسب حلال کرے۔"

بیٹے نے کہا "اگر انسان تین چیزیں اختیار کرنا چاہے؟"

فرمایا "دین، مال اور حیا۔"

رضوانہ شکیل راؤ۔ لودھراں

خالدہ جیلانی

نوال افضل گھمن ـــــــ کراچی

کیا پوچھتے ہو میری زیست کی کتاب کا
ہر ورق ہے لپٹا ہوا درد و غم میں
کبھی فرصت ملے تو سوچنا اے دوست
یہ سال بھی گزر گیا تیرے ہجر و فراق میں

نمرہ، اقرا ـــــــ کراچی

دستک دینے والے بھی، دستک سننے والے بھی
تھا آباد محلہ سارا، ہر دروازہ زندہ تھا
اب وہ گھر اک ویرانہ تھا، بس ویرانہ زندہ تھا
سب آنکھیں دم توڑ چکی تھیں اور میں تنہا زندہ تھا

ارم کمال ـــــــ فیصل آباد

وہ سراپا سامنے ہے، استعارے مسترد
چاند، جگنو، پھول، خوشبو اور ستارے مسترد
تذکرہ جن میں نہ ہو اس کے لب و رخسار کا
ضبط وہ ساری کتابیں وہ شمارے مسترد

ریحانہ چوہدری ـــــــ مرید کے

کہاں ممکن تھا میں دل سے تیری یادیں مٹا دیتا
بھلا کیسے میں جیتا پھر اگر تجھ کو بھلا دیتا
تیری رسوائی کے ڈر سے لبوں کو سی لیا ورنہ
تیرے شہر منافق کی میں بنیادیں ہلا دیتا

خالدہ پروین ـــــــ گھوٹ ادکھ

ہر ابتدا سے پہلے ہر انتہا کے بعد
ذات نبی بلند ذات خدا کے بعد
دنیا میں احترام کے لائق ہیں جتنے بھی لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰ کے بعد

سجے۔ آئی۔ اے ـــــــ ڈیرہ غازی خان

عجب ستم گری ہے ان کے عشق کی
سب کچھ یاد ہے، اک ہم ہی یاد نہیں

ندا نامر، اقصیٰ ناصر ـــــــ کورنگی کراچی

کیا پوچھتے ہو میری زیست کی کتاب کا
ہر ورق ہے لپٹا ہوا درد و غم میں
کبھی فرصت ملے تو سوچنا اے دوست
یہ سال بھی گزر گیا تیرے ہجر و فراق میں

نادیہ، بجز ـــــــ گلستان جوہر

اک دیا دل میں جلانا بھی بجھا بھی دینا
یاد کرنا بھی اسے روز بھلا بھی دینا
صورت نقش قدم دشت میں رہنا
میں اپنے ہونے سے نہ ہونے کا پتا بھی دینا

مدیحہ فہمید ـــــــ کراچی

اب وہی حرف جنوں سب کی زباں ٹھہری ہے
جو بھی چل نکلی ہے وہ بات کہاں ٹھہری ہے
آج تک کے اکرام میں جو شے تھی حرام
اب وہی دشمن دیں، راحت جاں ٹھہری ہے

آمنہ محمد نوید ـــــــ پیر محل کی ملیال

یہ خوں کی مہک ہے کہ لب یار کی خوشبو
کس راہ کی جانب سے صبا آتی ہے دیکھو
گلشن میں بہار آئی ہے کہ زنداں ہوا آباد
کس سمت سے نغموں کی صدا آتی ہے دیکھو

ریما علی ـــــــ اکھاڑہ

اتنا آسان بھی نہیں اپنی ہستی سے گزر جانا
اترا جو سمندر میں تو دریا بہت رویا
جو شخص نہ رویا تھا تپتی ہوئی راہوں میں
سایۂ دیوار میں بیٹھا تو بہت رویا

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر میرے موسٹ فیورٹ شاعر فیض احمد فیض کی یہ خوبصورت غزل آپ سب قارئین کی نذر۔

اب کے یوں دل کو سزا دی ہم نے
اس کی ہر بات بھلا دی ہم نے

ایک ایک پھول بہت یاد آیا
شاخِ گل جب وہ جلا دی ہم نے

شہرِ جاں راکھ سے آباد ہوا
آگ جب دل کی بجھا دی ہم نے

آج پھر یاد بہت آیا وہ
آج پھر اُس کو دُعا دی ہم نے

کوئی تو بات ہے اس میں فیضؔ
ہر خوشی جس پہ لٹا دی ہم نے

قرۃ العین ہاشمی کی ڈائری سے

وقت کی تیز رفتاری کے ساتھ جہاں عمر کتنی ہی منزلیں طے کر گئی ہے۔ کچھ ان دیکھے خوابوں کی دلفریب خوشبوئیں آج بھی آنکھوں کی سرزمین پر نیندوں کے دیس میں بستی ہیں۔ ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسلتا وقت، اس لمحے اس پل میں امر ہو جانے کی کوشش میں، خاک اُڑانے لگتا ہے۔ مگر خواہش ہے کہ اپنی جگہ آج بھی "مجسم" ہے۔

خواتین کی اس محفل میں بہت عرصے کے بعد نعیر احمد ناصر کی اس خوبصورت نظم کے ساتھ حاضر ہوں۔

"پرندوں کی طرح طلوع ہونا چاہتا ہوں"

میں جانتا ہوں
میرا سفر ختم ہونے والا ہے
نیند آنکھوں میں
پڑاؤ ڈال چکی ہے
اور اندھیرے کی ساکن آواز
یہیں بہت قریب سے
سنائی دے رہی ہے
لیکن میں سونا نہیں چاہتا
نظم، کچھ دیر اور میرے ساتھ رہو
مجھ سے باتیں کرو
مجھے تنہا مت چھوڑو
میں اس رات کی صبح دیکھنا
اور پرندوں کی طرح
تمہارے ساتھ طلوع ہونا چاہتا ہوں

سیدہ ہما سجاد کی ڈائری سے

زرقی گیلانی کا خوبصورت "اعتراف" کہ جب انسان سچا ہو تو اسے فرق کسی بات سے نہیں پڑتا۔ یہ اور بات ہے کہ تلخ ماضی اور لوگ بھولتے نہیں۔

بھولتا کون ہے
وقت کے گھاؤ کو
ہجر کے تند طوفان کی
وصل کے خواب کی ڈوبتی ناؤ کو
بھولتا کون ہے

اپنے قاتل کے قاتل خد و خال کو
دکھ اٹھاتے دنوں اور مہ و سال کو
بھولتا کون ہے؟
عمر کی شاخ پر کھلنے والی اس اک اولین
شام کو
بے سبب جو لگا ہے اس الزام کو
پھر تیرے نام کو
بھولتا کون ہے؟

سونیا حسین کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر محسن نقوی کی یہ غزل میری پسندیدہ غزل ہے۔ اس لیے آپ سب قارئین بہنوں کے نام۔

ستم کو مصلحت، حسن تغافل کو ادا کہنا
اسے اب اور کیا لکھنا، اسے اب اور کیا کہنا

یہ رسم شہر نا پرساں، ہمارے دم سے قائم ہے
کہ ہر اک اجنبی کو مسکرا کر آشنا کہنا

سفر میں یوں عذاب تشنگی آنکھوں میں بھر لینا
چمکتی ریت کو دریا، بگولے کو گھٹا کہنا

ہزاروں حادثے تجھ پر قیامت بن کے ٹوٹے ہیں
تو اس پر بھی سلامت ہے دل خوش فہم کیا کہنا

دل بے مدعا کو بے طلب جینے کی عادت ہے
مجھے اچھا نہیں لگتا، دعا کو التجا کہنا

میرے محسن یہ آداب مسافت سیکھنے ہوں گے
بھٹکتے جگنوؤں کو بھی سفر کا آسرا کہنا

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ، 37- اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com

ابھی تک یاد ہے۔ مصباح آپ کے اگلے نئے موضوع کا انتظار رہے گا۔ مضبوط ڈائیلاگز کے ساتھ۔ دوسرا ناول "بی سحر" کا پڑھا۔ یہ کوئی نئی رائٹر ہیں۔ دوسری عورت اچھا لکھا، لیکن کہیں کہیں الجھاؤ تھا۔ جیسے پہلا پیراگراف آخر میں کہیں واضح ہی نہیں کیا۔ افسانے اچھے تھے، ہلکے پھلکے۔ عندلیب زہرا، عطیہ خالد، ایمل رضا سب نے اچھا لکھا اور آمنہ ریاض، واہ بھئی واہ۔ انہوں نے تو کمال ہی کر دیا۔ سپر ڈپر ناول۔

ج: پیاری شہرین! پرچے کی پسندیدگی کے لیے ممنون ہیں۔ بی سحر ملک۔ نئی مصنفہ ہیں، اس سے پہلے ان کا ایک افسانہ شائع ہو چکا ہے۔ مصباح علی تک آپ کی فرمائش پہنچا رہے ہیں۔

مسرت الطاف احمد۔۔۔ کراچی

پچھلے ماہ خط نہ لکھ سکی۔ ماموں امتیاز کی سعودیہ سے تین سے چار سال کے بعد وطن واپسی پھر میری مسٹر ندا الطاف کی شادی کا ہنگامہ، اس کے بعد ابو کی طبیعت کی ناسازی میں ایسے الجھے کہ ابھی تک نہیں سنبھلے۔ اس پریشانی نے ہمیں ہلا کے رکھ دیا، ابو کو ہارٹ پرابلم ہے۔ آمنہ ریاض کا "دشت جنون" پرتجسس ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ ہوتا جارہا ہے۔ معاویہ اور آئے کت کی نزدیکیاں ایک آنکھ نہیں بھا رہیں۔ معاویہ کے دل میں آخر ہے کیا؟ آئی تھنک آئے کت ہی آیوشمنتی کا کردار ہے۔ اس نے معاویہ کو پانے کے لیے یہ سب کیا ہے۔ خوش نصیب کا کردار بس ایویں ہے اور منفرا مائی موسٹ فیورٹ کردار جو پڑھنے کو ملتا ہی نہیں۔ کیف کا کردار تو بس کھانے میں اچار جیسا ہے۔ سائرہ رضا کا ناول "حسن المآب" اپنی مثال آپ ہے۔ موسیٰ بی کا کردار قابل تعریف ہے۔ "اکسیر جاوداں" بہت ہی متاثر کن اور سبق آموز اسٹوری تھی۔ بسامہ کا کردار بھی بہت پسند آیا۔ "دوسری عورت" ٹاپک کچھ خاص متاثر نہ کرسکا۔ دوستی کے باوجود نبیل کا شادی کے لیے یاں جانا کچھ اچھا نہیں لگا۔ "عشق مجذوب" فنٹاسٹک تحریر تھی۔ فرسٹ ایپی سوڈ نے ہی اپنا گرویدہ کرلیا۔ عبیر کی معصومیت پر پیار آگیا۔ اسے احساس کمتری کا شکار فارہ نے بنایا۔ نیلم کا کردار بہت ہی برا لگا۔ اس کی سفاکی دیکھ کر افسوس ہوا۔

آسیہ فرید۔۔۔ ملتان

"کرن کرن روشنی" سے استفادہ کیا۔ عود ہندی یعنی قسط کیا ہے۔ شاید پنساری یا حکیم سے مل جائے۔ سعدیہ خان کا انٹرویو پڑھا بہت خوب صورت ایکٹرس ہیں یہ۔ ماشاءاللہ حسن المآب اسٹوری پڑھی، ابھی کچھ کچھ سمجھ نہیں آئی۔ دعا ہے حسن المآب کو موسیٰ مل جائے۔

ج: پیاری آسیہ! ہماری بہت سی قارئین نے نمرہ کے انٹرویو کی فرمائش کی ہے۔ اگر نمرہ انٹرویو دینے پر رضامندی ظاہر کی تو ہم ضرور شائع کریں گے۔

شہرین مغل۔۔۔ میرپور

اس بار کا رسالہ پسند آیا ہر بار کی طرح لیکن جس کہانی نے اندر تک چونکایا، وہ مصباح علی کا ناول "اکسیر جاوداں" ہے۔ خواتین ڈائجسٹ میں ان کی پہلی انٹری بڑی دھماکے دار رہی۔ ان کا "حاصل کشت دخوں" اور "جنون قلب"

ج :۔ پیاری مسرت! ابن کی شادی کی مبارک باد۔ حوصلہ رکھیں' آپ کے والد صاحب ٹھیک ہو جائیں گے۔ (ان شاء اللہ) ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ خواتین پر تفصیلی تبصرہ ہمیشہ کی طرح اچھا لگا۔

اقصیٰ بشیر۔۔۔ للیانی سرگودھا

میں نے سوچا کہ پندرہ سولہ سال کی چپ کو توڑا جائے۔ مجھے خواتین سے اتنی محبت ہے کہ اس کی وجہ سے مار بھی کھائی۔ ڈانٹ بھی سنی' لیکن اس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آج ماشاء اللہ عالمہ بننے کے بعد بھی اس سے محبت رواں دواں ہے۔

ج :۔ پیاری اقصیٰ! آپ کی پندرہ سالہ "خاموش محبت" کی ہمارے دل میں بہت قدر ہے۔ یہ آپ کی محبت کا یقین ہی تو ہے جو ہم کو حوصلہ دیتا ہے۔ خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

عنبر عتیق الرحمٰن۔۔۔ شاہدرہ لاہور

فروری کا رسالہ ملا۔ خط لکھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن کچھ تحریریں بہت پسند آئیں۔ اس لیے سوچا کہ اپنی پسندیدگی کا اظہار کردوں۔ حدیبہ اصغر کی تحریر سب سے زیادہ مزے کی ہے۔ پڑھ کر بہت مزا آیا۔ ہیڈ اور علیشہ کی شرارتیں پڑھ کر بہت لطف آیا۔ شروع کے صفحات پڑھ کر لگ رہا تھا کہ کارل (سمیرا حمید' یارم) پاکستان آرہا ہے۔ مگر کارل کے شیطانی معیار تک نہ پہنچ سکیں۔

مصباح نوشین کی "عشق مجذوب" زبردست تحریر ہے۔ بہت خوب صورت انداز میں مصباح نے کہانی کا آغاز کیا ہے۔ ایمل رضا کی "کال بیساکھی" سچ کہوں تو اس پر تبصرہ کرنے کے لیے موزوں الفاظ ہی نہیں مل رہے۔ ایک تلخ تحریر' اس تحریر نے بہت سوں کے اجلے تن کے پیچھے سیاہ من کو اجاگر کیا ہے۔ "دوسری عورت" بی سحر ملک کی ایک خوب صورت تحریر ہے۔ کہانی کا پلاٹ' واقعات کا تسلسل سب کچھ جان دار تھا۔ اختتام اچھا لگا۔ مصباح علی کی "اکسیر جاوداں" اچھی تحریر ہے۔ بسام کے والدین کا تجربہ اور اس کی کامیابی بہت اچھی لگی۔ افسانے۔۔۔ بھی ہمیشہ کی طرح سبق آموز ہیں۔ "حسن المآب" اچھی تحریر ہے۔ لیکن سائرہ رضا کے مخصوص انداز کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ (سائرہ جی سے معذرت)

ج :۔ پیاری عنبر آپ نے مصروفیت کے باوجود وقت نکال کر ہمیں خط لکھا' بہت شکریہ۔ آپ کا تبصرہ متعلقہ مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔

ساجدہ نورین۔۔۔ لاہور

ادارے کے لیے دل سے دعاگو ہوں جو ہمارے لیے دن رات ایک کیے' نئی معلومات لیے حاضر ہوتا' کتنی تو وہ چیزیں ہمیں خواتین' شعاع نے بتائیں جو بالکل معلوم نہ تھیں' جیسا کہ اس بار مصباح علی کا ناول "اکسیر جاوداں" جہاں بہت حیران کیا' وہاں معلومات بھی دے گیا۔ دو سال پہلے ہمارے پڑوسی نے بھی انٹری ٹیسٹ دیا تھا' ہم بھی دیکھتے آئے تھے۔ بہت لائق ہے' ہر وقت کتابی کیڑا' پھر اس ٹیسٹ میں رہ گیا۔ ویل ڈن مصباح' خط لکھنے کی وجہ بھی یہی ہی اور آفس میں بیٹھی فانٹ ٹائپ کر رہی ہوں۔ ایک سوال پوچھنا ہے کہ ٹھیک ہے' بچوں کو دوسرے شعبوں میں لاؤ' اگر اسی خوف سے سب نے بائیو پڑھنی چھوڑ دی تو ہمارے لیے ڈاکٹر کہاں سے آئیں گے' کیا حکومت اس کا بہتر حل نہیں نکال سکتی؟ یہ پڑھ کے تو کچھ اور پڑھنے کو دل نہیں کیا' دو دن بعد باقی پڑھا' حسن المآب سائرہ رضا اچھا لکھ رہی ہیں' لیکن کافی حد تک "اب کر میری رفوگری" سے مماثلت ہے۔ آمنہ جی! کیا بات ہے آپ کی' بچ میں روز بروز تجسس بڑھتا جا رہا ہے۔ افسانے بس ٹھیک ہی لگے۔ سب سے اچھا ملیا سمون کا تربیت تھا۔

ج :۔ پیاری ساجدہ! ایک بہترین قلم کار معاشرے کے ناسوروں کی نشاندہی ہی کر سکتا ہے۔ باقی جراحی تو اہل اقتدار کے ہاتھوں میں ہے جو قانون بناتے ہیں اور عمل؟ ہم نے اپنے حصے کی شمع جلادی ہے۔ خدا کرے کہ یہ شمع کسی کی زندگی میں روشنی لانے کا سبب بن جائے۔ حسن المآب میں آگے چل کر کیا ہوگا' یہ تو ہم بھی نہیں جانتے' لیکن ایک بات بتادیں کہ یہ اب کر میری رفوگری سے یکسر مختلف موضوع پر ہے۔

غنویٰ اکرم۔۔۔ لیاری کراچی

مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا' جو آپ نے میرے دکھ کو محسوس کرتے ہوئے امی کے خط میں مجھے مخاطب کیا۔ یہ میرے لیے سب سے بڑی خوشی کی بات ہے۔ کسی سروے میں شرکت کرنے سے بھی زیادہ۔ اب تو مجھے امی سے بھی

زیادہ خواتین کا انتظار رہنے لگا ہے۔ "خواتین والے! کبھی کسی قاری کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتے' یہ بات اور ہے کہ۔۔۔ مجبوری درمیان میں حائل ہو۔ آپ تو اچھے لفظوں کے قدردان ہیں۔" یہ بات مجھے امی نے سمجھائی تھی' جو مجھے اب سمجھ میں آئی۔ آپ کا ایک بار پھر بہت بہت شکریہ۔۔۔ اتنی محبت اور عزت دینے پہ۔ ہمارے گھر میں ڈائجسٹ کسی خزانے کی طرح سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ لوگوں کے لاکرز اور الماریوں میں دولت ہوتی ہے' ہمارے گھر میں الماری کی درازوں میں اور لاکرز میں آپ کو ڈائجسٹ کا ڈھیر ملے گا' کیونکہ یہ میری امی کی متاع حیات ہے۔ یہی امی کی دولت ہے۔۔۔ اور یہی ان کا خزانہ۔۔۔ بقول مومن اور اسود کے! امی کی وراثت میں ہمیں یہ ڈائجسٹ ہی مستقبل میں ملیں گے۔ ہاہا! اور جائیداد میں بھی یہی ملیں گے۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں باقاعدگی سے خواتین کی قاری بن جاؤں گی۔ آپ میری حوصلہ افزائی کریں گی نا؟

ج: غنوی! ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ آپ کو اپنی امی کی بات سمجھ میں آگئی۔ آپ کی امی نے جس طرح آپ کا غم محسوس کیا تھا' ہمیں یقین تھا کہ آپ بھی اپنی امی سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں گی۔ اور اس کا ثبوت آپ کا یہ خط ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب آپ ہماری باقاعدہ قاری بن جائیں گی تب سوچیں گے کہ کیا سلوک کیا جائے۔

حافظہ رملہ مشتاق۔۔۔ حاصل پور

بہت چھوٹی عمر سے رسالہ پڑھنا شروع کیا' جب لفظوں سے آشنائی تھی مفہوم سے نہیں۔ پھر قرآن پاک حفظ کرنے چلی گئیں' ہم دو بہنیں۔ اس کے بعد واپس آکے اسکول میں دوران تعلیم خواتین ڈائجسٹ سے ناتا جوڑا۔ عمیرہ احمد کا "آب حیات" اور نمرہ احمد "واہ جی واہ" بہت اچھا۔ میری بڑی باجی عمیرہ کو بہت پسند کرتی ہیں وہ عمیرہ احمد سے ملاقات کی خواہاں ہیں' کیا ممکن ہے؟ یہ سارے ڈائجسٹ ہم ابو سے چھپ کے پڑھتے ہیں۔ ہمارا گھرانہ مذہبی ہے۔ ٹی وی ریڈیو تک نہیں ہے' ہمارے ابو حافظ' قاری' عالم ہیں۔ الحمدللہ ہم بھی پانچوں بہن بھائی حافظ قرآن ہیں۔ تین بڑی بہنیں' عالمہ بھی ہیں۔ کیونکہ کتابوں سے کہانیوں سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں جو ہمیں ویسے شاید کبھی نہ ملتا۔ تمام سلسلے اعلا اور اپنی جگہ منفرد ہیں۔ مکمل ناول میں سمیرا حمید کا "عشق آمد و من" بہت زبردست' کمال کر دیا آپ نے تو ویل ڈن۔۔۔ "حسن المآب" سائرہ رضا کوئی کسی سے کم ہیں' اتنی اچھی اسٹوری ساتھ میں تفسیر' مبارک باد جی۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے' لیکن "خالہ" اور "آسرا" تو بہت زبردست۔ ہماری پیاری رائٹرز رخسانہ نگار عدنان نظر نہیں آرہیں' لے آیئے انہیں بھی۔

ج: پیاری رملہ! خواتین کی محفل میں خوش آمدید۔ پیاری بہن ہم تو خود بہت احتیاط کرتے ہیں کہ خواتین میں کوئی ایسی تحریر شائع نہ کی جائے جو ہمارے مذہب' اخلاق اور روایات کے منافی ہو۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ سب بہن بھائی حافظ قرآن ہیں۔

شبلنہ شمس۔۔۔ گھوٹکی سندھ

میں ایف ایس سی پارٹ ٹو کی اسٹوڈنٹ ہوں' میں اور میری بہن رونق' ہر ماہ آپ کے پرچے شعاع اور خواتین پڑھتے ہیں۔ رونق تو دیوانی ہے' آپ کے ڈائجسٹوں کی اور نمیرا حمید اور اور نمرہ احمد کی۔ خط لکھنے کی وجہ آپ کو بتاتی ہو۔ وہ ہے صرف اور صرف "نمل" میں اگر "نمل" نہ پڑھتی تو میری زندگی تباہ ہو چکی ہوتی۔ "نمل" نے میری پوری زندگی بدل دی۔ میں نے اس شیخ کی ساری باتوں پہ عمل کیا اور پھر کیا بتاؤں کہ مجھے کیا' کیا ملا۔ میں کامیاب ہو گئی۔ میں کیا بتاؤں آپ کو کہ میں کس بھٹکے ہوئے راستے سے سیدھے راستے پہ آگئی۔ آپ کی باتوں پہ عمل کر کے میں نے اپنے دل اور نظر کو بچالیا۔ میں نے اپنے اللہ کو پالیا۔ مجھے قرآن' نماز اور دعا میں مزا آنے لگا۔

ج: پیاری شبانہ! دعاؤں سے بڑھ کر کیا تحفہ ہو سکتا ہے۔ ہم آپ کا یہ "تحفہ" نمرہ تک پہنچا رہے ہیں۔ نصیحت کا اثر بھی وہی دل قبول کرتے ہیں جن میں نرمی' نیکی اور اللہ کا خوف ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اگر تھوڑا سا بھٹک جائیں تو کوئی نصیحت' کوئی اچھی بات انہیں واپس سیدھے راستے پر ڈال دیتی ہے۔ مبارک باد کی مستحق تو آپ بھی ہیں کہ آپ نے اچھی بات پڑھی اور اس پر عمل کیا۔ خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

سیدہ لوبا سجاد۔۔۔ کہروڑ پکا

"نمل" کا انجام بہت ادھورا سا تھا۔ "دشت جنوں"

شروع اچھا ہوا' اب مزا نہیں آتا پڑھنے کا۔ افسانے اچھے تھے' مگر ایک بات کہنا چاہوں گی۔ ہو سکتا ہے باقی قاری بہنوں کو مجھ سے اتفاق نہ ہو۔ لیکن محبت' شادی اور گھریلو جھگڑے' اب ان کہانیوں میں دلچسپی نہیں رہی۔ ہمارے اردگرد واقعات بھرے پڑے ہیں۔ کرپشن' قتل' دھماکے' ناقص تعلیمی نظام' پاک بھارت جھگڑے' وطن سے محبت اور کوئی پچاس ہزار قصے مل جائیں لکھنے کو' لیکن بس محبت میں ناکامی' شادی' محبت اور ساس' بہو کے جھگڑے کے سوا جیسے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ ہر تحریر ایک سی جیسی ہوتی ہے۔

ج: پیاری لوبا! کہانی اور اخباری خبر میں بہت فرق ہوتا ہے' کہانی میں سبق کے ساتھ ساتھ تفریحی عنصر بھی بہت ضروری ہے۔ جن واقعات کی جانب آپ نے اشارہ کیا ہے۔ اخبارات و چینلز ان واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ شام سات سے رات بارہ بجے تک پاکستان کے اداروں کی سیاست دانوں کی خرابیاں تمام چینل باجماعت نشر کرتے ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ایسی کہانیوں کا انتخاب کریں جو نہ صرف تفریح مہیا کریں' بلکہ سبق آموز بھی ہوں اور لوگوں کو کچھ سوچنے پر بھی مجبور کریں۔ ہر وقت کا رونا بھی اپنا اثر کھو دیتا ہے۔ اگر ہماری قارئین آپ سے متفق ہوئیں تو پھر ایسا پرچا نکالنے پر غور کریں گے جس میں ساس' بہو کے جھگڑے نہ ہوں۔ نہ محبت' نہ شادی' وہی سیاپا ہو جو ہمارے نیوز چینل بڑی دل جمعی اور باقاعدگی سے کر رہے ہیں۔

"مکمل" آپ کو ادھوری لگی' یہ جان کر حیرت ہوئی۔

ہمارے خیال میں تو سب ہی کردار اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ ہاں آپ ہاشم اور فارس کی دوسری نسل کی کہانی پڑھنا چاہتی تھیں تو علیحدہ بات ہے' مگر پھر یہ "مکمل" نہ ہوتی' بلکہ اسٹار پلس کا ڈراما ہوتی۔ ہر تحریر ایک جیسی والی بات بھی درست نہیں۔ خواتین کے فروری کے شمارے میں دس مصنفین کے ناول' ناولٹ اور افسانے شامل تھے اور سب مختلف موضوعات پر تھے۔

مسز رخسانہ طاہر۔ گرین ٹاؤن' کراچی

فروری کا شمارہ آٹھ فروری کو ملا۔ ٹائٹل پر فاطمہ آفندی بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ پر اندر ان کا نام سدرہ جبار لکھا ہے۔ خواتین' شعاع' کرن سے رشتہ 6th کلاس سے جڑا اور اب میری بیٹی مثال 9th کلاس میں ہے۔ اپنے بابا سے چھپ کر کہانیاں پڑھتی ہے۔ نمرہ احمد' عمیرہ احمد' ایمل رضا' نایاب جیلانی' آمنہ ریاض' مصباح علی' سمیرا حمید' صائمہ اکرم میری موسٹ فیورٹ رائٹرز ہیں' جن سے ملنے کو دل کرتا ہے۔ پلیز' پلیز ان کے انٹرویوز بھی شائع کردیں۔ ساتھ تصویر کے سب سے پہلے "کرن کرن روشنی" میں علاج کے طریقے پڑھا۔ سائرہ رضا نے تو پہلی قسط سے ہی ایک سحر سا باندھ دیا ہے۔ "دشت جنوں" میں خوش نصیب کی حرکتیں بھی اچھی لگتی ہیں۔ کاش کہ خوش نصیب کا آیو شمتی ــــ سے کوئی رشتہ نہ ہو۔ "اکسیر جاوداں" نام بھی اچھوتا سا ہے۔ پڑھ کر بھی اچھا لگا۔ انٹرویوز بھی اچھے لگے۔

ج: مسز رخسانہ طاہر! "خواتین" میں ایسی کیا بات ہے کہ آپ کی بیٹی کو چھپ کر پڑھنا پڑتا ہے۔ یہ ایک صاف ستھرا' تفریحی ادب سے مزین پرچا ہے۔ ہم آپ کو یہ مشورہ ضرور دیں گے کہ کبھی فرصت کے اوقات میں اپنے شوہر کو ضرور "خواتین" پڑھنے کو دیں۔ ہم ان کی رائے جاننے کے منتظر رہیں گے۔

مہناز رانی۔۔۔ مانانوالہ ضلع شیخوپورہ

اس ماہ کا ٹائٹل بہت ہی کیوٹ تھا۔ تمام سلسلے بہت ہی اچھے ہوتے ہیں۔ "دشت جنوں" بہت پیاری تحریر ہے۔ آپی سائرہ کے "حسن المآب" کے کردار ذرا الجھا دیتے ہیں۔ کہانی ابھی بہت بکھری ہوئی ہے۔ موسیٰ لی اور حسنل' دوسرا کیلاش اور اس کا دوست زیادہ توجہ کے مرکز ہیں۔ خیر امید ہے' جلد ہی سب سمجھ آجائے گا۔ "عشق مجذوب" آپی مصباح کی تحریر تو بہت اچھی لگتی ہے۔ (بھئی دیہاتی ماحول ہے جو مجھے بہت پسند ہے۔) "اکسیر جاوداں" مصباح ہمیں بھی کوئی ایسا ڈاکٹر لا دیں جو حقیقت کو تسلیم کرنا' دنیا سے لڑنا اور اپنی راہ درست تلاش کرنا سکھا دے۔ "دوسری عورت" آپی سحر آپ کی تعریف کرنے کے لیے تو سوچنے پر بھی الفاظ نہیں ملے۔ ویسے یہ صدف بی بی کو موبائل گفٹ کرنے والا کون تھا۔ "مزاج آشنا" یہ ناولٹ پڑھ کر ہنسی بھی بہت آئی۔ بہت ہی خوب صورت تحریر تھی۔ آپی سلسلے وار ناولوں کی فہرست میں صرف ایک ہی ناول آرہا ہے۔ میں نے ایک دوبار پڑھا تھا کہ صرف دو یہ نہ

قاری بہنوں کے خط شائع کیے جاتے ہیں' لیکن میرا تو پہلا خط ہی شائع ہوگیا۔

ج :۔ پیاری مہناز! اب تو یقین آگیا نا کہ ہر سنی سنائی بات درست نہیں ہوتی۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ سے دوسرا ناول بھی شامل ہوگا جو آپ کی پسندیدہ مصنفہ کا ہوگا۔

سنبل ملک اعوان۔۔۔ منڈالہ دیال شاہ

مجھے جنوری کا خواتین ڈائجسٹ نہیں ملا۔ آنٹی کوثر خالد نے فون کرکے مجھے بتایا کہ ڈائجسٹ والے تم پر بہت غصہ ہو رہے تھے کہ زندگی میں شادی اہم تو نہیں۔ (شادی اہم ہے میری نظر میں) تم ہر وقت شادی شادی کرتی رہتی ہو۔ میں نے ماما کو بتایا۔ (مگر درحقیقت ڈائجسٹ میں جواب ایسے نہیں دیا تھا۔) ماما نے پھر آنٹی کو کہا کہ جب بھائی بھی بات نہ سنے۔ والدیات کرنا بھی پسند نہ کرے۔ شادی شدہ بھائی اور بھابھیاں تو سمجھو کہ کوئی تعلق ہی رکھنا گیا۔ دیکھنا تک پسند نہیں کرتیں۔ بھائیوں سے کوئی تعلق ہے' نہ واسطہ۔ بہن کے لیے کبھی بیس روپے کی چوڑیاں بھی نہیں خریدیں۔ لڑکی ذات جاب کرتی ہو تو ہر جگہ ساتھ مرد حضرات کی ضرورت پڑتی ہے۔ دونوں بھائی تو نو بجے تک جاتے ہیں۔ بائیک ہے دونوں کے پاس مگر سنبل' بہن کو آٹھ بجے بھائی چھوڑنے نہیں جاتے۔ رکشوں پر دھکے کھا کر جاتی ہے۔ دفتر میں ہر جگہ آدمی ہوتے ہیں۔ سروس بک بنوانے کے لیے سنبل دو ماہ سوچتی رہی کہ کلرکوں کے منہ کیسے لگوں؟ بہت پرابلم ہیں مردوں کے بغیر۔ خیر آپ کی بات بالکل درست ہے۔ شادی کے علاوہ بھی زندگی میں بہت سے کام ہیں۔ "تمل" کی آخری قسط میں نے نیٹ پر سرچ کرکے دیکھ لی۔ زبردست ناول۔۔۔ زبردست رائٹر! اس کے علاوہ جو افسانے تھے وہ ڈائجسٹ سے ہی پڑھے ہیں' کیونکہ آنٹی کوثر نے مجھے جنوری کا ڈائجسٹ پوسٹ کردیا تھا' تب میں پڑھ پائی۔ افسانوں میں بہت سی نئی لکھاری بھی نظر آئیں۔ افسانے ہر ماہ نئی نئی تبصرہ نگار' بہنوں کے شامل ہو رہے ہیں۔ بڑی ہی اچھی اور خوش آئند بات ہے۔ ماہ جنوری کے سب افسانے ایک دم فٹ تھے اور پھر ہر افسانے میں کوئی نہ کوئی سبق ضرور تھا۔ وہ لوگ جو لڑکیوں کو ڈائجسٹ پڑھنے سے روکتے ہیں یا غصے میں ڈائجسٹ لے کر جلا دیتے ہیں۔ وہ ایک بار پڑھ لیں کہ ان رسالوں میں بہت ہی عقل مندانہ باتیں ہوتی ہیں۔ لڑکیوں کو غلط اور صحیح کا بتایا جاتا ہے۔ اور کچھ پھوہڑ لڑکیوں کو کھانا بنانا بھی ان رسالوں کی وجہ سے آیا ہے۔ رشتوں کو نبھانا۔ یہ سب رسالوں میں بتایا جاتا ہے۔ ایک لڑکی اپنے لیے' اپنے خاندان کے لیے کس قدر عزت و حرمت کا باعث ہوتی ہے۔ اور گھر سے قدم نکالنے کے کس قدر بھیانک نتائج نکلتے ہیں۔ نمرہ جی کا "تمل" ادب کی دنیا میں ایک اور خوب صورت ناول کا اضافہ ہے۔

ج :۔ پیاری سنبل! ہمیں خوشی ہے کہ آپ کی سوچ مثبت ہے اور شادی کو زندگی کا مقصد نہیں بنایا۔ جہاں تک آپ کی امی کا تعلق ہے' ان کی بات بھی غلط نہیں' ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو دلہن بنا کر رخصت کرے' لیکن آپ کی امی کی یہ سوچ غلط ہے کہ وہ آپ کے بھائیوں سے توقع رکھتی ہیں کہ وہ بہن کا خیال رکھیں گے۔ توقع صرف اللہ سے رکھنا چاہیے' اگر کوئی خیال رکھ لے تو یہ اس کی نیک بختی' ورنہ شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔ بھائیوں کی اپنی زندگی ہے۔ وہ اپنے مسائل سے نبرد آزما ہیں' انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ آپ اپنے پاؤں پر کھڑی ہیں۔ بیس روپے کی کیا 2000 کی چوڑیاں خرید سکتی ہیں۔ جہاں تک شادی کا تعلق ہے تو ایک بات نوٹ کرلیں شادی خوشیوں کی ضمانت نہیں ہے۔ شادی شدہ خواتین سے پوچھیں' بیوی کو بیس روپے کی چوڑیاں تو کیا الٹا طعنے تشنے ہی دیتے ہیں۔ ہاں اچھے لوگ بھی ہیں' لیکن بات وہی قسمت کی ہے کہ اچھا شوہر ملے تب بات ہے اس لیے جس حال میں ہیں' خوش رہیں' مگن رہیں اور اللہ کا شکر ادا کریں۔

حنا اسلام' شہنیلا اسلام۔۔۔ قائم پور

خواتین اور شعاع سے تعلق کتنا پرانا ہے۔ "ہمیں سب یاد ہے ذرا ذرا۔" جی ہاں جب 8th کلاس میں تھی' تو فرحت اشتیاق کا ناول "وہ یقین کا اک نیا سفر" سے ہمارا بھی خواتین اور شعاع کا سفر شروع ہوگیا' جب تک صائمہ (کزن) ہمارے پاس رہی۔ بہت مزا آتا تھا۔ کیونکہ پھر ہم نے ہر کہانی پر تبصرہ جو کرنا ہوتا تھا۔ اب تو وہ بھی اپنے میاں اور بچوں کو پیاری ہوگئی ہیں۔ خیر مزا تو اب بھی بہت آتا ہے۔ جب لودھراں سے آپی رانی کی کال آتی ہے کہ جلدی بتاؤ۔ "تمل" کا کیا بنا۔ کہاں تک پہنچا۔ انہیں پوری کہانی سنا کر خوب تبصرہ ہوتا ہے۔ روز اسکول میں ٹیچر

ماریہ اور باقی ٹیچرز کا سوال کہ آخر کب آئے گا خواتین؟ اب ساتھ ساتھ تھوڑا اپنا تعارف بھی کروا دیا جائے۔ بادولت (شہنیلا) جو چار بہنوں اور ایک بھائی کی پیاری سی بہن ہے۔ (خوش فہمی) ہاں! البتہ اپنی اسٹوڈنٹ کی ہر دلعزیز میتا ٹیچر ضرور ہوں۔ مقامی اسکول میں ٹیچنگ کے فرائض سرانجام دے رہی ہوں اور M.A اردو کے پیپرز دیے ہیں۔ ہمیں کچھ پرانے رسالے درکار ہیں۔ جو ہمیں آس پاس کے کسی شہر سے بھی نہیں مل رہے۔ آپ بتادیں کہ مطلوبہ رسالے مل جائیں گے یا نہیں۔

ج: پیاری حنا اور شہنیلا! آپ کے خط ملتے تو جواب ضرور دیتے۔ خط ہمیں ملے ہی نہیں۔ پرچا جلد لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ دعا کریں۔ آئندہ خط میں اپنا فون نمبر اور جو رسالے درکار ہیں۔ ان کے بارے میں لکھ بھیجیں۔ ہمارے پاس ہوئے تو آپ کو فون کرکے بتادیں گے۔

صائمہ عبدالحمید۔۔۔ خیرپور میرس

آج کے جدید دور میں خواتین کا رسالہ آج بھی اپنی اہمیت برقرار رکھے ہوئے ہے تو یہ ادارے کا کمال ہے۔ "کرن کرن روشنی" کی روشن احادیث (سنت نبوی کی روشنی ہیں) پڑھ کر دلی تسکین ملی۔ فہرست میں چار مکمل ناول کو دیکھ کر فرحت محسوس ہوئی۔ عائشہ فیاض سے ملاقات بہت بھلی لگی۔ کیونکہ "مایوس دلوں کے لیے چھوٹا سا پیغام" میرے لیے بھی تھا۔ انسان اگر کتاب کے مطالعے کو برقرار رکھے۔ یہ وہ دوست ہے جو کبھی آپ کو تنہا کرے گی اور نہ ہی مایوس۔ سعدیہ خان (خدا اور محبت کی ہیروئن) مجھے پہلے کچھ خاص متاثر نہیں کرتی تھیں۔ لیکن ان کا انٹرویو کافی اچھا رہا۔ مکمل ناول "حسن المآب" سائرہ رضا کی تحریر بہت خوب تھی۔ حسنل جتنی خوب صورت لگتی ہے۔ اتنی ہی الجھی ہوئی بھی ہے۔ "ماہ رو" شاید "میری" ہی ہے۔ سحر ملک کی تحریر "دوسری عورت" نے کچھ خاص متاثر نہ کیا۔ مصباح نوشین کا مکمل ناول "عشق مجذوب" شروع، لیکن جب "باقی آئندہ" کے لیبل کی طرف نگاہ گئی تو میں جو اپنی دوست کے ساتھ بیٹھی مطالعہ کر رہی تھی۔ بے ساختہ اسی سے شکوہ کر بیٹھی۔ "یار مکمل بھی۔ مکمل کیوں نہیں ہوتے۔" مصباح علی کا "اکسیر جاوداں" ایسی تحریر تھی۔ جسے پڑھ کر جہاں طبیعت بوجھل ہوئی تو اختتام پر سنبھل بھی گئی۔ بہت اثر انگیز تحریر تھی۔ "کال بیساکھی" میں "اقرا" کی بابا سے باتیں، تلخ حقیقتوں سے پردے چیرتی محسوس ہوئیں۔ "ایمل رضا" کی یہ تحریر بلاشبہ بڑی جان دار تھی۔ نہ صرف لفظوں میں بلکہ سوچ کو جلا دیتی تحریر۔ "رنگا رنگ" کے سب ہی انتخاب لاجواب تھے۔

ج: پیاری صائمہ! خوش آمدید۔ آپ کا داخلہ تو اس وقت ممنوع ہوتا جب آپ کا عنایت نامہ ہمیں موصول ہوا ہوتا۔ بدگمانی بہت گناہ ہے اور ہمیں آپ کیوں کچھ نہیں کہہ سکتیں۔ جو دل میں آئے بلا جھجک کہہ لیں۔ ہمیں صرف بولنا ہی نہیں آتا سننا بھی آتا ہے۔ تبصرہ بہت جان دار اور باریک بینی سے کیا ہے' اچھا لگا۔

فائزہ بھٹی۔۔۔ پتوکی

فاطمہ آفندی ہلکے پھلکے انداز میں بھاگئی۔ چار عدد مکمل ناولز 'واہ مزے ہوگئے۔ "کہنی سنی" "کرن کرن روشنی" سے ہمیشہ کی طرح شروع کیا۔ اس کے بعد باری آئی اکلوتے سلسلے وار ناول "دشت جنوں" کی شاہ مہر کو کیا ہوتا جارہا ہے۔ خوش نصیب راجپوت برادری کی پھر تو اپنی ہوئی' دیکھنا اپنی اونچی ناک کو کسی صورت نیچا نہیں ہونے دے گی۔ بقول میرے ہم راجپوت تو اپنی اونچی لمبی ناکوں اور سانولے رنگوں کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ (ہم راجپوت بھٹی ہیں نا)

"حسن المآب" ایک اچھی کہانی اس دفعہ کچھ کرداروں کا اضافہ دیکھنے میں آیا ہے' ہمارا خیال تھا اس دفعہ ختم۔ مگر سائرہ ابھی اور انتظار کی سولی پر لٹکانا ضروری خیال کرتی ہیں۔ موسیٰ بی کے ساتھ حسنل کے عشق کو کنارے ضرور لگانا سائرہ اور یہ صحرا کی ریت اور اس کے دکھوں سے کس کو آشنائی بخش رہی ہیں۔ جلدی واضح ہو۔ محی الدین یقیناً "موسیٰ بی کے گرینڈ پیرنٹس ہیں۔ "عشق مجذوب" ابھی سمجھ نہیں آیا کہ فارہ اچھا کردار ہے کہ برا۔ عبیر کی خود ترسی کچھ غلط بھی نہیں۔ کسی خوب صورت انسان کے ساتھ بھی ایسا رویہ اختیار کریں تو وہ بھی احساس کمتری کا شکار ہوجائے۔

"اکسیر جاوداں" مصباح علی چھاتی جارہی ہیں۔ اچھی

کہانی تھی۔ "دوسری عورت"۔ نارمل کہانی تھی۔ "کال بیساکھی" "شکر ہے ایمل رضا نے خود ہی اس کا مطلب بتا دیا ورنہ آپ سے پوچھنا پڑتا" بعض دفعہ تو ایمل ایسا لکھتی ہیں کہ گمان گزرتا ہے شعاع۔ خواتین کے بجائے کسی دقیق کتاب کا مطالعہ جاری ہے۔ کچھ سمجھ میں آیا کچھ سر پہ سے گزر گیا "تربیت" ہر بیٹی کا یہی حال ہے۔ فہرست میں "مذہب زہرا" "اپنے حصے کا دیا" "ایک سبق دیتا افسانہ مگر انسان ہیں نا۔ قبول نہیں کریں گے "خلش" "آئینہ دکھا گئی" اچھا لگا۔ ناجیہ بڑی مشکل عورت تھی۔ عائشہ فیاض اچھا لگا پڑھ کر "فنکاروں کو ہم ذرا کم ہی لفٹ کرواتے ہیں۔

رسالے کی قیمت میں کسی صورت بھی اضافہ مت کیجیے گا۔ کیونکہ بہت سی قاری بہنیں ہیں جو کہ یہ ساٹھ روپے بھی بڑی مشکل سے پورے کرتی ہوں گی۔ بعض گھر ایسے ہیں جن کے پاس کھانے کو نہ ہو وہ ساٹھ روپے بھی کیسے نکالتے ہیں کوئی ان سے پوچھے کیونکہ ایسا ایک بار مجھے بھی تجربہ ہوا تھا۔ اب تو الحمدللہ بڑی آسانی آگئی ہے۔ مگر چار پانچ سال پہلے۔ کپاس چنتی اس کے عوض ملنے والی رقم کو سنبھال کر رکھنا ان رسالوں کے لیے پھر بھی بعض دفعہ پانچ دس روپے کے بدلے باتیں بھی سنیں۔ رونا بھی آتا اب تو اللہ پاک کا شکر ہے وہ دور گزر گیا۔ اب تو سارے ڈائجسٹ خرید لیتی ہوں۔ رابعہ رفاقت، رمیز رفاقت پریشان نہ ہوں ہم سب بھی اتنی ہی مشکل اور منتوں تراوں کے بعد خط پوسٹ کرواتی ہیں۔

وہ تو اللہ میری امی کو سلامت رکھے۔ صحت دے۔ جنہوں نے جب بھی شہر جانا ہو۔ رات کو ہی اطلاع دے دیتی ہیں کہ خط لکھ لو۔ صبح میں نے شہر جانا ہے۔ حتیٰ کہ انہیں کافی چلنے کے بعد خط پوسٹ کرنا پڑتا ہے۔ میری خوشی کی خاطر ڈاکٹر کی ہدایات کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہیں

ج : پیاری فائزہ! ایسے ہی تو نہیں کہا گیا کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ ماں اولاد کے لیے ہر تکلیف بخوشی برداشت کر لیتی ہے۔ بخدا ہمیں آپ لوگوں کی مشکلات کا احساس ہے جو خط پوسٹ کروانے میں آپ کو اٹھانا پڑتی ہیں۔ تب ہی تو کوشش کرتے ہیں کہ تمام خطوط کو کسی نہ کسی طرح جگہ دے دیں۔ خواہ کتنی ہی کانٹ چھانٹ کرنی پڑے اور تسلی رکھیں پرچے کی قیمت میں اضافے کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں۔ باقی اللہ مالک ہے۔

اپنے والدین کی خدمت میں ہماری طرف سے سلام عرض کیجیے گا۔

زکی کنول ... اسلام آباد

برسوں سے ڈائجسٹ پڑھ رہی ہوں لیکن کبھی خط اس لیے نہیں لکھا کہ چھپے گا ہی نہیں پھر خوامخواہ میں ہی دل ٹوٹے گا۔ لیکن آج میں مجبور ہو گئی اور دل ٹوٹنے کی پروا کیا کرنی، وہ تو چھ سال پہلے ہی ٹوٹ چکا ہے میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں اور چھ سال پہلے والا منظر آنکھوں کے سامنے ہے بالکل حماس حیدر کی طرح میں بھی انٹری ٹیسٹ میں دو بار توڑی گئی۔ مجھے تو آج تک سمجھ ہی نہ آئی اس عجیب سسٹم کی کیا کوئی پاگل انسان بناتا ہے اس کا پیپر۔ اس میں ہر سوال کے چار آپشن دیتے ہیں، درست کا دائرہ بھرنا ہوتا ہے آپ یقین کریں۔ دو آپشن اتنے یکساں ہوتے ہیں۔ اب آپ بتائیں کون سا آپشن درست ہوگا (وہ والی جو انہوں نے اپنے کمپیوٹر میں فیڈ کر رکھی ہے) لوگ جھوٹ بولتے ہیں فلاں لائق تھا ڈاکٹر بن گیا فلاں ذہین تھا پہلی دفعہ میں انٹری ٹیسٹ پاس کر گیا اور میں کہتی ہوں کہ یہ صرف قسمت سے کلیئر ہوتا ہے میں بھی ذہین تھی بورڈ میں A+ لینے والی میں ابھی تک نارمل نہیں ہوئی دل میں ایک کانٹے کی طرح میڈیکل چبھتا ہے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں نے ڈی فارمیسی کر لیا لیکن ابھی تک جاب نہیں ملی اگر ڈاکٹر بن جاتی تو کم از کم اپنا کلینک ہی کھول لیتی۔ لاکھوں تو میرے باپ کا بھی مجھ پر لگا لیکن بیکار کی ڈگری، اللہ حکمرانوں کو عقل کے ناخن دے کہ بچوں کی تعداد دیکھ کر کچھ سیٹیں بڑھائیں اور مصباح آپ کے لیے دعائیں کہ آپ نے نئی نسل کے لیے موضوع کو چنا۔ باقی شمارہ حسب معمول بہت ہی اچھا لگا۔ بی سحر کا ناول البتہ کچھ بچکانہ سا لگا۔ شادی کوئی کھیل تو نہیں نکاح بھی ہو گیا اور دونوں ایک دوسرے سے انجان شکل تک سے واقف نہیں بلکہ ایک سین لائبریری والا بھی دیکھا جس میں لائٹ آ بھی گئی مگر پھر بھی یہ جان پہچان والی بات سمجھ نہ آئی۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے "تربیت" میں جیسا اسے جواب ملا وہ بہت ہی اچھا لگا۔ آمنہ آپی کا دشت جنوں بہت ہی زبردست، اسامہ کی وفات کا پھیلا خوف بڑا ہی پراسرار ہے۔ خوش نصیب بہترین کردار، اللہ اسے خوش نصیب ہی رکھے۔

ج : پیاری کنول! آپ بالکل دل چھوٹا نہ کریں اگر یہ سسٹم اتنا اچھا ہوتا اور ذہین طالب علموں کو میڈیکل میں ایڈمیشن ملتا تو آج اتنے "نالائق" ڈاکٹر نظر نہ آتے یقین کریں کہ خواہ کتنی شدید تکلیف کیوں نہ ہو ہم برداشت کرلیتے ہیں لیکن ڈاکٹر کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ بلاوجہ کے ٹیسٹ، ہزاروں کے بل دوائیوں کا ڈھیر اور نتیجہ مزید دو چار نئی تکالیف پیدا ہوجاتی ہیں ایم بی بی ایس ڈاکٹر کی بات تو جانے دیں وہ تو "خطرہ جان" والی بات ہے کراچی کے سب سے بڑے اسپتال میں اسپیشلسٹ کا جو حال ہے، وہ ناقابل بیان ہے، ظاہر ہے کہ جس سسٹم میں ذہانت "کامن سینس" ـــــ کے بجائے کامیابی کا انحصار رٹے پر ہو وہاں اسی قسم کے نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

مصباح علی نے بلاشبہ بہت اچھا لکھا اور قلم کا حق ادا کردیا۔ جہاں تک آپ کی ناکامی کی بات ہے تو اس بات کا یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے ہوسکتا ہے اللہ نے آپ کے لیے کچھ زیادہ اچھا رکھا ہو۔

سیدہ عائشہ ارشاد ـــــ سرگودھا

فروری کے خواتین میں مصباح علی نے اکسیر جاوداں لکھ کر وہ کمال کیا ہے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ رسالہ جسے میں 25 سال سے خواتین کا ڈائجسٹ سمجھ کر پڑھتی رہی ہوں، وہ اتنا بڑا ایشو بھی اٹھا سکتا ہے۔ مصباح علی نے لکھ کر اور آپ نے اسے چھاپ کر ہم جیسے انٹری ٹیسٹ کے ماروں پر وہ احسان کیا ہے جو بڑے بڑے پلیٹ فارم اور لوگ نہ کرسکے یہ تو میری اور مجھ جیسے ہزاروں گھروں کی کہانی لکھ ڈالی مصباح علی نے۔

میں آپ کو کیا بتاؤں میرا بیٹا میٹرک میں بورڈ میں ٹاپ ٹین پوزیشن میں ایف ایس سی میں 90% مارکس حافظ قرآن اور انٹری ٹیسٹ میں 924 نمبرز لے کر 88.1% ایگر یگیٹ بناتے ہیں اس سال کامیاب ہوگیا تھا اور یوں سمجھیں کہ بس میڈیکل میں داخلہ ہوگیا

میرٹ اس سال بہت جمپ کرگیا اور میرا بیٹا اور اس جیسے کتنے ذہین فطین اور سو فیصد پرامید بچوں کے گھروں میں 28 اکتوبر کی شام شام غریباں بن کر اتری۔

ایک وہ منظر جب حماس حیدر فٹ بال کا حشر نشر کرتا ہے وہ میرا آنکھوں دیکھا ہے۔ میرے بیٹے نے فٹ بال کو دیواروں پر مار مار کر اسے ایسا کردیا ہے کہ اس پر شدید بمباری کی گئی ہو۔ میرے جاننے والے کئی بچے اس رات ہسپتال کی ایمرجنسی میں داخل رہے۔ چار ماہ ہوگئے ہیں اس زخم پر تو کھرنڈ بھی نہیں آتا۔

میرے میاں اکثر کہتے ہیں کہ میں ایک بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں۔ میری آنکھ کیوں نہیں کھل رہی۔ میرا بیٹا ڈراپ ہوگیا۔ لوگوں کو اب تک نہ یقین آتا ہے اور نہ سمجھ آتی ہے کہ کیا مسئلہ ہوگیا، آخر داخلہ کیوں نہیں ملا۔ اب کس کس کو سمجھاؤں کہ بچوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور سیٹیں وہی اتنے بڑے پنجاب کے لیے صرف 3400 اور اوپن میرٹ کی تو صرف 3100 ہیں۔ میں نے کئی مہینے کوشش کی سرتوڑ کوشش۔ میڈیا کے بڑے بڑے ناموں تک رسائی حاصل کی اور ان کی منت سماجت کی کہ خدا کے واسطے اس موضوع کو میڈیا پر اٹھایا جائے۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا سب نے وعدے کیے جھوٹے وعدے مگر کوئی اتنی جرائت کا مظاہرہ نہ کرسکا۔ آپ کی جرائت اور عظمت کو سلام۔

ج : محترمہ سیدہ عائشہ! ہماری حتیٰ الامکان کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ معاشرے کے ان موضوعات کے سامنے لایا جائے جو اصلاح طلب ہیں، لوگوں کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور جو ارباب اختیار کے علم میں آنا ضروری ہیں۔ اپنی طرف سے تو قلمی جہاد کرتے ہیں۔ پروردگار ہماری ان کاوشوں کو قبول کرے۔

باصلاحیت فنکارہ

ماہا وارثی سے ملاقات

شاہین رشید

یہ شوق ہی تو ہے جو "ماہا وارثی" کو ٹورنٹو سے پاکستان لے کر آتا ہے' ورنہ اس کے پاس کسی چیز کی کمی تو نہیں ہے۔ اور "ماہا" واقعی ایک باصلاحیت فنکارہ ہے۔ تب ہی تو کامیاب ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نہ صرف وہ پروڈیوسرز اور ڈائریکٹرز کے ساتھ تعاون کرتی ہے' بلکہ صحافیوں کے ساتھ بھی۔ ماہا وارثی کے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ اسے ٹورنٹو سے بلایا جاتا ہے۔ وہ اگر نخرے دکھائے صحافیوں کو تو حق بجانب ہے مگر ایسا کچھ نہیں۔ اس نے نہ صرف انٹرویو دیا' بلکہ وقت کی پابندی کے ساتھ دیا اور یہ بڑی بات ہے۔

"کیا حال ہے جی؟"

"جی اللہ کا شکر ہے۔"

"کیا آن ایر ہے۔ کیا انڈر پروڈکشن ہے؟"

"آن ایر تو آج کل پرانے ہی سیریلز ہیں۔ البتہ انڈر پروڈکشن دو' تین پروجیکٹ ہیں۔ جو ان شاء اللہ جلد مکمل ہوجائیں گے۔"

"ہر سیریل میں تمہارا مختلف کردار ہوتا ہے۔ تو کیسا لگتا ہے سب کچھ؟"

"بہت اچھا لگتا ہے۔ مختلف کردار کرکے اور بہ حیثیت ایک اداکارہ کے میری کوشش بھی یہی ہوتی ہے کہ میں ہر سیریل میں بہت ہی الگ کردار کروں اور آپ خود نوٹ کریں کہ میرا رول' ہر سیریل میں بہت مختلف ہوتا ہے۔ پہلے والے رول کی جھلک بھی نہیں ہوتی ہے۔"

"ورائٹی ہونی چاہیے؟"

"جی بالکل ہونی چاہیے۔ ایک جیسے رول کرکے ایکٹر بے چارا تو بور ہوتا ہی ہے' دیکھنے والے بھی اکتا جاتے ہیں کہ اسے اور کچھ کرنا ہی نہیں آتا۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ میں کردار کی "ٹون" بھی چینج کروں۔ اور بولنے کا انداز بھی الگ سے ہو۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں ایسے رول کروں کہ جنہیں دیکھ کر لوگ بے ساختہ کہیں کہ اس کی اداکاری میں کتنی ورائٹی ہے۔"

"ٹورنٹو سے آنا جانا۔ پھر کام کرنا۔ تو کوئی مشکل تو نہیں ہوتی۔ اور ٹکٹ اور رہائش دیتے ہیں آپ کو؟"

"مجھے کام کرنے کا بہت شوق ہے۔ مگر سچ پوچھیں تو مجھے جہاز میں بیٹھنے کا بالکل بھی شوق نہیں ہے۔ کیونکہ میں جہاز میں بیٹھنے سے بہت زیادہ ڈرتی ہوں۔ ہر چیز کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ ہر چیز آپ کو آرام سے پلیٹ میں نہیں ملتی اور اداکاری میرا شوق ہے اور میں بہت لکی ہوں اس لحاظ سے کہ ہمیشہ مجھے ٹورنٹو فون کرکے ڈرامے میں کام کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے اور قربانی مجھے یہ دینی پڑتی ہے کہ میں تین' چار ماہ کے لیے اپنی فیملی سے دور ہوجاتی ہوں۔ تو یہ ایک طرح سے قیمت ہے مجھے اپنے خوابوں کو پورا کرنے کی اور جب ڈائریکٹر پروڈیوسرز مجھے بلاتے ہیں تو مجھے ٹکٹ بھی دیتے ہیں۔ مجھے رہائش اور کھانا پینا سب دیتے ہیں۔ لیکن جب میں لاہور میں ہوتی ہوں تو پھر میں رہائش کی سہولت نہیں لیتی کیونکہ لاہور میں ہمارے ماشاءاللہ سے بہت سے رشتے دار ہیں۔ میرے چچا وغیرہ بھی لاہور میں ہی ہوتے ہیں تو اگر گیسٹ ہاؤس میں رہوں تو سب ناراض ہوتے ہیں کہ ہمارے ہوتے ہوئے تم نے سوچ بھی کیسے لیا' کہیں اور رہنے کے لیے۔ ہاں کراچی میں' میں گیسٹ ہاؤس میں ہی رہتی ہوں اور کینیڈا میں میرے امی' ابو اور بہن بھائی سب ہی ہوتے ہیں۔"

"کب کہاں جنم لیا۔۔۔ کیا کینیڈا میں ہی؟"

"نہیں جناب 18 مئی کو مدینہ میں پیدا ہوئی۔۔۔ اور سال کون سا تھا' یہ نہیں بتاؤں گی۔ ذرا لوگ بھی تو سوچیں۔۔۔ فیملی بیک گراؤنڈ کچھ یوں ہے کہ میری امی پیور پنجابی ہیں اور اگر ابو کا بیک گراؤنڈ دیکھیں تو میرے دادا کی پیدائش لکھنؤ کی ہے۔ میرے دادا مائیگریٹ ہو کر پاکستان آگئے۔۔۔ اس لیے ان کا بہت زیادہ اردو بیک گراؤنڈ ہے۔ میری امی نے لاہور سے پنجاب یونی ورسٹی سے فارمیسی کیا۔۔۔ اور ابو نے کراچی یونی ورسٹی سے فارمیسی کی ڈگری لی۔۔۔ پھر دونوں کینیڈا چلے گئے' جہاں امی' ابو دونوں بہت اعلا جاب کرتے ہیں۔۔۔ اور میں شوبز میں آدھمکی۔۔۔" قہقہہ۔۔۔

"اور پڑھائی۔۔۔؟"

"جناب میں نے اپنی پڑھائی بھی مکمل کی ہے۔۔۔ اس معاملے میں میری امی بہت سخت ہیں اور اپنی جو مجھ میں خود اعتمادی ہے کہ میں اکیلے سفر کرتی ہوں اور پاکستان میں آکر شوبز میں کام کرنا اور فیملی کے بغیر رہنا یہ سب میری امی کا کمال ہے۔ میری امی ہمیشہ سے ایک انڈیپینڈنٹ وومن رہی ہیں اور انہوں نے ہمیشہ مجھے اس بات پر بوش کیا کہ اگر آپ نے شوبز میں کام کرنا ہے یا کسی بھی فیلڈ میں جانا ہے تو پہلے آپ کو اپنی تعلیم مکمل کرنی ہوگی اور ابو کا ہمیشہ سے یہ رویہ ہوتا تھا کہ بس پاس ہو جاؤ جبکہ امی کہتی تھیں کہ اچھے نمبروں سے پاس ہونا ہے۔۔۔ تو خیر میں نے کینیڈا کی یونی ورسٹی سے "بزنس" میں بیچلرز کیا۔"

"پڑھائی تو ڈگری لینے کے لیے کی۔۔۔ کمائی کا ذریعہ شوبز بنا؟"

"ہاں جی۔۔۔ ایک اداکارہ جو مرکزی رول میں آتی ہے۔ اس کی اداکاری کی لائف پینتیس سال کی عمر تک ہوتی ہے' اس لیے پینتیس کے بعد میرے پاس ایسی ڈگری ضرور ہونی چاہیے جو میری کمائی کا ذریعہ ہو۔۔۔ کہ اگر میری اداکاری کا اسکوپ نہیں رہا تو میں کوئی بزنس کرلوں یا کوئی بہت اعلا جاب کرلوں۔۔۔ ایسا تو

نہیں ہو سکتا نا کہ آپ ہمیشہ ہی "مین لیڈ" میں رہو گے اور ہمیشہ ہی چمکتے رہو گے۔"

"مگر پینتیس کے بعد مڈل ایج شروع ہو جاتی ہے تو کردار بھی اسی حساب سے ملنے لگتے ہیں۔۔۔ تو کیا آپ ہمیشہ ہی لیڈ رول میں رہنا چاہتی ہیں؟"

"نہیں ہمیشہ لیڈ رول میں تو نہیں' لیکن ہمیشہ مختلف رول میں کام کرنا چاہتی ہوں۔ پینتیس کے بعد ظاہر ہے میرے رولز میں فرق آئے گا۔ لیکن ایک بھابھی کے یا بڑی آپا کے رول کے لیے تو میں کینیڈا سے نہیں آؤں گی نا۔۔۔ کیونکہ اس کے تو پیسے بھی کم ملیں گے اور ایسی کوئی ریلیو بھی نہیں ہوگی۔ ہاں اگر پینتیس سال کی عمر میں مجھے کسی ابنارمل لڑکی کا رول ملے یا کوئی بہت ہی مختلف قسم کا رول ملے اور مجھے لگے کہ یہ میرے لیے ایک چیلنج ہے تو میں لازمی آؤں گی ورنہ تو میں اپنا سارا پیسہ ایک ہی جگہ پر لگا کر اچھا سا بزنس کروں گی۔"

"ہوں۔۔۔ گڈ۔۔۔ اپنے بھائی' بہن کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں بتایا؟ اور کوئی منگنی وغیرہ۔۔۔"

"میری ایک پیاری سی بڑی بہن ہیں۔ جن کی شادی ہوچکی ہے اور ماشاء اللہ سے ایک بیٹی بھی ہے۔ اسی طرح مجھ سے چھ سال چھوٹا میرا بھائی ہے ماشا اللہ ـــ چھ فٹ کا ہوگیا ہے اور مجھ سے بھی بڑا لگتا ہے اور ماشا اللہ بہت باصلاحیت ہے اور "گلا" پڑھ رہا ہے اور مجھے اپنے بھائی کی ایک بات بہت اچھی لگتی ہے کہ وہ مجھے کام کرتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے اور مجھ سے بہت انسپائرڈ ہے کہ "ماہا تم بہت لکی ہو۔ سب تمہیں جانتے ہیں۔" مگر خود اس کا اس فیلڈ کی طرف کوئی رجحان نہیں ہے اور جہاں تک شادی کی بات ہے تو میں نہیں سمجھتی کہ اس میں انسان کا اپنا کوئی ارادہ ہوتا ہے جو ٹائم مقرر ہوتا ہے قدرت کی طرف سے اس وقت ہوجاتی ہے ـــ اور اس چیز کو آپ جتنا اپنے اوپر سوار کریں گے اتنا ہی زیادہ آپ ڈپریشن میں جائیں گے۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ اس معاملے میں آپ کو اللہ پر اندھا بھروسا ہونا چاہیے۔ میں اس بات کو بہت مانتی ہوں کہ عورت جس کی پسلی سے پیدا ہوتی ہے اسی کی ہوکے رہتی ہے۔ اس لیے میں شادی کے لیے ٹینشن نہیں لیتی کہ کب ہونی ہے اور لڑکا کیسے ملے گا اور میرے ماں باپ کو بھی اللہ پر بھروسا ہے اس لیے وہ بھی ایزی رہتے ہیں۔ ورنہ جلد بازی میں کیے گئے فیصلے بعد میں پچھتاوے کا باعث بنتے ہیں۔"

"اس فیلڈ میں کیسے آئیں؟"

"میں یونی ورسٹی میں پڑھتی تھی۔ (کینیڈا کی) تو میرے ایک دوست کا فون آیا کہ ہمارے آڈیٹوریم میں آڈیشن ہو رہے ہیں ایک پروجیکٹ "مینگوز" کے لیے ـــ اور اس کے مرکزی رول کے لیے آج آڈیشن ہو رہے ہیں ـــ اور جب اس کا فون آیا تو میں گھر میں تھی اور سو رہی تھی۔ میں نے کہا کہ مین رول مجھے کہاں مل سکتا ہے اور میں بہت ہنسی ـــ اور آپ یقین کریں کہ جس حلیے میں میں سو رہی تھی اسی حلیے میں میں آڈیشن دینے چلی گئی اور جب آڈیشن دے کر باہر آئی تو کسی نے بتایا کہ مس انڈیا اور مس کینیڈا بھی آئی ہوئی تھیں آڈیشن کے لیے تو پھر میں نے بالکل امید چھوڑ دی کہ میں کامیاب ہو پاؤں گی ـــ مگر میری خوش قسمتی کہ میں کامیاب ہوگئی اور مجھے مرکزی رول بھی مل گیا ـــ اور پھر اس کی شوٹ ٹورنٹو میں ہی ہوئی اور اس میں ہم نے عالمگیر کو دوبارہ ریوائو کیا تھا ان کا گانا "کہہ دیتا آنکھوں سے" اور وہ سب کچھ اتنا اچھا ہوگیا کہ اسی "مینگوز" کو دیکھ کر سلطانہ صدیقی صاحبہ کی کال آئی پاکستان سے ایک ڈراما سیریل "بلقیس کور" کے لیے ـــ اس میں اگرچہ رول بڑا نہیں تھا مگر مجھے پسند کیا گیا وہ امریکہ میں شوٹ ہوا ـــ "مینگوز اور بلقیس کور" دونوں پاکستان میں دکھائے گئے۔ کیونکہ پاکستان کے لیے ہی بنے تھے۔ پھر مجھے ڈراما سیریل "کنکر" کی آفر آئی اور میں نے فہد مصطفیٰ کے ساتھ کام کیا۔ اس کے بعد فہد مصطفیٰ نے ہی مجھے ایک سیریل "دوسری بیوی" کے لیے بلایا۔ اس طرح سچ پوچھیں تو میں بہت لکی رہی اور ڈراما سیریل دوسری بیوی سے مجھے بہت شہرت ملی۔"

"باہر کے ملکوں میں رواج ہے کہ دوران تعلیم طالب علم چھوٹی موٹی جاب ضرور کرتے ہیں۔ تم نے بھی کی؟"

"جی ـــ بالکل کی۔ جب میں سولہ سال کی تھی تو ہمارے گھر کے قریب ایک "پیزا ہٹ" تھا وہاں میں نے ویٹرس کی جاب کی تھی ـــ اور جب ڈراما "کنکر" اور "دوسری بیوی" میں کام کیا تب میں یونی ورسٹی میں پڑھ بھی رہی تھی اور جب میں کینیڈا آئی تھی تو میرا دل چاہتا تھا کہ میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ کام بھی کروں ـــ کیونکہ مجھے ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ اب ہم بڑے ہوگئے ہیں تو اپنے ابو سے خرچانہ لیا کریں۔ کم سے کم اپنے فون کا خرچ تو خود اٹھا لیا کریں یا چھوٹی موٹی ضرورتیں خود ہی پوری کرلیا کریں ـــ ایک جاب میں نے "پیزا ہٹ" میں پیزا بنانے کی بھی کی جس سے میرے ہاتھ بھی جل جاتے تھے۔ مگر مجھے کام کرنا اچھا لگتا تھا۔ وہاں لوگ مجھے پہچان لیتے تھے اور "کنکر" اور

"دوسری بیوی" کے رول کی وجہ سے میری تعریف کرتے تھے اور یہاں جب میں اچھے سے حلیے میں ہوتی ہوں اور لوگ مجھے پہچان لیتے ہیں تو بہت اچھا لگتا ہے اور جب خراب حلیے میں بھی پہچان لیتے ہیں تو سوچتی ہوں کہ۔۔۔ تیار ہو کر باہر نکلتی تو اچھا تھا۔"

"آپ کے کام کو پسند کیا جاتا ہے۔ اس لیے پاکستان سے بلاوا آتا ہے۔ مگر جب لوگ ملتے ہیں تو کیا کہتے ہیں کہ اچھا کام کرتی ہیں یا نارمل؟" "اگر تو لوگ مجھے میری اداکاری پہ کوئی فیڈ بیک دیتے ہیں تو میں بالکل بھی مائنڈ نہیں کرتی۔ بلکہ ان کی باتیں بڑے غور سے سنتی ہوں اور جو خامیاں بتاتے ہیں اگر میرے دل کو لگتی ہیں تو ضرور دور کرنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن اگر کوئی مجھ پر میری ذات کو ہٹ کرے۔ تو مجھے برا لگتا ہے۔ جیسے ایک خاتون نے کہا کہ آپ نے ماں میں ایمان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تو میں نے کہا کہ وہ میں نہیں تھی' وہ مایا تھی۔ میرا کریکٹر تھا وہ۔۔۔ میں نہیں تھی۔۔۔ تو بس ان باتوں سے کبھی کبھی مجھے غصہ آتا ہے کہ لوگوں میں اتنی سمجھ تو ہونی چاہیے کہ اداکاری اور حقیقت کیا ہے۔۔۔ تو آپ کردار کی برائی اچھائی کریں' میری نہیں۔"

"اس فیلڈ میں پسندیدہ آرٹسٹ کون ہیں جن کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے۔"

"سب ہی بہت اچھے ہیں۔ نعمان اعجاز کے ساتھ کام کرنے کی خواہش تھی جو کہ پوری ہو گئی۔ اب صبا قمر کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے۔ اور اگر آپ پوچھیں کہ کس کردار کو میں کرنا چاہتی ہوں تو میری خواہش ہے کہ مجھے ابنارمل لڑکی کا رول ملے۔"

"فیوچر پلاننگ؟"

"بالکل ہے۔۔۔ اس فیلڈ میں بہت آگے تک جانا ہے۔ اپنا بزنس کرنا ہے اور بہت ترقی کرنی ہے۔ ان شاء اللہ۔"

"ہاں۔۔۔ اگر مجھے میری مرضی کی فلم ملی تو ضرور کروں گی۔ کیونکہ ہر انسان کی اپنی لیمٹیشن ہوتی ہیں تو میری بھی کچھ حدود ہیں' اس کے تحت ملی تو ضرور کروں گی۔ لیکن ایسا رول جو فیملی میں شرمندہ کردے' نہیں کروں گی۔"

"گھر کے کاموں سے دلچسپی۔۔۔ اور پکا لیتی ہیں' یا کس کے ہاتھ کا پکا ہوا پسند ہے؟"

"بالکل بھی نہیں۔۔۔ اگر کرتی بھی ہوں تو سال میں ایک بار' وہ بھی جب میرا موڈ اچھا ہو تب۔۔۔ پھر میں گانے لگا کر سارے گھر کی صفائی ستھرائی کردیتی ہوں۔ مگر ایسا سال میں ایک بار ہوتا ہے۔ہاں۔۔۔ بالکل جی۔۔۔ پکا لیتی ہوں اور جب پاکستان میں ہوتی ہوں تو اپنی چچی کے ہاتھ کا پکا ہوا یا بنا ہوا ناشتا بہت شوق سے کھاتی ہوں۔ اور ٹورنٹو میں مجھے اپنے امی' ابو کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بہت پسند ہے کہ دونوں بہت اچھا کھانا پکاتے ہیں۔"

"سفر میں رہتی ہیں' مزا آتا ہے؟"

"نہیں۔۔۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے سفر سے۔۔۔ خاص طور پر جہاز کے سفر سے اور ویسے بھی کبھی یہاں' تو کبھی وہاں۔۔۔ یعنی زندگی میں ٹھہراؤ نہیں ہے۔"

"شہرت مسئلہ بنتی ہے؟"

"اگر آپ اپنے پاؤں زمین پر رکھیں تو شہرت مسئلہ نہیں بنتی۔۔۔ ہاں کچھ سمجھنے لگیں' غرور کریں۔۔۔ دوسروں سے اچھا رویہ نہ رکھیں تو شہرت مسئلہ بنتی ہے۔"

"جو شہرت و عزت ملی ہے' اس میں کس کا دخل ہے محنت کا یا قسمت کا؟"

"محنت اور قسمت دونوں کا۔۔۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ محنت کا عمل دخل زیادہ ہے۔ محنت کا صلہ ملے تو خوشی ہی کچھ اور ہوتی ہے اور بیٹھے بٹھائے کچھ ملے تو پھر اتنی خوشی نہیں ہوتی۔"

"اپنے آپ میں کیا تبدیلی لانا چاہیں گی؟"

"بہت ساری تبدیلیاں لانا چاہوں گی کیونکہ میں ایسی فیلڈ میں ہوں کہ جہاں مجھے ہر طرح کا خیال رکھنا ہوگا کہ میں اب ایک سیلیبریٹی بن گئی ہوں۔ مجھے اپنا غصہ کم کرنا ہوگا اور اپنی غلطی کو جلد ماننا ہوگا۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے ماہا وارثی سے اجازت چاہی۔ اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے وقت دیا۔

خبریں وبریں

واصفہ سہیل

ٹیلنٹ

پی ایس ایل تو دبئی میں ہو رہا ہے اور جب تک یہ رسالہ آپ تک پہنچے گا تو اس وقت تک فائنل ہو چکا ہو گا (اور طے شدہ پروگرام کے تحت ٹرافی انہیں دے دی جائے گی جنہیں ... بھئی جو جیتے گا۔ فائنل) پی سی بی نے کرکٹ کے متوالوں کے لیے اس ایونٹ کا اہتمام کیا تو ہے مگر اس سے کرکٹ کو (بھئی پاکستان کرکٹ کو) کوئی فائدہ نہیں ہونے والا۔ (جی نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا سے دھول چاٹنے والے ایک دوسرے کے سامنے چھکے چوکے لگا کر عوام کو بے وقوف بنا رہے ہیں) غیر ملکی کھلاڑیوں کو کروڑوں روپے دینے کے بجائے اگر ہم پاکستان بھر کے مختلف شہروں سے نیا ٹیلنٹ سامنے لاتے تو پاکستان کرکٹ کو نئے کھلاڑی ملتے (اور پرانے لوگوں سے نجات ملتی) حد تو یہ ہے کہ جن نئے کھلاڑیوں کو لیا گیا ہے انہیں موقع ہی نہیں دیا جاتا۔ خیر اس سب سے قطع نظر قوم ایک بار پھر کرکٹ سے لطف اندوز ہو رہی ہے (ویسے اس میں بھی قوم پرستی ہو رہی ہے۔)

پہچان

معروف فیشن ڈیزائنر محمود بھٹی جو کہ بین الاقوامی شہرت رکھنے کے ساتھ ساتھ صدارتی تمغہ حسن کارکردگی بھی حاصل کر چکے ہیں، کہتے ہیں کہ پاکستان میری پہچان ہے۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں۔ اس ملک کی وجہ سے ہوں، پاکستان میں فیشن کے فروغ کے ساتھ ساتھ انسانیت کی خدمت کے لیے بھی کام کر رہا ہوں (کہیں یہ خدمت میرا جی کی طرح تو نہیں ہے؟) لاہور میں چار سو (ہیں... چار... سو؟) کمروں پر مشتمل ایک اسپتال بنایا ہے (اس اسپتال کا نام تو بتا دیتے، یا ابھی رکھا ہی نہیں... بھئی نام) میڈیکل اور فیشن یونیورسٹی بھی بنا رہا ہوں۔ جہاں پر نیا ٹیلنٹ سامنے آئے گا (کیا اس میڈیکل یونیورسٹی میں عام لوگوں کو داخلہ مل جائے گا یا...؟) پاکستان میں ٹیلنٹ کی کوئی کمی نہیں ہے لیکن اس ٹیلنٹ کو چانس ملنا بہت ضروری ہے۔

(پر یہ چانس دے گا کون...؟) صرف باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ جب میں پاکستان سے فرانس گیا تھا تو انتہائی بے سروسامانی کا عالم تھا لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی محنت سے یہ مقام حاصل کیا۔

منافقت

اداکارہ شبنم آج کل پاکستان آئی ہوئی ہیں (کیا اب پھر پاکستان کی مدد کی ضرورت ہے شبنم!) یہ وہی شبنم ہیں جنہوں نے سالوں پاکستان کی فلم انڈسٹری پر راج کیا اور پھر جب انہوں نے دیکھا کہ اب ان کے لیے پاکستان میں کچھ نہیں رہا تو وہ اپنے موسیقار شوہر روبن گھوش کے ساتھ بنگلہ دیش چلی گئیں اور وہاں جا کر

پاکستان کی برائیاں کرنے لگیں (لیکن اس کے باوجود بنگلہ دیش میں انہیں کام نہیں ملا) اب شبنم پھر پاکستان کام کی تلاش میں آگئی ہیں اور کہتی ہیں کہ "شوہر کے بغیر خود کو نامکمل سمجھتی ہوں (ہم اب نہیں کہا رہے۔ بھئی ترس اور کیا۔۔۔؟) پاکستان میرے ملک کی طرح ہے (منافقت) وقت کے ساتھ ساتھ خوب صورت ہوتا جارہا ہے (میرا ارض وطن ہمیشہ سے ہی بہت خوب صورت ہے۔ انہیں کام کی ضرورت پڑی تو اب نظر آرہا ہے۔) شبنم کا کہنا ہے کہ بنگلہ دیش میں نہ بھارتی فلمیں لگتی ہیں نہ پاکستانی (ہیں۔۔۔! بھارتی بھی نہیں جب کہ۔۔۔!) اس لیے پاکستانی فلمیں نہیں دیکھ پاتی (نیٹ تو ہوگا ناں آپ کے پاس تو۔۔۔؟) اس لیے ان سے متعلق کچھ زیادہ علم نہیں۔" (ہونا بھی نہیں چاہیے۔)

عدنان ملک کی دال

عدنان ملک ٹی وی اشتہارات اور دستاویزی فلموں کی ہدایت کے بعد ماڈلنگ سے ٹی وی کی طرف آئے اور اب مزید ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے بالآخر فلم تک پہنچ گئے۔ عدنان ملک اس بارے میں کہتے ہیں کہ "جی میں اپنی پہلی فلم میں اداکاری کے جوہر دکھا رہا ہوں۔ میری فلم "کیک" کی شوٹنگ کا آغاز ہوچکا ہے۔ میری یہ فلم محبت ہے۔"

فلم کیک میں عدنان کے ساتھ ایک نہیں دو دو ہیروئنیں ہیں (کسی کو ایک نہیں ملتی آپ کو دو دو۔۔۔ بھئی ہیروئنز) جی صنم سعید اور آمنہ شیخ موجود ہوں گی (عدنان ان کی موجودگی میں آپ کی دال۔۔۔ کیا گلے گی؟)

کچھ اِدھر اُدھر سے

☆ کہتے ہیں وکیل، ناگ اور سودی کا ڈسا پانی نہیں مانگتا۔ پابلو نرودا کے الفاظ میں اس سے وعدہ کرتے ہیں کہ میں تمہارے لیے پہاڑوں سے مسکراتے ہوئے پھول، نیلے سوسن، گہری دھند، چاندنی، آبشار اور بہاس سے بھری ٹوکریاں لاؤں گا اور وہ سب کچھ کروں گا۔ جو بہار چیری کے درختوں کے ساتھ کرتی ہے لیکن جب مقدمہ الٹنے لگے تو نعیم بخاری کی طرح لمبے لمبے دانت نکال کر کہہ دیتے ہیں کہ مقدمہ وکیل نہیں ہارتا، موکل ہارتا ہے۔" تب موکل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ شادی کرسکتا ہے نہ کنوارا رہ سکتا ہے کہ ناکامی شوق یا کامیابی، دونوں کا حاصل خانہ خرابی۔ (امت رپورٹ)

☆ سیاست کے سینے میں دل پہلے سے نہیں تھا۔ لیکن جب سے پی ٹی آئی میدان میں آئی ہے۔ اب کی آنکھ میں شرم اور حیا بھی نہیں رہی (سلیم صافی۔ جرگہ)

☆ پہلے جو شخص کسی بھی محفل کے چند افراد کو بور کرکے فارغ ہو جاتا تھا۔ اب وہ ان چینلز کے ذریعے سے "دکھو کھا" ناظرین کو بیک وقت بور کرنے کی استعداد حاصل کرچکا ہے۔ یوں اس کا دائرہ کار بڑھتا ہی جارہا ہے اور ظاہر ہے کہ متاثرین کی تعداد بھی قابو سے باہر ہوتی جارہی ہے۔

(احمد حاطب صدیقی۔۔۔ زیر و زبر)

☆

آپ کا باورچی خانہ

اقراج چوہان

س۔ کھانا پکاتے ہوئے آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟

ج۔ میں نے ایف ایس سی کے بعد ابھی نیا نیا کھانا پکانا اسٹارٹ کیا ہے اس لیے کوشش ہوتی ہے کہ کوئی ایسی ڈش بناؤں جو سب برداشت کرلیں۔

ویسے ہمارے گھر میں بیک وقت سب کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ جو چیز ایک کو پسند ہوتی ہے وہ دوسرے کو ناپسند۔ اس لیے ہماری امی جان سب کی پسند ناپسند کو نظرانداز کرکے وہی چیز بنالیتی ہیں جو "بابا" لے آتے ہیں۔ اور ہمارے پوچھنے پر۔

"امی! کیا اچھا بنا رہی ہیں؟ بھوک لگی ہے کیا کھلا رہی ہیں؟" تو جواب موصول ہوتا ہے۔ "جو پکا ہے وہ سامنے آجائے گا۔" اور جو کچھ سامنے آتا ہے اس میں کبھی گوشت تو کبھی سبزی، کبھی دال اور کبھی مچھلی غرضیکہ سب ہی کچھ شامل ہوتا ہے جس سے ہوتا یہ ہے کہ بھرپور غذائیت مل جاتی ہے اور صحت جو کہ دروازے پر ہی کھڑی ہوتی ہے۔ غذائیت کے بلانے پر فوراً" ہی چلی آتی ہے۔

س۔ کھانے کا وقت ہے۔ اچانک مہمان آجائیں تو کسی ایسی ڈش کی ترکیب جو فوری تیار کرکے پیش کرسکیں۔

ج۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ مہمان بغیر اطلاع دیے کھانے کے وقت پہنچ جائیں لیکن جب ایسا ہوتا ہے تو ہم دونوں بہنوں اور ہماری اماں جان کی کو ئیک سروس سے کسی بھی مشکل ڈش کو کم وقت میں آسانی سے تیار کرلیا جاتا ہے اور باقی مدد پریشر ککر سے لے جاتی ہے۔ لیکن مہمانوں کی اچانک آمد کا فوری حل وائٹ میٹ یعنی مرغی یا مچھلی ہے۔ (ان بہنوں کے لیے جو ہماری طرح پھرتی نہ دکھاسکیں)

چکن کڑاہی کی ترکیب حاضر خدمت ہے۔

ضروری اجزا :

مرغی (ہول نارمل سائز)	آدھا کلو
ٹماٹر	آدھا پاؤ
لہسن اورک کا پیسٹ	دو چمچے
کٹی ہوئی لال مرچ	ایک چمچہ
سوکھی میتھی	ایک چمچہ
ہلدی	آدھا چمچہ
پسا ہوا دھنیا	ایک چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھا پاؤ
بڑی ہری مرچ	چھ عدد

ترکیب :

سب سے پہلے مرغی دھوکر آدھی پیالی پانی ڈال کر ابال لیں اور ساتھ میں لہسن ادرک کا پیسٹ اور سارے سوکھے مسالے ڈال کر گلنے کے لیے چھوڑ دیں۔

ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں اور اس میں کٹے ہوئے ٹماٹر ڈال کر گلائیں اور جب وہ پیسٹ کی شکل اختیار کرلے تو اس میں مرغی شامل کرکے چمچے سے اچھی طرح ملائیں۔ اوپر سے سوکھی میتھی اور بڑی والی ہری مرچ ڈال دیں اور تیل کے اوپر آنے تک چولہا دھیمی آنچ پر رکھ چھوڑیں۔ اس کے بعد پراٹھوں کے ساتھ سرو کریں۔ مزیدار چکن کڑاہی آدھے گھنٹے میں تیار ہے۔

س۔ کچن عورت کے سلیقے کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ آپ کچن کی صفائی کا کتنا خیال رکھتی ہیں؟

ج۔ روزمرہ کچن کی صفائی میں برتنوں کی دھلائی ہے جو کہ ہاتھ کے ہاتھ کرلی جاتی ہے اور صبح کے وقت برتنوں کی دھلائی کے بعد فرش کو سرف یا ایریل سے

چمکایا جاتا ہے تو پورا دن دھونے کی نوبت نہیں آتی یا پھر وقتاً" فوقتاً" ضرورت کے مطابق وائپر نگ کرلی جاتی ہے۔ اور اسی طرح کچن کاؤنٹر بھی صاف ہوتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ چولہے کی صفائی بھی روز کا معمول ہے۔ غرض یہ کہ ہم کچن کا "اونچا پانچا" (ہماری امی جان کی خاص اصطلاح جو کہ انہیں ورثے میں ملی ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کے ٹھکانے پر رکھنا) کرتے رہتے ہیں۔ آپ "تیا پانچا" نہ سمجھ لیجئے گا۔ اور کچن کی تفصیلی صفائی ہم دونوں بہنوں کی فراغت پر منحصر ہے لیکن عید بقرعید اور خصوصاً" بڑی پھپو کی آمد سے پہلے کچن کی صفائی ہم ضرور کرتے ہیں۔ جس میں پورے کچن کو خالی کرکے حتی کہ مسالوں کے ڈبوں اور بوتلوں کو دھو کر خوب چمکایا جاتا ہے۔ کیبنٹ' نل اور ساتھ ہی میں برتن سکھانے کے اسٹینڈ کے اسکرو کھول کر دھویا جاتا ہے۔ اور کچن کو نئے سرے سے آراستہ کیا جاتا ہے۔

س۔ صبح ناشتے میں آپ کیا بناتی ہیں؟ کسی ایسی چیز کی ترکیب جو آپ اچھی بناتی ہیں۔

ج۔ ہمارے یہاں صبح کا ناشتا انتہائی سادہ ہوتا ہے۔ گھر کے سب لوگ دودھ یا چائے کے ایک کپ کے ساتھ پاپے یا سلائس کھانے کے عادی ہیں اور جب دل کہتا ہے کہ اب کچھ چینج ہونا چاہیے تو منے بھائی کی حلوہ پوری زندہ باد۔ جو پھپھو وغیرہ کی آمد پر بھی منگائی جاتی ہے۔ اس پر بھی انعم (میری نالائق بہن) یہ کہتی ہے کہ صبح کا ناشتا مجھے بنانا پڑتا ہے۔

س۔ آپ مہینے میں کتنی بار کھانا کھانے باہر جاتی ہیں؟

ج۔ ہماری فیملی سال میں عید کی شاپنگ کے لیے ایک ساتھ صرف ایک مرتبہ جاتی ہے تو ہم لوگ صدر میں موجود Jan's کے بروسٹ کو انجوائے کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انعم کا بورڈ کا رزلٹ (جو کہ ہمیشہ اچھا ہوتا ہے) ہمارے باہر کھانے کا باعث بنتا ہے۔

س۔ ڈش کا انتخاب کرتے ہوئے موسم کا کتنا خیال رکھتی ہیں؟

ج۔ ہر موسم میں ہر ڈش کا انتخاب موسم کی مناسبت سے نہیں ہوتا۔ لیکن جب بارش ہو رہی ہوتی ہے تو ہمارا دل پکوڑوں اور خاص طور پر آلو کے پراٹھوں کے لیے مچلنے لگتا ہے اور ہوتا یہ ہے کہ ہم صحن میں بارش انجوائے کر رہے ہوتے ہیں اور ہماری پیاری ماما کچن میں ہماری انجوائے منٹ کا سامان کر رہی ہوتی ہیں' وہ بھی گیس لیمپ کی روشنی میں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ واپڈا والے موسم کو انجوائے کرنے کے بجائے بجلی معطل کرکے سو جاتے ہیں کہ بارش ختم ہونے کے بعد بھی کھولنے کا خیال نہیں آتا۔

س۔ کھانا پکانے میں کتنی محنت کی قائل ہیں؟

ج۔ کھانا پکاتے ہوئے میں بھرپور محنت (توجہ) کی قائل ہوں۔ درحقیقت میں کھانا صرف اسی وقت بناتی ہوں جب میرا موڈ ہوتا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ میں بھرپور محنت کرسکوں گی اور اس کے لیے میں ٹائم کی بھی پرواہ نہیں کرتی کیونکہ اگر کھانا اچھا ہوتا ہے تو سب لوگ شوق سے کھاتے ہیں اور اسی حساب سے تعریفیں بھی موصول ہوتی ہیں (اور میرے پاپا تو دس روپے انعام بھی دیتے ہیں) جو کہ مجھ میں نیکسٹ ٹائم تک کے لیے انرجی بھر دیتے ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ سب کی کی گئی تعریفوں سے تھکن دور ہو جاتی ہے' ہاں البتہ آپ کی محنت کا صلہ مل جاتا ہے۔ گھر والے بھی خوش' آپ بھی خوش۔

س۔ کچن کی ٹپ؟

ج۔ ٹپ آف دی کچن یہ ہے کہ آپ چینی کو چیونٹیوں سے بچانے کے لیے دو چار لونگیں برنی میں ڈال دیں تو آپ دیکھیں گی کہ چیونٹیاں دم دبا کر بھاگ جائیں گی۔ ارے چیونٹیوں کی تو دم ہی نہیں ہوتی۔ دم ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ آپ اس بحث کو چھوڑ کر آپ آزمائیں' آزمودہ ٹپ ہے۔

بقیہ قدسیہ اشفاق

ایڈیٹوریل میں اس افسانے کی بہت تعریف کی تھی۔ جس سے مجھ جیسے چھوٹے بندے کو بہت حوصلہ ملا۔"

س : "اٹلی سے واپسی پر آپ نے کیا کیا کام کیے؟"
ج : "اٹلی سے واپسی پر میں نے "داستان گو" کے نام سے ایک پرچا نکالا۔ برانڈرتھ روڈ پر ٹائٹل چھاپنے کا کام کیا۔ پھر مجھے "لیل و نہار" میں جانے کی ہدایت ملی۔ مگر میں نے وہاں زیادہ عرصہ کام نہیں کیا۔ کیونکہ ایڈیٹوریل لکھنا مجھے فضول سا کام لگتا تھا۔ ۲۳ سال میں نے اردو سائنس بورڈ میں گزارے یعنی ساری عمر ہی کٹ گئی۔"

س : "اور۔۔۔؟"
ج : "اور یہ کہ آج کل آپ ٹی وی سے "زاویہ" پروگرام بھی دیکھ رہی ہوں گی۔ اور بھی بے شمار کام کرتا ہوں۔"

س : "آپ کے تین بیٹے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟"
ج : "بڑا بیٹا امریکہ میں ایک یونیورسٹی میں پڑھاتا ہے۔ دوسرا فارماسوٹیکل کمپنی میں ملازم ہے۔ تیسرا بینکر ہے۔"

س : "کیا وجہ ہے کہ کوئی ادب کی طرف نہیں آیا۔ جب کہ والد اور والدہ دونوں اس فیلڈ میں تھے؟"
ج : "یہ ان کی اپنی مرضی ہے' کوئی بھی ادب کی طرف نہیں آیا۔ نہ ہم نے کچھ بننے کے لیے مجبور کیا' جو نصیب میں تھا بن گئے۔"

س : "بچوں کے تعلقات آپ کے ساتھ کیسے ہیں؟"

ج : "بہت اچھے' لیکن ماں سے زیادہ قریب ہیں۔"
س : "آپ کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھتے ہوں گے اور ڈرامے بھی شوق سے دیکھتے ہوں گے؟"
ج : "(بانو قدسیہ نے جواب دیا) کوئی خاص نہیں۔ انہیں تو ہماری کتابوں کے نام بھی نہیں آتے۔ اور وہ ہمارے ڈرامے بھی نہیں دیکھتے۔"

س : "آپ کے بڑا آدمی ہونے پر انہیں فخر تو ہو گا؟"

ج : (بانو قدسیہ) "بالکل نہیں۔ انہیں ہمارے ادیب یا بڑا آدمی ہونے پر فخر نہیں بلکہ اچھی ماں ہونے پر انہیں فخر ہے اور وہ مجھے گھریلو عورت اور ماں کے روپ میں بہت پسند کرتے ہیں اور کچھ نہیں۔"
س : "گھر میں کتنے افراد رہتے ہیں؟"
ج : "(اشفاق احمد) کھانے کے ٹائم اٹھارہ بیس افراد ہوتے ہیں۔ لنگر والا حساب ہے' لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔"
س : "اتنا خرچا کیسے پورا ہوتا ہے جبکہ بانو آپا کہتی ہیں کہ وہ سوکن سے علیحدہ رہتی ہیں۔ میرا مطلب ہے وہ ان کے ساتھ نہیں رہتیں؟"
ج : "یہ تو اللہ تعالیٰ کے کام ہیں کہ ہم اتنے لوگوں کو کیسے کھانا کھلاتے ہیں۔ یہ ایک راز ہے۔ ہم نہیں' اللہ تعالیٰ کی ذات کھلانے والی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ گورنمنٹ نے شاید مجھے پلاٹ دے رکھے ہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں نے کبھی کسی سے مراعات نہیں لیں۔ انسان کسی کو نہیں کھلاتا' اوپر والا کھلاتا ہے اور وہی ہمارا لنگر چلا رہا ہے۔ کسی دن یہ حقیقت آپ کی سمجھ میں آجائے گی۔"
س : "بیٹے مالی معاونت کرتے ہوں گے؟"
ج : (قہقہہ) "بالکل نہیں۔ میں کبھی ان سے کچھ نہیں لیتا۔ ہاں یاد آیا' ایک مرتبہ دودھ والے کو پیسے دینے تھے۔ بہتر روپے کم تھے۔ تب ایک بیٹے سے لے کر دودھ والے کو دیے تھے۔ بس وہی بہتر روپے لیے تھے' اس سے پہلے اور بعد میں کچھ نہیں لیا۔"
س : "پھر تو آپ نے بہتر روپے واپس بھی کر دیے ہوں گے؟"
ج : "نہیں' واپس نہیں کیے تھے۔"
س : "ہمارا آپا جی کی اچھی اور بری دونوں عادتوں کے بارے میں بتائیں؟"
ج : "ان میں بڑی خوبیاں ہیں۔ میرے بڑے بھائی

کہا کرتے ہیں کہ یہ جو تمہاری بیوی ہے' وہ بیچاری بیوی تھوڑی ہے۔ اس نے کبھی تمہیں تنگی ہی نہیں دی۔ تمہیں تو بیوی کے ساتھ گلے ہی نہیں۔ جو کہتے ہو' چپ چاپ ہاں کہہ دیتی ہے' انکار ہی نہیں کرتی۔ تمہاری کسی بات پر اختلاف نہیں کرتی۔ کبھی کسی فیصلے پر احتجاج نہیں کیا۔ بس یہی بانو کی خوبیاں

ہیں اور رہی بری عادتوں کی بات تو وہ بھی کوئی خاص نہیں۔ ایک آدھ بات پر مجھے اختلاف ہوتا ہے۔ ڈبوں کے ڈھکن ٹھیک سے بند نہیں کرتیں۔ ٹوکتا ہوں تو کہتی ہیں۔ آپ یقین کریں اپنی طرف سے تو میں پوری طرح ڈھکنا لگاتی ہوں مگر وہ پھر بھی ڈھیلا رہ جاتا ہے اور ہاں' ایک بات اور۔ گندے میلے کاغذوں پر افسانے لکھنے بیٹھ جاتی ہیں۔ مثلاً" (قہقہہ) جس لفافے میں مٹھائی یا کوئی دوسری چیز آتی ہے' اس پر لکھنے لگتی ہیں تو میں ان سے کہتا ہوں۔ بھئی خراب اور میلے کچیلے کاغذات پر کیوں لکھتی ہو' صاف ستھرے کاغذ پر اچھے سے قلم سے لکھو۔"

س : "سالگرہ مناتے ہیں؟"

ج : "میں تو نہیں مناتا' دوست احباب کہتے ہیں کہ تمہاری سالگرہ دھوم دھام سے منائیں گے۔ پہلے کہتے تھے جب ساٹھ سال کے ہو جاؤ گے تو منائیں گے۔ پھر کہنے لگے۔ نہیں' جب آپ پینسٹھ سال کے ہو جاؤ گے تو پھر سالگرہ کا اہتمام کریں گے۔ اب ستر کی بات کرتے ہیں۔ لگتا ہے انہیں میری صحت بہت اچھی محسوس ہوتی ہے' حالانکہ اب اتنی بھی اچھی نہیں ہے۔"

بانو قدسیہ "میں سالگرہ وغیرہ پر یقین نہیں رکھتی' فضول رسمیں میں نہیں مناتی۔"

س : اشفاق احمد صاحب "آپ کے نزدیک عشق و محبت کیا ہے؟"

ج : "یہ ایک نارمل زندگی کا بہت اہم حصہ ہے۔ ہر انسان محبت کرتا ہے' اگر وہ محبت نہ کرے تو مکمل نہیں ہوتا۔"

س : "سب سے پیاری چیز؟"

ج : "مجھے اولاد بڑی پیاری لگتی ہے۔ حالانکہ قرآن میں ہے کہ تمہاری اولاد اور تمہارا مال تمہارے لیے آزمائش ہیں' پھر بھی اولاد سے پیار ہے' بے تحاشا۔"

س : "زندگی اور موت کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

ج : "زندگی سے تو سب کو ہی پیار ہوتا ہے۔ ہمیں بھی ہے اور موت کے برحق ہونے کے باوجود اس سے خوف آتا ہے۔"

س : "زندگی سے کیا سبق سیکھا ہے؟"

ج : "انسان کو کامیابی کا سوچے بغیر بے حساب محنت کرنی چاہیے۔ صلہ تو بہرحال اللہ تعالیٰ نے دینا ہوتا ہے۔"

س : "آپ کی اصل تفریح کیا ہے؟"

ج : "لوگوں سے باتیں کرنا۔"

س : "آپ کو حقیقی خوشی کب ملتی ہے؟"

ج : "میں بہت چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوش ہوتا

ہوں۔ کوئی بڑا انعام اتنی خوشی نہیں دے سکتا جتنا بعض اوقات معمولی چیزوں سے خوشیاں ملتی ہیں۔ جیسا کہ میں نے بچپن میں جوتوں کے پیچھے پھرنے کا ذکر کیا تھا۔ اس طرح مجھے پرندے بھی اچھے لگتے ہیں۔ میں اس موضوع پر ایک سیریل لکھوں گا جس کا تعلق انسانی خوشیوں سے ہو۔"

س : "کبھی رشوت دے کر یا سفارش کروا کے کوئی کام نکلوایا؟"

ج : "ضرورت نہیں پڑی۔ اس کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ کام کر دیتا ہے۔"

س : "آپ کا مشن کیا ہے؟"

ج : "ہم دونوں میاں بیوی کا مشن ہے 'دوستیاں کروانے کا' رشتے یا تعلق جوڑنے کا جبکہ اخبار چٹ پٹے کے لیے تعلق توڑتا ہے اور دوستیاں دشمنیوں میں بدل دیتا ہے۔"

س : "صحافیوں کے ساتھ آپ دونوں کے تعلقات؟"

ج : "بہت اچھے ہیں۔"

(بانو قدسیہ) "موجودہ دور کا انسان کانوں سنی اڑا دیتا ہے۔ حالانکہ کانوں سنی پر اعتبار کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ آنکھوں دیکھی کہی اور لکھی جائے۔ آج اخبار میں کوئی خبر شائع ہوتی ہے پھر وہی خبر دوسرے بھی بغیر تصدیق کیے شائع کر دیتے ہیں۔ یہ غیر ذمہ دارانہ صحافت ہے 'ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"

س : "پوتے پوتیوں سے تعلقات کیسے ہیں؟"

ج : (اشفاق احمد) "بہت اچھے۔ میرے گرد گھومتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ دادا شارٹ اسٹوری بتائیں' کیسے لکھتے ہیں۔ یہ مطلب نئی نسل کا رجحان ہے۔ وہ پڑھتے بھی ہیں' سمجھتے بھی ہیں اور سوال بھی کرتے ہیں۔"

س : "کیا موجودہ ڈرامے زوال پذیر ہیں؟"

ج : "جی ہاں' آج کل جو پیش کیا جاتا ہے' اس کا حقیقت سے زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔ جیسے زمینداروں کا ظلم اور عورتوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں پر تو ڈرامے بنائے جا رہے ہیں۔ اپنی قوم کے جو اصل مسائل ہیں' ان پر قلم نہیں اٹھایا جا رہا۔ گلیمر سے پیٹ نہیں بھرتا اور یہ کہ اصل مسائل میں عزت نفس ہے جو اس قوم سے چھین لی گئی ہے۔"

س : "آپ نے پہلا کام جو بھی کیا' اس کا کتنا چیک ملا تھا؟"

ج : "دوران تعلیم ریڈیو پر اسکرپٹ رائٹر کی حیثیت سے کام کرتا تھا جس کی مجھے اسی روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اس وقت میں گورنمنٹ کالج میں پڑھتا تھا اور میری تین ماہ کی فیس ستائیس روپے دس آنے تھی۔"

س : "پہننے اوڑھنے کا بتائیں؟"

ج : "میں اعلا درجے کے تھری پیس پہنتا تھا' نکٹائی کے ساتھ۔ یعنی آج سے مختلف۔"

س : "گھریلو زندگی میں والدین کے رتبے کے بارے میں بتائیں؟"

ج : "دونوں کا رتبہ برابر نہیں ہے۔ اسلام نہیں کہتا کہ عورت کا رتبہ زیادہ ہے۔ وہ نو مہینے تکلیف اگر برداشت کرتی ہے' تب بھی نہیں۔ جو باہر دھوپ میں چھ سات سال سے ٹھیلا لگائے کھڑا ہے' وہ زیادہ مشقت والی زندگی گزارتا ہے۔ نو مہینے کی تکلیف سے بھی زیادہ تو اس لیے اس کا مرتبہ اور رتبہ زیادہ ہے۔"

س : "مجھے آپ سے اختلاف ہے۔ میں مرد' عورت کی تو بات ہی نہیں کر رہی۔ ماں کی بات کر رہی ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے باپ سے زیادہ رتبہ دیا ہے۔ یہ قدرت کا فیصلہ ہے۔ ہاں مرد کا رتبہ عورت سے زیادہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ گھر چلانے کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے۔"

ج : "اگر قرآن میں ماں کا رتبہ زیادہ لکھا ہوا ہے تو آپ ہی ٹھیک کہتی ہیں۔ میں اپنی غلطی مان لیتا ہوں اور اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں کیونکہ قرآن کا لکھا کسی صورت بھی غلط نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے فراخ دلی سے اعتراف کیا۔ اس کے ساتھ ہی ہمارا انٹرویو اختتام پذیر ہوا۔"

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

زعفرانی پسندے شوربے دار

ضروری اجزا:

پسندے	آدھا کلو
دہی	ایک کپ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
گرم مسالا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
زعفران	آدھا چائے کا چمچہ
پیاز	دو عدد
پسا ہوا پپیتا	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچیں	چار عدد
پسا ہوا لہسن	ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی ادرک	ایک چائے کا چمچہ
تیل	ایک چوتھائی کپ
مونگ پھلی	ایک کھانے کا چمچہ

ناریل (پسا ہوا) ایک کھانے کا چمچہ
تل (بھون کر پیس لیں) ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

پسندوں میں نمک، پسا ہوا لہسن، پسی ہوئی ادرک، پپیتا اور لیموں کا رس لگا کر دو گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔
پتیلی میں تیل گرم کر کے باریک کٹی ہری مرچیں ڈال دیں۔ ایک منٹ بعد اس میں پسندے مع مسالے کے ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ اب اس میں دہی، سنہری تلی پیاز (کوٹ کر) لال مرچ پاؤڈر، مونگ پھلی، ناریل، تل اور گرم مسالا پاؤڈر ڈالیں۔ پانچ منٹ دم پر رکھیں۔ نان کے ساتھ پیش کریں۔

چکن منچورین

اجزا :

چکن	آدھا کلو
کارن فلور	چار کھانے کے چمچے
انڈا	ایک عدد
لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
چلی ساس	آدھا کپ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ	دو چائے کے چمچے
پسی سیاہ مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
پسی سرخ مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
یخنی	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

ہڈیاں الگ کر کے چکن کو چوکور بوٹیوں کی شکل میں کاٹ لیں۔ انڈا پھینٹ کر اس میں نمک، سیاہ مرچ اور کارن فلور ملا کر پیسٹ بنا لیں۔ بوٹیوں کو اس آمیزے میں ڈبو کر گرم تیل میں فرائی کر لیں۔ پھر ٹشو پیپر پر نکال لیں۔ دوسرے ساس پین میں تیل گرم کر کے لہسن پیسٹ ڈال کر فرائی کریں۔ پھر بقیہ تمام اجزا ڈال کر گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ یخنی کی جگہ پانی بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ڈش میں فرائی کیا ہوا چکن نکالیں اور اس پر یہ سارا آمیزہ ڈال دیں۔ فرائیڈ رائس کے ساتھ پیش کریں۔

ف۔ کراچی

ج۔ اچھی بہن! مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے تینوں بھائی خودغرض اور بے حس ہیں' انہیں صرف اپنی فکر ہے۔ ماں اور بہن کی کوئی پروا نہیں۔ ایک نشہ میں ڈوبا دین و دنیا سے بے نیاز ہے۔ دوسرے بھائی کو اپنا بدلہ یاد آرہا ہے کہ خالہ نے اسے رشتہ نہیں دیا تھا۔ اس کا اپنا گھر نہیں بس سکا۔ تو اب بہن کا گھر بھی نہیں بسنے دینا چاہتا اور تیسرا بھائی اپنی شادی کے چکر میں ہے۔

آپ اس فکر میں مبتلا ہیں کہ کل کو کوئی بات ہوئی تو بھائی آپ کو پوچھیں گے بھی نہیں..... جبکہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ وہ اب بھی آپ کو نہیں پوچھتے۔ آپ کی بہن کے سر پر باپ کا سایہ نہیں۔ والدہ شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کی مریض ہیں۔ اگر خدانخواستہ آپ کی والدہ کو کچھ ہو گیا تو یہ خودغرض بھائی آپ کی بہن کا کیا حشر کریں گے۔ یہ سوچا ہے آپ نے؟

باوجود اس کے کہ آپ کی بہن خوش شکل اور تعلیم یافتہ ہے' ابھی تک اس کا کوئی رشتہ نہیں آیا ہے۔ نہ ہی خاندان میں سے کسی نے پوچھا ہے' ممکن ہے اس کی وجہ آپ کے بھائیوں کے بداطوار ہوں۔

آپ کی خالہ بہن کا رشتہ لینا چاہتی ہیں تو آپ کی والدہ کو سنجیدگی سے سوچنا چاہیے۔ لڑکے کا چال چلن ٹھیک ہے اور وہ کسی بری لت یا عادت میں مبتلا نہیں ہے تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کی والدہ کی زندگی میں بہن اپنے گھر کی ہو جائے' پھر ایک اچھی بات یہ بھی ہے کہ لڑکا آپ کی بہن کو پسند بھی کرتا ہے۔

آپ ہمت کریں اور اپنی والدہ کو بھی حوصلہ دلائیں۔ اپنے شوہر کو بھی اعتماد میں لے سکتی ہیں۔ والدہ اپنے کچھ سسرالی اور میکے کے رشتہ داروں کو بلائیں اور سادگی سے نکاح کرکے اپنی بیٹی کو رخصت کردیں۔

باقی رہے خاندان والوں کے طعنے کہ خالہ نے رشتہ نہیں دیا' آپ نے دے دیا' یہ فضول باتیں ہیں' لوگ تو کچھ نہ کچھ کہتے ہی رہتے ہیں۔

رحمہ آفتاب۔ میرپور

میری بڑی بہن کی منگنی سات سال پہلے خالہ زاد سے ہوئی تھی۔ اب ان کی عمر پچیس سال ہے۔ ان کا منگیتر اس منگنی سے بہت خوش تھا۔ منگنی کے دو ماہ بعد وہ پڑھنے کے لیے انگلینڈ چلا گیا۔ سات سال ہو گئے ہیں۔ مگر ان لوگوں کا شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔ وہ اس عرصے میں دوبار پاکستان آیا مگر ہمارے گھر والوں سے کوئی رابطہ نہ کیا۔

لگتا ہے اس نے باہر شادی کرلی ہے۔ خالہ نہ جواب دیتی ہیں نہ شادی کرتی ہیں۔ رشتہ ختم کرنے کا بولو تو رونے بیٹھ جاتی ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اب جب میرا کوئی رشتہ آتا ہے تو میری بہن کو دورہ پڑ جاتا ہے۔ مہمانوں کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے۔ ایسا چار بار ہو چکا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ بہن نہیں چاہتیں کہ میرا کہیں رشتہ ہو۔ جب کہ ہم سب گھر والے خلوص دل سے ان کا گھر بسانا چاہتے ہیں۔ مگر خالہ زاد کی طرف سے سرد مہری ہے۔ مشورہ دیں کہ کیا کریں۔ میری عمر انیس سال ہے۔

ج۔ عزیز بہن! سات سال بہت ہوتے ہیں۔ آپ کے گھر والے مزید کتنا انتظار کرنا چاہتے ہیں؟ خالہ کے رونے دھونے کی پروا نہ کریں۔ آپ کے گھر والے ان سے کہیں کہ وہ صاف جواب دیں ان کے کیا ارادے ہیں؟ اگر وہ ٹال مٹول سے کام لیں تو یہ رشتہ ختم کرکے بہن کے لیے دوسرا رشتہ تلاش کریں۔ یاد رکھیں کہ لڑکی کے لیے عمر کا فیکٹر بہت اہم ہے۔ عمر زیادہ ہو جائے تو اچھا رشتہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔

آپ کا اپنا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ آپ کے گھر والوں کو اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ آپ کی بہن کو

سمجھانے کی ضرورت ہے اور یہ کام صرف آپ کی والدہ کر سکتی ہیں۔ انہیں سمجھائیں کہ وہ ہمت اور برداشت سے کام لیں' خود کو سنبھالیں۔ اس طرح آپ کے رشتہ کو روک کر وہ گھر والوں کے لیے مسائل کھڑے کر رہی ہیں۔
بہرحال آپ کے گھر والوں کو بہن کے اور آپ کے سلسلے میں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہیے۔

بشریٰ ممتاز۔ لاہور

میں بارہ سال کے دو جڑواں بیٹوں کی ماں ہوں۔ میرے شوہر کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ وہ ایک شہرت یافتہ اور معزز وکیل تھے۔ میں بھی پریکٹس کرتی ہوں۔ دوران تعلیم ہماری ملاقات ہوئی تھی اور چار سالہ محبت کے بعد ہم نے شادی کرلی۔ ان کا تعلق گاؤں سے تھا۔ شادی میں ان کی فیملی بھی شریک تھی۔ میں کبھی ان کے گاؤں گئی نہ انہوں نے کبھی کہا۔ ان کے بہن بھائی اکثر ہمارے ہاں آتے رہتے تھے۔ ان کی وفات پر ایک خاتون بھی آئی تھیں۔ جن کے بارے میں مجھے پتا چلا کہ وہ میرے شوہر کی پہلی بیوی ہیں۔
عدنان بھائی! یقین جانیں اس غم سے میں بیمار ہوگئی کہ میں اپنے شوہر کی دوسری بیوی ہوں۔ اگر مجھے پتا ہوتا تو میں محبت کے باوجود ان سے شادی نہ کرتی۔ اس بات کا بہت صدمہ ہے کہ انہوں نے اتنے سال مجھے دھوکے میں رکھا اور کیا خوب رکھا۔
مجھے دنیا کی ہر نعمت حاصل ہے۔ بیٹے اعلا اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں۔ میری نظروں کے سامنے بار بار ان کی بیٹی کا کملایا ہوا چہرہ آجاتا ہے جو گاؤں میں اپنی ماں کے ساتھ رہتی ہے اور جسے نہ تعلیم ملی نہ باپ کی محبت۔ میں ان جانے میں غاصب بن گئی ہوں اور خود کو ان دونوں کا مجرم سمجھتی ہوں۔ مجھے مشورہ دیں کہ میں کیا کروں۔ میں بہت ڈپریس ہوں۔
ج۔ بشریٰ بہن! آپ کے خیالات قابل قدر ہیں۔ ایک حساس اور تعلیم یافتہ انسان کی سوچ یہی ہونا چاہیے۔ آپ کا رنج فطری ہے۔ آپ کے شوہر کو آپ کو اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔ اور اپنی بیوی اور بیٹی کے حقوق انہیں دینا چاہیے تھے۔ بہرحال اب شوہر دنیا میں نہیں..... جو کچھ ہوا' اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ اس بچی کے مجرم آپ کے شوہر تھے جنہوں نے اپنے فرائض ادا نہیں کیے۔ آپ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے اپنے بیٹوں سے کہہ سکتی ہیں کہ اپنی بہن کا خیال رکھیں۔ ویسے بھی یہ ان کا فرض ہے اگر آپ کے شوہر نے ترکہ میں کوئی مکان' کیش یا جائیداد چھوڑی ہے تو شریعت کے مطابق جو ان کا حصہ بنتا ہے' ان کی پہلی بیوی اور بیٹی کو حصہ دیں اگر آپ نے ان کا حصہ نہ دیا تو آپ بھی گناہ گار ہوں گی۔

نگہت۔ کراچی

س۔ بچپن سے اب تک میرے ساتھ برا ہی ہوا ہے' مجھ سے کوئی پیار نہیں کرتا' مجھ پر توجہ نہیں دیتا' اسکول میں تھی تب بھی میں پڑھائی میں اچھی تھی۔ اچھے نمبر آتے تھے' لیکن تعریف ان لڑکیوں کی ہوتی تھی جو غیر نصابی سرگرمیوں میں' گیم میں اچھی تھیں' ٹیچرز بھی ان کو زیادہ اہمیت دیتی تھیں۔ گھر والوں نے بھی مجھے کبھی محبت کے قابل نہیں سمجھا۔ دوسرے بہن بھائی مجھ سے صورت شکل میں اچھے ہیں۔ میں بہت معمولی صورت کی ہوں۔ وہ سب خوب باتیں کرتے ہیں' جبکہ میں خاموش طبع ہوں۔ مجھے باتیں کرنا نہیں آتیں۔ شاید اسی لیے میری کوئی دوست بھی نہیں ہے۔ میں اب بی ایس سی فائنل میں ہوں۔
ج۔ اچھی بہن! آپ نے یہ تو لکھا ہے کہ آپ سے کوئی محبت نہیں کرتا آپ کو توجہ کے قابل نہیں سمجھتا لیکن یہ نہیں لکھا کہ آپ نے بھی کسی پر توجہ دی؟ کسی کا خیال رکھا؟ کسی سے محبت کی؟
آپ دوسروں کا خیال رکھیں' ان پر توجہ دیں' گھر والوں سے محبت کریں' آپ دیکھیں گی کہ سب کے رویے آپ کے ساتھ بدل جائیں گے۔

رحمت صبور

بیوٹی بکس

شاہدہ زیدی.... کراچی

س : میرے چہرے پر مہاسے بہت نکلتے تھے۔ اب مہاسے نکلنا تو کم ہو گئے ہیں لیکن چہرے پر ان کے داغ باقی ہیں۔ کبھی کبھی مہاسے بھی نکل آتے ہیں۔ میرا رنگ پہلے بہت گورا تھا۔ اب سنولا گیا ہے۔ جلد بھی مرجھائی ہوئی ہے۔

ج : آپ پریشان نہ ہوں۔ وقت گزرنے کے ساتھ مہاسوں کے نشان خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ مہاسوں کے لیے دودھ میں سکھائے ہوئے رائی کے دانوں کا پیسٹ بھی بہترین ہوا کرتا ہے۔ یہ پیسٹ بہت جلد مہاسوں کو سکھا کر خشک کر دیتا ہے۔

مہاسوں کے لیے ایک بہت آسان نسخہ یہ ہے۔

پہلے کسی میڈیکیٹڈ صابن سے چہرہ دھوئیں پھر چمچہ بھر لیموں کے رس میں ایک چمچہ عام شکر ملا کر اس سے آہستہ آہستہ اپنے چہرے پر مساج کریں اور اس وقت تک کرتی رہیں، جب تک چینی کا دانہ ختم نہ ہو جائے۔ اس عمل سے مہاسوں کے داغ ختم ہو جائیں گے اور مہاسے بھی خشک ہو جائیں گے۔

جلد کو نکھارنے کے لیے درج ذیل نسخہ استعمال کریں

دو عدد اخروٹ کی گری نکال کر پیس لیں۔ اس میں ایک چمچہ روغن بادام، ایک چمچہ دودھ اور ایک چمچہ عرق گلاب شامل کر کے پیسٹ بنالیں اور اس کو اپنے چہرے اور ہاتھوں پر لگائیں۔ خشک ہو جائے تو گرم پانی سے دھولیں۔

ثمینہ انجم.... سیالکوٹ

س : میرا قد پانچ فٹ دو انچ ہے۔ وزن 70 کلو گرام ہے، ڈائٹنگ کرتی ہوں تو تھوڑا سا فرق پڑتا ہے۔ پھر وزن معمول پر آجاتا ہے۔ پہلے بہت دبلی تھی، شادی اور بچوں کی پیدائش کے بعد وزن تیزی سے بڑھا ہے۔

ج : قد کے حساب سے آپ کا وزن بہت زیادہ ہے۔ وزن اگر تیزی سے کم کیا جائے تو چہرے پر جھریاں پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا آپ کو کافی عرصہ تک اپنی خوراک کو کنٹرول کرنا ہوگا۔

سب سے پہلے تو آپ بیکری کی بنی ہوئی اشیاء کیک، پیسٹری، پیٹیز، مٹھائی وغیرہ کو خیرباد کہہ دیں۔ چکنائی کا استعمال بالکل بند کر دیں۔ تازہ پھل اور سبزیاں استعمال کریں۔

سبزیاں، پھلوں سے زیادہ غذائیت رکھتی ہیں، خصوصاً" کچی سبزیاں کیونکہ بہت سے وٹامن پکانے میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ سبزیوں میں کیلوریز بہت کم ہوتی ہیں اور یہ پیٹ خوب بھر دیتی ہیں۔ لہٰذا گاجر، چقندر، کھیرا، ککڑی، ٹماٹر کو اپنی خوراک کا لازمی حصہ بنالیں۔ پھلوں اور سبزیوں کے ذریعے ڈائٹنگ کر کے آپ اپنا وزن کم کر سکتی ہیں۔

ناشتہ

کوئی بھی ایک پھل پیٹ بھر کر کھائیں۔ سیب، تربوز، موسمی یا کینو وغیرہ۔ مختلف اقسام کے پھل کھانے کے بجائے محض ایک ہی قسم کے پھل پر اکتفا کریں۔ چائے بغیر چینی کے استعمال کریں۔

رات کھانا

ایک پیالہ دال، ایک پلیٹ چاول کے ساتھ اور دو چپاتیاں، چکن یا مچھلی (پکانے میں چکنائی بہت کم استعمال کی گئی ہو) سبزی اور سلاد۔

اس ڈائٹنگ پروگرام کے ساتھ ساتھ روزانہ آدھا گھنٹہ پیدل ضرور چلیں۔

روزانہ صبح نہار منہ ایک گلاس نیم گرم پانی دو چمچہ شہد ملا کر پئیں۔

اگر آپ نے ان ہدایات پر عمل کیا تو ایک ہفتے میں دو سے چار کلو گرام وزن کم کر سکیں گی۔